اسلامی مضامین کا خوبصورت مجموعہ

شریعتِ اسلامیہ کے محاسن

حصہ دوم

مرتبہ

شیخ عمر فاروق

جامعہ تدبر القرآن
۱۵-بی - وحدت کالونی - لاہور

Marfat.com

شریعتِ اسلامیہ کے محاسن

(دوم)

شیخ عمرِ فاروق

جامعۃ تدبر القرآن

15-بی وحدت کالونی لاہور، فون: 7585960

Marfat.com

جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ ہیں

نام کتاب ...... شریعت اسلامیہ کے محاسن (دوم)
مصنف ...... شیخ عمر فاروق
طباعت ...... اکتوبر 2003ء
ناشر ...... جامع تدبر القرآن
مطبع ...... شرکت پرنٹنگ پریس' لاہور

وقف للّٰہ تعالیٰ

ملنے کا پتہ

جامعة تدبر القرآن

15-بی وحدت کالونی لاہور، فون: 7585960

Marfat.com

انتساب

مولانا نصر اللہ خان عزیز مرحوم و مغفور

کے نام

فہرست

1	اللہ جلّ جلالہٗ	17
2	سَیّدُ الْمُرْسَلِیْن صلی اللہ علیہ وسلم	31
3	اخلاص	39
4	آرام طلبی مسلمان کی شان نہیں	45
5	کیا ہم نے آزادی کی قدر و قیمت کو پہچانا ہے؟	51
6	لطف مرنے میں ہے باقی نہ مزا جینے میں	59
7	کامیابی کیسے ممکن ہے؟	65
8	اسراف و تبذیر	73
9	فضول خرچی	77
10	ظالم حکومت کا انجام	81
11	کفر کے اندھیروں میں اہل حق کیلئے روشنی	87
12	دین رحمت	91
13	شرف انسانیت	97
14	علاقائی تعصبات اور اسلامی تعلیم	103
15	رمضان المبارک...... مدینہ منورہ میں	109
16	اسلام...... انقلاب زندگی	119
17	والدین کے ساتھ حسنِ سلوک	125
18	رشوت	131
19	طلب علم میں سفر	137
20	آزادی یا غلامی؟	143
21	مثالی گھرانہ	149

Marfat.com

22	اعتدال اور اخلاق حسنہ کی فضیلت	153
23	زکوٰۃ معاشی ناہمواریوں کا حل	163
24	عرش الٰہی کے سائے میں	171
25	مسلمانو! وقت جہاد ہے آیا	177
26	اسلام کا تبلیغی نظام	185
27	مسلمان کو گالی دینا اور قتل کرنا؟	199
28	کم گوئی اور نیک خوئی	207
29	انسانیت کے لئے نمونہ اخلاق	213
30	تزکیہ نفس	225
31	آخرت	235
32	دنیا	243
33	تکبر وغرور سے بچیے!	249
34	اسلامی حکومت اور انصاف	255
35	صالح قیادت کی برکات	263
36	کیا موجودہ طرز انتخابات کے ذریعے تبدیلی ممکن ہے؟	269
37	گناہ کے اثرات	277
38	آہ امت مسلمہ کا فہم وشعور	283
39	مسلمان، اتفاق، جہاد اور کامیابی	287
40	دعا مومن کا ہتھیار ہے!	295
41	حقوق کی پاسبانی کا ذمہ دار کون؟	301
42	زندگی کی دو رخ؟	307
43	زبان کی لغزشیں	311
44	مسلمانو بیدار ہو جاؤ!	319
45	روزہ اور تعمیر اخلاق	325
46	رمضان المبارک کو قیمتی بنایئے!	333

Marfat.com

47	مسلمان کا مسلمان پر ہتھیار اٹھانا؟	341
48	علاقائی تعصبات......اسلامی تعلیم کے منافی	345
49	جمال زندگی	351
50	عیدالاضحیٰ	379
51	قومی عزت و آبرو کا انحصار	385
52	دھوکہ دینا......قبیح معاشرتی روگ	391
53	صدقہ و خیرات کی وسعت	395
54	حیات یا مہلت!	401
55	قرآنِ حکیم اور ہماری زندگی	407
56	قرآن حکیم اور حدیث رسول ﷺ کا ربط	411
57	ایمان اور حیاء	419
58	اخلاق اور ایمان	427
59	تقویٰ اور ایمان	433
60	نماز میں خشوع کیوں اور کیسے؟	439
61	قرآن زندگی کو تابندگی عطا کرتا ہے	451
62	ناجائز ذرائع آمدن (قرآن وحدیث کی روشنی میں)	461
63	وقت گرانمایہ دولت ہے	475
64	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نظام تعلیم و تربیت	481
65	صبر اور ایمان	495
66	شکر اور ایمان	505
67	امت مسلمہ کے فرائض	515
68	ماہ رمضان......جسمانی وروحانی تربیت کا سروسامان	527
69	اسلام اور قوت وشوکت	541

Marfat.com

Marfat.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

پیش لفظ

اسلام نے انسان کو حقیقی راہ نجات دکھانے کے لئے نہایت سہل اور آسان ذرائع استعمال کئے ہیں۔ اسلامی تعلیمات کا موضوع ہمہ گیر بھی ہے اور ہمہ صفت بھی۔ جب اسلامی شعائر اور محاسن پر کوئی صاحب قلم اٹھاتے ہیں تو یقیناً پہلا مسئلہ یہی سامنے آتا ہوگا کہ آسانی اور سہولت پیدا کرنے کا جو مقصد لے کر میں ان تعلیمات پر لکھنے بیٹھا ہوں تو یہ پہلے سے ہی اس قدر واضح اور مدلل ہیں کہ بیان کرنا محض ان کی تکرار کرنا ہے۔ لیکن ہر دور اور ہر معاشرے میں سمجھنے اور سمجھانے والوں کے مابین یہ سلسلہ چلتا آرہا ہے جنہیں اللہ تعالیٰ نے علم اور قلم دونوں عطا کئے ہیں، وہ فطرت کے اظہار سے کب چوکنے والے ہیں۔ یہ دونوں نعمتیں دراصل فکری جہاد کے میدان کے ہتھیار ہیں جن سے دلوں پر ضرب لگتی ہے اور روح کی گہرائیوں میں الفاظ گھر کر لیتے ہیں۔

شیخ عمر فاروق صاحب سے میرا پہلا تعارف غالباً ٹیلی فون پر ہوا اور انہوں نے ہفت روزہ **ایشیا** میں دینی امور پر لکھنے کی خواہش کا اظہار کر دیا۔ لکھنے والے اور اچھا لکھنے والے ہمارے معاشرے سے غائب ہی ہوتے جا رہے ہیں اور قحط الرجال کی سی کیفیت طاری ہے۔ میں نے ان سے تعارف لئے بغیر حامی بھر لی اور دفتر **ایشیا** آنے کی دعوت دی۔ وہ دفتر آئے تو مجھے یک گونہ مسرت بھی ہوئی اور قدرے حیرانی بھی۔ مسرت اس لئے کہ شیخ عمر فاروق مجھے "شیخ" بھی لگے اور حیرانی اس لئے کہ ایک قابل قدر و احترام شخصیت کی تحریریں میرے ہاتھوں کانٹ چھانٹ کے مراحل طے کریں گی۔ بھلا ہو ارشاد الرحمٰن کا کہ وہ میرے ساتھ موجود ہیں۔ انہوں نے شیخ صاحب کے تحریر کردہ کالموں "شریعت اسلامیہ کے محاسن" کی آیات و احادیث کے الفاظ کی کتابت کو درست رکھنے کی مکمل ذمہ داری ادا کی اور اب تک کر

رہے ہیں اگر وہ نہ ہوتے تو حروف والفاظ کی اغلاط اس ناچیز سے اس قدر روانی سے وقوع پذیر ہوتیں کہ کالم کی روانی جاتی رہتی۔

بہر حال اب یہ کالم ایک مکمل کتاب کی صورت آپ کے ہاتھوں میں ہیں۔ کتاب ایک زندگی ہوتی ہے جو الفاظ کے روپ میں ہمارے وجود اور روح کی پہنائیوں کو نئے اسرار ورموز سے آشنا کرتی چلی جاتی ہے۔ شیخ عمر فاروق صاحب نے اس روحانی بالیدگی کا مکمل اہتمام والتزام کیا ہے۔ اسلام کے مطالب و مدعا کو سمجھ کر دوسروں کو سمجھانے میں ان کا تجربہ بحثیت معلم بھی بہت نمایاں ہے اور تحکمانہ شان اسی لہجے کی بدولت قاری کو متوجہ کرتی ہے کہ خبردار! کمرۂ جماعت میں بیٹھ کر ادھر ادھر نظر دوڑانے کی اجازت نہیں مل سکتی۔

اب کتاب کا دوسرا حصہ آپ کے ہاتھوں میں ہے آپ اس کا مطالعہ کیجئے اور شیخ عمر فاروق صاحب کو اس کی پوری قیمت ادا کیجئے، یہ قیمت ادا کرنے کا سلیقہ بہت خوبصورت ہے۔ آپ جب بھی اپنے رب کے حضور دعا کے لئے ہاتھ اٹھائیں، آپ کے دل میں عاجزی آپ کی بندگی کی سفارش بنے تو اس لمحے ان کے لئے بھی خصوصی دعا کیجئے جس فرد نے آپ کی راہنمائی کے لئے شب وروز محنت کی ہے اس کا اس دنیا میں یہی صلہ ہے۔ ان کا قلم روشنی پھیلانے والی اس شمع کی مانند ہے جس کا اعلان ہے کہ اندھیرے میں چراغ ہم نے جلایا، روشنی ہم نے کی اب آپ کا فرض ہے کہ آپ اسے آگے ہی آگے لے جائیں تا کہ ہمارے دلوں میں کسی کونے کھدرے میں کوئی تیرگی کوئی تاریکی باقی نہ رہے۔

آیئے علم سے جہاد کے اس مرحلے میں ان کے ساتھ ہو جائیں۔ ہماری دعا ہے کہ ہم سب کو اپنی زندگی انہی محاسن، انہی خوبیوں اور انہی طریقوں سے بسر کرنے کی توفیق ملے جن کا ذکر اس کتاب میں نبی آخر الزمان حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے حوالے سے آیا ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کی اس کاوش کو قبول فرمائے اور ہماری دعاؤں کو بھی جو ہم ان کے لئے کرتے رہیں گے۔ (آمین)

مرزا محمد الیاس

(ایڈیٹر ایشیا)

Marfat.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ وَالصَّلوٰۃُ وَالسَّلَامُ علیٰ سَیِّدِ الْمُرْسَلِیْنَ

دیباچہ

انسانی زندگی کی پوری فلم چند سیکنڈوں میں تیار ہو جاتی ہے، ادھر اپنے ذہن میں ماضی پر جھانکیے ادھر بچپن سے موجودہ عمر تک تمام واقعات سامنے آجائیں گے۔

کوئی عرصہ پینتالیس برس قبل لاہور سے ہفت روزہ **ایشیا** اور بعد میں روزنامہ **تسنیم** جناب مولانا نصراللہؒ خان عزیز کے زیرادارت نکلنے شروع ہوئے، روزنامہ **تسنیم** تو کچھ عرصہ کے بعد بند ہوگیا اور **ایشیا** برابر جاری رہا۔

مجھے اپنی تعلیم کے دوران ہی اسلامی اور تعمیری مجلات اور رسالوں سے لگاؤ تھا، کالج اور یونیورسٹی کی لائبریریوں میں میرا انتخاب یہی تھا، ایک روز ایسے ہی روزنامہ **ایشیا** کے دفتر چلا گیا، ان دنوں **ایشیا** اور روزنامہ **تسنیم** کا دفتر شاہ عالم مارکیٹ میں ہوا کرتا تھا اور میری رہائش اپنے والدین کے ساتھ اندرون شیرانوالہ گیٹ تھی۔

مولانا نصراللہ خان عزیزؒ سے ملاقات کا شرف حاصل ہوا میں نے انہیں عربی مجلہ سے کیا ہوا ایک مضمون کا ترجمہ دکھایا، ادبی لحاظ سے نوک پلک درست فرما کر کہنے لگے کہ اسے ہفت روزہ **ایشیا** میں شائع کر دینگے، چنانچہ میرے سامنے ہی کاتب کے حوالے کر دیا، اس سے لکھنے پڑھنے کیلئے میری کمر ہمت بندھی، گاہے بگاہے کبھی کوئی عربی سے ترجمہ اور کوئی طبع زاد مضمون لکھتا رہا بلکہ روزنامہ **تسنیم** میں بھی تھوڑا بہت لکھتا رہا جسے مولانا انتہائی شفقت سے اصلاح فرما کر شائع کروا دیتے تھے۔

Marfat.com

مولانا نصر اللہ خانؒ عزیز، درویش منش، ملنسار، خلیق، متقی اور پرہیزگار انسان تھے، وہ نہ صرف نفیس، مشاق، صاف ستھرے شاعر تھے بلکہ صاحب طرز بہترین ادیب بھی تھے، میں نے اپنی زندگی میں کم ہی ایسے شریف النفس انسان دیکھے ہیں۔

عاجز کو ادھر سید مودودیؒ کے درس قرآن میں بیٹھنے کی بھی سعادت حاصل ہوئی جس سے ذہن وفکر میں نکھار پیدا ہوا، قرآن حکیم کی عالمگیر دعوت سے تعصب اور فرقہ بندی سے نفور اور مسلمانوں کو جوڑنے کا جذبہ بیدار ہوا الحمد للہ پھر سید مودودیؒ کی تحریریں پڑھنے سے مزید فائدہ ہوا۔

مولانا نصر اللہ خانؒ عزیز سے لاہور سمن آباد میں ان کی رہائش گاہ پر ملاقات کیلئے جاتا رہا۔ ہمیشہ خندہ پیشانی سے ملتے اور دیر تک بڑی ہی معلوماتی باتیں ارشاد فرماتے، ان کی وفات کے بعد عاجز کا **ایشیا** سے رابطہ منقطع ہو گیا۔ چند سال قبل مجھے میری ہمشیرہ کے صاحبزادے ڈاکٹر حسن صاحب (سرجن کارڈیالوجی میو ہسپتال لاہور) نے کہا کہ میں موجودہ ایڈیٹر **ایشیا** مرزا محمد الیاس صاحب سے ملوں اور کچھ نہ کچھ **ایشیا** کیلئے لکھا کروں، چنانچہ ان کے پاس مضمون لکھ کر لے گیا جسے مرزا صاحب نے نظر ثانی کے بعد **ایشیا** میں شائع کروادیا، اس طرح ایشیا سے عرصہ دراز کے خلا کے بعد پھر سے وابستگی ہو گئی، الحمد للہ

''شریعت اسلامیہ کے محاسن'' مستقل عنوان تجویز ہوا اور اس عنوان کے تحت مختلف موضوعات پر دینی مضامین ترتیب دیئے گئے اس میں مرکزی خیال یہ رہا کہ مسلمان اپنے دین کی طرف راغب ہوں اور ایک ہو کر اپنی عظمت رفتہ کو پالیں۔

عمر کے اس حصے میں صحت کی کمزوری اور نقاہت (کمر میں درد رہتا ہے) ہے، ادھر گزشتہ اٹھارہ برس سے سب سے چھوٹی بیٹی ٹائیفائیڈ بخار سے دماغی طور پر مفلوج ہو چکی ہے، جس کی طویل بیماری والدین کیلئے انتہائی پریشان کن ہے۔ پھر بھی الرحمٰن والرحیم کا شکر ادا کرتا ہوں کہ وہ یہ دینی کام کرنے کی توفیق عطا فرماتا ہے بلکہ گزشتہ چند ماہ سے ''الفرقان'' کے نام سے قرآن کے ترجمہ ومعانی پر لکھنے کی بھی توفیق دے رہا ہے، الحمد للہ!

میں نے ہمیشہ اپنے آپ کو طالب علم سمجھا ہے، مجھے اپنے علم میں کمی کا شدت سے احساس ہے اور ہر وقت اپنے اللہ سے ''رَبِّ زِدْنِی عِلْمًا'' کا طلبگار رہتا ہوں۔

Marfat.com

میرے قلم سے کوئی اچھی بات نکلی ہے تو یہ محض میرے رب کا فضل و کرم ہے اور اگر کہیں خطا ہوئی ہے تو یہ میرے نفس کا قصور ہے، رب کریم مجھے معاف فرمائے۔

اگر اس کتاب سے کسی صاحب کو کہیں کوئی فائدہ پہنچے تو سب سے پہلے تمام بیماروں اور پھر میری بچی کیلئے رب کریم کے حضور شفائے کاملہ عاجلہ کیلئے دعا فرمادیں کیونکہ صرف وہی ہر چیز پر قادر ہے۔ انه علی کل شیء قدیر۔

اس کے علاوہ میرے والدین، جناب سید مودودیؒ، استاذ مکرم مولانا نصر اللہؒ خان عزیز، تمام مسلمانوں اور آخر میں عاجز کے لئے دعائے خیر فرمادیں۔

آخر میں انتہائی ممنون ہوں برادرم ارشاد الرحمٰن صاحب نائب مدیر ہفت روزہ ایشیا کا، جنہوں نے ''شریعت اسلامیہ کے محاسن'' حصہ دوم کی انتہائی محنت اور لگن سے نظر ثانی کی اور اغلاط کو درست فرمایا، تاہم دعویٰ نہیں کیا جاسکتا کہ یہ کتاب اغلاط سے قطعی طور پر خالی ہے، بشری کمزوریوں کے تحت اس میں اغلاط رہ گئی ہوں گی، احباب اور قارئین سے التماس ہے کہ اس کی نشاندہی فرمائیں تاکہ آئندہ ایڈیشن میں اصلاح کردی جائے۔ جن بہن بھائیوں نے اس طباعت میں حصہ لیا، رب کریم انہیں جزائے خیر سے نوازے اور ہم سب کو جنت میں اکٹھا کردے، آمین!

قارئین کو کتاب میں کہیں کہیں خیالات کی تکرار (Repetition) نظر آئے گی، مگر اس میں بھی خیر و برکت ہوگی، ان شاء اللہ۔ عاجز کے پیش نظر مرکزی نقطہ امت مسلمہ کا اتحاد اور رجوع الی اللہ رہا ہے جس کا اس وقت زبردست فقدان ہے اور جس کی وجہ سے ہمیں پریشانیاں گھیر رہی ہیں۔

اللہ تعالیٰ ہمیں فہم و بصیرت عطا فرمائے۔

وَمَا تَوْفِیقِی اِلَّا بِاللّٰہِ

شیخ عمر فاروق

۲۵ شعبان ۱۴۲۴ھ

Marfat.com

Marfat.com

اللہ جَلَّ جَلالُہٗ

یہ نیلگوں آسمان جو ہمارے سروں پر بغیر ستونوں کے کھڑا ہے، پھر اس میں آفتاب و ماہتاب اوران گنت جگمگاتے ستاروں کی گردش جو آنکھوں کو خوشنما معلوم ہوتے ہیں اور آپس میں ٹکراتے نہیں ہیں۔ یہ لیل ونہار کی آمد ورفت اوراس کی باقاعدگی...... دن کام کاج کے لئے روشن ہوتا ہے تو رات راحت وآرام کیلئے پرسکون ہوتی ہے...... یہ موسموں کی تبدیلیاں اوران میں طرح طرح کی رنگینیاں۔ یہ بادلوں کا جھوم جھوم کرآنا اور برس جانا...... یہ سربفلک پہاڑ اوران میں سرسبز و شاداب درخت قطار اندر قطار...... یہ بہتے دریا اور بل کھاتی ندیاں اور وسیع وعریض سمندر جو کرہ ارضی کے تین چوتھائی حصے کو گھیرے ہوئے ہے اوراس میں لاکھوں اوراربوں کی تعداد میں چھوٹی بڑی مچھلیاں اور کئی قسم کے آبی جانور تیر رہے ہیں۔ یہ شیریں اور لذیذ میوہ جات انواع واقسام کی سبزیاں اور طرح طرح کے اناج جو ہر موسم میں بدل بدل کر چلے آتے ہیں اور ایسا کبھی نہیں ہوتا کہ انار کے درخت پر آم لگنے لگے یا کدو کی بیل پر کریلا اگنے لگے...... یہ انسان کا خوبصورت جثہ اوراس میں حیران کن مشینری پھر لاکھوں اوراربوں انسانوں کی خوبصورتی میں تھوڑا بہت فرق، نہ صرف آواز میں بلکہ انگوٹھے کے نشان تک میں تفاوت اور پھر عقل وخرد کی بے بہا صلاحیتیں۔ یہ ان گنت حیوانات اوران کی الگ الگ آوازیں اور یہ بے شمار پرندے اوران کے الگ الگ نغمے اور چہچہے، کس کے عطا کردہ ہیں اور کس کاریگر کی قدرت کے نشان ہیں، قرآن حکیم نے فطرت کی آواز کو اس طرح واشگاف کیا ہے۔

فَتَبٰرَکَ اللّٰہُ اَحۡسَنُ الۡخٰلِقِیۡنَ (المومنون:۱۴) ''پس بڑا بابرکت ہے اللہ جو سب سے بہتر بنانے والا ہے۔''

اس کائنات اوراس کی ہر چھوٹی بڑی چیز کا خالق و مالک اللہ ہے کسی اور ہستی پر اس کا اطلاق

ہو ہی نہیں سکتا، فارسی کے خدا یا انگریزی کے گاڈ کی طرح اسم نکرہ نہیں کہ معبودِ واحد کے علاوہ دوسروں کے لئے بھی بھولا جا سکے، اس کی نہ جمع آئی ہے، نہ یہ کسی لفظ سے مشتق ہے۔ (تفسیر ماجدی، ج: اول)

لفظ اللہ کی ترکیب لفظی پر غور کیجئے۔

اللہ کا حرف ہمزہ نہ لکھا جائے تو لِلّٰہ پڑھا جاتا ہے جس کے معنی یہ ہیں کہ ہر ایک شے اللہ ہی کی ملک ہے، قرآن حکیم ہے۔

وَ لِلّٰهِ خَزَآئِنُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ (المنٰفقون:۷) ''ارض وسماوات کے خزانے تو اللہ ہی کے پاس ہیں۔''

لِلّٰہ سے ایک ل کم ہو جائے تو لَہٗ پڑھا جائے گا اور بامعنی ہوگا، قرآن حکیم میں ہے:

لَهٗ مَقَالِيْدُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ، يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ وَ يَقْدِرُ، اِنَّهٗ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ (الشوریٰ:۱۲) ''آسمان اور زمین کے خزانوں کی کنجیاں اسی کے پاس ہیں، جسے چاہتا ہے کھلا رزق دیتا ہے اور جسے چاہتا ہے نپا تلا دیتا ہے، اسے ہر چیز کا علم ہے۔''

لہٗ میں سے ل کم ہو جائے تو (ہٗ) رہ جائے گا جس کا تلفظ ھُوَ ہے، یہ حرف واحد بھی اسی واحدُ الاَحدُ کی ذات وحید پر دال ہوگا، قرآن مجید میں ہے:

قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ (اخلاص:۱) ''کہئے وہ اللہ یکتا ہے۔''

هُوَ الْحَيُّ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ، فَادْعُوْهُ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ (المومن:۶۵)

''وہ زندہ ہے (جسے کبھی موت نہیں) اس کے سوا کوئی اِلٰہ نہیں، لہٰذا تم خالص اسی کی حاکمیت تسلیم کرتے ہوئے اسے پکارا کرو۔

یہ بات یاد رکھنی چاہیے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات پاک کی تعین میں اسی اسم خاص کی طرف رہنمائی فرمائی ہے، موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو، کوہ طور پر انہی کلمات میں عرفانِ تام عطا ہوا تھا۔

اِنَّنِيْٓ اَنَا اللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنَا، فَاعْبُدْنِيْ وَ اَقِمِ الصَّلٰوةَ لِذِكْرِيْ (طٰہٰ:۱۴) ''بلاشبہ میں ہی اللہ ہوں، میرے سوا کوئی معبود نہیں، لہٰذا میری ہی عبادت کرو اور میری یاد کے لئے نماز قائم کرو۔''

کلام الٰہی کے اس فقرہ کو بار بار قلب پر پیش کیجئے کہ تحقیق و تصدیق کے مرتبہ اعلیٰ پر ہے، مقام نفی و اثبات میں بھی اسی اسم کا اثبات ہوتا ہے۔

Marfat.com

لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ (شرح اسماء اللہ الحسنیٰ۔قاضی محمد سلیمان منصور پوری)

اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا لامحدود اور تعریف وتوصیف بے کراں ہے اور اس کا احاطہ ناممکن ہے

از دست و زبان کہ برآید
کز عہدۂ شکرش بدر آید

فارسی کے اس شعر کا ترجمہ اردو میں کیا خوب کسی نے کیا ہے:

شکر اس کی نعمتوں کا کریں کس زبان سے ہم
یہ چاہیں بھی تو لائینگے طاقت کہاں سے ہم

ارشاد ہوتا ہے:

وَلَوْ اَنَّ مَا فِی الْاَرْضِ مِنْ شَجَرَۃٍ اَقْلَامٌ وَّ الْبَحْرُ یَمُدُّہٗ مِنْ م بَعْدِہٖ سَبْعَۃُ اَبْحُرٍ مَّا نَفِدَتْ کَلِمٰتُ اللّٰہِ، اِنَّ اللّٰہَ عَزِیْزٌ حَکِیْمٌ (لقمٰن:۲۷) ''زمین میں جتنے درخت ہیں، اگر وہ سب کے سب قلم بن جائیں اور سمندر روشنائی بن جائے، پھر اس کے بعد سات مزید سمندر بھی روشنائی مہیا کریں (اور صاحب شعور مخلوق لکھنے بیٹھ جائے، قلم گھس جائیں اور روشنائی ختم ہو جائے) تو بھی اللہ کی باتیں ختم نہ ہوں گی، بلاشبہ اللہ غالب اور حکمت والا ہے۔''

جن اسماء اللہ الحسنیٰ کا پتہ ہمیں قرآن وحدیث سے چلتا ہے ان سب کا بیان اس مضمون میں مشکل ہے، آیئے ان میں سے چند صفات پر غور وفکر کرتے ہیں۔

اس کائنات میں اللہ تعالیٰ کی ربوبیت کا جلوہ ہمہ جہت بکھرا ہوا ہے اور اس کی صفت ''الرَّبّ'' ہے۔جس کے اصل معنی (پیدا کرنے کے بعد) تربیت کرنا یعنی کسی چیز کو تدریجاً نشو ونما دے کر حدِّ کمال کو پہنچانا ہے۔

قاضی سلیمان منصور پوری لکھتے ہیں:

''جمادات ونباتات وحیوانات، ناسوت وجبروت ولاہوت کی دنیاؤں میں کروڑ در کروڑ ایسی ایسی مخلوق موجود ہے جس کی پرورش کی ضروریات ایک دوسرے سے بالکل الگ ہیں، بلکہ ایک ہی درخت کے اندر...... جڑ، تنہ، چھلکا، گودا، پھول، پھل، شاخ، پتے کے اندر رنگ وروغن، چمک دمک، تاثیر ومزہ، شکل وصورت وغیرہ کے لحاظ سے ہزاروں ایسی ضروریات ہیں، جن کا علم بھی اللہ تعالیٰ کے سوا اور کسی کو نہیں ہوسکتا، وہی ہے جو ان سب کی تربیت کرتا ہے، سب کو قائم رکھتا

Marfat.com

ہے اور بڑھاتا ہے...... انسان کی معرفت کا آغاز صفت ربوبیت سے ہوتا ہے، پھر اسے فرمان روائے مالک کا جلوہ نظر آتا ہے، اس کے بعد عرفانِ اِلوہیت کے دروازے اس پر کھلتے ہیں۔"

(اسماء اللہ الحسنی)

یہی وجہ ہے کہ قرآن حکیم میں سورۃ الفاتحہ کا آغاز "اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ" سے ہوتا ہے یعنی ہر تعریف اور ہر شکر اس اللہ کے لئے ہے جو تمام جہانوں کا رب ہے (اور ہمہ وقت نگران بھی ہے)۔

اس پر مولانا ابوالکلام آزاد نے کیا خوب لکھا ہے:

"انسان کے لئے معرفت حق کی راہ کیا ہے؟ قرآن کہتا ہے، صرف ایک ہی راہ ہے، اور وہ یہ ہے کہ کائنات خلقت میں تفکر و تدبر کرے مصنوعات کا مطالعہ اسے صانع تک پہنچا دے گا۔

اَلَّذِیْنَ یَذْکُرُوْنَ اللّٰهَ قِیَامًا وَّ قُعُوْدًا وَّ عَلٰی جُنُوْبِهِمْ وَ یَتَفَكَّرُوْنَ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ (ال عمران:۱۹۱)" (اللہ کے بندے ایسے بھی ہیں) جو اٹھتے، بیٹھتے اور لیٹتے ہر حال میں اللہ کو یاد کرتے ہیں اور زمین و آسمان کی ساخت پر غور و فکر کرتے ہیں۔

اب فرض کرو، ایک طالب صادق اِس راہ میں قدم اٹھاتا ہے اور کائنات خلقت کے مظاہر و آثار کا مطالعہ کرتا ہے، تو سب سے پہلا اثر جو اس کے دل و دماغ پر طاری ہوگا، وہ کیا ہوگا؟ وہ دیکھے گا کہ خود اس کا وجود اور اس کے وجود سے باہر کی ہر چیز کا ایک صانع حکیم اور مدبر قدیر کی کارفرمائیوں کی جلوہ گاہ ہے اور اس کی ربوبیت اور رحمت کا ہاتھ ایک ایک ذرّۂ خلقت میں صاف نظر آرہا ہے۔ پس قدرتی طور پر اس کی روح جوش ستائش اور محویّت جمال سے معمور ہو جائے گی، وہ بے اختیار پکار اٹھے گا کہ "اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ" ساری حمد و ستائش اسی کیلئے ہے جو اپنی کارفرمائی کے ہر گوشے میں سرچشمۂ رحمت و فیضان اور معنی حسن و کمال ہے۔" (ترجمان القرآن، ج:اول)

اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے صفاتی ناموں میں سے "اَلْخَالِقُ" بھی ہے۔ یہ اسم خلق سے بنا ہے، امام راغب لکھتے ہیں:

"اصل میں خلق کے معنی کسی چیز کو بنانے کے لئے پوری طرح اندازہ لگانے کے ہیں اور کبھی خلق بمعنی ابداع بھی آجاتا ہے یعنی کسی چیز کو بغیر مادہ کے اور بغیر کسی کی تقلید کے پیدا کرنا چنانچہ آیہ مبارکہ: خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ (النحل:۳) "اللہ نے آسمانوں اور زمین کو مبنی

برحکمت پیدا کیا۔"

یہاں پر خلق بمعنی ابداع ہی ہے کیونکہ دوسرے مقام پر اسی بات کو یوں ارشاد فرمایا:

بَدِیۡعُ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ (البقرہ:۱۱۷)"وہ آسمانوں اور زمین کا موجد ہے۔"

وہ "اَلۡحَکِیۡمِ" بھی ہے اور اس کا ہر فیصلہ حکمت پر مبنی ہوتا ہے، یعنی اللہ تعالیٰ ہر چیز کا خالق بھی ہے اور اس کی تخلیق حکمت سے خالی نہیں ہوتی ہے اور اسے اس کے بنانے میں کوئی دیر نہیں لگتی ہے وہاں صرف حکم ہوتا ہے۔

وَاِذَا قَضٰٓی اَمۡرًا، فَاِنَّمَا یَقُوۡلُ لَهٗ کُنۡ فَیَکُوۡنُ (البقرہ:۱۱۷)"اور جس بات کا وہ فیصلہ کرتا ہے، اس کے لئے بس یہ حکم دیتا ہے کہ 'ہو جا' اور وہ ہو جاتی ہے۔"

قرآن حکیم نے ہمارے سامنے کوئی مافوق الفطرت باتیں نہیں رکھی ہیں بلکہ انہی حقائق کو واشگاف کیا ہے جن کا ہم اپنی آنکھوں سے روزمرہ مشاہدہ کرتے ہیں، ڈاکٹر غلام جیلانی برق نے بڑی عمدہ بات لکھی ہے۔

"پھولوں کے ایک ننھے سے پودے سے لے کر چنار کے درخت تک آپ کو نباتات کی کروڑوں اقسام نظر آئیں گی، ان میں سے کچھ باغوں کی آرائش ہیں، کچھ ہماری غذا ہیں اور کچھ متاع حیات، یہ سب ایک ہی زمین سے اُگتی ہیں اور ایک ہی پانی سے نشوونما پاتی ہیں، لیکن کمال تخلیق دیکھئے کہ سب کی حیثیت رنگ، قامت، تاثیر، بو اور ذائقہ الگ ہے۔"

وَفِی الۡاَرۡضِ قِطَعٌ مُّتَجٰوِرٰتٌ وَّ جَنّٰتٌ مِّنۡ اَعۡنَابٍ وَّزَرۡعٌ وَّ نَخِیۡلٌ صِنۡوَانٌ وَّ غَیۡرُ صِنۡوَانٍ یُّسۡقٰی بِمَآءٍ وَّاحِدٍ، وَ نُفَضِّلُ بَعۡضَهَا عَلٰی بَعۡضٍ فِی الۡاُکُلِ، اِنَّ فِیۡ ذٰلِکَ لَاٰیٰتٍ لِّقَوۡمٍ یَّعۡقِلُوۡنَ (رعد:۴)"زمین میں پاس پاس ایسے قطعات ہیں، جن میں کہیں کھیتی، کہیں انگور اور کہیں کھجور کے درخت ہیں، ان میں سے کچھ ایک جڑ سے نکلتے ہیں اور کچھ الگ جڑوں سے، ان سب کی پرورش ایک ہی پانی سے ہوتی ہے لیکن ان کے ذائقے الگ الگ ہیں، اِن باتوں میں ارباب دانش کے لئے کتنے ہی اسباق و شواہد موجود ہیں۔"

درخت اپنے پتوں کے دامن ہوا اور سورج کے سامنے پھیلا کر ان سے زندگی کی بھیک مانگتے ہیں، ان کی جڑیں بطن زمین سے پانی اور غذا لے کر بلند ترین شاخوں تک پہنچاتی ہیں اور پھلوں میں رس، مٹھاس اور خوشبو بھرتی ہے، کیا یہ سب کچھ اتفاقاً ہو رہا ہے اور اس نظام کے پیچھے

Marfat.com

ایک ہمہ بین آنکھ اور ہمہ دان دانش کارفرما نہیں؟'' (الحاد، مغرب اور ہم)

پالتا ہے بیج کو مٹی کی تاریکی میں کون؟
کون دریاؤں کی موجوں سے اٹھاتا ہے سحاب؟
کون لایا کھینچ کر پچھم سے بادِ سازگار؟
خاک یہ کس کی ہے؟ کس کا ہے یہ نور آفتاب؟
کس نے بھر دی موتیوں سے خوشۂ گندم کی جیب؟
موسموں کو کس نے سکھلائی ہے خوئے انقلاب

پھر غور کیجئے فضائے آسمانی میں آفتاب ماہتاب کے علاوہ ان گنت ستارے اور سیارے، کچھ ساکن اور کچھ ہمہ وقت گردش میں ہیں، ان میں کئی ہماری زمین سے کہیں بڑے ہیں مگر قاعدے اور قانون کے مطابق اس فضائے بسیط میں تیر رہے ہیں اور ان میں کس کی مجال ہے کہ اِدھر سے اُدھر رُخ پھیرے، یا ان میں کوئی ٹکراؤ اور تصادم ہو جائے، قرآن اس حقیقت کا یوں اعلان کرتا ہے:

لَا الشَّمْسُ يَنْبَغِي لَهَآ اَنْ تُدْرِكَ الْقَمَرَ وَلَا الَّيْلُ سَابِقُ النَّهَارِ، وَ كُلٌّ فِي فَلَكٍ يَسْبَحُوْنَ (یٰسین: ۴۰) ''نہ سورج کے بس میں یہ ہے کہ وہ چاند کو جا پکڑے اور نہ رات دن پر سبقت لے جاسکتی ہے، سب ایک ایک دائرہ میں تیر رہے ہیں۔''

مولانا عبدالماجد دریابادی لکھتے ہیں:

''یہ اپنے خالق و مالک کے حکم کے مسخر اپنی اپنی رفتار سے چل رہے ہیں اور نظامِ معین سے باہر نہیں ہو سکتے کہ رات دن کے حساب میں کچھ بھی خلل پڑ سکے اور کُلٌّ سے مراد سارے ہی اجرام فلکی لئے گئے ہیں۔'' (تفسیر ماجدی)

طلوع آفتاب کا وقت آج کی تاریخ میں نوٹ کر لیجئے اور ہر سال اسی تاریخ پر وقت دیکھئے، ایک سیکنڈ کا فرق نظر نہ آئے گا اور اسی طرح چاند کے گھٹنے بڑھنے میں بھی ترتیب و توازن نظر آئے گا، جو خالقِ ارض و سمٰوٰت کی عظمت اور کاریگری پر زبردست دلیل ہے۔

دل و دماغ و کام میں لایئے اور دیکھئے کہ افلاک پر ان گنت چھوٹے بڑے ستاروں کے قمقمے بغیر کسی جنریٹر کے کس نے فروزاں کر رکھے ہیں اور ان کا نظام ایسا باضابطہ اور مرتب ہے کہ ان میں

۲۳۰۰۵

Marfat.com

کہیں ٹکراؤ اور تصادم نہیں ہے جبکہ ہم دیکھتے ہیں کہ انسان نے سائنس میں (اللہ تعالیٰ کی عطا کی ہوئی) صلاحیتوں سے فائدہ اٹھا کر ترقی کی نت نئی راہیں کھولی ہیں، تیز رفتار ریلیں، برق رفتار ہوائی جہاز مگر آئے دن ریل گاڑیاں آپس میں ٹکرا جاتی ہیں، ہوائی جہاز پہاڑوں سے ٹکرا کر پاش پاش ہو جاتے ہیں۔ برقی پلانٹ بند ہو جاتے ہیں تو سارا شہر تاریکی میں ڈوب جاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا نظام فلک بڑا ہی مربوط اور منظم ہے:

فَارْجِعِ الْبَصَرَ هَلْ تَرٰى مِنْ فُطُوْرٍ (الملک:۳) ''کائنات کو بار بار دیکھو، کیا تمہیں کوئی خلل نظر آتا ہے؟''

قرآن حکیم نے بتلایا ہے کہ کائنات کے اس نظام کو وہ زندہ و پائندہ ہستی سنبھالے ہوئے ہے جو اونگھ اور نیند۔ سے بری ہے، جو موت و حیات سے بے نیاز ہے، جو ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گی۔

اَللّٰهُ، لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ، اَلْحَيُّ الْقَيُّوْمُ، لَا تَاْخُذُهٗ سِنَةٌ وَّلَا نَوْمٌ، لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ مَنْ ذَا الَّذِيْ يَشْفَعُ عِنْدَهٗٓ اِلَّا بِاِذْنِهٖ، يَعْلَمُ مَا بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَ مَا خَلْفَهُمْ، وَلَا يُحِيْطُوْنَ بِشَيْءٍ مِّنْ عِلْمِهٖٓ اِلَّا بِمَا شَآءَ، وَسِعَ كُرْسِيُّهُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَلَا يَـُٔوْدُهٗ حِفْظُهُمَا، وَهُوَ الْعَلِيُّ الْعَظِيْمُ (البقرہ:۲۵۵) ''اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، وہ ہمیشہ سے زندہ اور (ہر چیز کو) قائم رکھنے والا ہے، اس پر نہ اونگھ غالب آتی ہے اور نہ نیند، ارض و سما میں سب کچھ اُسی کا ہے، کون ہے جو اس کی اجازت کے بغیر اس کے حضور سفارش کر سکے؟ جو کچھ لوگوں کے سامنے ہے وہ اُسے بھی جانتا ہے اور جو اوجھل ہے اُسے بھی جانتا ہے، (لوگ) اللہ کے علم میں سے کسی چیز کا ادراک نہیں کر سکتے مگر اتنا ہی جتنا وہ خود چاہے، اس کی کرسی (علم اور قدرت) آسمانوں اور زمین کو محیط ہے اور ان دونوں کی حفاظت اسے تھکاتی نہیں، وہ بلند و برتر اور عظیم و عظمت والا ہے۔''

انسان کا اپنا جسم اس کی قدرت کا عظیم شاہکار ہے۔ ارشاد ہوتا ہے:

وَفِيْٓ اَنْفُسِكُمْ، اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ (الذریت:۲۱) ''اور خود تمہارے اپنے وجود میں (اس کی قدرت کی نشانیاں ہیں) کیا تم سوچ بچار نہیں کرتے؟

یہ حیرت انگیز مشینری ہے جس پر اطباء حضرات اور ڈاکٹر صاحبان نے نہ معلوم کتنی ریسرچ کی

Marfat.com

ہے اور کر رہے ہیں، پھر بھی کوتاہ علمی کا انہیں اعتراف ہے، جسم انسانی کا ہر ہر عضو اپنی قدر و قیمت رکھتا ہے۔ ڈاکٹر سید زاہد علی واسطی اپنے ایک مضمون میں انسانی دماغ کے بارے میں لکھتے ہیں:

''انسان کمپیوٹر کی ایجاد پر نازاں ہوتا ہے، مگر سوچیے تو سہی! کمپیوٹر کی ایجاد، اول تو اسی دماغ کی مرہون منت ہے دوئم یہ کہ لاکھوں روپے کے مصارف سے چلنے والا کمپیوٹر وہ کام کہاں کر سکتا ہے جو انسانی دماغ کرتا ہے، داد دیجئے اُس صانع عظیم کو جس نے انسان کی کھوپڑی میں ایک بغیر قیمت کے کمپیوٹر لگا دیا جو بچپن سے بڑھاپے تک لاکھوں یادداشتیں، شکلیں، احساسات، جذبات، عملیات معلومات محفوظ کر لیتا ہے، سب سے بڑی بات یہ ہے کہ کمپیوٹر کو جب تک فیڈ نہ کریں، وہ محض ایک مشین بے مصرف ہے، دماغ کیسے کام کرتا ہے اس کے لئے کئی صفحات درکار ہیں۔''

دل کے بارے میں ڈاکٹر صاحب لکھتے ہیں:

''دل ایک عضو ہے جو چھاتی کے مرکزی حصہ میں تھوڑا بائیں جانب واقع ہوتا ہے جو حیران کن طریقہ سے سارے جسم میں خون کو لگاتار گردش میں رکھتا ہے ایک طرف تو صاف خون کو دوران خون میں دھکیلتا ہے، دوسری جانب ناصاف خون کو آکسیجن کے ذریعہ دوبارہ قابل استعمال بنانے کے لئے واپس اندر لاتا ہے، مگر کیا آپ کو یہ بھی معلوم ہے کہ خون کی اس گردش کو برقرار رکھنے کے لئے دل کو کتنی طاقت صرف کرنی پڑتی ہے؟ اس کا اندازہ کام کی اس بے تحاشا مقدار اور پمپ کی نوعیت سے لگایا جا سکتا ہے جو عمر بھر دل کو لگاتار کرنا پڑتا ہے۔

آیئے ہم آپ کو بتائیں کہ رب السمٰوٰت والارض نے اس ایک مٹھی کے برابر گوشت کے لوتھڑے کو کتنی عظیم قوت عطا فرمائی ہے، جس کی کارکردگی دیکھ کر دنیا کے بڑے بڑے سائنس دان ورطہ حیرت میں غرق رہتے ہیں۔

صانع عظیم کا تیار کردہ دل ایک منٹ میں 72 مرتبہ دھڑکتا ہے، اس طرح ایک گھنٹہ میں 4320 مرتبہ اور ایک دن میں 103680 مرتبہ اور ایک سال میں 2,78,43,200 مرتبہ دھڑکتا ہے، اگر ایک انسان کی زندگی کا تخمینہ آپ پچاس سال ہی لگالیں تو گن کر دیکھ لیں کہ ایک ارب نواسی کروڑ اکیس لاکھ ساٹھ ہزار مرتبہ دل دھڑکتا ہے یا نہیں؟

چلئے آگے چلئے! دل ایک دھڑکن میں تقریباً اڑھائی اونس خون بدن میں دھکیلتا ہے، یوں خون دھکیلنے کی استعداد 1175 اونس فی منٹ یا 654.50 پونڈ فی گھنٹہ ہے یا سات میٹرک ٹن

Marfat.com

روزانہ ہوتی ہے۔

اس کا مطلب یہ ہوا کہ پچاس برس کی تخمیناً زندگی میں ایک لاکھ ستائیس ہزار سات سو پچاس ٹن خون کو بفضل رَبی ایک دل ادھر سے ادھر دھکیلتا ہے، اگر میکانیات کی رو سے اسی طاقت کا اندازہ کرنا ہو تو آپ حیران رہ جائیں گے کہ دل کی روزمرہ کی استعدادی قوت (سات ٹن) ایک ٹن وزن کو 122 فٹ زمین سے اونچا اٹھانے کے مساوی ہے، سبحان اللہ!

یہ تو دل ودماغ سے متعلق مختصر سی معلومات ہیں، اگر تمام اعضاء انسانی پر تفصیلی بحث کی جائے تو اس کے لئے سینکڑوں صفحات درکار ہوں گے۔

امام ابن قیمؒ لکھتے ہیں:

''جسم کی ساخت اور اس کی بناوٹ پر اللہ تعالیٰ کی عظیم حکمت کا مشاہدہ کیجئے......اس میں کوئی چھوٹی ہڈی ہے تو کوئی بڑی، کوئی لمبائی میں بڑی ہے تو کوئی چھوٹی، کوئی منحنی شکل میں ہے تو کوئی گولائی میں، کوئی پتلی ہے تو کوئی چوڑی، کوئی ٹھوس ہے تو کوئی کھوکھلی، اور ربّ قدیر نے انہیں کس خوبی کے ساتھ ایک دوسرے سے جوڑ دیا ہے اور ہر چیز کو اس کی افادیت کے مطابق بنایا ہے مثلاً دانتوں کو کاٹنے کے لئے نوکدار اور تیز بنایا ہے تو داڑوں کو پیسنے اور چبانے کے لئے چوڑا بنایا ہے اور انسان کو چونکہ نقل وحرکت کی ضرورت پیش آتی ہے تو اسے جسم میں چھوٹی بڑی مختلف قسم کی ہڈیاں مختلف شکلوں میں عطا فرمائی ہیں اور ان کے درمیان لچک اور فاصلہ اس طرح رکھا ہے کہ انہیں گھمانے اور حرکت دینے میں آسانی رہے۔'' (مفتاح دار السعادۃ)

انسانی زندگی میں ہوا اور پانی نعمت ہائے غیر مترقبہ ہیں اور یہ جتنی قیمتی ہیں اتنی ہی سستی اور وافر ہیں، اگر یہ مہنگی اور قیمتاً ملتی تو انسان کو کتنی مشکل پیش آتی، یہ ٹھیک ہے کہ شہروں میں لوگوں کو نل کا بل ادا کرنا پڑتا ہے، پھر بھی یہ سستا ہے کیونکہ بلوں کی یہ رقم اس عملہ کی تنخواہوں پر صرف ہوتی ہے جو گھروں تک پانی کی سپلائی کا انتظام کرتے ہیں، رب کریم نے پانی ایسی نعمت کا اس طرح ذکر فرمایا ہے:

وَجَعَلْنَا مِنَ الْمَآءِ كُلَّ شَيْءٍ حَيٍّ (الانبیاء:۳۰) ''ہم نے ہر جاندار کو پانی سے زندگی بخشی۔''

زیر زمین پانی کے سوتے جاری وساری ہیں، حسب ضرورت زمین میں بور کیجئے اور پانی حاصل کر لیجئے، پہاڑوں پر برف باری ہوتی ہے تو وہ بھی پگھل کر ندی نالوں کی صورت میں بہنے لگتا ہے۔ جا بجا چشمے پھوٹ رہے ہیں، وسیع پیمانے پر پانی جمع ہو کر دریاؤں کی شکل میں بہنے لگتا ہے،

Marfat.com

جو بالآخر سمندر میں جا گرتا ہے اور یہ پانی کا سب سے بڑا ذخیرہ ہے جو دنیا کی تین چوتھائی پر محیط ہے، سمندر کے پانی پر آفتاب کی شعاعیں پڑتی ہیں تو اس سے بخارات اوپر اٹھتے ہیں اور یہی کثیف بن کر بادلوں کا روپ دھارتے ہیں اور جہاں اللہ تعالیٰ کا حکم ہوتا ہے برس جاتے ہیں، سوکھی کھیتیاں لہلہانے لگتی ہیں، انسان اور دیگر جاندار مخلوق کے لئے یہ پانی زندگی کا پیغام ثابت ہوتا ہے، قرآن اعلان کرتا ہے:

وَهُوَ الَّذِیٓ اَرْسَلَ الرِّیٰحَ بُشْرًا بَیْنَ یَدَیْ رَحْمَتِهٖ وَ اَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءً طَهُوْرًا لِّنُحْیِ بِهٖ بَلْدَةً مَّیْتًا وَّ نُسْقِیَهٗ مِمَّا خَلَقْنَآ اَنْعَامًا وَّ اَنَاسِیَّ كَثِیْرًا (الفرقان:۴۹)

''اور وہی اللہ تو ہے جو اپنی (رحمت) یعنی بارش سے قبل (ٹھنڈی ٹھنڈی) ہواؤں کو بشارت بنا کر بھیجتا ہے اور ہم نے ہی آسمان سے صاف ستھرا پانی اتارا ہے، تاکہ ہم اس سے مردہ علاقے کو زندہ کر دیں اور اپنی مخلوق میں سے بہت سے جانوروں اور انسانوں کو سیراب کریں۔''

رب کریم کی کرشمہ سازیاں ہر سو پھیلی ہوئی ہیں سمندر میں ٹھنڈے اور گرم، شیریں اور نمکین اور رنگ برنگ کے دریا رواں دواں ہیں اور ان کے درمیان کوئی دیوار حائل نہیں ہے۔ ان پر کس کا حکم ہے کہ وہ پانی آپس میں مل نہیں سکتے ہیں:

هُوَ الَّذِی مَرَجَ الْبَحْرَیْنِ، هٰذَا عَذْبٌ فُرَاتٌ وَّ هٰذَا مِلْحٌ اُجَاجٌ، وَجَعَلَ بَیْنَهُمَا بَرْزَخًا وَّ حِجْرًا مَّحْجُوْرًا (الفرقان:۵۳) ''اور وہی ہے جس نے سمندروں کو ملا رکھا ہے، ایک لذیذ و شیریں دوسرا تلخ و شور اور دونوں کے درمیان پردہ حائل ہے، ایک رکاوٹ ہے (وہ اللہ تعالیٰ کا حکم ہے) جو انہیں گڈمڈ ہونے سے روکے ہوئے ہے۔''

انسان کی مٹی اور پانی سے پیدائش، بچپن، جوانی، بڑھاپا اور موت ایسے حقائق ہیں جن سے قرآن پردہ اٹھاتا ہے اور کسی کو انکار کی قطعی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ ارشاد ہوتا ہے:

هُوَ الَّذِی خَلَقَكُمْ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ مِنْ نُّطْفَةٍ ثُمَّ مِّنْ عَلَقَةٍ ثُمَّ یُخْرِجُكُمْ طِفْلًا ثُمَّ لِتَبْلُغُوْآ اَشُدَّكُمْ ثُمَّ لِتَكُوْنُوْا شُیُوْخًا، وَ مِنْكُمْ مَنْ یُّتَوَفّٰی مِنْ قَبْلُ وَلِتَبْلُغُوْآ اَجَلًا مُّسَمًّی وَ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ (المومن:٦٧) ''وہی اللہ تو ہے جس نے تمہیں مٹی سے پیدا کیا پھر نطفے (پانی) سے، پھر خون کے لوتھڑے سے، پھر وہ تمہیں بچے کی شکل میں نکالتا ہے، پھر تمہیں بڑھاتا ہے تاکہ تم اپنی طاقت (جوانی) کو پہنچ جاؤ، پھر اور بڑھاتا ہے تاکہ تم بڑھاپے کو پہنچو تم میں

سے بعض بڑھاپے سے پہلے وفات پا جاتے ہیں اور بعض کو مہلت دیتا ہے کہ وہ ایک مقررہ مدت پوری کر لیں (اور یہ تمام مدارج حیات اس لئے بیان کر دیے گئے ہیں) تا کہ تم ان پر غور کرو۔"

اِس سائنسی دور میں قابل رشک ترقی کے باوجود اطبا اور ڈاکٹر صاحبان، بڑھاپے اور موت کا تریاق تلاش نہ کر سکے، قرآن اعلان کرتا ہے:

اَیۡنَ مَا تَکُوۡنُوۡا یُدۡرِکۡکُّمُ الۡمَوۡتُ وَلَوۡ کُنۡتُمۡ فِیۡ بُرُوۡجٍ مُّشَیَّدَۃٍ (النساء:۷۸)

"موت تو جہاں بھی تم ہو وہ بہر حال تمہیں آ کر رہے گی خواہ تم کیسے ہی مضبوط قلعوں میں ہو۔"

اور پھر جب موت کا وقت آ جاتا ہے تو خشکی وتری، فضا اور زمین میں کوئی فرق نہیں رہتا ہے، اور اسے دنیا کی کوئی طاقت نہیں روک سکتی ہے اور زندگی کے کٹھن مراحل پل بھر کے اندر موت میں تبدیل ہو جاتے ہیں:

فَاِذَا جَآءَ اَجَلُهُمۡ لَا یَسۡتَاۡخِرُوۡنَ سَاعَۃً وَّ لَا یَسۡتَقۡدِمُوۡنَ (النحل:۶۱) "(اللہ تعالیٰ سب کو ایک وقت مقررہ تک مہلت دیتا ہے) پھر جب ان کی (موت) کا وقت آ جاتا ہے تو اس سے کوئی ایک گھڑی بھر بھی آگے پیچھے نہیں ہو سکتا۔"

کتنی مشکل زندگی ہے! کس قدر آساں ہے موت
گلشن ہستی میں مانندِ نسیم ارزاں ہے موت

سچ ہے کہ اس دنیائے آب وگل میں اللہ تعالیٰ کے سوا سب کے لئے موت ہے، قرآن اس حقیقت کو یوں کھولتا ہے:

کُلُّ مَنۡ عَلَیۡهَا فَانٍ، وَّ یَبۡقٰی وَجۡهُ رَبِّکَ ذُو الۡجَلٰلِ وَ الۡاِکۡرَام (الرحمٰن:۲۶،۲۷)

"ہر چیز جو اس زمین پر ہے فنا ہو جانے والی ہے اور صرف تیرے رب کی جلیل وکریم ذات ہی باقی رہنے والی ہے۔"

پھر اللہ تعالیٰ کی قدرت پر غور کیجئے کہ اس نے اس دنیا میں کسی کو غریب بنا دیا ہے اور کسی کو امیر، کوئی فقیر ہے اور کوئی بادشاہ، کوئی محلات میں رہتا ہے اور کسی کے حصے میں جھونپڑی ہے، کوئی صبح وشام گھی میں تلی ہوئی کھاتا ہے اور کسی کے حصے میں نان جویں ہے، حصول رزق میں نہ تو طاقت وقوت کا عمل دخل ہے اور نہ ہی عقل ودانش کا، البتہ سعی وکوشش ضروری ہے اور اس کے صلہ میں وہی ملتا ہے جو اللہ نے مقسوم کر رکھا ہے، قرآن اس حقیقت کو یوں بیان کرتا ہے:

Marfat.com

نَحْنُ قَسَمْنَا بَيْنَهُم مَّعِيشَتَهُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَ رَفَعْنَا بَعْضَهُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجٰتٍ لِّيَتَّخِذَ بَعْضُهُمْ بَعْضًا سُخْرِيًّا (الزخرف:۲-۳) ''دنیا کی زندگی میں ان کی گزربسر کے ذرائع تو ہم نے ان کے درمیان تقسیم کئے ہیں اور ان میں سے کچھ لوگوں کو کچھ دوسرے لوگوں پر ہم نے بدرجہا فوقیت دی ہے تاکہ یہ ایک دوسرے کی خدمت لیں۔''

کسی عربی شاعر نے تقسیم رزق کے متعلق کیا عمدہ بات کہی ہے:

كَمْ مِنْ قَوِيٍّ فِي تَقَلُّبِهِ
مُهَذَّبِ الرَّأْيِ عَنْهُ الرِّزْقُ مُنْحَرِفُ
كَمْ مِنْ ضَعِيفٍ ضَعِيفِ الْعَقْلِ مُخْتَلَطٍ
كَأَنَّهُ مِنْ خَلِيجِ الْبَحْرِ يَغْرِفُ

''کئی طاقتور انسان، زیرک و دانا، سعی وجستجو میں ہوشیار ہوتے ہیں، مگر رزق کے دروازے ان پر بند ہوتے ہیں، اور کتنے ہی کمزور، کم عقل، کوتاہ فہم انسان سمندر اتنی دولت کے مالک ہو کر اس سے حسب منشاء خرچ کرتے ہیں۔''

شیخ سعدی شیرازی نے گلستان میں کہیں یہ بات لکھی ہے کہ اگر روزی عقل وفراست سے ملتی تو کم عقل اور نادان تو بھوکوں مرتے، حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ مالک الملک کے ہاتھ میں روزی ہے، وہ جتنا اور جس قدر چاہے کسی کو عطا کردے۔ معلوم ہوا کہ تنہا اللہ ہی اس کائنات کا خالق و مالک ہے۔ تو سوال پیدا ہوتا ہے کہ وہ کیسا ہے؟ قرآن حکیم نے انتہائی فصاحت وبلاغت سے ایک مختصر جملے میں اس بات کا جواب دے دیا ہے۔

لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ (الشوری:۱۱) ''کائنات کی کوئی چیز اس کے مشابہ نہیں۔''

وہ ہر چیز سے بے نیاز ہے اور سب اس کے محتاج ہیں:

قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ ٥ اَللّٰهُ الصَّمَدُ ٥ لَمْ يَلِدْ لا وَلَمْ يُوْلَدْ ٥ وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ (الاخلاص) ''کہو وہ اللہ ہے یکتا۔ اللہ بے نیاز ہے سب اس کے محتاج۔ نہ اس کی کوئی اولاد ہے اور نہ وہ کسی کی اولاد اور ہرگز نہیں ہمسر وہم پایہ بھی اس کا کوئی۔''

وہ کائنات کی ہر چیز کا روزی رساں ہے اور کسی سے روزی لیتا نہیں ہے:

وَهُوَ يُطْعِمُ وَ لَا يُطْعَمُ (الانعام:۱۴) ''اور جو روزی دیتا ہے اور روزی لیتا نہیں ہے۔''

Marfat.com

نفع ونقصان کا صرف اور صرف وہی مالک ہے:

وَاِنْ یَّمْسَسْکَ اللّٰہُ بِضُرٍّ فَلَا کَاشِفَ لَہٗ اِلَّا ھُوَ، وَ اِنْ یَّمْسَسْکَ بِخَیْرٍ فَھُوَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ (الانعام:۱۷)

''اگر اللہ تمہیں کسی قسم کا نقصان پہنچائے تو اس کے سوا کوئی نہیں جو تمہیں اس نقصان سے بچا سکے اور اگر وہ تمہیں کسی بھلائی سے بہرہ مند کرے تو وہ ہر چیز پر قادر ہے۔

وہ تمہاری ہر پکار کو سنتا ہے اور تمہاری ہر ضرورت کو پورا کرتا ہے:

وَاٰتٰکُمْ مِّنْ کُلِّ مَا سَاَلْتُمُوْہُ (ابراہیم:۳۴)

''اور جس نے وہ سب کچھ تمہیں دیا جو تم نے مانگا۔''

وہ اپنے بندوں کے بہت قریب ہے، ان کی پکار کا جواب دیتا ہے بندوں پر بھی لازم ہے کہ اس کے انعامات پا کر اس کی اطاعت وفرمانبرداری کا دم بھریں۔

وَاِذَا سَاَلَکَ عِبَادِیْ عَنِّیْ فَاِنِّیْ قَرِیْبٌ، اُجِیْبُ دَعْوَۃَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ، فَلْیَسْتَجِیْبُوْا لِیْ وَلْیُؤْمِنُوْا بِیْ لَعَلَّھُمْ یَرْشُدُوْنَ (البقرہ:۱۸۶)

اور (اے نبیؐ) جب میرے بندے آپؐ سے میرے متعلق پوچھیں تو انہیں کہہ دیجئے کہ میں (ان کے) قریب ہوں، میں تو دعا مانگنے والے کی التجاؤں کو جب بھی وہ مجھ سے دعا مانگے سنتا اور قبول کرتا ہوں، پس (بندہ کو بھی) چاہیے کہ وہ میرا حکم مانیں اور مجھ پر ایمان رکھیں تا کہ نیک راہ پالیں۔

وہ اسی رب قدیر کا حکم مانیں، اُسی کے آگے جھکیں اسی سے لو لگائیں، اسی کی زمین پر اسی کے احکام جاری وساری کریں اور ہمیشہ اسی کی توحید کے گیت گائیں

یہ نغمہ فصلِ گل و لالہ کا نہیں پابند
بہار ہو کہ خزاں لا اِلٰہ اِلَّا اللہ

Marfat.com

Marfat.com

سَیِّدُ الْمُرْسَلِیْن صلی اللہ علیہ وسلم

اللہ تعالیٰ نے جب سے انسان کو پیدا فرما کر اسے اس دنیا میں بسایا، تب سے زندگی گزارنے کیلئے مادی ضروریات کا بندوبست کیا تو اس کے ساتھ ساتھ اسے انسانیت کے بلند مرتبہ تک پہنچانے کے لئے روحانی غذا کا بھی سروسامان بہم پہنچایا، وہ انسانوں میں سے نیک اور صالح لوگوں کو منتخب فرما کر اپنی ہدایت سے نوازتا رہا تا کہ ان کی زندگیاں اس ہدایت کے سانچے میں ڈھل کر دوسروں کیلئے نمونہ بنیں یہ نفوس قدسیہ انبیا و رسل کہلائے، سب سے پہلے انسان اور سب سے پہلے نبی آدم علیہ السلام ہیں جنہوں نے اپنی اولاد کو درس اخلاق دیا۔

جب اولادِ آدم دھیرے دھیرے اس زمین پر پھیلتی گئی تو چھوٹی چھوٹی بستیوں سے بڑے بڑے دیہات اور قصبے وجود میں آئے اور ان میں ترقی ہوئی تو شہر بنے اور شہروں سے مل کر ملک آباد اور پھر انسانی طبائع کے اختلاف سے لوگوں نے اپنے اپنے علاقوں کی حد بندیاں کر لیں اور ایک دوسرے کے علاقہ میں نقل و حرکت کے لئے اصول اور ضابطے بنا لئے۔

قرآن حکیم کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ دنیا کے ہر شہر اور ہر مرکزی علاقہ میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے لوگوں کو پیغام حق سنانے والے ضرور آئے اور انہوں نے لوگوں کو دعوت حق دے کر اتمام حجت فرمادی۔ ارشاد ہوتا ہے:

وَ مَا كَانَ رَبُّكَ مُهْلِكَ الْقُرٰى حَتّٰى يَبْعَثَ فِيْٓ اُمِّهَا رَسُوْلًا يَّتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِنَا (القصص:۵۹) ”اور تیرا رب بستیوں کو ہلاک کرنے والا نہ تھا، جب تک کہ ان کے مرکز میں ایک رسول نہ بھیج دیتا جو ان کو ہماری آیات سناتا۔“

ان سب داعیان حق کے پیغام کا مرکزی نکتہ ایک ہی تھا یعنی اللہ کی توحید کا اقرار کرنا اور اس کی بندگی اختیار کرنا۔

Marfat.com

وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِکَ مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا نُوْحِیْٓ اِلَیْہِ اَنَّہٗ لَآ اِلٰہَ اِلَّآ اَنَا فَاعْبُدُوْنِ (الانبیاء:۲۵) ''ہم نے آپ سے پہلے جو رسول بھی بھیجا ہے، اس کو یہی وحی کی ہے کہ میرے سوا کوئی الٰہ نہیں ہے، پس تم لوگ میری ہی بندگی کرو۔''

مولانا عبدالماجد دریابادی لکھتے ہیں:

''اَنَّہٗ لَآ اِلٰـہَ اِلَّآ اَنَا'' یہ عقیدہ ہوا توحید کا، ''فَاعْبُدُوْنِ'' یہ عمل ہوا توحید کا، یہ دین توحید جس کا دوسرا نام دین اسلام ہے، دنیا کا قدیم ترین دین ہے (جس کی ابتدا تاریخ انسانیت میں آدم سے ہوئی) اور انبیاء کے ذریعے سے ہمیشہ تبلیغ اسی دین کی ہوتی رہی (اس کے برعکس) شرک تمام تر ذہن انسانی کی اختراع ہے اور بہت بعد کی پیداوار ہے۔'' (تفسیر ماجدی، ج: اول)

یہ تمام کے تمام رسول انسانوں میں سے ہوتے تھے بلکہ ان میں سے معزز خاندان کے چشم و چراغ...... یہ چلتے پھرتے، کھاتے پیتے اور بالکل انسانی ضروریات و احتیاج رکھتے، یہ بھی عام انسانوں کی طرح شادی بیاہ کرتے اور بال بچوں کی تعلیم و تربیت کرتے، مگر ان کے اخلاق و اعمال لوگوں سے ممتاز ہوتے تھے، یہ صدق وصفا کے پیکر اور امانت و دیانت کی تصویر ہوتے تھے، ان کے قول و عمل میں رضائے الٰہی کی جھلک نمایاں ہوتی تھی۔ ایسا کیوں نہ ہوتا اور ان کی زندگیاں لوگوں کے لئے نمونہ کیونکر نہ بن سکتیں؟

وَمَآ اَرْسَلْنَا قَبْلَکَ مِنَ الْمُرْسَلِیْنَ اِلَّآ اِنَّھُمْ لَیَاْ کُلُوْنَ الطَّعَامَ وَ یَمْشُوْنَ فِی الْاَسْوَاقِ (الفرقان:۲۰) ''(اے نبیؐ) آپ سے پہلے جو رسول بھی ہم نے بھیجے تھے، وہ سب بھی کھانا کھانے والے اور بازاروں میں چلنے پھرنے والے لوگ ہی تھے۔''

پھر یہ پاکباز ایسے تھے جنھوں نے کلمۃ الحق بلند کرنے کے لئے اللہ کی راہ میں جہاد کیا، زخم کھائے، تکلیفیں اٹھائیں اور بعض مرتبہ شہادت سے بھی سرفراز ہوئے۔

وَ کَاَیِّنْ مِّنْ نَّبِیٍّ قٰتَلَ مَعَہٗ رِبِّیُّوْنَ کَثِیْرٌ، فَمَا وَ ھَنُوْا، لِمَآ اَصَابَھُمْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ وَ مَا ضَعُفُوْا وَ مَا اسْتَکَانُوْا، وَاللّٰہُ یُحِبُّ الصّٰبِرِیْنَ (آل عمران:۱۴۶) ''کتنے ہی نبی گزر چکے ہیں جن کے ساتھ ہو کر اللہ والوں نے جہاد کیا، انہیں اللہ کی راہ میں جو مصائب و مشکلات پیش آئیں ان میں نہ انہوں نے ہمت ہاری، نہ کمزوری دکھائی اور نہ ہی سرنگوں ہوئے، ایسے ہی ثابت قدم رہنے والوں کو اللہ پسند کرتا ہے۔''

یہ ایسے سچے اور فرمانبردار تھے کہ جنہوں نے لہو پسینے سے کما کر حق حلال کی روزی حاصل کی اور خلوص اور وفاداری سے دعوتِ حق کا فریضہ سرانجام دیا، اور کبھی بھی لوگوں سے کسی اجر اور معاوضہ کا مطالبہ نہ کیا، بلکہ اپنے مال سے ہمیشہ غربا و مساکین کی خدمت کی، ان میں سے ہر ایک نے باآواز بلند یہ کہا'' فَمَا سَاَلْتُكُمْ مِّنْ اَجْرٍ، اِنْ اَجْرِیَ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ، وَ اُمِرْتُ اَنْ اَكُوْنَ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ (یونس:۷۲) میں تم سے کسی اجر کا طلبگار نہ تھا، میرا اجر تو اللہ کے ذمہ ہے اور مجھے حکم دیا گیا ہے (خواہ کوئی مانے یا نہ مانے) میں خود مسلمان بن کر رہوں۔''

یہ رسول اپنی، اپنی قوم اور لوگوں کی طرف آتے رہے۔ جیسا کہ سیدنا نوح علیہ السلام کے بارے میں فرمایا:

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا اِلٰى قَوْمِهٖ (ھود:۲۵) ''اور ہم نے نوح کو اس کی قوم کی طرف بھیجا۔''

سیدنا موسیٰ علیہ السلام اپنی قوم سے یوں مخاطب ہوتے ہیں:

وَاِذْ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهٖ يٰقَوْمِ (البقرہ:۵۴) ''اور یاد کرو جب موسیٰ نے اپنی قوم سے کہا۔''

اور ھود علیہ السلام کا ذکر اس طرح آتا ہے:

وَاِلٰى عَادٍ اَخَاهُمْ هُوْدًا (الاعراف:۶۵) ''اور عاد کی طرف ہم نے ان کے بھائی ہود کو بھیجا۔''

اور عیسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل کو یوں خطاب کرتے ہیں:

وَاِذْ قَالَ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ يٰبَنِیْٓ اِسْرَآءِيْلَ اِنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ (الصف:۶) ''اور یاد کرو عیسیٰ ابن مریم کی وہ بات جو انہوں نے کہی تھی ''اے بنی اسرائیل میں تمہاری طرف اللہ کا بھیجا ہوا رسول ہوں۔''

اور خاتم النبیین محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تا قیامت نسل انسانیت کی طرف مبعوث فرمایا گیا، ارشاد ہوتا ہے:

وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا كَآفَّةً لِّلنَّاسِ بَشِيْرًا وَّ نَذِيْرًا (سبا:۲۸) ''اور اے (نبی ﷺ) ہم نے آپ کو نسل انسانیت کیلئے بشیر و نذیر بنا کر بھیجا ہے۔''

Marfat.com

مولانا عبدالماجد دریابادی لکھتے ہیں:

"اتنی صراحت کے ساتھ اپنے پیام ہدایت کی عالمگیری کا دعویٰ دنیا کے کسی دین نے بھی نہیں کیا، یہ خصوصیت آسمانی کتابوں میں صرف قرآن کی ہے، قرآن ہی اعلان کے ساتھ کہتا ہے کہ پیامِ محمدی ﷺ ہر ملک، ہر قوم، ہر طبقۂ انسانیت اور ہر زمانہ کی ہدایت کے لئے ہے...... اِسلام کے دو دعوے ایسے ہیں، جن میں دنیا کا کوئی دوسرا دین اس کا شریک نہیں، دونوں دعوے اسلام کے امتیازات خصوصی میں سے ہیں، ایک یہ بار بار تصریح و وضاحت کے ساتھ کہنا کہ میری تعلیم ساری دنیا کے لئے ہے، دوسرے مذاہب جیسے اپنی قوم یا ملک کے باہر کسی کو جانتے ہی نہیں...... دوسرے پیغمبر اسلام ﷺ کو سلسلہ انبیاء کا خاتم قرار دینا۔" (تفسیر ماجدی)

یقیناً تمام رسول ہمارے لئے واجب الاحترام ہیں اور قرآن حکیم نے یہی تعلیم دی ہے "لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْهُمْ" یعنی رسولوں کے درمیان باہم کوئی فرق نہیں کرتے، ہمارا یہ ایمان ہے کہ یہ سب اللہ تعالیٰ کی طرف سے پیغام حق لے کر تشریف لائے اور انہوں نے من وعن اس پیغام کو لوگوں تک پہنچا دیا مگر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سلسلہ انبیاء کے سالار اعظم ہیں:

سالار کارواں ہے، میرِ حجاز اپنا
اِس نام سے باقی آرامِ جاں ہمارا

اور سلسلہ نبوت آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر ختم ہو جاتا ہے۔ قرآن اعلان کرتا ہے:

وَلٰـكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَ خَاتَمَ النَّبِيّٖنَ (الاحزاب:۴۰) "مگر وہ اللہ کے رسول اور خاتم النبیین ہیں۔"

اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ کو مسلمانوں کے لئے نمونہ ٹھہرایا اور فرمایا:

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ (احزاب:۲۲) "اور یقیناً تمہارے لئے رسول اللہ کی زندگی میں پیروی کی عمدہ مثال ہے۔"

مولانا محمد حنیف ندوی لکھتے ہیں:

عربی میں "اُسْوَة" کے معنی کسی شخص کے نقش قدم پر چلنے اور پیروی کرنے کے ہیں، آیت کا مفہوم یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پوری زندگی مسلمانوں کے لئے ایک عمدہ نمونہ اور کامل

Marfat.com

وجامع مثال کی حیثیت رکھتی ہے یعنی آپ کی سیرت وکردار کا ہر گوشہ اس لائق ہے کہ اس سے تابش وضو حاصل کی جائے، چاہے اس کا تعلق انفرادی زندگی سے ہو یا حیات اجتماعی سے، چاہے روحانیت کے اسرار ورموز کا سامنا ہو یا روزمرہ پیش آئندہ مسائل کا معاملہ، عبادت سے لے کر معاملات کا ایک ایک جزئیہ بہرحال سزاوارِ اطاعت ہے اس لئے بھی کہ عالم بشری میں تنہا آپ کی ذات گرامی ایسی ہے جو مکارم اخلاق کے لحاظ سے بلندترین مقام پر فائز ہے اور اس بنا پر بھی کہ وحی وتنزیل کی دنیا میں آپ ہی وہ منفرد شخصیت ہیں جنہوں نے اپنے پیغام ودعوت میں حق وصداقت کی تمام تجلّیات ممکنہ کو اس جامعیت سے سمولیا ہے کہ ان کے بعد اور کوئی مدعی نظروں میں جچتا ہی نہیں۔" (لسان القرآن، ج: اول)

اور رب کریم نے یہاں تک حکم دے دیا:

وَمَآ اٰتٰـكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ، وَمَا نَهٰكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا (الحشر: ۷) "جو کچھ رسولؐ تمہیں دے وہ لے لو اور جس بات سے وہ تمہیں منع کریں، اس سے رک جاؤ۔"

اس سے صاف ظاہر ہے کہ دین و شریعت کو سمجھنے کیلئے ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف رجوع کرنا ہوگا، آپ ﷺ نے قرآن حکیم کی جو تشریح وتفسیر بیان فرمائی ہے اسے دل وجان سے قبول کرنا ہوگا، وہی ہمارے اصل ہادی ورہنما ہیں، محض زبان سے عاشق رسول ﷺ ہونے کا دعویٰ کرنا اور عمل کے وقت غیروں کے حکم پر چلنا، عشق نہیں بلکہ سراسر شر ہے۔ جسے دین حق سے دور کا بھی واسطہ نہیں:

بمصطفیٰؐ برساں خویش راہ کہ دیں ہمہ اوست
اگر بہ اُو نرسیدی تمام بولہبی است

"اپنے آپ کو جناب مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچا، کہ وہ سراپا دین ہیں، اگر تو اُن ﷺ تک نہ پہنچے یعنی ان سے دین حاصل نہ کرے تو تیری زندگی اسی طرح سراپا شرّ ہے جس طرح ابولہب کی زندگی تھی۔"

بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم ہوتا ہے کہ ان لوگوں کو فرما دیجئے کہ اگر تمہیں واقعی اللہ تعالیٰ سے محبت ہے تو میری اتباع کرو تمہیں اس کا بارگاہ الٰہی سے محبت بھرا جواب ملے گا، بلکہ تمہیں مغفرت وبخشش کی خوشخبری ملے گی۔

Marfat.com

قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِیْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَ يَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ، وَ اللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ (آل عمران:۳۱)

''اے نبیؐ، لوگوں سے کہہ دیجئے کہ ''اگر تم حقیقت میں اللہ سے محبت رکھتے ہو تو میری اتباع کرو، اللہ تم سے محبت کرے گا اور تمہاری خطاؤں سے درگزر فرمائے گا، وہ بڑا معاف کرنے والا اور رحیم ہے۔''''

دراصل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع اور اطاعت ہی کامیابی کا راز ہے اس بات کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کتنے خوبصورت الفاظ میں ارشاد فرمایا:

''كُلُّ اُمَّتِیْ يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ اِلَّا مَنْ اَبٰی'' قِيْلَ: وَمَنْ يَأْبٰی يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ؟ قَالَ: ''مَنْ أَطَاعَنِیْ دَخَلَ الْجَنَّةَ، وَمَنْ عَصَانِیْ فَقَدْ أَبٰی'' [روا البخاری، رياض الصالحين باب فی الامر بالمحافظة علی السنة]

''میری امت کا ہر شخص جنت میں جائے گا مگر جس نے انکار کیا، صحابہ نے عرض کیا، اے اللہ کے رسول! بھلا کون انکار کرے گا؟ ارشاد ہوا، جس نے میری اطاعت کی، جنت میں داخل ہوا اور جس نے میری نافرمانی کی تو اس نے (درحقیقت) میرا انکار کیا۔''

حقیقت یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کے بغیر ہمارا دین مکمل ہو ہی نہیں سکتا ہے:

اَزْ رِسَالت در جهان تكوينِ ما
اَزْ رِسَالت دِينِ مَا، آئينِ ما

''دنیا میں رسالت ہی سے ہماری مسلمانی کی جان پہچان ہے اور رسالت ہی سے ہمارا دین اور آئین قائم ودائم ہے۔''

جب تک ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فیصلوں پر راضی نہ ہو جائیں، ہمارا ایمان مکمل ہی نہیں ہوسکتا ہے، اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

فَلَا وَ رَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ حَتّٰی يُحَكِّمُوْكَ فِيْمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ، ثُمَّ لَا يَجِدُوْا فِیْ اَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَ يُسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا

''(اے محمدؐ) آپ کے رب کی قسم، یہ کبھی مومن نہیں ہو سکتے جب تک کہ اپنے باہمی اختلافات میں یہ آپ کو فیصلہ کرنے والا نہ مان لیں پھر جو کچھ آپ فیصلہ کریں اس پر اپنے دلوں

Marfat.com

میں کوئی تنگی نہ محسوس کریں، بلکہ سر بسر تسلیم کر لیں۔"

اگر ہم دنیا میں عزت و سر بلندی کے خواہاں ہیں تو اس کا طریقہ کار صرف اور صرف یہی ہے کہ ہم اپنا دل اللہ تعالیٰ سے جوڑیں، اُس کی بندگی کو اپنی زندگی کا شعار بنائیں اور اس راہ پر چلنے کیلئے خاتم النبیین محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا اسوہ اپنائیں اور متحد ہو کر اللہ تعالیٰ کے دین کو غالب کرنے کی ہر ممکن سعی و جستجو کریں:

مقام خویش اگر خواہی دریں دہر
بحق دل بند و راہِ مصطفیٰؐ رو

"(مسلمانو) اگر تم اس دنیا میں اپنا مقام چاہتے ہو، تو اپنا دِل اللہ سے لگاؤ اور مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا راستہ اختیار کرو۔"

انسان ہونے کے ناطے سے اس کا سب سے بڑا شرف حسنِ اخلاق میں مضمر ہے۔

ابو درداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "روزِ جزا بندہ مومن کے ترازو میں حسنِ اخلاق سے زیادہ وزنی اور کوئی چیز نہ ہو گی۔"

(ریاض الصالحین...... باب حسن الخلق)

ابو ھریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا کہ لوگوں کو جنت میں لے جانے والی سب سے قیمتی کونسی بات ہے، ارشاد ہوا "تَقْوَی اللّٰهِ وَ حُسْنُ الْخُلُقِ" "یعنی اللہ تعالیٰ کا خوف اور پاکیزہ اخلاق" اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ بھی پوچھا گیا کہ جہنم میں لوگوں کو لے جانے والی کونسی بات ہے، ارشاد ہوا "اَلْفَمُ والفَرْج" منہ اور شرمگاہ کا غلط استعمال۔ (حوالہ ایضاً)

ابو ھریرہ رضی اللہ عنہ ہی سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اَکْمَلُ الْمُؤْمِنِیْنَ اِیْمَانًا اَحْسَنُهُمْ خُلُقًا، وَخِیَارُکُمْ، خِیَارُکُمْ لِنِسَائِهِمْ"۔ مومنوں میں کامل ترین ایمان ان لوگوں کا ہے جن کے اخلاق سب سے اچھے ہوں اور تم میں سب سے اچھے وہ لوگ ہیں جن کا برتاؤ اور رویہ اپنی بیویوں کے ساتھ سب سے اچھا ہو۔" (حوالہ ایضاً)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ "کَانَ رَسُولَ اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم أَحْسَنَ النَّاسِ خُلُقًا" کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں میں سب سے بہتر اخلاق رکھتے تھے۔

Marfat.com

اس بات کی شہادت رب کریم کی طرف سے ملتی ہے اور اس سے بڑھ کر کس کی شہادت ہو سکتی ہے۔

وَاِنَّکَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیۡمٍ (القلم:۴) ''اور بلاشبہ آپ اخلاق کی بلندیوں پر فائز ہیں۔''

مولانا محمد حنیف ندویؒ لکھتے ہیں:

''یہاں خلق سے مراد، وہ عادات واطوار حسنہ ہیں جن کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے کردار وسیرت میں سمو کر دکھایا، عظیم سے یہ مقصود ہے کہ خرد و خیر کی تکمیل و جامعیت کا کوئی بھی نقشہ ترتیب دیجئے، ایک ایک نیکی اور خوبی کا تصور کیجئے اور پھر یہ دیکھئے کہ جامعیت اور توازن کے ساتھ بجز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ اقدس کے تاریخ میں کوئی اور شخص ان کا حامل نظر آتا ہے؟ مزید براں یہ خلق عظیم جو آپ کا خاصہ ہے، صرف آپؐ کی ذات ہی کی حد تک سمٹا ہوا نہیں، بلکہ اس کی تاثیر نفوذ کا یہ کرشمہ ہے کہ آپ ﷺ نے ایسے مثالی معاشرے کی تشکیل کی جس میں ایک ایک فرد آفتاب و ماہتاب کی طرح تاریخ کے اوراق میں دمک رہا ہے اور رضائے الٰہی کی شہادت وسند کا سزاوار ہے۔'' (لسان القرآن، ج:۲)

مسلمانو! اللہ تعالیٰ تمام جہانوں کا پالنہار ''رَبُّ الۡعٰلَمِیۡنَ'' ہے۔ اُس نے جو کتاب عظیم خاتم النبیین پر نازل فرمائی۔ وہ ''ھُدًی لِّلنَّاسِ'' ہے۔ (نسل انسانیت کے لئے ہدایت) اور جس نبی پر یہ کتاب نازل ہوئی وہ ''رحمۃ للعالمین'' ہیں اور تمہیں نسل انسانیت کی رہبری کا شرف حاصل ہے ''اُخۡرِجَتۡ لِلنَّاسِ'' (بنی نوع انسان کی رہبری تمہاری ذمہ داری ہے)، مگر افسوس اس قدر شرف وعظمت پانے کے باوجود تم بھٹک رہے ہو ذلیل وخوار ہو رہے ہو، یہ تمہارے دین وایمان کی کمزوری کی واضح علامت ہے وگرنہ:

کی محمدؐ سے وفا تو نے تو ہم تیرے ہیں
یہ جہاں چیز ہے کیا لوح وقلم تیرے ہیں

اِخلاص

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ تمام اعمال (کی مقبولیت) کا دارومدار بس نیتوں پر ہے اور ہر شخص اپنی نیت کے مطابق ہی اجر وثواب پاتا ہے تو جس شخص نے اللہ اور رسول کی طرف ہجرت کی (اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی اور اطاعت رسول کا دم بھرتے ہوئے) پس اسی کی ہجرت درحقیقت اللہ اور رسول کی طرف ہوئی، اور جو کوئی کسی دنیاوی غرض کے لئے یا کسی عورت سے نکاح کرنے کی خاطر ''مہاجر'' بنا تو ایسے شخص کی ہجرت اسی غرض کی طرف شمار ہوگی جس کی خاطر اس نے ہجرت کی ہے (وہ ہجرت کے ثواب سے بہرہ ور نہ ہو سکے گا) [ریاض الصالحین باب الاخلاص]

اخلاص کا مطلب یہ ہے کہ ایک مسلمان ہر قسم کے شرک اور ریاکاری سے کنارہ کش ہو کر اپنے ہر عمل اور ہر کوشش کو بلکہ ہر سانس اور ہر ساعت کو خالص اللہ تعالیٰ کی رضا اور خوشی کے لئے وقف کردے جیسا کہ قرآن حکیم میں سیدھی اور سچی راہ اختیار کرنے والوں کے متعلق ارشاد ہوا:

وَاَخْلَصُوْا دِيْنَهُمْ لِلّٰهِ (النساء:۱۴۶) ''اور انہوں نے اپنے دین کو اللہ تعالیٰ کے لئے خالص کردیا''

یعنی پوری زندگی اطاعت اور وفاداری کے ساتھ احکام الٰہی کے مطابق گزاری تو ایسے ہی لوگوں کے لئے آخرت میں کامیابی ہے۔

یہ بات اچھی طرح ذہن نشین کر لیجئے کہ عمل اگر خالص ہو اور درست نہ ہو، تب بھی قبول نہیں ہوگا، اور اگر درست ہو اور خالص نہ ہو تب بھی قبول نہیں ہوگا اور خالص عمل وہ ہے جو صرف اللہ تعالیٰ کے لئے ہو اور درست عمل وہ ہے جو سنت کے مطابق ہو، اس آیت پر غور کیجئے

فَمَنْ كَانَ يَرْجُوْا لِقَآءَ رَبِّهٖ فَلْيَعْمَلْ عَمَلاً صَالِحًا وَّلَا يُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهٖ

Marfat.com

اَحَـدًا (الکہف:۱۱۰) ''جو کوئی اپنے رب کی ملاقات کا امیدوار ہو اسے چاہیے کہ نیک عمل کرے (محض رب کائنات کی رضامندی چاہتے ہوئے اور سنت کے مطابق) اور بندگی میں اپنے رب کے ساتھ کسی اور کو شریک نہ کرے۔

اس بات کو مثال سے اس طرح سمجھئے کہ ایک شخص رضائے الٰہی کے لئے نماز ادا کرتا ہے مگر وضو کرنے اور ادائیگی نماز میں سنت مطہرہ کو نظر انداز کر دیتا ہے تو ایسا شخص نماز کی فضیلت اور ثواب سے محروم ہو جاتا ہے یا نماز تو وہ سنت کے مطابق ادا کرتا ہے مگر اس کی ادائیگی میں ریاکاری اور دکھلاوا مقصود ہوتا ہے تو بھی قبولیت نماز سے فارغ ہو جاتا ہے۔ منافقین کی نماز کے بارے میں اس طرح آتا ہے:

وَاِذَا قَامُوْٓا اِلَى الصَّلٰوةِ قَامُوْا كُسَالٰى يُرَآءُوْنَ النَّاسَ وَلَا يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ اِلَّا قَلِيْلًا (النساء:۱۴۲) ''اور جب وہ نماز کیلئے کھڑے ہوتے ہیں تو کاہلی کے ساتھ کھڑے ہوتے ہیں (جیسے کوئی مارے باندھے کھڑا ہو جائے) محض لوگوں کو دکھانے کے لئے نماز پڑھتے ہیں اور اللہ کا ذکر نہیں کرتے مگر برائے نام''۔

ایسے نمازیوں کا ذکر دوسرے مقام پر اس طرح آتا ہے: فَوَيْلٌ لِّلْمُصَلِّيْنَ (۴) الَّذِيْنَ هُمْ عَنْ صَلَاتِهِمْ سَاهُوْنَ (۵) الَّذِيْنَ هُمْ يُرَآءُوْنَ (۶) وَيَمْنَعُوْنَ الْمَاعُوْنَ (۷) [الماعون] ''پھر ایسے نمازیوں کے لئے (بھی) ہلاکت ہے جو اپنی نمازوں سے غافل رہتے ہیں، جو ریا کرتے ہیں اور معمولی برتنے کی اشیاء (بھی مانگنے پر) نہیں دیتے''۔

یہ تو ریاکار منافقین کی نماز کا ذکر ہے اور حدیث مبارک میں اس نمازی کا ذکر بھی آیا ہے جس نے اگرچہ خلوص اور وفاداری سے نماز ادا کی مگر اسے خشوع و خضوع اور تعدیل ارکان سے اور نیت کے مطابق ادا نہ کیا جس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے فرمایا:
فَصَلِّ فَاِنَّكَ لَمْ تُصَلِّ ''(اے شخص) اپنی نماز دوبارہ پڑھ اس لئے کہ تیری نماز نہیں ہوئی۔'' اور حسب عادت وہ جلدی میں نماز پڑھتا رہا تو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے دوبارہ اچھی طرح نماز پڑھنے کی تعلیم فرمائی۔

اس سے معلوم ہوا کہ خلوص کے ساتھ ساتھ عمل کی صحت اور اتباع سنت بھی لازمی امر ہے۔ زندگی اور اس کا ہر ہر عمل صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کی رضا اور خوشنودی کے لئے ہے، ایسا

کیوں ہے؟ اس لئے کہ اگر انسان غور وفکر کرے تو یہ بات روز روشن کی طرح عیاں ہو جاتی ہے کہ اس کے جسم و جان سے لے کر زمین و آسمان کی ہر چیز کا خالق و مالک صرف اللہ تعالیٰ ہے۔ اس کے احسانات بے حد و حساب ہیں، اس کی نعمتیں ان گنت اور بے شمار ہیں۔ غور کیجئے کہ جسم انسانی انتہائی نرم و نازک اور عجیب و غریب مشینری ہے اور ہر ہر عضو کتنی بڑی نعمت ہے۔ آنکھیں نہ ہوں تو دنیا اندھیر ہے، کان نہ ہوں تو باغ و راغ کا مزا کرا ہے، ہاتھ پاؤں نہ ہوں تو سارا جسم بے کار ہے، ناک خراب ہو جائے تو سانس لینے میں دشواری ہے، معدے میں فتور پیدا ہو جائے تو پورا جسم متاثر ہوتا ہے، جگر کی شکایت سے خون صالح بننے سے رک جاتا ہے۔ دل اگر پورے جسم میں خون کو پمپ کرتا ہے تو دماغ سوچ بچار کے فرائض سرانجام دیتا ہے۔ یہ تمام اعضاء احکام الٰہی کے تحت لگے بندھے اصولوں کے مطابق اپنا اپنا کام کرتے رہتے ہیں، ان میں سے کسی ایک عضو میں بھی خرابی پیدا ہو جائے تو انسان پریشان ہو جاتا ہے اور ہر طرح سے دوا دارو کرتا پھرتا ہے اور جب تک رب کی طرف سے شفا کا حکم نہ ہو، اسے شفا نہیں مل سکتی۔ مرض کی شدت میں اس کی فریاد کس کے پاس ہوتی ہے، ایسے وقت میں باغی اور سرکش بھی بے اختیار اللہ تعالیٰ کے حضور ہی فریاد کرتے ہیں، ان کے دل بھی یہی گواہی دے رہے ہوتے ہیں کہ جب تک رب کائنات شفا نہ دے قیمتی سے قیمتی ادویات بھی بیکار ثابت ہو سکتی ہیں، اللہ تعالیٰ چاہے تو خاک میں شفا ڈال دے اور نہ چاہے تو سونا اور جواہرات بھی کچھ سودمند نہیں ہو سکتے۔

پھر غور کیجئے کہ رب کائنات نے انسان کو اگر شکل و صورت کے لحاظ سے تمام مخلوقات میں بہتر و برتر بنایا ہے تو اس کے کھانے پینے کے لئے بھی عمدہ سے عمدہ تر نعمتیں پیدا کی ہیں، یہ طرح طرح کے شیریں اور لذیذ میوہ جات، یہ انواع و اقسام کی سبزیاں اور رنگ برنگ کے پھول جن کی خوشبو سے دل و دماغ مہک جاتے ہیں اور طرح طرح کے اناج جنہیں کھا کر وہ قوت و توانائی حاصل کرتا ہے اور جو موسموں کے ساتھ بدل بدل کر چلے آتے ہیں، یہ سب کچھ رب کریم و رحیم کے کتنے بڑے انعامات ہیں۔

وَاِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا (ابراھیم: ۳۴) ''اگر تم اللہ کی نعمتیں گننا چاہو تو کبھی ان کا حساب نہ رکھ سکو گے۔''

سب سے بڑھ کر اللہ تعالیٰ نے انسان کو عقل و فکر کی ایسی روشنی عطا فرمائی ہے کہ اس سے

Marfat.com

مختلف علوم وفنون کے چشمے پھوٹے ہیں اور یہ شرف وعزت اسے مخلوقات میں سرفراز کردیتا ہے۔
اس نے اپنے رہنے سہنے کے لئے عمدہ، آرام دہ مکانات اور اوڑھنے بچھونے کے لئے طرح طرح کے ملبوسات تیار کر لئے ہیں، سیر وسفر کے لئے پختہ شاہراہیں اور پل اور آرام دہ گاڑیاں بنالی ہیں بلکہ طیاروں کے ذریعہ فضاؤں میں تیرتا پھرتا ہے کہ دنوں اور مہینوں کا سفر گھنٹوں اور منٹوں میں طے کرلیتا ہے، ٹیلیفون، وائرلیس، ریڈیو اور ٹیلی ویژن نے ملکوں اور شہروں کو اس طرح جوڑ دیا ہے کہ وہ ایک دوسرے کے حالات سے ایسے باخبر رہتے ہیں گویا کہ وہ ایک ہی گھر میں بس رہے ہوں، یہ شرف وکمال حضرت انسان ہی کو حاصل ہے، کسی دوسری مخلوق کو کیوں نہیں حاصل؟ اس کا جواب صاف اور روشن ہے کہ رب کائنات نے اسے اشرف المخلوقات بنایا ہے اور اسے علم وعقل کی نعمت سے نوازا ہے۔

وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِيْ آدَمَ (بنی اسرئیل:۷۰) ''اور ہم بنی آدمی کو عزت بخشی ہے۔''

یہ تو سراسر احسان فراموشی ہوگی کہ انسان تمام نعمتیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے پائے اور اس کی وفاداریاں اوروں کے ساتھ ہوں۔

بتوں سے تجھ کو امیدیں، خدا سے نومیدی
مجھے بتا تو سہی اور کافری کیا ہے

پھر اس کی مثال یوں سمجھئے کہ ایک شخص تنخواہ کسی ایک حکومت سے پائے اور اس کی وفاداریاں کسی دوسری حکومت کے ساتھ ہوں، ذرا بتلائیے کہ ایسا شخص باغی نہیں تو اور کیا ہوگا اور کیا ایسا سرکش اور ناداں شخص سخت سے سخت سزا کا مستحق نہیں ہے؟

پس اخلاص کا لازمی تقاضا یہ ہے کہ مالک کے ہر حکم کو سرآنکھوں پر رکھا جائے اور زندگی کو کامل وفاداری سے گزارا جائے، اخلاص پیدا ہوتے ہی آپس کی نفرتیں اور کدورتیں ختم ہوجاتی ہیں، کیونکہ آقا نے حکم دیا ہے کہ آپس میں مل بیٹھو اور تفریق نہ ڈالو۔

وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا (ال عمران:۱۰۳) ''اور اللہ کی رسی (قرآن) کو مضبوطی سے تھام لو اور فرقہ بندی نہ کرو''

اخلاص پیدا ہوتے ہی زندگی کا ہر لمحہ اور ہر عمل رب کائنات کے لئے وقف ہوجاتا ہے اور دل کی گہرائی سے یہ صدا نکلتی ہے:

Marfat.com

اِنَّ صَلَاتِیْ وَ نُسُکِیْ وَ مَحْیَایَ وَ مَمَاتِیْ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ (الانعام:۱۶۲)''بلا شبہ میری نماز، اور میری قربانی، میرا جینا اور میرا مرنا (سب کا سب) اللہ تعالیٰ ہی کے لئے ہے جو تمام جہانوں کا پالنہار ہے''۔

وہ ہجرت، ہجرت نہ ہوگی جو اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے نہ ہو اور وہ جہاد، جہاد نہ ہوگا جس میں رضائے الٰہی نہ ہو غرضیکہ زندگی سرتاپا اللہ تعالیٰ کی رضا کے تحت آجائے گی۔

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ایسے شخص کے متعلق پوچھا گیا جو بہادری اور شجاعت کے لئے لڑتا ہے، یا حمیت اور قومی غیرت کیلئے میدان جنگ میں جاتا ہے، یا پھر ریاکاری اور دکھلاوے کے لئے اپنے جوہر دکھاتا ہے، اس میں اللہ کے راستے میں کونسا ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

مَنْ قَاتَلَ لِتَکُونَ کَلِمَۃُ اللّٰہِ ھِیَ الْعُلْیَا فَھُوَ فِی سَبِیْلِ اللّٰہِ (ریاض الصالحین۔ باب الاخلاص)

''صرف وہی شخص فریضہ جہاد کا حق ادا کرتا ہے جس کی یہ تمام جدوجہد اللہ تعالیٰ کے دین کی سربلندی کے لئے ہو۔''

آیئے غور کریں کہ اخلاص ایسی لازوال نعمت سے ہم بہرہ ور ہیں؟ اگر ہم میں اخلاص ہوتا تو کبھی دھڑے بندیوں کا شکار نہ ہوتے اور پاکستان میں کبھی کا نظام حق جاری وساری ہو چکا ہوتا۔ اگر اخلاص ہوتا تو کبھی بھی لڑائی جھگڑوں، دنگہ وفساد کا شکار نہ ہوتے، اور یہ خطہ زمین امن وسلامتی کا گہوارہ ہوتا۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ ہم اعمال کرتے کرتے تھک جائیں اور ریاکاری اور دنیاوی نمودو نمائش، نیز تکبر وغرور کے بت جنہیں ہم نے دلوں میں سجا رکھا ہے، ہماری تباہی وبربادی کا باعث بنیں جس کا نقشہ قرآن نے یوں کھینچا ہے:

قُلْ ھَلْ نُنَبِّئُکُمْ بِالْاَخْسَرِیْنَ اَعْمَالاً (۱۰۳) اَلَّذِیْنَ ضَلَّ سَعْیُھُمْ فِی الْحَیٰوۃِ الدُّنْیَا وَ ھُمْ یَحْسَبُوْنَ اَنَّھُمْ یُحْسِنُوْنَ صُنْعًا (۱۰۴) [کہف]

''اے پیغمبر! تو کہہ دے ''ہم تمہیں خبر دے دیں، کون لوگ اپنے کاموں میں سب سے زیادہ نامراد ہوئے؟ وہ جن کی ساری کوششیں دنیا کی زندگی میں کھوئی گئیں (اللہ تعالیٰ کی رضا انہیں قطعی مطلوب نہ تھی) اور وہ اس دھوکے میں پڑے ہیں کہ وہ اچھا کام کر رہے ہیں۔''

Marfat.com

میں اس تحریر کو اس دعا پر ختم کرتا ہوں۔

اَللّٰهُمَّ طَهِّرْ قَلْبِیْ مِنَ النِّفَاقِ وَ عَمَلِیْ مِنَ الرِّيَاءِ، وَ لِسَانِیْ مِنَ الْكَذِبِ وَ عَيْنِیْ مِنَ الْخِيَانَةِ فَاِنَّكَ تَعْلَمُ خَائِنَةَ الْاَعْيُنِ وَ مَا تُخْفِی الصُّدُوْرِ

”اے اللہ! میرے دل کو نفاق سے، اور میرے عمل کو ریا سے، میری زبان کو جھوٹ سے اور میری آنکھ کو خیانت سے پاک وصاف بنا دے بیشک تو ہی آنکھوں کی خیانت اور دلوں کے راز کو جانتا ہے۔“

ایک ہوں مسلم حرم کی پاسبانی کے لئے

Marfat.com

آرام طلبی مسلمان کی شان نہیں

حضرت معاذؓ بن جبل سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے انہیں یمن کی طرف روانہ کرتے ہوئے نصیحت فرمائی تھی کہ ”آرام طلبی اور تن آسانی سے بچتے رہنا، اللہ تعالیٰ کے خاص بندے آرام طلب اور تن آسان نہیں ہوا کرتے۔“ [رواہ احمد]

زندگی گزارنے کا ایک رخ تو یہ ہے کہ عیش و عشرت اور باغ و بہار کے مزے لوٹتے ہوئے اسے گزارا جائے، خوراک ہے تو انواع واقسام کے کھانے دستر خوان پر چنے جاتے ہیں، ان کے بغیر کھانے کا لطف نہیں آتا، ضرورت سے زائد کھانا شام کو باہر پھینک دیا جاتا ہے۔ پہناوا ہے تو قیمتی و فاخرہ لباس زیب تن کئے بغیر طبیعت نہیں رکتی، رہائش کے لئے بلند و بالا، وسیع وعریض محلات چاہئیں جن کے کمرے قالینوں اور قندیلوں سے آراستہ و پیراستہ ہوں انہیں ٹھنڈا گرم رکھنے کا انتظام ہو، خدمت کے لئے خدام دست بستہ کھڑے ہوں، گھر سے باہر نکلتے ہی سواری حاضر ہو اور دو چار قدم چلنا بھی دوبھر ہو جائے اور سانس پھول جاتا ہو، دولت ہو تو یہ ناز و نخرے پورے ہو جاتے ہیں، اسلام نے انہیں حرام تو قرار نہیں دیا اور ان سے جائز حد تک فائدہ اٹھایا جا سکتا ہے اور ایمان و عمل کے ساتھ ان آسائشوں اور سہولتوں سے فائدہ اٹھانا بھی خیر و برکت کا باعث ہے۔

مگر اس سے بہتر اور ارفع زندگی کا دوسرا رخ ہے۔ موٹا جھوٹا کھانا، سادہ مگر صاف ستھرا پہننا، سر چھپانے کے لئے مناسب اور سادہ رہائش، اپنا کام کاج اپنے ہاتھوں سے کرنے کی عادت اور محنت و مشقت کی مشق کہ اس سے جہاد زندگی کی تربیت حاصل ہو، پیدل چلنے اور دوڑنے کی ورزش کہ جس سے نہ صرف صحت بحال رہے بلکہ اللہ کے دشمنوں سے لڑنے کی قوت و صلاحیت بھی پیدا ہو، اور ایسی زندگی ایمان اور عمل صالح سے خوب تر بنتی ہے۔

جناب رسول اللہ ﷺ اور آپ کے پیارے صحابہؓ کی پاکیزہ زندگیاں اس دوسرے رخ کا

Marfat.com

بہترین نمونہ تھیں، آپ ﷺ کے پاس یہ نہیں کہ مال و دولت نہ تھا، اللہ تعالیٰ کا دیا ہوا سب کچھ تھا، شادی سے قبل آپ ﷺ نے تجارتی سفر کر کے حق حلال کا رزق کمایا ارشاد ہوتا ہے:

وَوَجَدَكَ عَائِلًا فَأَغْنَىٰ (الضحیٰ:۸) ''اور تنگدست پایا تو اللہ نے آپ کو غنی کر دیا''۔

مگر آپ ﷺ نے اللہ کا دیا ہوا مال اللہ کی راہ میں اس کے بندوں پر خرچ کر کے قرآن حکیم کی اس تعلیم کو روشن اور تابندہ فرما دیا:

فَأَمَّا الْيَتِيمَ فَلَا تَقْهَرْ (۹) وَأَمَّا السَّائِلَ فَلَا تَنْهَرْ (۱۰) [الضحیٰ]

''تو آپ بھی یتیم پر ستم نہ کیجئے اور مانگنے والوں کو جھڑکی نہ دیجئے''۔

جود و سخا آپؐ کی فطرت تھی، ابن عباسؓ کی روایت ہے کہ ''آپؐ تمام لوگوں سے زیادہ سخی تھے اور خصوصاً ماہ رمضان میں آپ بہت زیادہ سخاوت فرماتے تھے'' تمام عمر کسی کے سوال پر ''نہیں'' کا لفظ نہیں فرمایا۔ آپ ﷺ فرمایا کرتے تھے:

إِنَّمَا أَنَا قَاسِمٌ وَخَازِنٌ وَاللَّهُ يُعْطِي (بخاری)

''میں تو صرف دینے یا بانٹنے والا خازن ہوں اور دیتا تو وہ اللہ تعالیٰ ہے''۔

ایک شخص خدمت اقدس میں آیا اور دیکھا کہ دور تک آپؐ کی بکریوں کا ریوڑ پھیلا ہوا ہے، اس نے آپ سے درخواست کی اور آپؐ نے سب کی سب دے دیں، اس نے اپنے قبیلہ میں جا کر کہا کہ اسلام قبول کر لو، محمد ﷺ ایسے فیاض ہیں کہ مفلس ہو جانے کی پروا نہیں کرتے۔

اللہ اکبر! دولت ہو تو اللہ کی راہ میں اس طرح تقسیم کرنے میں کتنا سرور اور اطمینان نصیب ہوتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ کی سخاوت کو کون پہنچ سکتا ہے، ایسا بھی ہوا کہ کوئی شخص آیا اور اس نے آپؐ سے سوال کیا اور اس وقت آپ کے پاس کچھ نہ ہوتا تو دوسروں سے ادھار اٹھا کر بھی اس کی خدمت کر دیا کرتے۔

ایک دفعہ ایک شخص نے کچھ مانگا، آپؐ نے فرمایا، اس وقت میرے پاس کچھ نہیں ہے، تم میرے ساتھ آؤ، حضرت عمرؓ بھی ساتھ تھے، عرض کی آپ کے پاس کچھ موجود نہیں تو آپ پر کیا ذمہ داری ہے؟ ایک اور صاحب حاضر تھے، انہوں نے کہا یا رسول اللہ ﷺ! آپ دیتے جایئے اور رب کریم سے نہ ڈریئے، وہ آپ کو محتاج نہ کرے گا، آپ فرط بشاشت سے مسکرا دیئے (بحوالہ سیرت النبیؐ شبلی نعمانی)

Marfat.com

فیاضی ایک اخلاقی وصف ہے لیکن ایثار فیاضی کی بہترین قسم ہے اور صحابہ کرامؓ میں یہ خوبی نمایاں طور پر دکھائی دیتی ہے ذرا اس واقعہ پر غور کیجئے۔

ایک بار ایک فاقہ زدہ شخص رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا، اتفاق سے آپ کے گھر میں پانی کے سوا کچھ نہ تھا، اس لئے آپؐ نے فرمایا، آج کی شب کون اس مہمان کا حق ضیافت ادا کرے گا! ایک انصاری یعنی ابو طلحہؓ نے کہا ''میں یا رسول اللہ ﷺ''! چنانچہ اس کو ساتھ لے کر گھر آئے بی بی سے پوچھا کچھ ہے بولیں صرف بچوں کا کھانا ہے، بولے بچوں کو تو کسی طرح بہلاؤ، جب مہمان کو گھر لے آؤں تو چراغ بجھا دو اور ایسا ہی کیا صبح کو آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپؐ نے فرمایا ''رات اللہ تعالیٰ تمہارے اس حسن سلوک سے بہت خوش ہوا'' اور یہ آیت نازل فرمائی:

وَيُؤْثِرُوْنَ عَلٰى اَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ (الحشر:۹)

''وہ دوسروں کو اپنے اوپر ترجیح دیتے ہیں گو وہ خود تنگ دست ہوں''۔

یہ واقعات بیان کر کے بتانا یہ مقصود ہے کہ رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرامؓ نے اپنی زندگیوں کو تن آسان اور پر تکلف نہیں بنایا بلکہ خود تکلیف اور مشقت اٹھا کر بھی دوسروں کو آرام اور راحت بہم پہنچایا۔

سب اسلام کے حکم بردار بندے
سب اسلامیوں کے مدد گار بندے
خدا اور نبیؐ کے وفادار بندے
یتیموں کے بیواؤں کے غم خوار بندے

شاعر ان کے لباس اور خوراک کی سادگی کا بیان ان الفاظ میں کرتا ہے۔

نہ کھانوں میں تھی واں تکلف کی کلفت
نہ پوشش سے مقصود تھی زیب و زینت
امیر اور لشکر کی تھی ایک صورت
فقیر اور غنی سب کی تھی ایک حالت
لگایا تھا مالی نے اک باغ ایسا
نہ تھا جس میں چھوٹا بڑا کوئی پودا

رسول اللہ ﷺ نے پر وقار اور شاہانہ زندگی کو خیر باد کہہ کر سادہ پر مشقت، صبر و شکر سے لبریز

Marfat.com

اور ایمان سے سرشار زندگی کو ترجیح دی اور اس حیاتِ مستعار کا مقصد بھی یہی ہے، ارشاد ہوتا ہے۔

وَجَاهِدُوا فِي اللَّهِ حَقَّ جِهَادِهِ (الحج:۷۸)

''اور اللہ کی راہ میں زندگی کو سراپا جہاد بنا کر اس کا حق ادا کرو۔''

تاریخ اسلام کو ذرا غور سے پڑھیے، مسلمانوں کی مکی اور مدنی زندگی کا مطالعہ کیجئے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت پر لبیک کہنے والوں کے ساتھ اہل مکہ نے کیا سلوک کیا اور انہوں نے کفار کے ہاتھوں کیا کیا ظلم وستم نہ سہے، اس زبردست ابتلاو آزمائش میں محض اللہ تعالیٰ کی رحمت سے وہ ثابت قدم رہے، مکہ کی دس سالہ زندگی میں راحت کا کہیں نشان تک نہیں ملتا۔

ہجرت مدینہ کے بعد جہاد وغزوات کا طویل سلسلہ شروع ہو جاتا ہے۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرامؓ کی سادہ اور پر مشقت زندگیوں کا یہ حال ہے کہ کہیں مسجد نبویؐ کی تعمیر ہو رہی ہے اور کبھی ضرورت کے وقت دشمن سے بچاؤ کے لئے شہر کے ارد گرد خندق کھودی جا رہی ہے اور ایسا بھی ہوا کہ بھوک سے نڈھال ہو کر پیٹ پر پتھر باندھے جا رہے ہیں کہ آقا صلی اللہ علیہ وسلم اور غلاموں میں کوئی امتیاز نظر نہیں آتا، اللہ اکبر! محسن انسانیت صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کا نمایاں پہلو یہی ہے کہ آپؐ نے صحابہ کرامؓ سے مل کر محنت ومشقت سے زندگی گزاری۔

علامہ سید سلیمان ندوی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سادگی اور بے تکلفی پر لکھتے ہیں:

''کھانے پینے، پہننے اوڑھنے، اٹھنے بیٹھنے، کسی چیز میں تکلف نہ تھا، کھانے میں جو سامنے آتا، تناول فرماتے، پہننے کو موٹا جھوٹا جو مل جاتا پہن لیتے، زمین پر، چٹائی پر، فرش پر جہاں جگہ ملتی بیٹھ جاتے، آپ کے لئے آٹے کی بھوسی کبھی صاف نہیں کی جاتی تھی، کرتہ کا تکمہ اکثر کھلا رکھتے تھے، لباس میں نمائش کو ناپسند فرماتے، سامان آرائش سے طبعاً نفور تھے، غرض ہر چیز میں سادگی اور بے تکلفی پسند خاطر تھی۔ (سیرت النبی جلد دوئم)

اس سے بڑھ کر سادگی اور کیا ہو سکتی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کھری چار پائی پر استراحت فرماتے تو جسد اطہر پر موٹے بان کے نشان پڑ جاتے، یہی خوبیاں آپ کے پیارے صحابہؓ میں بھی پیدا ہوئیں۔ حضرت ابو بکرؓ اگرچہ نہایت جلیل القدر خلیفہ اول تھے مگر غریبوں اور ضرورت مندوں کا معمولی سے معمولی کام کرنے میں ان کو عار نہیں ہوتی تھی اور نہایت خاموشی سے وہ ایسے کام کرنے میں بڑی مسرت محسوس کرتے تھے، مدینہ منورہ میں ایک نابینا عورت تھی، امیر المومنین ہونے کے

Marfat.com

باوجود اپنے دست مبارک سے اس کے گھر کی صفائی اور پانی بھرنے کی خدمت سرانجام دیتے تھے۔

حضرت عمرؓ خلیفہ دوئم تھے جن کی سطوت وشوکت سے روم وفارس کے بادشاہ لرزاں وترساں تھے اس کے باوجود مشقت کا یہ عالم تھا کہ آٹے کی سالم بوری پشت مبارک پر اٹھاتے اور ضرورت مند، بے سہارا لوگوں کے گھروں تک پہنچاتے، اور پر تکلف زندگی سے بے نیاز ہو کر دوپہر کو آرام کے لئے تکیہ کی بجائے چابک بطور تکیہ استعمال کرتے اور کسی درخت کے سایہ میں استراحت فرماتے۔

خلیفہ سوئم حضرت عثمانؓ انتہائی دولت مند تھے مگر ان کی دولت ذاتی آرام وآسائش پر خرچ نہ ہوتی بلکہ مسلمانوں کی فلاح وبہبود اور جہاد فی سبیل اللہ کے لئے وقف تھی اور خود سادہ اور صاف ستھری زندگی گزارتے۔

حضرت علیؓ خلیفہ چہارم تھے، ان کا حال یہ تھا کہ محنت ومزدوری سے اپنی روزی کماتے اور کبھی ایسا بھی ہوا کہ اہل خانہ کے لئے سامان خوردونوش لے کر آرہے کہ راستے میں کوئی فقیر اور تنگدست نظر آ گیا تو وہ تمام سامان اسے دے ڈالا اور فقر ودرویشی سے خالی ہاتھ گھر آ گئے اور گھر والوں سے کہا کہ آج صبر کرو، کل کو اللہ تعالیٰ انتظام فرمادے گا۔

میں نے ان نفوس قدسیہ کی زندگیوں پر خوب غور کیا ہے، میں اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ اسلام قرن اول میں جو اس سرعت اور تیزی سے پھیلا اور پھلا پھولا ہے اس کی وجہ یہی تھی کہ ان سعادت منداصحابؓ کی زندگیاں شان وتکلف سے خالی تھیں، ان میں خلوص تھا وہ صدق وصفا کے پیکر تھے، انہوں نے زیست کا مقصد اللہ کی بندگی اور اللہ کے بندوں کی خدمت بنایا تھا، صحابہ کرامؓ کے بعد تابعین کا دور آیا تو ان میں قدرے شان وشوکت پیدا ہو چکا تھا، وہ جزیہ کی رقوم لینے کے لئے دوسرے ملکوں میں جاتے تو انہیں جواب ملتا "وہ لوگ کہاں گئے ہیں جن کے لباس سادہ اور پاؤں میں معمولی جوتے ہوتے تھے اور ان کی پیشانیاں نور ایمان سے جگمگا رہی ہوتی تھیں" جواب ملتا کہ "وہ تو اس جہاں سے رخصت ہو گئے ہیں"، "اچھا پھر تم واپس ہو جاؤ ہم تمہیں جزیہ دینے کے لئے تیار نہیں ہیں۔"

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہماری زندگیوں کو رسول اللہ ﷺ اور صحابہؓ کی طرح سادہ، پر مشقت، پاکیزہ اور ایمان سے روشن فرمادے آمین۔

Marfat.com

کیا ہم نے آزادی کی قدر و قیمت کو پہچانا ہے؟

جب یوم آزادی کی تاریخ آتی ہے تو میرے دل کے زخم ہرے ہو جاتے ہیں، مجھے اپنے ان لاکھوں بزرگوں، ماؤں، بہنوں اور بھائیوں کی یاد ستانے لگتی ہے جنہوں نے حصول وطن کے لئے اپنی قیمتی جانوں کا نذرانہ پیش کیا تھا، ان ننھی ننھی معصوم کلیوں کا منظر سامنے آجاتا ہے جو ابھی پوری طرح کھل بھی نہ پائی تھیں کہ کفار کے ظالم ہاتھوں نے انہیں انتہائی بے دردی سے مسل ڈالا۔ میرے کانوں میں ان باعصمت بیٹیوں اور غیور بیٹوں کی دردناک چیخیں گونجنے لگتی ہیں کہ جنہیں سفاک اور ظالم ہاتھوں نے ان کی شفیق ماؤں اور مہربان باپوں کے سامنے تلواروں اور گولیوں سے شہید کر ڈالا تھا۔ پھر وہ روح فرسا واقعات یاد کر کے میری آنکھوں سے آج بھی آنسو چھلکنے لگتے ہیں جب بے حیا لٹیروں نے زبردستی میری ماؤں اور بہنوں کو چھین لیا اور عفیف و پارسا بہنوں کی عزتوں کو تار تار کر دیا اور انتہائی بے کسی و بے بسی کی حالت میں ان کے خاوندوں، بچوں اور بھائیوں کے سامنے زبردستی اٹھا کر لے گئے اور ان کی دلدوز آہ و بکا اور چیخ و پکار، آج بھی اہل وطن کے دلوں کو گھائل کئے ہوئے ہے۔ میرے زخم پھر سے رسنے لگتے ہیں کہ جب مجھے ان بزرگوں کے واقعات یاد آتے ہیں کہ جن پر ظالموں نے ان کے ضعف و ناتوانی کے باوجود ترس نہ کھایا اور ان کے بیٹوں اور بیٹیوں، نواسوں اور نواسیوں کے سامنے انہیں گولیوں اور برچھیوں سے ان کے جسموں کو ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالا۔ پھر میرا دل ان ہزاروں بہنوں کے لئے رونے لگتا ہے جو آج تک سکھوں اور ہندوؤں کے قبضہ میں پڑی ہوئی ہیں (نہ معلوم ان میں سے اس مدت دراز میں کتنی چل بسیں؟ اور بقیہ کس کربناک کیفیت سے دوچار ہیں) اور جنہیں پاکستان کے بے حس حکمرانوں نے کبھی ظالموں کے پنجہ استبداد سے چھڑانے اور ان سے انتقام لینے کا ارادہ تک نہیں کیا، بلکہ گزشتہ 53 سالوں میں ہندوستان کے مسلمانوں پر جو ظلم و ستم ڈھایا گیا اور جور و جفا کی انتہا جواب

Marfat.com

کشمیر میں مسلمانوں پر ہو رہی ہے ان کی مدد کو پہنچنا اور دشمن سے انتقام لینے کا خیال تک نہیں آیا جب کہ قرآن کی پکار یہ ہے

وَلَكُمْ فِي الْقِصَاصِ حَيٰوةٌ يّٰأُولِي الْأَلْبَابِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ (البقرہ:۱۷۹)

''اے عقل مندو! تمہارے لئے قصاص ہی میں زندگی ہے امید ہے کہ تم اس قانون کی خلاف ورزی سے پرہیز کرو گے۔''

ہم نے یقیناً اللہ تعالیٰ کے اس قانون کی اور بہت سے قوانین کی خلاف ورزیاں کی ہیں۔ نہ تو ان مظلوم خواتین، بچوں، جوانوں اور بوڑھوں کا انتقام لے سکے ہیں جنہیں انتہائی بے دردی اور بے حسی سے شہید کر دیا گیا تھا اور نہ ہی بے بس خواتین اور بچوں کو ہندوؤں اور سکھوں کے پنجہ استبداد سے چھڑایا ہے، بلکہ جو ملک اسلامی قوانین کے نفاذ کے لئے معرض وجود میں آیا تھا اسے بھی خواہشات نفسانی سے کچھ سے کچھ بنا دیا ہے، کبھی ہم نے غور کیا ہے کہ حصول وطن کے لئے کتنی قربانیاں دی گئی تھیں، صرف عبرت کے طور پر چند واقعات لکھتا ہوں، اگر ہمارے پہلو میں دل سلامت ہیں اور سوچ اور سمجھ ٹھکانے پر ہے تو آج بھی ان واقعات کو پڑھ کر جگر پاش پاش ہو جاتے ہیں اور آنکھیں سیل رواں سے رکنے نہیں پاتیں اس وقت کاتب کا قلم لرز رہا ہے اور وہ لکھنے کی ہمت نہیں پا رہا مگر شاید کہ حکومت کے کسی فرد تک میری یہ تحریر پہنچ جائے اور وہ آگے پہنچا سکے اور انہیں اپنی بھولی بھٹکی منزل پھر سے یاد آجائے تو یہ سطور قلمبند کر رہا ہوں۔

1947ء میں مسلمان پناہ گزینوں کی ایک گاڑی کو جو پاکستان کی طرف آرہی تھی، دریائے بیاس کے قریب پٹڑی اکھیڑ کر روک لیا گیا ہے۔ خطرہ کے احساس سے مردوں کے چہروں پر ہوائیاں اڑنے لگتی ہیں، عورتوں کی دبی دبی سسکیاں چیخوں میں بدل جاتی ہیں اور بچے...... نرم و نازک اور معصوم بچے سہم کر اپنی ماؤں سے لپٹ جاتے ہیں، یہ گاڑی اس سے بھی پہلے کئی مقامات پر لٹ چکی ہے اور اس لوٹ میں ظالموں نے ایک تنکا تک نہ چھوڑا مدافعت کی کوئی صورت بن نہیں پڑتی، بالآخر روشنیاں گل کرنے کے بعد کھڑکیاں چڑھا دی جاتی ہیں اور پھر گہرا سکوت چھا جاتا ہے...... اچانک گاڑی کے ہر دو اطراف فائروں کا طوفان اٹھتا ہے، اور گولیاں کھڑکیوں کے پرخچے اڑاتی ہوئی انسانی جسموں میں پیوست ہونے لگتی ہیں، ساری فضا خوفناک دھماکوں، وحشیانہ نعروں اور قیامت خیز چیخوں سے بھر جاتی ہے، نسوانی چیخیں، بچوں کی بلبلاہٹ اور مردوں کے

Marfat.com

کراہنے کی آوازیں اور پھر یہ سب آہستہ آہستہ موت کی خاموشی میں تحلیل ہو جاتی ہیں، فائرنگ بند ہوتے ہی درندہ صفت اور سفاک قاتلوں کا گروہ جھاڑیوں کی اوٹ سے نمودار ہوتا ہے اور برچھیوں، کرپانوں اور کلہاڑیوں سے دم توڑتی ہوئی انسانیت پر پل پڑتا ہے، پورے قافلے میں سے ایک متنفس باقی نہیں بچتا، گوشت کے لوتھڑے اور کٹے ہوئے اعضا نیچے اوپر بکھرے پڑے ہیں، ساری گاڑی لہولہان ہے، خون ڈبوں سے رس رس کر پائیدانوں پر بہہ رہا ہے۔ لاشیں سرد ہو چکی ہیں رات سنسان اور رواں ہے، بھیڑیے جا چکے ہیں۔

لیکن ایک ماں جو نہ جانے اس خونیں محشر میں سے کس طرح بچ نکلی، اپنے تین بچوں کے جلو میں ہانپتی کانپتی ہوئی کھیتوں میں دیوانہ وار بھاگی چلی جا رہی ہے، خود حاملہ ہے، اس پر شیر خوار بچے کا بار مستزاد، دوسرے بچے بھی آنچل تھامے ساتھ گھسٹتے چلے جا رہے ہیں، تلوے کانٹوں اور ٹھوکروں سے چھلنی، لباس تار تار ننھی سی جانیں ہلکان ہوتی جا رہی ہیں قدم اٹھانا دوبھر ہو جاتا ہے، رک جاتی ہے، چاروں طرف نظر دوڑاتی ہے تاریکی میں مایوسی کے سوا کچھ نظر نہیں آتا، طاقت سلب ہے اور ہمت شل، کہاں جائے، اس کے باوجود ممتا کی بے قراریاں ہیں کہ آگے بڑھنے پر مجبور کرتی ہیں، وہ آگے بڑھتی ہے اور اس امید پر کہ شاید اس آغوش کے لئے جس میں انسانی نسلیں پل کر پروان چڑھتی ہیں زمین کی ان وسعتوں میں کہیں پناہ مل جائے، جہاں وہ اپنے بچوں کو کلیجے سے لگا کر چھپ جائے اور ابد تک باہر نہ نکلے۔

رات کی درماندگیاں اسے بھٹکا کر سپیدہ سحر تک ایک گاؤں کے قریب لا پھینکتی ہیں، جہاں وہ ایک بار پھر خونخوار درندوں کے غول میں محصور ہو جاتی ہے، ہجوم اسے پکڑ کر میدان میں لے آتا ہے، ڈھول پیٹے جاتے ہیں، سارا گاؤں تماشے کے لئے جمع ہو جاتا ہے اور وہ ان سب کے وسط میں بچوں کو اپنے ساتھ سمٹائے بت بنی کھڑی ہے، اس کی روح فنا ہو چکی ہے لیکن ممتا جاگ رہی ہے، زبان خاموش ہے لیکن اس کی ملتجی آنکھیں فضاؤں میں قیامت خیز ارتعاش پیدا کر رہی ہیں، زمین و آسمان نے سراپا مظلومیت کی ایسی تصویریں بہت ہی کم دیکھی ہوں گی! اب آگے جس بے دردی کے ساتھ اس مظلومہ کی آنکھوں کے سامنے باری باری اس کے ننھے منھے بچوں کو اور آخر میں اسے شہید کیا گیا، اسے لکھنے سے میرے قلم نے جواب دے دیا ہے اور میرے دل و دماغ نے ساتھ چھوڑ دیا ہے۔ ہاں میری آنکھوں سے سیلاب ہے کہ رکنے کو نہیں آتا، قلم کو چھوڑ کر دل کا بوجھ

Marfat.com

ہلکا کرنے کے لئے خاموش بیٹھ گیا اگر کسی نے اس کی تفصیل پڑھنی ہو تو وہ منشی عبدالرحمان مرحوم کی کتاب ''پاکستان کی قیمت'' سے پڑھ لے، یہ کتاب جاوید اکیڈمی (گوشہ عافیت) چہلک ملتان سے مل سکتی ہے۔

ایک مسلمان لیڈی ڈاکٹر (میرٹھ کے ضلع میکشور) پر جو گزری اس کی آپ بیتی دلوں کو گھائل کر دیتی ہے اس نے زخمی حالت میں ہسپتال میں اپنا بیان اس طرح قلمبند کرایا:

''میں حفظ صحت کے فرائض کی انجام دہی کے لئے اپنے خاوند کے ہمراہ گڑھ میکشور کے میلہ میں آئی، ایک رات ہمارے کیمپ پر اچانک حملہ ہوا اور آگ لگ گئی، ہم لوگ آگ بجھانے میں مصروف تھے کہ حملہ آوروں نے ہمیں چاروں طرف سے محصور کر لیا، میرا اسسٹنٹ ایک ہندو تھا جو بالعموم بڑی فرمانبرداری سے احکام بجالاتا تھا، میں نے اسے اس موقع پر باہر بھیج دیا کہ وہ حملہ آوروں کو اپنے ارادے سے باز رکھے، لیکن وہ تو صرف مسکرا دیا، اس کی مسکراہٹ سے صاف عیاں تھا کہ وہ خود بھی حملہ کی سازش میں پوری طرح شریک تھا، ہم نے حتی الامکان مزاحمت کی، لیکن بے سود، آخر ہمیں پکڑ لیا گیا، حملہ آوروں کو اس بات کا بھی کچھ لحاظ نہ تھا کہ ہم ہسپتال کا عملہ تھے، جس کا مقصد ہندو مسلمان دونوں کی خدمت کرنا تھا۔

ہجوم میں سے ایک شخص نے مجھے بالوں سے پکڑ کر گھسیٹا اور ایسی جگہ لے گیا جہاں پر کافی تعداد میں مسلمان عورتیں بے بسی کی حالت میں قید تھیں، ان میں سے کچھ بالکل برہنہ حالت میں تھیں اور باقی کے لباس تار تار تھے، حملہ آوروں نے یہاں پہنچ کر میرا لباس بھی نوچ کر تار تار کر دیا......'' آگے جو سلوک ظالم درندوں نے ان کے ساتھ کیا قلم لکھنے سے عاجز ہے۔

11 ستمبر **1947**ء کو جنگ سنگھ اور اس کے ڈوگرہ گروپ کا ایک عجیب واقعہ پیش آیا۔ سہ پہر کے وقت مسلم پناہ گزینوں سے بھری ہوئی ٹرین روانہ ہوئی، اس ٹرین کے ہمراہ اسٹیٹ فورس تھا، ٹینک بھی ساتھ ساتھ حرکت میں آ گئے، جب یہ ٹرین ریاست کپورتھلہ کی سرحد کے قریب پہنچی تو جنگ سنگھ نے دیکھا کہ ٹرین کا اگلا ڈبہ پٹڑی سے اتر گیا ہے، وہ پیچھے مڑا تو کیا دیکھتا ہے کہ دو ہزار کے قریب سکھوں نے ٹرین پر حملہ کر دیا، جنگ سنگھ نے حملہ آوروں پر یورش کی اور مار بھگایا لیکن اس دوران سکھ بے شمار مسلمانوں کو قتل کر چکے تھے۔ لاتعداد زخمی ہوئے اور حملہ آور دو سو کے قریب عورتوں اور لڑکیوں کو بھی اپنے ساتھ لے گئے۔۔۔ اس کے بعد عورتوں اور بچوں کے ساتھ کیا بیتی

Marfat.com

اس کا لکھنا میرے بس سے باہر ہے۔

اواخر اگست تک امرتسر، گورداسپور، فیروز پور، جالندھر، لدھانہ اور ہشیار پور کے اضلاع میں 5 لاکھ مسلمانوں مردوں، عورتوں اور بچوں کو خاک وخون میں نہلا دیا گیا اور ایسے مسلمان جو راستے میں دریاؤں کی طغیانی، بھوک پیاس کے مصائب، درندوں کے شب خون اور جنرل ریس کی سرحدی افواج کی گولیوں کا شکار ہوئے، وہ بھی 5 لاکھ سے کم نہیں، پاکستان میں پہنچ کر راستے کے زہر آلود پانی زخموں، وباؤں اور سردی کی شدت سے مرنے والوں کی تعداد بھی 5 لاکھ کے قریب ہے ان عورتوں، بچوں اور مردوں کی تعداد جو اغوا اور ارتداد کے چنگل میں پھنس کر مشرقی پنجاب میں رہ گئے، 10 لاکھ تک پہنچتی ہے۔

15 اگست 1947ء کا دن آیا تو آس پاس کے مخلوط آبادیوں کے مسلمان اپنی جانیں بچانے کے لئے بھوجیاں (ہندوستان) میں اکٹھے ہو چکے تھے یہ وہ وقت تھا جب بھوجیاں ہندوستان کی جغرافیائی حدود کا حصہ بن چکا تھا، چنانچہ بھارتی فوج کی سرپرستی میں گردوپیش کے دیہاتی غنڈوں نے اس گاؤں پر حملہ کر دیا اس کے نتیجے ہزاروں مسلمان شہید کر دیے گئے اور ایک ہزار کے قریب مسلمان لڑکیاں اغوا کر لی گئیں۔

یہ تو چند واقعات ہیں جو عاجز نے جزوی طور پر درج کر دیے ہیں نہ معلوم ایسے کتنے ہی دلخراش واقعات ہیں جن سے کتاب بھری ہوئی ہے اور کتنے ہی دلسوز واقعات ایسے بھی ہیں جن کی رسائی ہم تک نہ ہو سکی مسلمان مردوں، عورتوں، بچوں اور بوڑھوں نے حصول وطن کے لئے جوان گنت جانی، مالی، عزت وناموس کی قربانیاں دیں وہ تاریخ کا انمٹ حصہ بن چکی ہیں اور ان شہداء کا اللہ تعالیٰ کے ہاں لازوال اجر ثبت ہو چکا ہے۔

وَالَّذِيْنَ هَاجَرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ثُمَّ قُتِلُوْٓا اَوْ مَاتُوْا لَيَرْزُقَنَّهُمُ اللّٰهُ رِزْقًا حَسَنًا ۭ وَاِنَّ اللّٰهَ لَهُوَ خَيْرُ الرّٰزِقِيْنَ (الحج:۵۸)

''جن لوگوں نے اللہ کی راہ میں ہجرت کی پھر شہید ہوئے یا فوت ہو گئے اللہ انہیں بہت اچھا رزق دے گا اور یقیناً اللہ ہی بہترین رازق ہے۔''

بے شک! پاکستان کی قدر وقیمت کا اندازہ ہم اسی وقت لگا سکتے ہیں جب ہم اس مملکت کی اس بھاری قیمت سے واقف ہو جائیں جو ہمارے بزرگوں نے ادا کی تھی اور جسے بھارت کے

Marfat.com

مسلمان اور خاص طور پر مقبوضہ کشمیر کے مسلمان اب تک ادا کر رہے ہیں۔

لہو میں ڈوب کے پہنچے ہیں جو کنارے تک
وہ جانتے ہیں کہ یہ راہ کس قدر تھی کٹھن
سلام تم پر شہیدان عرصہ تقسیم
کہ جاں دے کے بچائی ہے آبروئے وطن

زندہ قومیں اپنے اعمال کا محاسبہ کرتی رہتی ہیں، ماضی کی کوتاہیوں اور لغزشوں پر نظر رکھتی ہیں اور آئندہ اپنے آپ کو سنوارتی اور نکھارتی ہیں، اگر ہمارے اندر بھی زندگی کی کوئی رمق باقی ہے تو آیئے ذرا ٹھنڈے دل و دماغ سے اور ہوش و حواس کو بیدار کرتے ہوئے جائزہ لیں کہ اتنی عظیم الشان قربانیوں کے بعد ہم نے مختلف شعبہ ہائے حیات میں کس قدر تعمیر و ترقی کی ہے۔

آزادی حاصل کرنے کا اولین اور بنیادی مقصد یہ تھا کہ ہم اغیار کی غلامی سے نجات پانے کے بعد صرف اور صرف رب کائنات کی غلامی میں آ جائیں اور ہماری زندگی کے تمام شعبہ جات نظام اسلام کے تحت بسر ہوں۔۔۔ ہماری تعلیم ہماری معاش، ہماری معیشت، ہماری تجارت، ہماری سیاست اور ہمارا عدالتی نظام اسلام کے سچے اور ستھرے اصولوں کے مطابق چل سکے اور ایک ایسا فلاحی معاشرہ وجود میں آئے جس میں امن اور خوش حالی کی خوشگوار فضا قائم ہو۔ جہاں احسان و مروت کے پھول کھلیں، عدل و انصاف کا سکہ رواں ہو، علم و ادب کے چراغ روشن ہوں اور طہارت و نظافت کے چشمے جاری و ساری ہوں، ایسا معاشرہ وجود میں آئے جہاں لوگ سکھ اور اطمینان کا سانس لے سکیں اور اپنوں ہی کو نہیں غیروں کو بھی عزت اور سلامتی مل سکے۔

کون نہیں جانتا کہ بغیر اصولوں اور ضابطوں کے کوئی انجمن، کوئی سکول اور کالج یہاں تک کہ کوئی چھوٹے سے چھوٹا ادارہ بھی چل نہیں سکتا، لیکن بدقسمتی سے ہمارا ملک گزشتہ 53 سالوں سے اسلامی قانون کے بغیر ہی چل رہا ہے۔ نواز شریف کی حکومت نے شریعت بل باقاعدہ قومی اسمبلی سے پاس کرایا جس پر ملک بھر میں خوشی اور اطمینان کا اظہار ہوا اور اسے سینٹ سے منظوری کے لئے بھیج دیا گیا مگر اس نے بھی جان بوجھ کر التوا میں ڈالے رکھا یہاں تک کہ حکومت ٹوٹ گئی اور فوج نے ملک کو سنبھال لیا اور اسلامی قانون پھر معرض التوا میں پڑ گیا، اللہ ہی بہتر جانتا ہے کہ اس کا نفاذ کب ہوگا؟ ہر کہ آمد عمارت نو ساخت، ہر آنے والی حکومت اپنی نئی عمارت بناتی ہے اور

Marfat.com

پیکجز کا اعلان کرتی ہے، وہ ہر نئے معاشی اور سیاسی پروگرام کا اعلان کرتی ہے مگر افسوس کہ اسلام کے نظام عدل وانصاف کے بارے میں خاموش رہتی ہے۔ یہ منافقت شروع ہی سے چلی آ رہی ہے۔ یادرکھئے کہ پاکستان اسلام کے نام پر بنا تھا اور یہ جانی ومالی قربانیاں اسی لئے دی گئی تھیں۔

گویا کہ پاکستان اور اسلام لازم ملزوم ہیں، پاکستان اسلام کے بغیر ممکن ہو ہی نہیں سکتا، وہی سچا اور کھرا پاکستانی ہے جسے اسلام سے محبت ہے اور اسلامی نظام حیات ہی کو یہاں پسند کرتا ہے، اور اس کے لئے ہروقت کوشاں رہتا ہے، اور جنہیں اسلام سے محبت نہیں (صرف زبانی جمع خرچ کی بات نہیں ہے) وہ کبھی بھی پاکستان کے لئے مخلص نہیں ہو سکتے ہیں، لہٰذا ایسے افراد کو پاکستانیوں پر حکومت کرنے کا قطعی کوئی حق نہیں ہے اور یہ امانت فوری طور پر انہیں سونپ دینی چاہئے جو واقعی اس کے حق دار ہوں، گزشتہ حکومتوں کا جائزہ لیں تو اس نتیجہ پر پہنچتے ہیں کہ

ہمارا تعلیمی نظام انگریز کا چھوڑا ہوا ہے۔ ہم نے اسے جوں کا توں رہنے دیا۔ اسے اسلامی امنگوں کے مطابق ترتیب نہیں دیا ہے، جس کی وجہ سے ہمارے شاہین طلبا، علم سے دور اور اخلاق سے عاری ہیں، اس کا اندازہ گزشتہ 53 سالوں میں کالجوں اور یونیورسٹیوں کے احاطوں میں دنگا فساد اور قتل وغارت کے واقعات سے لگایا جا سکتا ہے، اساتذہ میں تعلیم وتربیت دینے کا شعور جاتا رہا ہے، معاملہ صرف تھوڑا بہت کام چلانے تک رہ گیا ہے، نہ طلبا کو تعلیم میں دلچسپی اور نہ اساتذہ کو انہیں قابل بنانے کا شوق بس یونہی خانہ پری ہو رہی ہے، یادرکھیئے کسی قوم کی تعمیر وترقی کا راز نونہالان وطن کی صحیح خطوط پر تعلیم وتربیت میں مضمر ہوتا ہے۔

ہمارا عدالتی نظام بھی انگریز کا چھوڑا ہوا ہے، اس وقت تو پھر بھی تھوڑا بہت انصاف مل جاتا تھا، لیکن اب وہ بھی ناپید ہو رہا ہے معاشرے میں اس امن وسکون کا سکہ رواں کرنے کے لئے عدلیہ کا مضبوط ہونا انتہائی ضروری ہے، فوری اور جلد فیصلے لوگوں کو ذہنی آسودگی دیتے ہیں اور وہ زندگی کے دوسرے شعبوں میں ترقی کرتے ہیں، یہاں سالہا سال تک مقدمات لٹکتے رہتے ہیں جس سے نہ صرف قیمتی وقت ضائع ہو جاتا ہے بلکہ روپیہ پیسہ بھی برباد ہوتا ہے اور فریقین میں دشمنیاں الگ بڑھتی ہیں۔ اسلامی نظام عدل فوری اور جلد فیصلے کا ضامن ہے مگر افسوس کہ ہماری حکومتوں نے اس طرف توجہ نہ دی اور اس کا خمیازہ بھگت رہے ہیں۔

ہمارا تجارتی نظام دھوکہ، فریب، ناجائز منافع کمانے اور سودی کاروبار پر مبنی ہے جس سے

Marfat.com

ہمارے اوپر خیر و برکت کے دروازے بند ہو چکے ہیں، میں تو کہتا ہوں کہ کھانے پینے کی اشیا بھی خالص نہیں ملتی ہیں، دودھ ہی کو لے لیجئے گوالے کبھی خالص دودھ مہیا نہ کریں گے خواہ آپ انہیں فی کلو 20 روپے بھی دے ڈالیں، اس دھوکہ اور فریب سے ہمارا تجارتی نظام سخت متاثر ہوا ہے، اندرون اور بیرون ملک ساکھ جاتی رہی ہے۔

ہماری معاشرتی زندگی لوٹ کھسوٹ، دنگہ فساد، دن دہاڑے چوری ڈاکہ یہاں تک کہ قتل وغارت سے تہہ و بالا ہو چکی ہے۔ کسی پرندے اور چوپائے سے بھی زیادہ سستی انسانی جان ہے۔ پرانے بزرگ کہتے ہیں کہ جس طرح گاجر مولی کی طرح یہاں انسانوں کو کاٹ کر رکھ دیا جاتا ہے، انگریز کے دور میں بھی ایسا نہ تھا۔

ہماری سیاست مکر و فریب کا دوسرا نام ہے۔ سیاست اور جمہوریت کے نام پر جو کھیل کھیلا گیا ہے وہ ڈھکی چھپی بات نہیں ہے، اس ملک کو حریص اور خود غرض سیاست والوں نے تباہ و برباد کر دیا ہے، ''اونٹ رے اونٹ تیری کونسی کل سیدھی'' یہ محاورہ ہم نے سنا ہے، میں تو کہتا ہوں کہ اونٹ کو اچھی طرح ٹٹولنے سے شاید کوئی کل سیدھی مل جائے مگر ہمارے یہاں کوئی کل سیدھی نہیں ہے۔

یہ نتیجہ ہے اسلام سے بغاوت کا اور یہ انجام ہے نظریہ پاکستان سے انحراف کا۔

کیا ان حالات میں یوم آزادی پر صرف جھنڈیاں لہرانے اور چراغاں کرنے سے مقصد آزادی کی تکمیل ہو سکتی ہے؟

لطف مرنے میں ہے باقی نہ مزا جینے میں

مسلمانو! کبھی تم بھٹکی ہوئی نسل انسانی کی ہدایت ورہنمائی کیلئے روشن ستاروں کی مانند تھے اور اب خود تاریکیوں میں گم گشتہ راہ ہو...... کبھی تم چار دانگ عالم میں عدل وانصاف کا پھریرا لہرانے والے تھے مگر آج تمہارے اپنے ہاتھوں تمہارے ہی بھائی بند ظلم وستم کا نشانہ بن رہے ہیں، کبھی تم غیروں کی عزت وآبرو کے رکھوالے تھے مگر آج تمہارے اپنے ہی ہاتھوں اپنوں ہی کی عزتیں لٹ رہی ہیں، کبھی تمہارے نام ہی سے قیصر وکسریٰ کے درباروں میں رعب وہیبت طاری ہو جاتی تھی، اب تم خود اغیار سے ڈرتے اور سہمتے پھرتے ہو، کبھی تم نے افریقہ کے تپتے ہوئے صحراؤں اور یورپ کے دور دراز علاقوں میں سچائی کا ڈنکا بجایا اور لوگوں کو مژدہ امن وسلامتی سنایا تھا۔

تھے ہمیں ایک ترے معرکہ آراؤں میں
خشکیوں میں کبھی لڑتے، کبھی دریاؤں میں

دیں اذانیں کبھی یورپ کے کلیساؤں میں
کبھی افریقہ کے تپتے ہوئے صحراؤں میں

شان آنکھوں میں نہ جچتی تھی جہانداروں کی
کلمہ پڑھتے تھے ہم چھاؤں میں تلواروں کی

مگر افسوس آج تمہاری اپنی زمینوں پر ہی غیر قبضہ جمائے بیٹھے ہیں اور تمہیں ان سے اپنے علاقے چھڑانے کی ہمت نہیں پڑتی آہ!

لطف مرنے میں ہے باقی، نہ مزا جینے میں
کچھ مزا ہے تو یہی خون جگر پینے میں

مسلمانوں کی اس حالت پر تبصرہ کرتے ہوئے مولانا سعید احمد اکبرآبادی لکھتے ہیں:

''تاریخ عالم کا یہ واقعہ کس قدر حیرت انگیز ہے، کہ ایک زمانہ میں مسلمانوں نے نہایت محیر العقول طریقہ پر ترقی کی اور اپنے کارناموں کا نقش صفحہ تاریخ پر اس طرح ثبت کیا کہ دنیا کی دوسری قومیں ان کی عظمت و برتری کے سامنے سر اطاعت خم کر دینے پر مجبور ہو گئیں۔ اب وہی مسلمان جن پر فلاکت و ادبار مسلط ہے اور ان کا شیرازہ ملی پراگندہ ہے، اب ان کی محفلوں میں علم و فن کے مذاکرے بہت کم ہوتے ہیں، دماغ قوت ابداع و اختراع سے محروم اور ہاتھ سیاسی طاقت و قوت سے نا آشنا محض ہیں، مردم شماری کے لحاظ سے اتنے مسلمان کبھی نہ تھے جتنے کہ اب ہیں مگر ساتھ ہی علم و عمل، ایمان و یقین اور روحانیت و اخلاق کے لحاظ سے جتنے پست اور زبوں حال اب ہیں کبھی نہ تھے۔'' (مسلمانوں کا عروج و زوال)

ہمارے اسلاف کی کامیابیوں کا راز اس بات میں تھا کہ انہوں نے قرآن حکیم کو پڑھا اور اس پر غور و تدبر کیا اور حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کے مطالب و مفاہیم کو سمجھ کر اس کی پاکیزہ تعلیمات کو حرز جاں بنایا، وہ زندگی کے ہر معاملہ میں احکام الٰہی کے تابع اور سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے شیدائی تھے، دین کو انہوں نے سر بلند رکھا، اسی لئے دنیا ان کی مطیع رہی، وہ جہاں جاتے کامیابیاں ان کے قدم چومتیں، سرفرازیاں انہیں عزت سے ہمکنار کرتیں۔

وہ زمانے میں معزز تھے مسلماں ہو کر
اور تم خوار ہوئے تارک قرآں ہو کر

دراصل مسلمان کی زندگی کا مقصد ہی پیغام حق کی نشر و اشاعت اور نظام عدل و انصاف کا قیام تھا اور اسی مقصد کیلئے انہیں کتاب الٰہی اور فطری صلاحیتوں سے نوازا گیا۔

لَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَيِّنٰتِ وَ اَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتٰبَ وَالْمِيْزَانَ لِيَقُوْمَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ (الحدید:۲۵)

''بلاشبہ ہم نے رسولوں کو واضح پیغامات دے کر بھیجا اور ان کے ساتھ کتاب اور میزان نازل کی تاکہ لوگ انصاف پر قائم رہیں''۔

میزان سے مراد نہ صرف ناپ تول کے پیمانے ہیں کہ اس سے لین دین اور کاروبار میں لوگوں کو

Marfat.com

پورا پورا حق ملتا ہے بلکہ اس سے زندگی کے تمام معاملات میں عدل وانصاف کا مہیا کرنا بھی ہے۔امام ابن کثیر فرماتے ہیں کہ انسان کو اللہ تعالٰی نے عدل وانصاف اور حق شناسی کی فطری صلاحیت بھی بخشی جس کی بنا پر ہر سلیم الفطرت انسان کتاب الٰہی کی دعوت کو بآسانی قبول کر لیتا ہے (تفسیر ابن کثیر)۔

امت محمدی کیلئے تو سیرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم زندگی گزارنے کا بہترین نمونہ ہے۔

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ (الاحزاب:۲۱) ''(مسلمانو!) تمہارے لئے اللہ کے رسول (کی ذات) بہترین نمونہ ہے''۔

ہمارے اسلاف نے قرآن وسنت سے اپنی زندگیوں کو روشن کیا اور اسی روشنی کو لے کر وہ آگے بڑھے تو اسے دنیا کے مختلف حصوں میں بکھیرتے چلے گئے، انہیں اپنی طرف سے قانون سازی کی ضرورت نہیں تھی، رب کائنات کے اٹل اور دائمی قانون کے وہ امین تھے جس کی وضاحت سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے قول وفعل سے کر دی تھی، ان کا ہر قدم روشنی میں پڑتا تھا اور منزل مقصود روز روشن سے بھی واضح تر تھی۔

اَوَمَنْ كَانَ مَيْتًا فَاَحْيَيْنٰهُ وَ جَعَلْنَا لَهٗ نُوْرًا يَّمْشِيْ بِهٖ فِي النَّاسِ كَمَنْ مَّثَلُهٗ فِي الظُّلُمٰتِ لَيْسَ بِخَارِجٍ مِّنْهَا (الانعام:۱۲۲)

''بھلا وہ شخص جو مردہ تھا پھر ہم نے اسے (نور ایمان سے) زندہ کیا اور اس کو (ایمان واسلام کی) روشنی عطا کی جس کی مدد سے وہ لوگوں میں زندگی بسر کر رہا ہے کیا یہ اس شخص جیسا ہو سکتا ہے جو تاریکیوں میں پڑا ہو (کفر ونفاق کے اندھیروں میں) اور اس کے نکلنے کی کوئی صورت نہ ہو''۔

یہی لوگ حق وانصاف کے علمبردار تھے، انہیں حکم تھا کہ اسے ہر حال میں قائم رکھنا ہے...... دوست ہو یا دشمن، اپنا ہو یا پرایا، امیر ہو یا غریب کبھی اور کسی وقت بھی انصاف وصداقت کا دامن ہاتھ سے چھٹنے نہ پائے تمہارے تقویٰ اور پرہیزگاری کا پتہ اسی سے چلے گا۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِيْنَ لِلّٰهِ شُهَدَآءَ بِالْقِسْطِ ز وَ لَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰۤى اَلَّا تَعْدِلُوْا ط اِعْدِلُوْا قف هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى ز وَاتَّقُوا اللّٰهَ ط اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌ م بِمَا تَعْمَلُوْنَ (المائدہ:۸)

''اے ایمان والو! ایسے ہو جاؤ کہ اللہ کی خاطر مضبوطی سے (اس کے احکام پر) قائم رہنے والے اور انصاف کے لئے گواہی دینے والے اور (دیکھو) ایسا کبھی نہ ہو کہ کسی گروہ کی دشمنی تمہیں

Marfat.com

اس بات کیلئے ابھار دے کہ (اس کے ساتھ) انصاف نہ کرو (یاد رکھو ہر حال میں) انصاف کرو کہ یہی تقویٰ سے لگتی ہوئی بات ہے اور اللہ (کی نافرمانی کے نتائج) سے ڈرو، تم جو کچھ کرتے ہو وہ اس کی خبر رکھنے والا ہے''۔

ان اصحاب قدسیہ کی تعلیم و تربیت معلم اخلاق، محسن انسانیت صلی اللہ علیہ وسلم کے زیر سایہ ہوئی تھی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی تعلیم کے ساتھ ساتھ ان کا تزکیہ نفس بھی فرمایا تھا جس سے ان میں تقویٰ وطہارت کے ساتھ شرم وحیا، عفوودرگزر، حلم و بردباری، دیانت وامانتداری، تواضع و خاکساری اور ایثار وقربانی ایسی صفات پیدا ہوئی تھیں۔ اس کے برعکس فخر وغرور نمود ونمائش، حرص و طمع، خود بینی اور خود نمائی، بغض وکینہ اور فتنہ وفساد کی خواہش سے ان کے دل بالکل صاف ہو گئے تھے کیونکہ صبح وشام قرآن حکیم کی پاکیزہ اور بلند تعلیمات سے ان کے ذہن وفکر کی آبیاری ہوتی تھی۔

تِلْكَ الدَّارُ الْاٰخِرَةُ نَجْعَلُهَا لِلَّذِيْنَ لَا يُرِيْدُوْنَ عُلُوًّا فِي الْاَرْضِ وَلَا فَسَادًا ط وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِيْنَ (القصص:۸۳)

''یہ دار آخرت تو ہم ان لوگوں کے لئے مخصوص کر دیتے ہیں جو زمین میں لڑائی یا فساد نہیں چاہتے اور (بہتر) انجام تو متقین ہی کے لئے ہے''۔

دیے پھیر دل ان کے مکرو ریا سے
بھرا ان کے سینے کو صدق و صفا سے
بچایا انہیں کذب سے افترا سے
کیا سرخ رو خلق سے اور خدا سے
رہا قول حق میں نہ کچھ باک ان کو
بس اک شوب میں کر دیا پاک ان کو

صحابہ کرام رضی اللہ عنھم کے فضائل اخلاق میں سے چند واقعات درج کیے جاتے ہیں:

صحابہ کرامؓ اس قدر مسکین نواز تھے کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ کسی مسکین کی شرکت کے بغیر کھانا نہیں کھاتے تھے، ان کے سامنے جب دستر خوان چنا جاتا اور اتفاق سے کسی معزز شخص کا گزر ہو جاتا تو ان کے اہل وعیال اس کو شریک طعام کر لیتے لیکن وہ خود اس کو نہ بلاتے، البتہ جب کوئی مسکین سامنے سے گزرتا تو اسے ضرور شریک طعام کر لیتے اور کہا کرتے تھے کہ یہ لوگ (اہل خانہ) اس کو

Marfat.com

نے کی خواہش ہے۔

ے اہتمام سے لذیذ مچھلی

فرمایا اس کو دے دو، بیوی

کر راضی کر لیا گیا۔

کے باوجود کسی کے سامنے

وسلم کی خدمت میں حاضر

گر راہ میں کوڑا بھی گر جاتا

ور شان استغنا کی تعریف

م ج لَا يَسْئَلُونَ النَّاسَ

ے ان کو دولتمند سمجھتا ہے تم

کرتے''۔

ہے تو اسے مایوسی کا سامنا

ھکرا دیتا)

Marfat.com

ہو حلقہ یاراں تو بریشم کی طرح نرم
رزم حق و باطل ہو تو فولاد ہے مومن!

ان کا عدل وانصاف مثالی تھا مولانا شبلی نعمانی الفاروق میں رقمطراز ہیں: ''سب سے بڑی چیز جس نے ان کی حکومت کو مقبول عام بنادیا اور جس کی وجہ سے اہل عرب ان کے سخت احکام کو بھی گوارا کر لیتے تھے، یہ تھی کہ ان کا عدل وانصاف ہمیشہ بے لاگ رہا جس میں دوست دشمن کی کچھ تمیز نہ تھی۔''

ہم نے اپنے اسلاف کی تمام روایات کو گم کر دیا ہے اور جس پستی اور ذلت کا شکار ہوئے ہیں قرآن اس کو یوں بیان کرتا ہے:

فَخَلَفَ مِنْ بَعْدِهِمْ خَلْفٌ اَضَاعُوا الصَّلٰوةَ وَاتَّبَعُوا الشَّهَوٰتِ فَسَوْفَ يَلْقَوْنَ غَيًّا (مریم:۵۹)

''پھر ان کے بعد ان کی نالائق اولاد ان کی جانشین بنی جنہوں نے نماز کو ضائع کیا اور خواہشات کے پیچھے لگ گئے وہ عنقریب گمراہی کے انجام سے دوچار ہوں گے''۔

شاعر مسلمانوں کی اس حالت زار پر اس طرح آنسو بہاتا ہے

گھٹا سر پہ ادبار کی چھا رہی ہے
فلاکت سماں اپنا دکھلا رہی ہے
نحوست پس و پیش منڈلا رہی ہے
چپ و راست سے یہ صدا آ رہی ہے
کہ کل کون تھے آج کیا ہو گئے تم
ابھی جاگتے تھے ابھی سو گئے تم

مسلمانو! اگر آج بھی تم قرآنِ حکیم اور اسوۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو حرز جاں بنالو تو تمہاری عظمتِ رفتہ پھر سے بحال ہوسکتی ہے۔

Marfat.com

إِنَّ عِبَادِي لَيْسَ لَكَ عَلَيْهِمْ سُلْطٰنٌ (الحجر:۴۲)''بیشک میرے بندوں پر تو تیرا زور نہ چل سکے گا''۔

اللہ تعالیٰ کے (نیک) بندوں کی صفات قرآن حکیم میں جگہ جگہ بتلا دی گئیں، ایک جگہ اس طرح ارشاد ہوا:

''(اللہ تعالیٰ کی جنت ان لوگوں کے لئے ہے) جو ایمان لائے اور اپنے رب پر توکل کرتے ہیں، جو بڑے بڑے گناہوں اور بے حیائی کے کاموں سے بچتے ہیں اور جب انہیں غصہ آئے تو معاف کر دیتے ہیں اور جو اپنے رب کا حکم مانتے ہیں اور نماز قائم کرتے ہیں اور ان کے کام باہمی مشورے سے طے پاتے ہیں اور جو کچھ رزق ہم نے انہیں دیا ہے اس میں سے خرچ کرتے ہیں اور جب ان پر زیادتی ہوتی ہے تو وہ (صرف اسی قدر) بدلہ لے لیتے ہیں اور برائی کا بدلہ ویسی ہی برائی ہے پھر جو کوئی معاف کر دے اور صلح کرے تو اس کا اجر اللہ کے ذمہ ہے، وہ ظالموں کو قطعاً پسند نہیں کرتا'' (ترجمہ: الشوریٰ:۳۶-۴۰)

ایک اور مقام پر رحمٰن کے بندوں کی صفات اس طرح بیان ہوئی ہیں:

''اور رحمٰن کے حقیقی بندے وہ ہیں جو زمین پر انکساری سے چلتے ہیں اور اگر جاہل لوگ ان سے مخاطب ہوں (تو وہ ان سے الجھتے نہیں) بلکہ سلام کہہ کر (کنارہ کش رہتے ہیں) اور جو اپنے رب کے حضور سجدہ اور قیام میں راتیں گزارتے ہیں اور دعا کرتے ہیں ''اے ہمارے رب! جہنم کے عذاب سے ہمیں بچا کیونکہ اس کا عذاب ٹلنے والا نہیں، بلاشبہ وہ جائے قرار بھی بری اور مقام بھی برا ہے اور وہ لوگ جو خرچ کرتے ہیں تو نہ اسراف کرتے ہیں اور نہ بخل بلکہ ان کا خرچ ان دونوں انتہاؤں کے درمیان اعتدال پر ہوتا ہے اور اللہ کے ساتھ کسی اور الہ کو نہیں پکارتے نہ ہی اللہ کی حرام کی ہوئی کسی جان کو ناحق قتل کرتے ہیں اور نہ زنا کرتے ہیں اور جو شخص ایسے کام کرے گا ان کی سزا پا کر رہیگا'' (الفرقان:۶۳ تا ۶۸)

پھر اللہ کے بندے آپس میں صلح وصفائی سے رہتے ہیں اور آپس میں دھڑے بندیوں کا شکار نہیں ہوتے، اس لئے کہ تفریق پیدا کرنے والوں کے بارے میں قرآن کہتا ہے:

إِنَّ الَّذِينَ فَرَّقُوا دِينَهُمْ وَكَانُوا شِيَعًا لَّسْتَ مِنْهُمْ فِي شَيْءٍ ط (الانعام:۱۵۹)

''جن لوگوں نے اپنے دین میں تفرقہ ڈالا اور وہ کئی فرقے بن گئے ان سے آپ ﷺ کا کچھ

Marfat.com

سروکار نہیں ہے"۔

سید مودودیؒ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں: "خطاب نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے، اور آپ کے واسطہ سے دین حق کے تمام پیرو اس کے مخاطب ہیں، ارشاد کا مدعا یہ ہے کہ اصل دین ہمیشہ سے یہی رہا ہے اور اب بھی یہی ہے کہ ایک خدا کو الٰہ اور رب مانا جائے۔ اللہ کی ذات، صفات، اختیارات اور حقوق میں کسی کو شریک نہ کیا جائے۔ اللہ کے سامنے اپنے آپ کو جواب دہ سمجھتے ہوئے آخرت پر ایمان لایا جائے اور ان وسیع اصول وکلیات کے مطابق زندگی بسر کی جائے جن کی تعلیم اللہ نے اپنے رسولوں اور کتابوں کے ذریعہ سے دی ہے، یہی دین تمام انسانوں کو اول یوم پیدائش سے دیا گیا تھا، بعد میں جتنے مختلف مذاہب بنے وہ سب کے سب اس طرح بنے کہ مختلف زمانوں کے لوگوں نے اپنے ذہن کی غلط اپچ سے، یا خواہشات نفس کے غلبہ سے، یا عقیدت کے غلو سے اس دین کو بدلا اور اس میں نئی نئی باتیں ملائیں، اس کے عقائد اپنے اوہام وقیاسات اور فلسفوں سے (اصل دین میں) کمی وبیشی اور ترمیم وتحریف کی، اس کے احکام میں بدعات کے اضافے کیے، خود ساختہ قوانین بنائے، جزئیات میں موشگافیاں کیں، فروعی اختلافات میں مبالغہ کیا، اہم کو غیر اہم اور غیر اہم کو اہم بنایا، اس کے لانے والے انبیاء اور اس کے علمبردار بزرگوں میں سے کسی کی عقیدت میں غلو کیا اور کسی کو بغض ومخالفت کا نشانہ بنایا اس طرح بے شمار مذاہب اور فرقے بنتے چلے گئے اور ہر مذہب وفرقہ کی پیدائش نوع انسانی کو متخاصم گروہوں میں تقسیم کرتی چلی گئی، اب جو شخص بھی اصل دین حق کا پیرو ہو اس کے لئے ناگزیر ہے کہ ان ساری گروہ بندیوں سے الگ ہو جائے اور ان سب سے اپنا راستہ جدا کرے" (تفہیم القرآن جلد اول)

ان گروہ بندیوں کی قرآن حکیم یکسر نفی کرتا ہے اور وہ یہ کہتا ہے کہ دین کو سب مل کر قائم کرو، یہی تمہاری کامیابی کا راز ہے:

اَنْ اَقِيْمُوا الدِّيْنَ وَلَا تَتَفَرَّقُوْا فِيْهِ (اشوریٰ:۱۳)

"دین کو قائم رکھو اور اس میں تفرقہ نہ ڈالو"۔

دین کو قائم رکھنے کا مطلب یہ ہے کہ تمہاری زندگی کے تمام معاملات اور امور خواہ وہ انفرادی ہوں یا اجتماعی، تمہاری معاشرت ہو یا معیشت، تمہاری ریاست ہو یا سیاست سب کے سب دین کے ماتحت آ جائیں، اس سلسلہ میں اگر تمہیں جان و مال سے جہاد وقتال بھی کرنا پڑے تو کرو یہاں تک کہ فتنہ وفساد نابود ہو جائے اور تمام شعبہ ہائے حیات میں اللہ کے دین کا نفاذ ہو جائے۔

وَقَاتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ وَّ يَكُوْنَ الدِّيْنُ كُلُّهٗ لِلّٰهِ [الانفال:٣٩]

"(کفار و منافقین، سرکش اور باغی طاقتوں سے) جہاد کرتے رہو (مالی و جانی، قلمی ولسانی) حتیٰ کہ فتنہ باقی نہ رہے اور دین پورے کا پورا (ہر شعبہ) اللہ کے لئے ہو جائے (کہ اسی کا حکم ہر طرف جاری وساری ہونا ضروری ہے)"۔

اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ [یوسف:٤٠]

"(کہ اس کائنات میں) صرف اور صرف اسی کا حکم جاری وساری رہنا چاہئے"۔

یہ بات اچھی طرح جان لیجئے کہ ہماری کامیابی اسی وقت یقینی ہوسکتی ہے کہ جب ہم سب کچھ اپنے مولا و مالک کی رضا کے لئے لٹا ڈالیں، ایک بندہ مومن برملا اعلان کرتا ہے:

قُلْ اِنَّ صَلَاتِيْ وَ نُسُكِيْ وَ مَحْيَايَ وَ مَمَاتِيْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ (الانعام:١٦٢)

"کہہ دیجئے کہ میری نماز، میری قربانی، میری زندگی اور میری موت سب کچھ اللہ رب العالمین کے لئے ہے"۔

مگر افسوس کہ ہم نے اپنی خواہشات کو اپنا معبود بنالیا ہے اور مختلف گروہوں اور ٹولیوں میں بٹ چکے ہیں جبکہ اسلام نے ہمیں ایک لڑی میں پرویا تھا۔

وَاعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا ص وَاذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ كُنْتُمْ اَعْدَآءً فَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِكُمْ فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهٖٓ اِخْوَانًا (ال عمران:١٠٣)

"سب مل کر اللہ کی رسی (قرآن) کو مضبوط پکڑلو اور تفرقہ میں نہ پڑو، اللہ کے اس احسان کو یاد رکھو جو اس نے تم پر کیا ہے، تم ایک دوسرے کے دشمن تھے، اس نے تمہارے دل جوڑ دیئے اور اس کے فضل و کرم سے تم بھائی بھائی بن گئے"۔

قرآن حکیم کی پاکیزہ تعلیمات یقیناً روشن اور مصفیٰ ہیں مگر خواہشات کے بت ٹوٹیں تو فائدہ ہو

منفعت ایک ہے اس قوم کی، نقصان بھی ایک
ایک ہی سب کا نبیؐ دین بھی، ایمان بھی ایک

حرم پاک بھی، اللہ بھی، قرآن بھی ایک
کچھ بڑی بات تھی ہوتے جو مسلمان بھی ایک

فرقہ بندی ہے کہیں اور کہیں ذاتیں ہیں!
کیا زمانے میں پنپنے کی یہی باتیں ہیں

آج 56 برس گزر جانے کے باوجود پاکستان میں اسلامی نظام قائم نہ ہوسکا، اس کی وجہ اس کے سوا اور کیا ہوسکتی ہے کہ ہمارے یہاں دینی جماعتیں آپس میں کٹی پھٹی ہوئی ہیں ان میں کوئی اتحاد اور اتفاق نہیں ہے، ایک دوسرے کے پیچھے نمازیں ادا نہیں ہوتی ہیں، دلوں میں نفرتیں اور کدورتیں ہیں، اس دنیا میں ناکامی ہے تو کیا اپنی ان کرتوتوں سے آخرت میں سرخروئی مل سکتی ہے؟

اَرَءَیۡتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰـهَهٗ هَوٰىهُ ؕ اَفَاَنۡتَ تَكُوۡنُ عَلَيۡهِ وَكِيۡلًا (الفرقان:۴۳)

"بھلا آپ نے اس پر غور کیا جس نے اپنی خواہش کو ہی الٰہ بنا رکھا ہے اس کو (راہ راست پر لانے کے) آپ ذمہ دار بن سکتے ہیں؟ (کامیابی اس کے لئے کیسے ممکن ہوسکتی ہے؟)"

کامیابی حاصل کرنے کیلئے ہمیں شیطان (ابلیس) اور اس کے ان گنت ساتھیوں سے (جو اس نے انسانوں اور جنوں میں سے بنالیے ہیں) زبردست جنگ کرنی ہے اور اس جنگ میں فتح اور غلبہ حاصل کرنے کیلئے اپنے خالق و مالک کا سہارا لینا ہے۔

اِنَّ الشَّيۡطٰنَ لَـكُمۡ عَدُوٌّ فَاتَّخِذُوۡهُ عَدُوًّا ؕ اِنَّمَا يَدۡعُوۡا حِزۡبَهٗ لِيَكُوۡنُوۡا مِنۡ اَصۡحٰبِ السَّعِيۡرِ (فاطر:٦)

"(یاد رکھو انسانو!) شیطان یقیناً تمہارا دشمن ہے لہٰذا تم بھی اسے دشمن ہی سمجھو (اور اس سے جنگ کرو) وہ اپنے پیروکاروں (لاؤلشکر) کو صرف اس لئے بلاتا ہے کہ وہ جہنمی بن جائیں"۔

شیطان اور اس کے ساتھیوں نے طرح طرح کے باطل نظریات کو فروغ دیا، بے حیائیوں اور برائیوں کو جنم دیا، مکر و فریب کی راہیں کھولیں، شرک اور بت پرستی کو پھیلایا اور ان تمام راستوں کو اتنا پرکشش اور دلفریب بنایا کہ اگر اللہ تعالیٰ کی مدد اور رحمت انسان کے شامل حال نہ ہو تو تباہی و بربادی یقیناً اس کا مقدر ٹھہرے، اس لئے ہمیں ہدایت کی گئی ہے کہ ہر وقت اور ہر لحہ تم اپنے مولا و مالک کی حفاظت اور پناہ طلب کیا کرو۔

اَعُوۡذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيۡطٰنِ الرَّجِيۡمَ

آقا کے احکامات معلوم کرنے کیلئے جب اس کی کتاب کو کھولتے ہیں تو حکم ہوتا ہے:

فَاِذَا قَرَاۡتَ الۡقُرۡاٰنَ فَاسۡتَعِذۡ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيۡطٰنِ الرَّجِيۡمِ (النحل:۹۸)

’’پھر جب آپ قرآن پڑھنے لگیں تو شیطان مردود سے اللہ سے پناہ طلب کرلیا کریں‘‘۔

شیاطین ہماری زندگی کو ناکام بنانے کی زبردست کوشش کرتے ہیں، ہمیں اشتعال دلاتے رہتے ہیں، بہکاتے ہیں اور برائیوں پر آمادہ کرتے ہیں، تو رب کریم کی طرف سے ہمیں نصیحت کی جا رہی ہے کہ اس کے حضور اس طرح فریاد کرتے رہیں۔

وَ قُلْ رَّبِّ اَعُوْذُبِکَ مِنْ هَمَزٰتِ الشَّیٰطِیْنِ (۹۷) وَاَعُوْذُ بِکَ رَبِّ اَنْ یَّحْضُرُوْنِ (۹۸)[المومنون]

’’(اے رسولؐ) دعا کیجئے کہ اے میرے رب! میں شیطانوں کے وسوسوں، اکساہٹوں سے تیری پناہ مانگتا ہوں اور اس سے بھی اے رب! تیری پناہ مانگتا ہوں کہ وہ (میرے پاس) آئیں‘‘۔

یاد رکھیے بدیوں میں لذت اور مٹھاس ہے لیکن ان کا انجام ناکامیاں اور تلخیاں ہیں، اس کے برعکس نیکیوں میں گو تکالیف اور مشقتیں ہیں لیکن ان کا انجام کامیابیاں اور مسرتیں ہیں اس کی مثال یوں سمجھئے کہ وہ طالب علم جو پتہ مار کے شب و روز، گرمی و سردی میں جان توڑ محنت کرتا ہے بالآخر شاندار کامیابی سے ہمکنار ہوتا ہے اور بے پناہ خوشیوں کو اپنے دامن میں چنتا ہے۔ اسی طرح بندہ مومن دنیا کے خاردار راستوں میں سنبھل سنبھل کر قدم رکھتا ہے اور اپنے آپ کو ہر برائی اور بے حیائی سے بچاتے ہوئے اللہ تعالیٰ کی رحمت سے صحیح و سالم گزر جاتا ہے، مثال کے طور پر سود کا لینا دینا اسلام نے حرام قرار دیا ہے، بظاہر اسے اپنے مال پر سودی کاروبار میں اچھی خاصی منفعت دکھائی دیتی ہے مگر وہ اس تمام نفع کو ٹھکرا دیتا ہے کہ احکام الٰہی سے سرتابی اس پر شاق گزرتی ہے۔ کاروبار کی حلال اور جائز شکل میں اسے تنگی ترشی سے گزارہ کرنا منظور اور اطمینان بخش ہوتا ہے، وہ ہر اس راہ کو ٹھکرا دیتا ہے جہاں اس کے ایمان و اخلاق میں خلل پیدا ہوتا نظر آئے اور وہ ہر اس راستہ کو اختیار کرتا ہے جہاں ایمان و اخلاق کی سلامتی ہو، خواہ اس راہ میں اسے کتنے ہی مصائب و آلام سے دوچار ہونا پڑے۔

اسی لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے:

حُجِبَتِ النَّارُ بِالشَّهَوَاتِ وَ حُجِبَتِ الْجَنَّةُ بِالْمَکَارِهِ (متفق علیه)

’’جہنم لذتوں سے ڈھکی ہوئی ہے جبکہ جنت تکلیفوں سے ڈھکی ہوئی ہے‘‘۔

دراصل مومن کیلئے یہ دنیا قید خانہ ہے جبکہ کافر کیلئے باغ و بہار ہے، جس طرح قید خانہ میں رہتے ہوئے کئی قسم کی پابندیاں ہوتی ہیں، اصولوں اور ضابطوں کو پیش نظر رکھا جاتا ہے، اسی طرح بندہ

مومن شریعت کی پابندیوں کے ساتھ زندگی بسر کرتا ہے اور اس کا انعام اس کے لئے اللہ تعالیٰ کی جنت اور ابدی باغ و بہار ہے جبکہ کافر اس دنیا کو ہی باغ و بہار خیال کرتے ہوئے ہر پابندی سے آزاد ہوتا ہے۔ قرآن نے ان دونوں زندگیوں کا کتنا خوبصورت انداز میں نقشہ کھینچا ہے۔

فَاَمَّا مَنْ طَغٰی (۳۷) وَ اٰثَرَ الْحَیٰوةَ الدُّنْیَا (۳۸) فَاِنَّ الْجَحِیْمَ هِیَ الْمَاْوٰی (۳۹) وَ اَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ وَ نَهَی النَّفْسَ عَنِ الْهَوٰی (۴۰) فَاِنَّ الْجَنَّةَ هِیَ الْمَاْوٰی (۴۱) [النازعات] ''تو جس نے سرکشی کی اور دنیا کی زندگی کو مقدم سمجھا، اس کا ٹھکانہ دوزخ ہے اور جو اپنے پروردگار کے سامنے کھڑے ہونے سے ڈرتا رہا اور اپنے جی کو خواہشات سے روکتا رہا، اس کا ٹھکانہ بہشت ہے''۔

اپنے نفس کو زیر کرنا اور غلط خواہشات میں اس سے لڑنا بہت بڑا جہاد ہے، جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں:

اَلْمُجَاهِدُ مَنْ جَاهَدَ نَفْسَهٗ (الحدیث)

''حقیقی مجاہد تو وہ ہے جو اپنے نفس سے جہاد کرتا ہے''

جو شخص اپنے نفس کو کچل لیتا ہے حقیقت میں وہ دنیا کی موذی ترین چیز کو کچل لیتا ہے کیا خوب کسی نے کہا ہے ؎

نہنگ و اژدہا و شیر نر مارا تو کیا مارا
بڑے موذی کو مارا نفس امارہ کو گر مارا

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ مجھے اور آپ کو عقل مستقیم اور قلب سلیم عطا فرمائے اور شیطانی خواہشات سے محفوظ فرما کر ہماری زندگیوں کو کامیاب فرمائے، آخر میں ایک دعا کا ذکر کرتا ہوں جو بہت مجرب ہے۔

اَللّٰهُمَّ اٰتِ نَفْسِیْ تَقْوٰهَا وَ زَكِّهَا اَنْتَ خَیْرُ مَنْ زَكّٰهَا اَنْتَ وَلِیُّهَا وَ مَوْلٰهَا

''اے اللہ میرے نفس کو تقویٰ عطا فرما اور اس کا تزکیہ فرمادے تو ہی اس کا بہتر تزکیہ فرمانے والا ہے، تو ہی اس کا نگہبان اور کارساز ہے اور تو ہی آقا اور مالک ہے''۔ آمین!

Marfat.com

Marfat.com

اِسراف وتبذیر

قرآن حکیم کی بیان کی ہوئی حقیقتیں ابدی اور اٹل ہیں، اس کے اصول وضوابط زندگی کو سکون اور سلامتی عطا کرتے ہیں، خرچ کے مرحلہ میں بھی اس نے اعتدال کی راہ بتائی ہے اور اسراف و تبذیر سے بچایا ہے۔

اسراف کسی جائز کام میں ضرورت سے زیادہ خرچ کرنے کو کہتے ہیں جبکہ تبذیر ایسے کام میں خرچ کرنے کو کہتے ہیں جہاں ضرورت ہی نہ ہو اور ناجائز ہو۔ امام راغب اصفہانی لکھتے ہیں۔

''السّرف کے معنی انسان کے کسی کام میں حد اعتدال سے تجاوز کر جانے کے ہیں مگر عام طور پر اس کا استعمال خرچ کرنے میں حد سے تجاوز کر جانے پر ہوتا ہے۔'' (مفردات القرآن)

قرآن حکیم میں مندرجہ بالا دونوں مفہوم میں اسراف کا لفظ استعمال ہوا ہے۔

"اِنَّ اللّٰہَ لَا یَھْدِیْ مَنْ ھُوَ مُسْرِفٌ کَذَّابٌ" (المومن:28) ''اللہ یقیناً ایسے شخص کو راہ پر نہیں لاتا جو حد سے بڑھنے والا اور کذاب ہو''۔

"وَلَا تُسْرِفُوْا اِنَّہٗ لَایُحِبُّ الْمُسْرِفِیْنَ" (الانعام:141) ''اور (مال) بے جانہ اڑانا کہ اللہ تعالیٰ بے جا اڑانے والوں کو پسند نہیں کرتا ہے''۔

اسی آیت مبارکہ میں پھلوں اور اجناس کی فصل تیار اور پک جانے پر حکم ہوتا ہے کہ خود بھی کھاؤ اور فی سبیل اللہ غربا و مساکین کی خدمت بھی کرو مگر اسراف سے پرہیز کرو، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ صدقہ وخیرات میں بھی حد اعتدال سے تجاوز پسندیدہ نہیں ہے، اسی لئے حدیث مبارک میں آتا ہے۔

''افضل صدقہ وہ ہے کہ جس کے بعد آدمی خود محتاج نہ ہو جائے'' (مسلم)

روزمرہ کے کھانے پینے میں بھی حد اعتدال کی تعلیم دی گئی ہے۔

Marfat.com

وَكُلُوْا وَاشْرَبُوْا وَلَا تُسْرِفُوْا اِنَّهٗ لَايُحِبُّ الْمُسْرِفِيْنَ (الاعراف:31)
کھاؤ پیو مگر اسراف سے بچو کیونکہ ''اللہ تعالیٰ اسراف کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا''۔
اعتدال سے خرچ کرنے کی ترغیب دی گئی ہے۔ارشاد ہوتا ہے۔
وَالَّذِيْنَ اِذَآ اَنْفَقُوْا لَمْ يُسْرِفُوْا وَلَمْ يَقْتُرُوْا وَكَانَ بَيْنَ ذٰلِكَ قَوَامًا
(الفرقان:٦٧)''(اور رحمٰن کے بندے) وہ ہیں کہ جب وہ لوگ خرچ کرتے ہیں کہ نہ تو اسراف سے کام لیتے ہیں اور نہ ہی بخل سے بلکہ ان کا خرچ اعتدال سے ہوتا ہے''۔

حقیقت بھی یہ ہے کہ ضرورت سے زیادہ خرچ کرنے میں انسان کو ندامت و پشیمانی، حسرت وافسوس کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔اگر یہ کھانے پینے میں ہو تو صحت کی تباہی و بربادی ہے اور مال کا نقصان الگ ہے اور اگر پوشاک ولباس میں ہو تو نخوت وغرور پیدا ہوتا ہے اور اگر کسی حکومت کے افراد قومی خزانے کا بیجا استعمال شروع کر دیں تو ملک کنگال ہو جاتا ہے اور وہ ملک دوسروں کا دست نگر ہو جاتا ہے۔اسی طرح وہ قوم جو اخلاقی حدود کو پھلانگ ڈالے وہ بھی مسرفین میں شامل ہو جاتی ہے، قرآن حکیم میں قوم لوط علیہ السلام کو بھی مسرفین (حد سے تجاوز کرنے والے) کہا گیا ہے، کیونکہ وہ بھی خلاف فطرت فعل کا ارتکاب کرتے تھے۔

مسرفین کا انجام آخر کار تباہی و بربادی ہوتا ہے۔
وَاَهْلَكْنَا الْمُسْرِفِيْنَ (الانبیاء:9)
''اور اسراف کرنے والوں کو ہم نے ہلاک کر دیا''۔
اور آخرت میں بھی ان کا انجام بخیر نہ ہوگا۔
وَاَنَّ الْمُسْرِفِيْنَ هُمْ اَصْحٰبُ النَّارِ (المومن:43)''بلاشبہ حد سے بڑھنے والے ہی جہنمی ہیں''۔

آپ نے اسراف اور مسرفین کے بارے میں معلومات حاصل کیں، آیئے اب تبذیر کے متعلق جانیں، اس کا مادہ (ب ذ ر) اور تبذیر باب تفعیل ہے، اس کے معنی پراگندہ کرنے اور بکھیر دینے کے ہیں۔ پھر یہ لفظ زمین میں بیج ڈالنے کے معنوں میں بھی آیا ہے کیونکہ بیج کو زمین میں بکھیر دیا جاتا ہے پھر استعارۃً مال ضائع کر دینے کے لئے استعمال ہونے لگا۔ (مفردات القرآن)

Marfat.com

التبــــذیـــــر ،فضول خرچی کرنا،یا ایسے امور میں مال خرچ کرنا جو شرعاً ناجائز ہیں (لسان القرآن۔مولانا محمد حنیف ندوی)

بَذَرَ الْحَبَّ یَبْذِرُ– بَذْرًا– أَلْقَاهُ فِي الْأَرْضِ لِلزِّرَاعَةِ زمین میں زراعت کے لیے بیج پھینکنا،وَبَـذَر مَـالَـهُ– اَسْـرَفَ فِيْ اِنْفَـاقِهٖ اس شخص نے مال خرچ کرنے میں زیادتی کی (المعجم الوسیط)

قرآن حکیم میں ہے۔

اِنَّ الْـمُبَـذِّرِيْـنَ كَـانُـوْٓا اِخْـوَانَ الشَّـيٰـطِيْـنِ وَ كَانَ الشَّيْطٰنُ لِرَبِّهٖ كَفُوْرًا (بنی اسرائیل:27)"فضول خرچ لوگ شیاطین کے بھائی ہیں اور شیطان تو اپنے رب کا ناشکرا ہے"۔

گویا معلوم ہو رہا ہے کہ فضول خرچ لوگ شیاطین کی دوستی اور ہمنوائی کا دم بھر رہے ہیں اور شکر گزاری کی بجائے ناشکری کا مظاہرہ کر رہے ہیں۔ظاہر ہے کہ جو انجام شیاطین کا ہے وہی ان کا بھی ہے۔اور پھر جن افراد و اقوام میں اسراف و تبذیر کی عادت عام ہو جائے وہ نہ صرف اخلاق لحاظ سے تباہ و برباد ہو جاتی ہیں بلکہ ان کی معاش اور معیشت بھی زوال پذیر ہو جاتی ہے۔آیئے ذرا اپنی قوم پر تھوڑی سی نظر ڈالیں۔

آزادی ملنے کے بعد ہمیں اللہ تعالیٰ کے شکر گزار بندے بن کر رہنا چاہیے تھا کہ اس نے ہمیں عظیم نعمت سے نوازا ہے اور اس ملک میں اسی کا نظام جاری وساری کرنا ہمارا فرض تھا،مگر ایسا نہ ہوا،نتیجۃً ملک کا آدھا حصہ ہم سے چھن گیا،مگر افسوس کہ اس کے بعد بھی ہمیں کوئی عبرت اور نصیحت حاصل نہ ہوئی اور ہم روز بروز اخلاقی اور معاشی طور پر پست سے پست تر ہوتے گئے،ذرا ٹھنڈے دل و دماغ سے غور کریں تو معلوم ہوگا کہ افراد حکومت اور عوام دونوں اسراف و تبذیر کا شکار رہے ہیں اور ابھی تک ہیں،قوموں کی تقدیر،سادگی،کفایت شعاری،محنت و مشقت،دیانت و امانتداری اور جہاد کی قوت سے بنتی ہے۔

میں تجھ کو بتاتا ہوں، تقدیر امم کیا ہے
شمشیر و سناں اول طاؤس و رباب آخر

مگر افسوس کہ ہم نے شمشیر و سناں کو تو پسِ پشت پھینک دیا اور طاؤس و رباب میں مشغول ہو گئے اور اپنا حشر اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں،ہماری یہ نسل تباہ ہو رہی ہے،اس کی ذمہ دار

Marfat.com

حکومت ہے یا والدین؟ اساتذہ ہیں یا علمائے کرام! میرے نزدیک ان سب کی کوششوں اور تعاون سے ہی اس نسل کی صحیح تعلیم وتربیت ہوسکتی ہے۔ مگران میں سے کسی ایک نے بھی اپنا فرض نہیں پہچانا ہے، بڑے دکھ کی بات ہے کہ پاکستان کے چھپن برس ہم نے ضائع کردیئے ہیں جبکہ کسی قوم کی تعمیروترقی میں ایک ایک لمحہ بڑا قیمتی ہوتا ہے۔ ہمارے یہاں کے سیاست دانوں کے کھیل تماشوں اور ہوس اقتدار نے، علمائے کرام کے آپس میں تفرقوں اور رنجشوں نے، والدین کے لا اُبالی پن اور لاپروائیوں نے اور اساتذہ کرام کی عدم دلچسپی اور غیر ذمہ داریوں نے پروان چڑھنے والی نسل کو پاکیزہ تعلیم وتربیت سے محروم رکھا ہے اور سب اس کے لئے جوابدہ ہیں۔ وقت جو کہ سیم وزر سے زیادہ قیمتی ہوتا ہے یونہی ضائع ہوگیا ہے اور قوم کے شاہین بچوں کی ذہنی وفکری تربیت نہ ہوسکی جس کے نتیجہ میں آج کا نوجوان بے راہروی کا شکار ہے۔

ہم ہر سال ہندوؤں کا مسرفانہ تہوار بسنت بڑے جوش وخروش سے مناتے ہیں۔ اس میں نہ صرف عوام بلکہ افراد حکومت بھی شامل ہوتے ہیں اور اربوں روپے کا نقصان اٹھاتے ہیں۔ سینکڑوں جانیں ضائع ہوجاتی ہیں۔ گراں مایہ وقت الگ برباد ہوتا ہے اور اس کی نہ عوام کو سمجھ آتی ہے نہ ہی حکومت کو خیال آتا ہے۔ اگر حکومت شادی بیاہ کے کھانوں پر پابندی لگا سکتی ہے اور کامیابی سے اس پر عمل ہوتا ہے تو کیا اس بے بہا قومی دولت کے زیاں اور نقصان پر پابندی نہیں لگا سکتی۔

ہم جو ہر سال کشکول تھامے ادھر ادھر جاتے ہیں اور سود پر قرض اٹھاتے ہیں کیا اس قومی دولت کو بچا کر قرضوں کی مجبوری سے نجات نہیں پاسکتے ہیں؟ کیا گداگری پر ہمیں ناز ہے؟

Marfat.com

فضول خرچی

جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''فضول خرچی اور غرور سے بچتے ہوئے کھاؤ پیو، پہنو اور صدقہ کرو''۔

كُلُوا وَاشْرَبُوا، وَالبِسُوا وَ تَصَدَّقُوا فِي غَيْرِ اِسْرَافٍ وَ لَا مُخِيلَةٍ

(بخاری کتاب اللباس)

اللہ تعالیٰ کے اپنے بندوں پر ان گنت انعامات و احسانات میں سے مال و دولت بھی ہے جو انہیں محنت و مشقت کے بعد ملتا ہے، اس سے وہ زندگی کی سہولتیں حاصل کرتے ہیں، ایک طرف اگر اپنی خوراک، لباس، رہائش اور سیر و سفر پر خرچ کرتے ہیں تو دوسری طرف غریبوں، مسکینوں، بیواؤں اور یتیموں کی خدمت کر کے اللہ تعالیٰ کے یہاں اجر عظیم کے امیدوار بنتے ہیں۔

وَيُطْعِمُوْنَ الطَّعَامَ عَلٰى حُبِّهٖ مِسْكِيْنًا وَّ يَتِيْمًا وَّ اَسِيْرًا (۸) اِنَّمَا نُطْعِمُكُمْ لِوَجْهِ اللّٰهِ لَا نُرِيْدُ مِنْكُمْ جَزَآءً وَّلَا شُكُوْرًا (۹)[الدھر] ''وہ اللہ کی رضا کیلئے مسکین، یتیم اور قیدی کو کھانا کھلاتے ہیں (اور انہیں کہتے ہیں کہ) ہم تمہیں صرف رضائے الٰہی کی خاطر کھا تے ہیں، ہم تم سے نہ کوئی بدلہ چاہتے ہیں اور نہ شکریہ!''

ظاہر ہے کہ اہل خانہ اور غرباء و مساکین کی وہی مدد کر سکتا ہے جس کے پاس مال ہو، اسلام مال و دولت کو ضائع کرنے سے روکتا ہے بلکہ اسلامی حکومت کا فرض ہے کہ جہاں کہیں بھی لوگوں کو مال ضائع کرتے دیکھے تو فوراً روکے اگر وہ باز نہ آئیں تو قوت و طاقت سے انہیں منع کرے، ایسا بھی ہو سکتا ہے کہ فضول خرچی کرنے والوں سے وہ مال چھین کر سرکاری خزانے میں جمع کرا دیا جائے اور اسے رفاہ عام پر خرچ کر دیا جائے، ذرا اس آیہ مبارکہ پر غور کیجئے۔

وَلَا تُؤْتُوا السُّفَهَآءَ اَمْوَالَكُمُ الَّتِيْ جَعَلَ اللّٰهُ لَكُمْ قِيٰمًا وَّارْزُقُوْهُمْ فِيْهَا

Marfat.com

وَاكْسُوهُمْ وَ قُولُوا لَهُمْ قَوْلًا مَّعْرُوفًا (النساء:۵)''اور (دیکھو) مال ومتاع جسے اللہ نے تمہارے لئے قیام (معیشت کا ذریعہ) بنایا ہے، ان یتیموں کے حوالے نہ کرو (ایسے یتیم) جو ابھی کم عقل ہوں (مبادا وہ حماقت سے اسے ضائع کر بیٹھیں) ہاں اس میں سے انہیں کھلاتے پہناتے رہو اوران سے معقول بات کہو''۔

سید مودودی رحمتہ اللہ علیہ اس آیت کی تشریح میں لکھتے ہیں:''یہ آیت وسیع معنی کی حامل ہے، اس میں امت کو جامع ہدایت فرمائی گئی ہے کہ مال جو ذریعہ قیام زندگی ہے، بہر حال ایسے نادان لوگوں کے اختیار وتصرف میں نہ رہنا چاہئے جو اسے غلط طریقے سے استعمال کر کے نظام تمدن و معیشت اور بالآخر نظام اخلاق کو خراب کر دیں، حقوق ملکیت جو کسی شخص کو اپنے املاک پر حاصل ہیں اس قدر غیر محدود نہیں ہیں کہ وہ اگر ان حقوق کو صحیح طور استعمال کرنے کا اہل نہ ہو اوران کے استعمال سے اجتماعی فساد برپا کر دے تب بھی اس کے وہ حقوق سلب نہ کیے جا سکیں، جہاں تک آدمی کی ضروریات زندگی کا تعلق ہے وہ تو ضرور پوری ہونی چاہئیں لیکن جہاں تک حقوق مالکانہ کے آزادانہ استعمال کا تعلق ہے اس پر پابندی عائد ہونی چاہئے کہ یہ استعمال اخلاق وتمدن اور اجتماعی معیشت کیلئے صریحاً مضر نہ ہو، اس ہدایت کے مطابق چھوٹے پیمانے پر ہر صاحب مال کو اس امر کا لحاظ رکھنا چاہئے کہ وہ اپنا مال جس کے حوالہ کر رہا ہے وہ اس کے استعمال کی صلاحیت رکھتا ہے یا نہیں اور بڑے پیمانے پر حکومت اسلامی کو اس امر کا انتظام کرنا چاہئے کہ جو لوگ اپنے اموال پر خود مالکانہ تصرف کے اہل نہ ہوں یا جو لوگ اپنی دولت کو برے طریقوں سے استعمال کر رہے ہوں ان کی املاک کو وہ اپنے انتظام میں لے لے اوران کی ضروریات زندگی کا بندوبست کر دے (تفہیم القرآن)

اہل عرب کی فیاضی کی بنیاد اکثر فخر وغرور اور نام ونمود پر قائم تھی اور بعض اوقات وہ تمام مال و دولت کو اڑا کر خود مفلس اور قلاش ہو جاتے تھے، پھر اس قسم کی فیاضی کے لئے جائز مال کافی نہیں ہوتا تھا تو وہ لوٹ مار سے مال جمع کرتے اور نمود ونمائش کے موقعوں پر اسی مال کو خرچ کرتے تھے، اس بے اعتدالی کو دور کرنے کیلئے اللہ تعالیٰ نے حقوق مقرر فرمائے اور فضول خرچ کو شیطان کے بھائی کا لقب دیا۔

وَاٰتِ ذَا الْقُرْبٰى حَقَّهٗ وَالْمِسْكِيْنَ وَ ابْنَ السَّبِيْلِ وَلَا تُبَذِّرْ تَبْذِيْرًا (۲۶) اِنَّ الْمُبَذِّرِيْنَ كَانُوْٓا اِخْوَانَ الشَّيٰطِيْنِ ط وَكَانَ الشَّيْطٰنُ لِرَبِّهٖ كَفُوْرًا (۲۷)[بنی اسرائیل] ''اور رشتہ دار کو اس کا حق دو اور مسکین اور مسافر کو اس کا حق دو اور فضول خرچی نہ کرو کیونکہ فضول خرچ

Marfat.com

شیطانوں کے بھائی ہیں اور شیطان (ابلیس) تو اپنے رب کا ناشکرا ہے (وہ اپنے چیلے چانٹوں کے ساتھ بہت سے دوسرے لوگوں کو ناشکرا بنانے کی کوشش کرتا رہتا ہے)"

اسلام نے زندگی کے ہر معاملہ میں اعتدال اور میانہ روی کی تعلیم دی ہے، مثلاً کھانا پینا زندگی کی بقا کیلئے ضروری ہے، وہاں بھی یہ اصول بتایا۔

كُلُوْا وَاشْرَبُوْا وَلَا تُسْرِفُوْا ج اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِيْنَ (الاعراف:۳۱) "کھاؤ، پیو لیکن اسراف نہ کرو کیونکہ اللہ اسراف کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا"۔

اسراف ضرورت سے زائد خرچ کو کہتے ہیں اور تبذیر فضول خرچی یا ایسے امور میں خرچ کرنے کو کہتے ہیں جو شرعاً ناجائز ہوں۔ مثلاً شادی بیاہ کے موقع پر مناسب مہمان نوازی اپنی گنجائش کو دیکھتے ہوئے جائز ہے اور اپنی گنجائش سے بڑھ کر اسراف ہے جبکہ چراغاں اور آتش بازی تبذیر ہے جس پر قرآن حکیم کی سخت وعید ہے۔

قرآن حکیم نے خرچ کرنے کے سلسلہ میں کتنی عمدہ نصیحت کی ہے جو یقیناً آب زر سے لکھے جانے کے قابل ہے۔

وَلَا تَجْعَلْ يَدَكَ مَغْلُوْلَةً اِلٰى عُنُقِكَ وَلَا تَبْسُطْهَا كُلَّ الْبَسْطِ فَتَقْعُدَ مَلُوْمًا مَّحْسُوْرًا (بنی اسرائیل:۲۹) "اور نہ تم اپنا ہاتھ گردن سے باندھ رکھو اور نہ ہی اسے پوری طرح کھلا چھوڑ دو ورنہ خود ملامت زدہ اور درماندہ بن جاؤ گے"۔

ہاتھ گردن سے باندھنا محاورہ ہے جس کے معنی بخل کرنا ہے، کھلا چھوڑنا یہ ہے کہ ضرورت سے زیادہ خرچ کر دیا جائے اور انسان پھر تہی دست ہو کر حیران و پریشان ہو جائے اور لوگوں سے قرض مانگتا پھرے اور کوئی دے یا کوئی انکار کر دے۔

اعتدال زندگی کا وہ راستہ ہے جس سے کبھی شرمندگی اور پریشانی نہیں اٹھانی پڑتی، انگریزی میں کیا ہی اچھا محاورہ ہے۔

"Cut your coat according to your Cloth"

جتنی چادر دیکھو اتنے پاؤں پھیلاؤ، قرآن اس حقیقت کو اس طرح بیان کرتا ہے۔

لِيُنْفِقْ ذُوْسَعَةٍ مِّنْ سَعَتِهٖ (الطلاق:۷) "اور اپنی وسعت کے مطابق خرچ کرو"۔

بعض لوگ دوست واحباب پر تو خوب خرچ کرتے ہیں ان کی شاندار ہوٹلوں میں دعوت

Marfat.com

کرتے ہیں اور افراد خانہ کو نظر انداز کر دیتے ہیں، اسلام اس بات کی اجازت نہیں دیتا، وہ یہ کہتا ہے کہ اولین حقدار تمہارے اہل وعیال ہیں۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے۔

اِبْدَأْ بِمَنْ تَعُوْلُ (ریاض الصالحین باب النفقہ علی العیال) ''خرچ کی ابتدا ان لوگوں سے کرو جن کی تم پرورش کرتے ہو''۔

حضرت ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ایک دینار تم نے اللہ کے راستہ میں خرچ کیا، ایک دینار گردن کے آزاد کرنے میں، ایک دینار مسکینوں پر صدقہ کیا اور ایک دینار اہل وعیال پر خرچ کیا، سو جو دینار افراد خانہ پر صرف ہوا اس کا درجہ سب سے زیادہ ہے (ریاض الصالحین باب ایضاً)

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا انسان کا گناہ یہی کافی ہے کہ جس کا کفیل ہو اس کی کفالت سے ہاتھ اٹھالے (ریاض الصالحین۔ باب ایضاً)

آپ نے غور کیا کہ اسلام اسراف وتبذیر سے روکتا ہے، دولت کی حفاظت کرتا ہے، فضول خرچی سے روکتا ہے اور خرچ کرنے کے اصول وضوابط مقرر کرتا ہے، آیئے ذرا اپنے معاشرے پر نگاہ ڈالیں، شادی وبیاہ کے مواقع پر فضول رسم ورواج ...... چراغاں اور آتش بازی، پٹاخے اور گھن گرج کے ساتھ بارودی گولے چھوڑنا جس سے نہ صرف دولت کا زیاں ہوتا ہے بلکہ ارد گرد کے لوگوں کا سکون بھی برباد ہوتا ہے، بسنت ایسے ہندوؤں کے تہوار کو نہ صرف دن کو بلکہ چکا چوند بجلی کی روشنی میں رات کو منانا جس میں افراد حکومت کی بڑے فخر سے شمولیت ہوتی ہے، اس موقع پر اربوں روپے برباد ہو جاتے ہیں اور یہ سلسلہ سال بھر بڑی پارکوں میں جاری رہتا ہے، ملک دیوالیہ ہو چکا ہے، اربوں اور کھربوں روپے کے مقروض ہیں، پھر بھی غفلتوں اور لاپروائیوں کی انتہا ہے! حکومت ان واقعات کو اپنی آنکھوں سے دیکھ رہی ہے، ملک کا خزانہ خالی ہونے پر تو بڑی داد فریاد کی جاتی ہے مگر اسراف وتبذیر کو روکنے کی طرف کوئی توجہ نہیں، کیا حکومت ان مبذرین سے دولت چھین کر قومی خزانہ کی کمی کو پورا نہیں کر سکتی ہے؟

فَاعْتَبِرُوْا یَا اُوْلِی الْاَبْصَارِ

Marfat.com

ظالم حکومت کا انجام

ہشام، حسن سے روایت کرتے ہیں، انہوں نے کہا کہ ہم معقل بن یسار کی عیادت کرنے آئے، اتنے میں عبیداللہ (ابن زیاد) بھی وہاں آئے حضرت معقل نے عبیداللہ (بنو امیہ کے گورنر) سے فرمایا کہ میں تمہیں ایک حدیث سناتا ہوں، جو میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنی تھی آپ ﷺ نے فرمایا "جو شخص مسلمان رعیت کا حاکم ہو اور وہ رعایا کے ساتھ خیانت کرتے ہوئے دارفانی سے رخصت ہو تو اللہ تعالیٰ اس پر جنت حرام کردے گا (صحیح بخاری)

معاشرتی زندگی کا تانا بانا ذمہ داریوں کو ٹھیک ٹھیک سنبھالنے سے ہی درست رہتا ہے اور ہر فرد اس پر نگران اور مسؤل ہوتا ہے، کسی ریاست میں ایک صدر سے لے کر ایک عام مزدور تک ہر فرد اور ہر شخص ذمہ داریوں میں جکڑا ہوا ہوتا ہے اور عہدہ جس قدر بڑا ہوجاتا ہے اسی قدر ذمہ داری بھی بڑھتی چلی جاتی ہے، ایک گھر میں والدین بچوں پر نگران اور ان کی تعلیم و تربیت کے ذمہ دار ہیں، ایک تعلیمی درس گاہ میں اساتذہ اپنے شاگردوں کی تعلیم ہی نہیں بلکہ ان کی تربیت کے بارے میں بھی مسؤل ہیں۔ ایک کارخانہ کا مالک وہاں کام کرنے والے مزدوروں کے حقوق ادا کرنے کا پابند ہے، اسی طرح ایک حکومت اپنے شہریوں کی فلاح و بہبود کی خواہش مند اور ان کے جان و مال اور عزت و آبرو کی محافظ ہوتی ہے بلکہ اسلام پر قائم ہونے والی حکومت تو لوگوں کی تعلیم، علاج معالجہ، روٹی، کپڑا، رہائش اور روزگار فراہم کرنے کی ذمہ دار بھی ہوتی ہے۔

اگر اسلام کے نام پر قائم ہونے والی حکومت اپنے فرائض کو ٹھیک ٹھیک سرانجام نہ دے رہی ہو تو ایک عام شہری سربراہ ریاست یا کسی صوبے کے حاکم یا وزیر سے باز پرس کرسکتا ہے، یہی حقیقی معنوں میں جمہوریت ہے، تاریخ اسلام سے چند واقعات پر نظر ڈالتے چلیے۔

امیر المومنین حضرت عمرؓ راتوں کو اٹھ اٹھ کر لوگوں کے حالات معلوم کرتے۔ معذوروں،

بیواؤں، مسکینوں، غریبوں، بے کسوں اور مسافروں کا خیال رکھتے اور ان کی مدد فرماتے تھے، ایسے ہی ایک دفعہ اپنے خادم کے ساتھ چلے جا رہے تھے کہ ایک گھر سے بچوں کے چیخنے چلانے کی آواز آ رہی تھی، رک گئے اور خادم نے دروازہ پر دستک دی، بچوں کی ماں باہر آئی، دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ گھر میں کھانے کی کوئی چیز نہیں ہے۔ اور وہ بھوک سے نڈھال ہو کر رو رہے ہیں، ماں نے محض ان کی تسلی کے لئے ہنڈیا میں پانی ڈال کر چولہے پر رکھا ہے، حضرت عمرؓ یہ حالات دیکھ کر پریشان ہو گئے، عورت سے کہا کہ تم نے امیر المومنینؓ کو خبر کیوں نہ دی، کہنے لگی وہ امیر المومنینؓ کیسے ہیں جنہیں عوام کی خبر نہیں! خاتون کے اس جواب نے خلیفۃ المسلمین کو خاموش کر دیا، فوراً بیت المال تشریف لائے اور سامان خورد و نوش کندھوں پر اٹھایا، خادم نے عرض کیا کہ میں اٹھاتا ہوں۔ جواب دیا کہ روز آخرت میرا بوجھ تم کیسے اٹھاؤ گے؟ وہ سامان اس عورت کے مکان پر لا ڈالا اور خود اپنے ہاتھوں سے بچوں کا کھانا تیار کر کے انہیں کھلایا پلایا، خاتون کی زبان سے بے اختیار نکلا، کاش کہ عمرؓ کی جگہ تم امیر المومنین ہوتے، اسے کیا خبر تھی کہ یہی وہ مرد مومن ہے جسے عوام کے دکھ درد میں کسی کروٹ چین نصیب نہیں ہے۔

یہ دیکھ بھال نہ صرف مسلمانوں کے لئے تھی بلکہ غیر مسلموں کے ساتھ بھی نہایت مشفقانہ اور ہمدردانہ سلوک روا رکھا جاتا تھا، امیر المومنین نے کسی شخص کو اپنی پیرانہ سالی میں دربدر مانگتے دیکھا تو پتہ چلا کہ وہ معذور ہے اور غیر مسلم ہے، اسے اپنے نان نفقہ کے علاوہ اسلامی حکومت کی جزیہ کی رقم بھی ادا کرنی ہوتی ہے، اس پر امیر المومنین کا دل پسیج گیا، اسے اپنے ساتھ سرکاری دفتر لائے، نہ صرف اس کا جزیہ معاف کرا دیا بلکہ اس کے لئے ماہانہ وظیفہ بھی مقرر کر دیا اور بیت المال کے داروغہ کو حکم دیا کہ اس قسم کے معذوروں کے لئے آئندہ وظیفہ مقرر کر دیا جائے، آپ نے ان ذمیوں کے جان مال کی جس طرح حفاظت فرمائی وہ تاریخ اسلام کا ایک درخشندہ باب ہے تفصیل درکار ہو تو علامہ شبلی نعمانی کی الفاروق پڑھ ڈالئے۔

حضرت ابوبکر صدیقؓ کا خلافت سے قبل ذریعہ معاش تجارت تھا، انتخاب کے کچھ دنوں بعد تک اسے قائم رکھا، ایک دن حسب معمول کندھے پر کپڑوں کے تھان رکھے ہوئے بازار جا رہے تھے کہ راہ میں حضرت عمرؓ اور حضرت ابوعبیدہؓ مل گئے، عرض کیا ''اے خلیفہ رسول ﷺ، کہاں کا قصد ہے؟'' بولے۔ بازار'' انہوں نے کہا ''اب آپ مسلمانوں کے والی ہیں، چلئے ہم آپ کے لئے

Marfat.com

وظیفہ مقرر کر دیں گے'' اور پھر صحابہ کے مشورہ سے بقدر ضرورت اپنا وظیفہ مقرر کر لیا۔ (صدیق اکبر۔ سعید احمد اکبر آبادی)

یہ وظیفہ کتنا تھا؟ اتنا معمولی کہ جس سے غریب ترین گھرانے کی گزر بسر ہو سکتی تھی۔۔۔ نہ لمبی چوڑی تنخواہ۔۔۔ نہ ٹی۔ اے/ ڈی۔ اے اور دیگر الاؤنس، نہ کوئی آراستہ پیراستہ محل، نہ سیر و سفر کے لئے کوئی عمدہ سواری اور نہ حفاظت اور شان و شوکت کے لئے خدمت گار اور باڈی گارڈ، جب عدل و انصاف اور خدمت خلق کسی حاکم کے پیش نظر ہو تو اسے ان چیزوں کی ضرورت نہیں رہتی ہے۔

امیر المومنین حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ رات کو خلافت کا کام بیت المال کی شمع سامنے رکھ کر انجام دیتے تھے لیکن جب اپنا کام کرنا ہوتا تھا تو اس شمع کو اٹھوا دیتے اور ذاتی چراغ منگوا کر کام کرتے۔ (سیرت عمر بن عبدالعزیزؒ۔ عبدالسلام ندوی)۔

دیانت و امانت اور عدل و انصاف کی یہ مثالیں صرف صحابہ کرامؓ کے دور سعادت کی ہی نہیں بلکہ اس کے بعد بھی کئی ادوار ایسے آئے کہ مسلمان حکمرانوں نے صدق و امانت اور خدمت خلق کو اپنی زندگیوں کا دستور العمل بنایا۔۔۔ کون نہیں جانتا کہ مسلمانوں نے یورپ اقصیٰ اور سرزمین اندلس کو فتح کیا اور وہاں علم و ادب اور عدل و انصاف کے جھنڈے گاڑے، مسجد قرطبہ اور وہاں کی یونیورسٹیاں دنیا بھر کے لوگوں کی توجہ کا مرکز تھیں۔ کسے نہیں معلوم کہ وہاں کے عوام نے اپنے حکمرانوں کے ظلم و ستم سے تنگ آ کر مسلمان فاتحین کو حملہ کرنے کی دعوت دی تھی کہ زندگی ان کے لئے اجیرن ہو چکی تھی اور وہ کسی عادلانہ نظام کے طلبگار تھے۔۔۔ مسلمانوں کے دور حکومت سے انہیں سکھ اور چین نصیب ہوا۔۔۔ عدل و انصاف ملا، علم و ادب میں ترقی ہوئی، شہرت اور عزت کا مقام حاصل ہوا، اور کوئی آٹھ صدیوں تک مسلمانوں کی حکمرانی وہاں قائم رہی پھر آپس کی نااتفاقیوں نے انہیں قعر مذلت میں پھینک دیا، اس لئے کہ

اللہ تعالیٰ کا قانون یہی ہے فَتَفْشَلُوا وَتَذْهَبَ رِيحُكُمْ ''تم بکھر جاؤ گے (تو ٹوٹ جاؤ گے) اور تمہاری ہوا اکھڑ جائے گی۔''

پھر کون اس بات سے بے خبر ہے کہ محمد بن قاسم نے سرزمین ہند میں اسلامی پرچم لہرانے کے بعد عدل و انصاف کی ایسی فضا قائم کی کہ یہاں کے باشندے عش عش کر اٹھے اور جب وہ

Marfat.com

وہاں سے رخصت ہوئے تو لوگوں کی آنکھیں اشکبار تھیں...... مغل بادشاہ اورنگ زیب عالمگیر کا عدل آج بھی ضرب المثل ہے، سلطان محمود غزنوی کی رعایا پروری کو کون نہیں جانتا؟ صلاح الدین ایوبی کا حسن سلوک اپنے دشمنوں کے ساتھ بھی نمایاں تھا کہ جس کا اظہار انگریز شاعر نے اپنی نظم میں کیا ہے اور جنہیں بچے اپنے نصاب میں پڑھتے ہیں۔

یہ دراصل قرآن حکیم کی اس زندہ جاوید تعلیمات کا نتیجہ تھا، جس کا ذکر یوں آیا ہے:

☆ يَـٰٓأَيُّهَا الَّذِينَ اٰمَنُوا كُونُوا قَوّٰمِينَ لِلّٰهِ شُهَدَآءَ بِالْقِسْطِ ز وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰٓى اَلَّا تَعْدِلُوا ط اِعْدِلُوا قف هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى (المائدہ:8)

''اے ایمان والو! اللہ کی خاطر راستی پر قائم ہونے والے اور انصاف کے ساتھ گواہی دینے والے بنو اور کسی قوم کی دشمنی تم کو اس بات پر نہ ابھارے کہ تم اس سے انصاف نہ کرو (نہیں نہیں) بلکہ ہر حال میں انصاف کرتے رہو کہ یہی شیوہ پرہیزگاری سے قریب تر ہے۔

اور مسلمان کی تعریف جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمائی ہے، وہ اس طرح ہے۔

☆ ''اَلْمُسْلِمُ مَنْ سَلِمَ الْمُسْلِمُوْنَ مِنْ لِسَانِهٖ وَيَدِهٖ'' مسلمان تو وہ ہے کہ جس کی زبان اور ہاتھ سے دوسرے مسلمان محفوظ رہیں۔

☆ ''وَالْمُؤْمِنُ مَنْ اَمِنَهُ النَّاسُ'' اور مومن وہ ہے جس سے تمام انسان محفوظ و مأمون رہیں۔

☆ اب ذرا پاکستان کی تاریخ پر نگاہ ڈالئے یہاں کے حکمرانوں نے ظلم وستم کی جو روایت رقم کی ہے وہ تاریخ کا ایک کربناک باب ہے بلاشبہ یہ ملک اسلام کے نام پر بنا تھا اور اس کے لئے مسلمانوں نے بے پناہ جانی و مالی قربانیاں دی تھیں۔۔۔ ہماری کتنی بہو بیٹیاں سکھوں اور ہندوؤں کے قبضہ میں رہ گئی تھیں؟ اور کتنی جام شہادت نوش کر گئی تھیں؟ کتنی ماؤں کے لخت جگران کی آنکھوں کے سامنے شہید کر دیے گئے تھے اور کتنے بھائی بہنوں سے محروم کر دیے گئے تھے؟ اور کتنی بہنیں بھائیوں سے جدا ہو گئی تھیں؟ کتنے سہاگ لٹے تھے اور کتنے بچے یتیم ہو گئے تھے؟ یہ سب قربانیاں اس لئے دی گئی تھیں کہ اس وطن پاک میں نظام اسلامی کا سایہ رحمت میسر آئے گا اور ہر شخص عزت و آبرو سے زندگی گزار سکے گا۔ اسے عدل وانصاف ملے گا اور ظالموں کو کیفر کردار تک پہنچایا جائے گا، ہر شخص کو باعزت روٹی، کپڑا، مکان ملے گا، تعلیم اور علاج معالجے کی سہولتیں میسر آئیں گی، پھر

قوم ایک قوت بن کر ابھرے گی اور ہندوستان کے مسلمانوں خاص طور پر کشمیری مسلمانوں کی مدد کو پہنچ کر انہیں آزادی کی نوید سنائے گی۔

مگر افسوس اور صد افسوس کہ یہاں معاملہ دگر گوں ہوا ایسے ایسے حکمران آئے جن کے پیش نظر سوائے لوٹ کھسوٹ کے اور کچھ نہیں تھا انہوں نے دونوں ہاتھوں سے خزانہ لوٹا، دوسرے ملکوں سے بے پناہ قرض لئے اور ملک کے ہر ہر فرد کو بال بال مقروض کر دیا بلکہ سودی کاروبار میں جکڑ کر رکھ دیا اسلامی نظام کا تو ذکر ہی کیا، کوئی بھی نظام یہاں قائم نہ ہو سکا۔

''اندھیر نگری چوپٹ راج'' کا اصول رہا، نتیجتاً آدھا ملک ہی ہاتھ سے جاتا رہا اور بقیہ آدھا جو بچا ہے اس کی حالت بھی انتہائی پریشان کن ہے۔۔۔ پورا ملک دہشت گردی کا شکار ہے، قتل و غارت چوری ڈکیتی روزمرہ کا معمول ہے ادھر ادھر دھماکے ہوتے ہیں آناً فاناً قیمتی جانیں ضائع ہو جاتی ہیں گویا انسانی جانوں کا قتل بچوں کا کھیل تماشہ بن گیا ہے۔

یہ نتیجہ ہے اس بات کا کہ ہم نے آج تک اسلامی قانون کو انشراح صدر سے قبول ہی نہیں کیا، اگر شروع میں ہی اس کا نفاذ ہو گیا ہوتا تو نہ ملک کے حصے بخرے ہوتے، نہ ہی ہم مقروض ہوتے اور نہ ہی ان فسادات کا شکار ہوتے، جن جن حکمرانوں نے پاکستان کو نقصان پہنچایا ہے اور اس عادلانہ نظام کو قائم کرنے میں رکاوٹ بنے ہیں وہ اللہ تعالیٰ کے یہاں کیسے چھوٹ سکیں گے، ان شاء اللہ گرفت میں آجائیں گے۔

اس تیرہ و تاریک ماحول میں امید کی کرن ابھی موجود ہے جو لوگ اسلام کا دم بھرتے ہیں اور مسلمان ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں وہ اپنے تمام تر فروعی اختلافات بھلا کر ایک جھنڈے تلے جمع ہو جائیں اور اللہ کے دین کو نافذ کرنے کے لئے اپنی تمام تر مساعی کو بروئے کار لائیں، پھر رب کریم کی نصرت آئے گی۔

اِنْ تَنْصُرُوا اللّٰهَ يَنْصُرْكُمْ وَيُثَبِّتْ اَقْدَامَكُمْ

Marfat.com

کفر کے اندھیروں میں اہل حق کیلئے روشنی

دراصل بات یہ ہے کہ کسی بھی حقیقت اور سچائی کو تسلیم کرنے کیلئے انشراح صدر یعنی دل کی کشادگی اور ہر قسم کے تعصب وعناد سے بالاتر ہونا ضروری ہے نیز اس سچائی پر ٹھنڈے دل ودماغ سے غور وفکر کرنا اور سچائی کی حقیقت پالینے کے بعد اسے قبول کرنے کے لئے آمادہ ہونا بھی ایسا ہی ضروری ہے۔ قرآن حکیم بار بار عقل وفکر سے کام لینے کی دعوت دیتا ہے۔

اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ، اَفَلَا یَتَدَبَّرُوْنَ کے الفاظ کئی مقامات پر دہرائے گئے ہیں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قریش مکہ کے سامنے دعوت اسلام کو پیش کیا تو ان میں سے اکثر وبیشتر نے آباؤ اجداد کی اندھی تقلید کی وجہ سے فکر وشعور کے تمام دریچوں کو اپنے اوپر بند کر رکھا تھا اور کہا کرتے تھے۔

بَلْ وَجَدْنَآ اٰبَآءَ نَا كَذٰلِكَ يَفْعَلُوْنَ (الشعراء:۷۴) ''بلکہ ہم نے اپنے آباواجداد کو ایسے ہی کرتے پایا ہے'' یعنی جن بتوں کی ہم پوجا پاٹ کر رہے ہیں ہم نے اپنے بڑوں کو ایسے ہی کرتے دیکھا ہے، قرآن حکیم ان کے اس وتیرہ پر ضرب کاری لگاتا ہے اور یہ کہتا ہے۔

اَوَلَوْ كَانَ اٰبَآؤُهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ شَيْئًا وَّلَا يَهْتَدُوْنَ (البقرہ:۱۷۰) ''کیا ان کے آباؤ اجداد اگر عقل وفکر سے عاری تھے تب بھی وہ ایسا ہی کرتے جائیں گے''۔ افراد اور قوموں کیلئے یہی تعصب تباہی کا باعث ہوتا ہے۔ علامہ اقبال نے اسی پر کہا ہے۔

آئین نو سے ڈرنا، طرز کہن پہ اڑنا
منزل یہی کٹھن ہے قوموں کی زندگی میں

دوسری بات جس نے ان کو حق بات تسلیم کرنے سے روکا وہ ان کا پندار اور غرور تھا، ظاہر ہے کسی بھی صاحب غرور کو مال ودولت اور شان وشکوہ کے لحاظ سے اس سے کمتر کوئی شخص اچھی بات بھی کہے تو

وہ اسے ماننے کیلئے ہرگز تیار نہیں ہوتا ہے، قریش مکہ کو بھی یہ زعم باطل تھا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم مال و دولت اور شان وشکوہ میں ان سے کمتر ہیں۔ اے کاش قرآن ہمارے کسی سردار پر نازل ہوا ہوتا۔

وَقَالُوْا لَوْ لَا نُزِّلَ هٰذَا الْقُرْآنُ عَلٰى رَجُلٍ مِّنَ الْقَرْيَتَيْنِ عَظِيْمٍ (الزخرف:۳۱) ''اور وہ کہنے لگے کہ یہ قرآن ان دونوں بستیوں یعنی مکہ اور طائف میں سے کسی بڑے آدمی پر کیوں نہ نازل کیا گیا''۔

مراد یہ تھی کہ ہمارے کسی دولتمند کو پیغمبری ملی ہوتی۔ قرآن اس کا جواب یہ دیتا ہے۔

اَللّٰهُ اَعْلَمُ حَيْثُ يَجْعَلُ رِسَالَتَهٗ (الانعام:۱۲۴) ''اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے کہ فکر وشعور کی پاکیزگی کے لحاظ سے رسالت کا حقدار کون ہے''۔

تیسرا ان کا اعتراض یہ تھا کہ نبوت کے ساتھ بشریت کا بھلا کیا جوڑ ہے؟ یہ رسول تو ہمارے ہی جیسا اور ہماری ہی طرح کھاتا پیتا اور شاہراہوں پر چلتا پھرتا ہے۔

مَالِ هٰذَا الرَّسُوْلِ يَاْكُلُ الطَّعَامَ وَ يَمْشِيْ فِي الْاَسْوَاقِ (الفرقان:۷)

قرآن نے اس کا جواب یہ دیا ہے کہ رسول کی زندگی چونکہ انسانوں کیلئے قدوہ اور نمونہ قرار پاتی ہے اس لئے رسول انسانوں کی جنس میں سے ہوتا ہے، بھلا کوئی فرشتہ انسانوں کیلئے کیسے نمونہ بن سکتا ہے؟

قریش مکہ کا چوتھا اعتراض یہ تھا کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے گرد غریب اور مسکین جمع ہو رہے ہیں جن کے ساتھ بیٹھنا ان کی شان کے خلاف ہے۔ وہ کہا کرتے تھے کہ ان کو الگ کر دیجئے، مگر رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو رب کائنات کا حکم ہوتا ہے۔

وَلَا تَطْرُدِ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَدٰوةِ وَالْعَشِيِّ يُرِيْدُوْنَ وَجْهَهٗ (الانعام:۵۲)

''اور جو لوگ صبح وشام اپنے رب کو پکارتے ہیں اور اس کی رضامندی کے جویا ہیں انہیں اپنے پاس سے مت نکالئے''۔ مطلب یہ ہے کہ اسلام کے نزدیک تمام تر کمال کی بنیاد نیکی اور تقویٰ ہے نہ کہ مال و دولت۔

پھر ایک سبب مخالفت کا یہ بھی تھا کہ قریش مکہ نے تمام اخلاقی حدود و قیود کو پامال کر رکھا تھا۔ مثلاً شراب، جواء، بے حیائی اور برائی کے وہ رسیا تھے، خواتین کی بے عزتی جس میں نکاح وطلاق کی پابندیوں سے آزادی کے علاوہ لڑکیوں کو زندہ دفن کر دینا ان کی تہذیب میں شامل تھا۔ جناب رسول

Marfat.com

اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک سچا دین لیکر تشریف لائے تھے، آپ نے انہیں اخلاقیات کا درس دیا، ان کے غلط رسم ورواج کو ختم کیا، بدیوں اور برائیوں کی تمام راہیں بند کردیں اور فکر وعمل کی ان تمام غلط رسموں کو توڑ دیا جس میں وہ جکڑے ہوئے تھے، قرآن اس کی یوں شہادت تھا:

يَأْمُرُهُمْ بِالْمَعْرُوفِ وَ يَنْهٰهُمْ عَنِ الْمُنْكَرِ وَ يُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبٰتِ وَ يُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبٰٓئِثَ وَ يَضَعُ عَنْهُمْ اِصْرَهُمْ وَالْاَغْلٰلَ الَّتِي كَانَتْ عَلَيْهِمْ (الاعراف:۱۵۷)

''وہ انہیں نیکی کا حکم دیتے ہیں اور برے کاموں سے روکتے ہیں اور پاک چیزوں کو ان کیلئے حلال کرتے ہیں اور ناپاک چیزوں کو ان پر حرام ٹھہراتے ہیں اور زندگی کے بے مقصد بندھنوں سے انہیں نجات دلاتے ہیں جن میں وہ جکڑے ہوئے تھے''۔

یہ تھے وہ چند اہم اسباب جو کفار مکہ کو دعوت حق قبول کرنے میں مانع تھے۔مگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول اور رسولوں کے بھی سردار خاتم النبیّن تھے اس لئے عزم وہمت، صبر واستقامت حق وصداقت اور اخلاق وایمان کی لازوال مثالیں رقم فرمائیں۔قریش مکہ نے شروع شروع میں سیم وزر کا لالچ دیا، مکہ کی امارت وصدارت پیش کی جسے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے رد فرمادیا اور آپ کے غیر متزلزل ارادوں کو دیکھ کر وہ نت نئی سازشوں پر اتر آئے۔پتھر برسائے گئے (نعوذ باللہ) شاعر اور مجنون کہا گیا، اسی پر بس نہیں کیا، مسلمانوں کا مکمل بائیکاٹ کیا گیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنے ساتھیوں کے ساتھ شعب ابی طالب میں پناہ لینے پر مجبور ہوگئے۔کھلے آسمان کے نیچے، تپتی ہوئی ریت پر، دن دودن نہیں ماہ دوماہ نہیں پورے تین برس گزار دیئے۔اس حال میں کہ اہل مکہ کی طرف سے آب ودانہ تک بند تھا، مسلمان نوجوان ادھر ادھر سے کچھ اکٹھا کرلیتے تو کرلیتے وگرنہ پتوں اور گھاس پھوس پر گزر بسر ہوتی ماؤں کے دودھ خشک ہوگئے کہ بچے بلکتے تھے اور پانی نہ ملنے سے حلق میں کانٹے چبھنے لگے تھے، آخر قریش ہی کے چند افراد کی وجہ سے یہ بائیکاٹ ختم ہوا۔

مسلمان واپس شہر آئے تو مصائب وآلام کی سابقہ داستاں پھر دہرائی گئی۔چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ نے چند صحابہ کو ملک حبش جانے کی اجازت دے دی، وہاں بھی اہل مکہ نے پیچھا نہ چھوڑا اور ملک کے بادشاہ نجاشی کے دربار میں پہنچ کر مسلمانوں کو اپنے ملک سے باہر نکالنے کیلئے کہا۔یہ تو اللہ کی رحمت تھی کہ نجاشی حقیقت کو پہچان گیا وگرنہ کفار نے کوئی کسر نہ چھوڑی تھی۔

مصائب کے ان تمام مراحل میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے عزم ویقین میں تھوڑی سی بھی لچک

Marfat.com

اور ڈھیل پیدا ہوئی؟ ہر گز نہیں بلکہ کفار کی ہر تکلیف نے آپ کو اور آپ کے ساتھیوں کو نیا ولولہ اور ہر آزمائش نے نیا جذبہ عطا کیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان تمام نامساعد حالات میں ہمیشہ صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کی رحمت اور طاقت کا سہارا لیا اور رحمت الٰہی سے مس خام سے کندن بننے والے انسانوں کی ایسی جماعت تیار ہوئی جس نے چار دانگ عالم میں حق وصداقت کا ڈنکہ بجایا، نیکی اور سچائی کا پرچم لہرایا، وہ جہاں گئے امن وسلامتی کی ہوائیں چلنے لگیں وہ جہاں ٹھہرے مہر ومحبت کے چراغ روشن ہوئے وہ نیکوں اور سچوں کیلئے الفت ومحبت کا پیغام تھے تو ظلم وکفر پر بجلی بن کر گرے۔

مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ وَالَّذِیْنَ مَعَہٗٓ اَشِدَّآءُ عَلَی الْکُفَّارِ رُحَمَآءُ بَیْنَھُمْ (الفتح:۲۹)

''محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں اور جو لوگ ان کے ساتھ ہیں وہ کافروں کے حق میں تو سخت ہیں اور آپس میں رحم دل ہیں''۔

جناب رسول اللہ صلی علیہ وسلم کی راہ حق میں استقامت اور کامیابی آج بھی مسلمانوں کیلئے روشنی اور کامیابی کا سامان ہے، یہ کہ ہر مشکل گھڑی میں وہ اللہ تعالیٰ ہی کو اپنا سہارا اور کارساز جانیں وہ اپنے تمام مسائل کا حل قرآن اور سنت رسول میں تلاش کریں۔ آج عالم اسلام بے پناہ مشکلات اور مصائب میں گھرا ہوا ہے اور جگہ جگہ دشمن انہیں دبائے جا رہا ہے۔ ان حالات میں ہمارے لئے صرف یہی راستہ ہے کہ سب مل کر دعوت حق کا پرچم بلند کریں اور اپنی صفوں میں اتحاد پیدا کریں کہ اللہ تعالیٰ کا وعدہ سچا ہے

اِنْ تَنْصُرُوا اللّٰہَ یَنْصُرْکُمْ وَیُثَبِّتْ اَقْدَامَکُمْ

''اگر تم اللہ کے مددگار بنے تو وہ تمہارا ضرور مددگار بنے گا اور دشمن کے مقابلے میں تمہارے قدم جما دے گا''۔

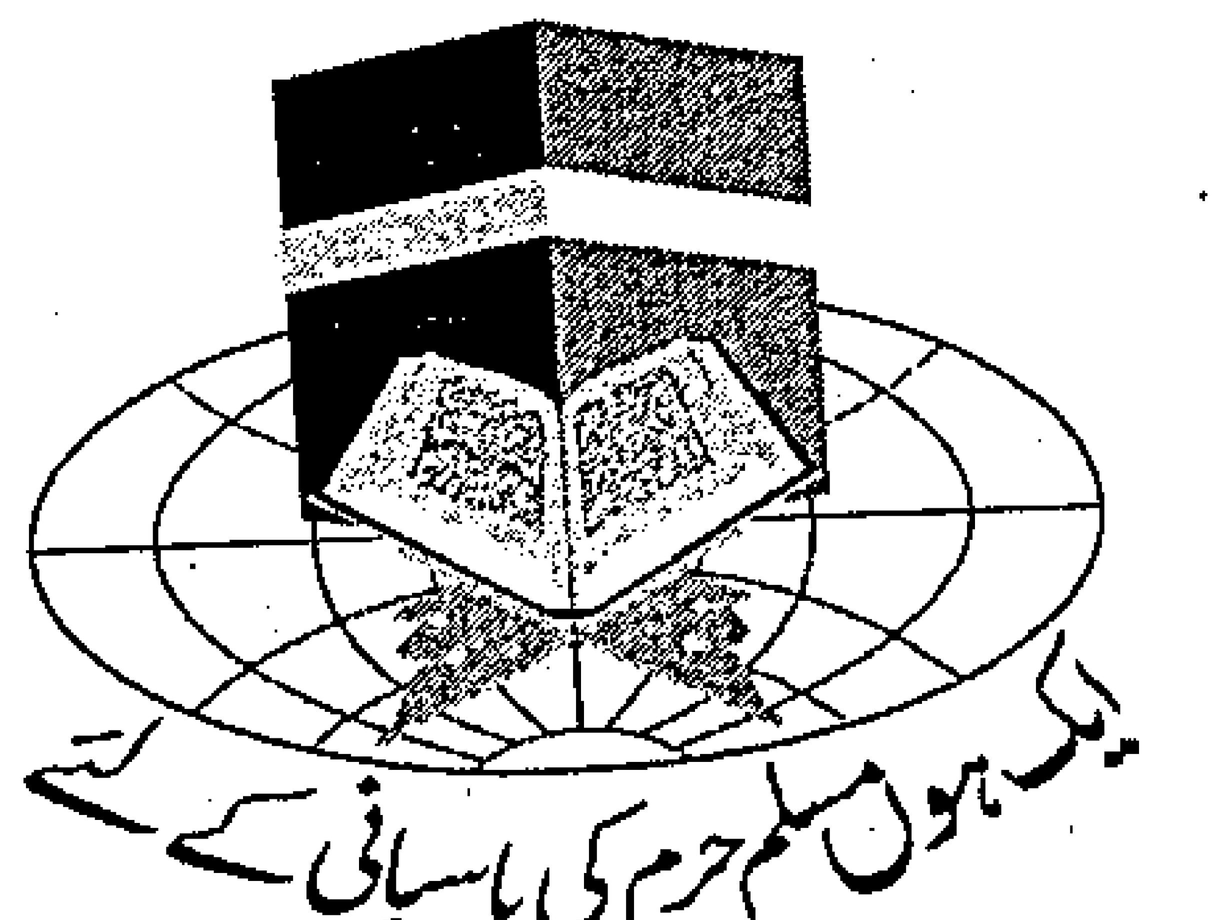

Marfat.com

دینِ رحمت

اسلام سراپا رحمت وشفقت، انس ومحبت، ہمدردی وغمخواری اور احسان ومروت کا دین ہے، لفظ اسلام ہی اتنا خوبصورت اور دلکش ہے کہ اس سے امن وسلامتی کی مہک اٹھتی ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب کسی قوم کو دعوت اسلام بھجواتے تو فرماتے اَسْلِمْ تَسْلَمْ ''اسلام قبول کرلو اور سلامتی میں آجاؤ گے۔'' اور مسلمان کی تعریف ان الفاظ میں ارشاد فرمائی:

اَلْمُسْلِمُ مَنْ سَلِمَ الْمُسْلِمُوْنَ مِنْ لِسَانِهٖ وَيَدِهٖ ''مسلمان وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھ سے دوسرے مسلمان محفوظ رہیں۔'' اور بندہ مومن کی تعریف ان الفاظ میں ارشاد ہوئی۔

اَلْمُؤْمِنُ مَنْ اَمِنَهُ النَّاسُ عَلٰی اَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ ''مومن تو وہ ہے جس سے لوگوں کی جان ومال امن وسلامتی میں رہیں۔'' حقیقت تو یہ ہے کہ مسلمان صرف اپنے دوست احباب اور عزیز واقارب کے ساتھ ہی رحمت وشفقت اور احسان ومروت سے پیش نہیں آتا بلکہ اس کا وجود نسل انسانیت کے لئے پیغام راحت بن جاتا ہے، وہ جہاں بھی جاتا ہے اور جہاں کہیں رہتا ہے امن اور سلامتی بکھیرتا ہے وہ جس عہدہ اور درجہ پر ہو اس سے حسن سلوک اور مروت کی توقع کی جاتی ہے۔ وہ حکومت کے کسی عہدہ پر فائز ہو تو رعایا پر شفیق اور مہربان ہوتا ہے، وہ شوہر کی حیثیت میں بیوی بچوں کے لئے مجسمہ رحمت بن جاتا ہے، وہ کارخانہ دار ہو تو مزدوروں اور کاریگروں کے لئے باعث شفقت ہوتا ہے، وہ پڑوسیوں کیلئے سکون اور راحت کا سامان ہوتا ہے گویا کہ اپنے اور پرائے اس سے سکون اور سلامتی پاتے ہیں یوں سمجھ لیجئے کہ اس کی شخصیت سدا بہار پھولوں کی سی ہوتی ہے نہ کہ خاردار کانٹوں جیسی کہ اس سے پاؤں اور جسم زخمی ہوتے چلے جائیں۔

بندہ مومن کے حسن عمل اور جذبہ ترحم سے دشمن دوست بن جاتے ہیں، وہ مروت اور شفقت سے لوگوں کے دل موہ لیتا ہے، وہ بولتا ہے تو منہ سے پھول جھڑتے ہیں، اس کی چال ڈھال بجزد

Marfat.com

خاکساری کا نمونہ ہوتی ہے، وہ دل کا صاف، معاملات کا کھرا، قول کا سچا، وعدہ کا پابند، دشمنوں پر اگر بھاری ہوتو اپنوں پر مہربان ہوتا ہے۔

ہو حلقہ یاراں تو بریشم کی طرح نرم
رزم حق و باطل ہو تو فولاد ہے مومن

یہ ٹھیک ہے کہ وہ باطل کا پوری قوت سے مقابلہ کرتا ہے اور دشمنوں کے ساتھ انتہائی بے جگری سے لڑتا ہے مگر جب دشمن پر قابو پالیتا ہے تو اس سے حسن سلوک سے بھی پیش آتا ہے، غزوہ بدر کے قیدیوں کے ساتھ جس فیاضی اور مہربانی کا سلوک روا رکھا گیا تاریخ انسانیت اس کی نظیر پیش کرنے سے قاصر ہے، اسیران جنگ دو دو چار چار صحابہ کرامؓ میں تقسیم کر دیے گئے اور نبی رحمت ﷺ کا حکم تھا کہ وہ آرام سے رکھے جائیں۔

اِسۡتَوۡصُوا بِهِمۡ خَيۡرًا ''ان سے اچھا معاملہ کرنا'' ایک بدری قیدی کا بیان ہے ''جب وہ مجھے بدر سے قیدی بنا کر لائے تو مجھے انصار کے ایک خاندان میں جگہ ملی، وہ دونوں وقت اپنے کھانوں میں سے روٹی مجھے دیتے اور خود کھجور پر اکتفا کرتے۔ یہ رسول اللہ ﷺ کی اسی نصیحت کا اثر تھا، کسی کو کہیں سے روٹی کا ایک ٹکڑا بھی مل جاتا تو مجھے لا کر دیتا، مجھے شرم محسوس ہوتی اور میں اسے لوٹا دیتا لیکن وہ زبردستی مجھے دیتا اور خود اسے ہاتھ بھی نہ لگاتا (نبیؐ رحمت۔ ابوالحسن علی ندویؒ)

حضرت عباسؓ، جناب رسول اللہ ﷺ کے چچا تھے اور بدری قیدیوں میں سے تھے، لوگوں نے ان کے ہاتھ پاؤں جکڑ باندھ دیے تھے اور وہ درد سے کراہتے تھے، ان کے کراہنے کی آواز گوش مبارک میں بار بار پہنچ رہی تھی لیکن اس خیال سے رسول اللہ ﷺ ان کے ہاتھ نہیں کھولتے تھے کہ لوگ کہیں گے کہ یہ اپنے عزیز کے ساتھ غیر مساویانہ رحمدلی ہے، تاہم آپ کو نیند نہیں آتی تھی، آپ بے چین ہو کر کروٹیں بدل رہے تھے، لوگوں نے بے قراری کا سبب سمجھ کر گرہیں ڈھیلی کر دیں حضرت عباسؓ کا کرب اور بے چینی رفع ہوئی تو آپ ﷺ نے آرام فرمایا۔

پھر غور کیجیے فتح مکہ کے دن اہل مکہ سے کیسا سلوک کیا گیا، یہ وہ لوگ تھے، جنہوں نے آپ ﷺ اور آپؐ کے ساتھیوں کو بری طرح ستایا، مارا پیٹا، یہاں تک کہ وطن سے بے وطن ہونے پر مجبور کر دیا، آج اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو ان پر مکمل غلبہ عطا فرمایا تھا، وہ اپنی پرانی دشمنیوں کا دل کھول کر انتقام لے سکتے تھے، تاریخ میں فاتحین مفتوحہ علاقوں پر ظلم وستم ڈھاتے چلے آئے

Marfat.com

ہیں، حضرت سعد بن عبادہؓ جو انصار کے دستہ کے امیر تھے، ابوسفیان (قریش مکہ کے سردار) کے پاس سے گزرے تو باآواز بلند کہا:

اَلْیَوْمَ یَوْمُ الْمَلْحَمَۃ، اَلْیَوْمَ تَسْتَحِلُ الْکَعْبَۃَ اَلْیَوْم اَذَلَّ اللّٰہُ قُرَیْشًا ''آج گھسان کا دن ہے، آج کعبہ میں سب جائز ہوگا، آج اللہ تعالیٰ نے قریش کو ذلیل کیا ہے۔''

جب رسول اللہ ﷺ اپنے دستہ میں ابوسفیان کے پاس سے گزرے تو اس نے آپ ﷺ سے اس کی شکایت کی اور کہا یا رسولؐ اللہ! آپ نے سنا! سعد نے ابھی کیا کہا ہے؟ آپؐ نے پوچھا کیا کہا ہے؟ اس نے وہ سب دہرا دیا سعدؓ کی گفتگو کو آپ ﷺ نے ناپسند فرماتے ہوئے کہا:

اَلْیَوْمَ یَوْمُ الْمَرْحَمَہ، اَلْیَوْمَ یَعِزُّ اللّٰہُ قُرَیْشًا وَیُعَظِّمُ اللّٰہُ الْکَعْبَۃ ''نہیں آج تو معافی کا دن ہے، آج اللہ تعالیٰ قریش کو عزت عطا فرمائے گا اور کعبہ کی عظمت بڑھائے گا۔''

پھر آپ ﷺ کے حسن سلوک، درگزر، رحمت وشفقت اور قریش مکہ کے لئے عام معافی کے اعلان پر کیا ہوا؟ لوگ جوق در جوق اور گروہ در گروہ اسلام قبول کرنے لگے۔

قرآن اس کی یوں شہادت دیتا ہے: اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰہِ وَالْفَتْحُ (۱) وَرَاَیْتَ النَّاسَ یَدْخُلُوْنَ فِیْ دِیْنِ اللّٰہِ اَفْوَاجًا (۲) فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّکَ وَاسْتَغْفِرْہُ ط اِنَّہٗ کَانَ تَوَّابًا (۳) [النصر] ''جب اللہ کی مدد اور فتح آ پہنچی (مکہ فتح ہوگیا) تو آپ نے دیکھ لیا کہ (آپ کے حسن اخلاق اور مروت سے) لوگ گروہ در گروہ اللہ کے دین میں داخل ہو رہے ہیں، تو اپنے رب کی حمد وتسبیح کیجئے اور اس سے بخشش طلب کیجئے یقیناً وہ بڑا توبہ قبول کرنے والا ہے۔''

اسلام کی ہر چیز میں رحمت نمایاں ہے، اس کائنات کا خالق و مالک اپنی مخلوق پر بے انتہا مہربان ہے، اس کے صفاتی ناموں میں رحمان اور رحیم بھی ہیں، صفت رحمان میں رحمت کی شدت ہے جب کہ صفت رحیم میں دوام اور ہیشگی ہے یعنی اللہ اپنی مخلوق پر بے حد مہربان ہے اور اس کی رحمت ہمیشہ جاری وساری رہتی ہے اور کبھی بھی منقطع نہیں ہوتی۔

ایک جگہ ارشاد ہوا: کَتَبَ رَبُّکُمْ عَلٰی نَفْسِہِ الرَّحْمَۃَ (الانعام:۵۴) ''تمہارے رب نے اپنے اوپر رحمت کو لازم کرلیا ہے۔''

ایک اور جگہ فرمایا: وَرَحْمَتِیْ وَسِعَتْ کُلَّ شَیْءٍ (الاعراف:۱۵۶) ''میری رحمت ہر چیز کو گھیرے ہوئے ہے۔''

Marfat.com

اور حدیث مبارک میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کہتے ہیں کہ رب تعالیٰ نے یوں فرمایا:

رَحْمَتِي سَبَقَتْ عَلٰى غَضَبِي ''میری رحمت میرے غضب پر سبقت لے گئی ہے۔''

یہ محض اس کی رحمت کا سہارا ہے کہ خطا کار اور گنہگار بھی اس کے در سے خالی ہاتھ نہیں لوٹتے، وہ اعلان کرتا ہے۔

قُلْ يٰعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ ط اِنَّ اللّٰهَ يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِيْعًا ط اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ (الزمر:۵۳) ''کہہ دیجئے کہ اے میرے بندو! جنہوں نے اپنی جانوں پر زیادتی کی ہے، اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہونا، اللہ یقیناً سارے ہی گناہ معاف کر دیتا ہے۔''

رب کریم کی رحمت کو بھلا کون پہنچ سکتا ہے! وہ تو اپنی ان گنت مخلوق پر ہر وقت رحم کر رہا ہے، اس کی رحمت کا سمندر ٹھاٹھیں مار رہا ہے، حیوانات ہوں یا نباتات کسی وقت اور کسی لمحہ بھی اس کی رحمت کے بغیر زندہ رہنا محال ہے۔

انسان چونکہ اشرف المخلوقات ہے، اسے زیور علم و عمل سے آراستہ کیا گیا ہے اس لئے اللہ تعالیٰ کا حکم ہے کہ تم ایک دوسرے کے ساتھ احسان و مروت سے پیش آؤ، تم اس کی بارگاہ میں پسندیدہ ہو جاؤ گے۔

وَاَحْسِنُوْا، اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ (البقرہ:۱۹۵) ''اور احسان (رحم اور مروت) کا طریقہ اختیار کرو کہ اللہ احسان کرنے والوں کو پسند فرماتا ہے''۔ ایک جگہ اس طرح ارشاد ہوا۔

وَالْكٰظِمِيْنَ الْغَيْظَ وَالْعَافِيْنَ عَنِ النَّاسِ ، وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ (آل عمران:۱۳۴) ''اور غصہ کو پی جانے والے اور لوگوں سے درگزر کرنے والے (بلکہ ان سے رحمت و شفقت کا سلوک کرنے والے) اور اللہ ایسے ہی نیک لوگوں سے محبت رکھتا ہے۔''

اس دنیا میں احسان و مروت، نرمی اور رحمدلی، لطف و مہربانی کا بدرجہ اتم ظہور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس میں ملتا ہے قرآن اس کی شہادت اس طرح دیتا ہے۔

وَمَا اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ (انبیا:۱۰۷) ''اور ہم نے آپ کو تمام دنیا والوں کے لئے رحمت بنا کر بھیجا ہے، آپ کی رحمت و شفقت سے اپنے اور پرائے، دوست اور دشمن، اقرباء اور اجنبی، سب فیض یاب ہوتے رہے، اور سیرت النبی کا یہ پہلو انتہائی روشن اور درخشندہ ہے۔

Marfat.com

وہ نبیوں میں رحمت لقب پانے والا
مرادیں غریبوں کی بر لانے والا
مصیبت میں غیروں کے کام آنے والا
وہ اپنے پرائے کا غم کھانے والا
فقیروں کا ملجا ضعیفوں کا ماوے
یتیموں کا والی غریبوں کا مولے

آپ ﷺ نے صحابہ کرامؓ کی تعلیم و تربیت بھی اس انداز سے فرمائی کہ ان میں بھی رحمت و شفقت کے جذبات ابھر آئے، مجھے یہاں حضرت خبیبؓ کا واقعہ یاد آتا ہے، قریش مکہ کے یہاں گرفتار ہوئے تو انہیں ظالموں کے ہاتھوں شہادت کا رتبہ ملا، شہادت سے پہلے انہیں حارث بن عامر کے گھر چند روز بھوکا اور پیاسا رکھا گیا، ایک دن حارث کا بچہ تیز چھری سے کھیلتا ہوا خبیبؓ کے پاس پہنچ گیا، انہوں نے بچے کو گود میں اٹھالیا اور چھری لے کر رکھ دی، جب بچے کی ماں نے یکا یک دیکھا کہ اس کا بچہ تیز چھری لے کر قیدی کے پاس چلا گیا ہے جسے چند روز سے انہوں نے بے آب ودانہ رکھا تھا تو اس نے بے اختیار چیخ ماری، خبیبؓ نے فوراً کہا کہ اے خاتون! تو یہ سمجھتی ہے کہ میں اس بچے کو قتل کر دوں گا، یہ نہیں جانتی کہ مسلمان کا کام غدر کرنا نہیں ہے۔ اللہ اکبر! یہ مسلمان کی شان تھی! مگر بقول شاعر

تھے تو آباء وہ تمہارے ہی، مگر تم کیا ہو!

ذرا اپنے معاشرے پر نگاہ دوڑایئے، معلوم ایسا ہوتا ہے کہ رحمدلی، شفقت، محبت اور مروت سے ہم بالکل تہی دامن ہو چکے ہیں، ہمدردی اور غمخواری کا کہیں نام و نشان نہیں ہے بلکہ اس کی جگہ قساوت قلبی پیدا ہو چکی ہے، جب دامن نیکیوں سے خالی ہو جائے تو دل سخت ہو جاتے ہیں، اس کا نقشہ قرآن نے اس طرح کھینچا ہے۔

ثُمَّ قَسَتْ قُلُوْبُكُمْ مِّنْ بَعْدِ ذٰلِكَ فَهِيَ كَالْحِجَارَةِ اَوْ اَشَدُّ قَسْوَةً (البقرہ:۷۴)
''پھر تمہارے دل سخت ہو گئے، اتنے سخت جیسے پتھر ہوں یا ان سے بھی سخت تر''۔

پتھروں میں سے بعض ایسے ہیں کہ ان میں سے چشمے پھوٹتے ہیں اس کا مشاہدہ ان لوگوں نے یقیناً کیا ہوگا جنہیں مری و سوات جانے کا اتفاق ہوا ہو کہ کس طرح ٹھنڈا اور میٹھا پانی چٹانوں

Marfat.com

میں سے بہہ رہا ہے، قرآن اس کا ذکر اس طرح کرتا ہے۔

وَ اِنَّ مِنَ الْحِجَارَةِ لَمَا يَتَفَجَّرُ مِنْهُ الْاَنْهٰرُ (البقرہ:۷۴) ''پتھروں میں سے تو کچھ ایسے بھی ہوتے ہیں کہ ان میں سے نہریں پھوٹ نکلتی ہیں۔''

اللہ تعالیٰ نے انسان کو اشرف المخلوقات بنایا ہے، زیور علم سے آراستہ کیا ہے، نیکی اور بدی کی تمیز عطا کی ہے، کیا اس نے اپنے مقام اور مرتبہ کو اس قدر گرا دیا ہے!

ذرا غور کیجئے! کہ اس وقت اسلامی جمہوریہ پاکستان میں کیا ہو رہا ہے، رات کا تو ذکر ہی کیا دن کی چکا چوند روشنی میں ظالم اور سفاک انسان آباد گھروں میں گھس جاتے ہیں اور آناً فاناً تمام افراد خانہ کو ہتھوڑوں کی ضربوں سے ختم کر ڈالتے ہیں اور پھر خاموشی سے نقدی وزیورات سنبھالتے ہوئے فرار ہو جاتے ہیں۔ بسا اوقات کہیں چھپا کر بم رکھ جاتے ہیں اور بعض اوقات عبادت گاہوں میں پھینک کر فرار ہو جاتے ہیں کہ جس کے پھٹنے سے معصوم اور قیمتی جانیں ضائع ہو جاتی ہیں اور ہنستے بستے گھر منٹوں میں اجڑ جاتے ہیں، اے ظالمو! تمہیں آخرت بھول چکی ہے! تمہیں عذاب قبر کی کوئی فکر نہیں!

پھر وہ حکمران بھی یقیناً مجرم ہیں جنہوں نے آج تک اسلامی قانون سے بغاوت کی ہے، انہیں اللہ کا خوف نہیں ہے بلکہ انہیں تو امریکہ بہادر کا ڈر ہے کہ کہیں وہ ناراض نہ ہو جائے، ایسے حکمرانوں کے لئے دنیا میں ذلت اور رسوائی جو ہوتی ہے وہ تو ظاہر ہے۔ اور آخرت میں جو عذاب ہوگا اس کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا ہے۔

مسلمانو! تمہارے اسلاف نے علم و عمل اور احسان و مروت سے زمانے میں نام پیدا کیا تھا، مگر تم نے اخلاق و عمل کی ان تمام راہوں کو ترک کر دیا ہے، انہوں نے ترقی کے زینوں کو عبور کیا اور جہاں گئے لوگوں کو عدل و انصاف مہیا کیا، مگر تم ظلم و ستم کی داستانیں رقم کر رہے ہو۔

تم ہو آپس میں غضبناک، وہ آپس میں رحیم
تم خطا کار و خطابین، وہ خطا پوش و کریم
چاہتے سب ہیں کہ ہوں اوج ثریا پہ مقیم
پہلے ویسا کوئی پیدا تو کرے قلب سلیم

Marfat.com

شرفِ انسانیت

اللہ تعالیٰ نے انسان کو اس کائنات میں اشرف بنایا ہے...... یہ شرف اسے ہر لحاظ سے حاصل ہے...... شکل وصورت، علم وفضل، عقل وفہم اور عادات وخصائل کے لحاظ سے وہ یقیناً دوسری تمام مخلوقات پر فوقیت رکھتا ہے۔

لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِیْ اَحْسَنِ تَقْوِیْمٍ (التین:۴) ''یقیناً ہم نے انسان کو بہترین ساخت پر پیدا کیا ہے۔''

مگر اس کا یہ قدر ومنزلت اور عز وشرف اسی وقت تک قائم رہتا ہے جب تک وہ اپنے مقام اور مرتبے کا نگہبان اور محافظ رہتا ہے، جونہی وہ اپنی حیثیت اور مرتبہ (Status) کو فراموش کر دیتا ہے تو اس عزت ووقار سے محروم ہو جاتا ہے۔

ثُمَّ رَدَدْنٰـــهُ اَسْفَلَ سٰفِلِیْنَ (التین:۵) ''پھر ہم نے اسے (اعمال کی وجہ سے) ادنیٰ ترین مخلوق کے درجہ میں لوٹا دیا۔''

کون نہیں جانتا ہے کہ آگ اسی وقت آگ ہے جب تک اس میں سوزش اور تپش موجود ہو، یہ نہ ہو تو وہ خاکستر ہے، پھول اپنے رنگ وبو اور خوشنما پتیوں کی بنا پر پھول کہلاتا ہے، یہ نہ ہو تو کاغذی صنعت گری ہے، اسی طرح جو انسان حسن صورت کے ساتھ ساتھ حسن سیرت سے آراستہ نہیں ہے وہ تو محض معاشرے پر بوجھ ہے۔

حسن صورت محض بے رونق ہے سیرت کے بدون
جن گلوں میں بو نہیں وہ خوشنما کہنے کو ہیں

انسان کا تمام تر شرف وکمال اپنے خالق ومالک کی پہچان اور اس کی کامل اطاعت اور بندگی میں ہے...... یہ سر بفلک پہاڑ اس کے خوف سے اپنی جگہ جمے ہوئے ہیں، چاروں طرف پھیلا ہوا

یہ وسیع و عریض نیلگوں آسمان انہی کے حکم سے بغیر ستون کے ٹھہرا ہوا ہے، یہ آفتاب و ماہتاب اور مختلف ستارے اور سیارے جن میں سے بعض کرہ ارض سے بھی بڑے ہیں، صرف اسی خالق کے حکم سے اپنے اپنے محور میں گردش کر رہے ہیں اور کسی کو سرمو انحراف اور حکم عدولی کی طاقت نہیں ہے۔ یہ انواع و اقسام کے درخت جو اپنے موسم میں انسانوں کو طرح طرح کے پھل پھول مہیا کرتے ہیں، ان پر کس کا حکم چل رہا ہے اور کون ان میں طرح طرح کے ذائقے اور مٹھاس بھرتا ہے۔

وَفِی الْاَرْضِ قِطَعٌ مُّتَجٰوِرٰتٌ وَّ جَنّٰتٌ مِّنْ اَعْنَابٍ وَّ زَرْعٌ وَّ نَخِیْلٌ صِنْوَانٌ وَّ غَیْرُ صِنْوَانٍ یُّسْقٰی بِمَآءٍ وَّاحِدٍ وَ نُفَضِّلُ بَعْضَهَا عَلٰی بَعْضٍ فِی الْاُکُلِ ط اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یَّعْقِلُوْنَ (الرعد:۴) ''اور زمین میں کئی قطعات ہیں جو باہم ملے ہوئے ہیں اور انگور کے باغ، کھیتی اور کھجوریں ہیں جن میں سے کچھ تو جڑ سے ملی ہوتی ہیں اور کچھ نہیں ملی ہوئی (ان کو) ایک ہی پانی سے سیراب کیا جاتا ہے مگر ذائقہ (اور مٹھاس) میں ہم کسی کو بہتر بنا دیتے ہیں اور (کسی کو کمتر) ان چیزوں میں بھی اہل عقل کے لئے نشانیاں ہیں۔''

انسان اگر اپنی آنکھیں بند کر کے نہ رکھے اور وہ عقل و فہم سے کام لے تو اس کا دل گواہی دے گا کہ اس عالم رنگ و بو میں ہر طرف اور ہر سمت میں رب العالمین کی رحمتوں کا ظہور ہے۔ یہ ہوا جس میں وہ سانس لے رہا ہے، یہ اس کی زندگی کے قیام و بقا کے لئے کتنی ضروری ہے! یہ ٹھنڈا اور میٹھا پانی جو وہ اپنے حلق سے نیچے اتار رہا ہے اور جس سے اس کے جسم کی تمام خشک رگیں تر ہو جاتی ہیں اور اگر یہ نہ ملے تو جان کے لالے پڑ جاتے ہیں، یہ کس کی قدرت و رحمت کے جلوے ہیں؟

وَجَعَلْنَا مِنَ الْمَآءِ کُلَّ شَیْءٍ حَیٍّ (الانبیا:۳۰) ''اور ہم نے ہر جاندار چیز کو پانی سے زندگی بخشی ہے۔''

پھر انسان غور کرے تو غذا کا ہر لقمہ جو اسے قوت و توانائی بخشتا ہے...... پھر یہ مختلف غذائیں اور ان کے مزے جو اسے وقت پر مہیا ہوتی رہتی ہیں، کس کی عطا و عنایت ہے، یہ کتنی محنت و مشقت کے بعد اور کس طرح اس کے پاس پہنچتی ہیں؟

فَلْیَنْظُرِ الْاِنْسَانُ اِلٰی طَعَامِهٖٓ (۲۴) اَنَّا صَبَبْنَا الْمَآءَ صَبًّا (۲۵) ثُمَّ شَقَقْنَا الْاَرْضَ شَقًّا (۲۶) فَاَنْبَتْنَا فِیْهَا حَبًّا (۲۷) وَّعِنَبًا وَّقَضْبًا (۲۸) وَّزَیْتُوْنًا وَّ نَخْلًا (۲۹) وَّحَدَآئِقَ غُلْبًا (۳۰) وَّفَاکِهَةً وَّاَبًّا (۳۱) مَّتَاعًا لَّکُمْ وَلِاَنْعَامِکُمْ (۳۲) [عبس] ''اللہ کا فرمان

Marfat.com

ہے) انسان کو چاہیے کہ وہ اپنے کھانے کی طرف دیکھے، ہم نے پانی برسایا، پھر عجیب طرح سے زمین کو پھاڑا، تو اس میں سے ہم نے اناج (مختلف اقسام میں) اگائے، اور انگور اور ترکاریاں اور زیتون اور کھجور، اور گھنے باغات اور پھل اور چارہ اگائے جو تمہارے اور تمہارے مویشیوں کے لئے سامان حیات ہیں۔''

انسان پھر چشم بصیرت سے غور کرے تو اس کا جسم و جان اور مختلف صلاحیتیں ...... یہ دماغ میں سوچ اور اس میں تخلیق کی توانائیاں، یہ قوتِ سماعت و بصارت، یہ کام کاج اور چلنے پھرنے کی طاقت اسے کون عطا کرتا ہے؟

اَلَمْ نَجْعَلْ لَّهٗ عَيْنَيْنِ (۸) وَلِسَانًا وَّ شَفَتَيْنِ (۹)[البلد] ''کیا ہم نے (انسان کی) دو آنکھیں نہیں بنائیں (کہ جن سے وہ دیکھتا ہے) اور زبان اور دو ہونٹ بھی؟ (جس سے وہ قادر الکلام ہوتا ہے)'' نہیں نہیں بلکہ یہ جسم اور اس کے اندر کی تمام مشینری عجیب و غریب کاریگری کا نادر و بے مثال نمونہ ہے۔

وَفِيْ اَنْفُسِكُمْ، اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ (الذّٰریٰت:۲۱) ''اور خود تمہارے (جسم و جان میں اس کی قدرت کی کرشمہ سازیاں ہیں) تو کیا تم پھر غور سے نہیں دیکھتے؟۔''

جب سے دنیا بنی ہے، ہر دور اور ہر زمانہ میں جسمانی امراض و عوارضات پر کتنی تحقیق ہوتی رہی ہے اور کتنی ہو رہی ہے؟ سائنس کے دور جدید میں ڈاکٹر اور اطباء حضرات نے کتنی تحقیق (Research) کی ہے اور کتنے امراض کا علاج تلاش کر لیا ہے مگر اللہ تعالیٰ کی بنائی ہوئی یہ مشینری اتنی گنجلک اور پیچیدہ (Complicated) ہے کہ بعض عوارضات کو سمجھنے اور اس کے علاج میں ابھی تک انسان کی عقل عاجز و درماندہ (helpless) ہے اور قرآن حکیم کی اس آیہ مبارکہ کی تصدیق ہو رہی ہے۔

وَمَآ اُوْتِيْتُمْ مِّنَ الْعِلْمِ اِلَّا قَلِيْلًا [بنی اسرائیل:۸۵] ''اور تمہیں تو بس تھوڑا سا علم دیا گیا ہے۔'' اور موت تو ایک ایسی اٹل حقیقت ہے کہ جس کا کوئی تریاق نہیں ہے، انسان نے یقیناً اس پر قابو پانے کی کوشش کی ہوگی مگر وہ اسے زیر کرنے میں کامیاب نہ ہو سکا اور قرآن کی یہ سچائی اپنی جگہ قائم و دائم ہے۔

كُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ [آل عمران:۱۸۵] ''ہر شخص کو (بالآخر) موت کا مزہ

Marfat.com

چکھنا ہے۔"

پس انسان کا شرف رب کائنات کی عبادت و اطاعت میں مضمر ہے، یہ کارخانہ اس نے بنایا، اور سجایا ہے، صرف اور صرف وہی ذات ہے جو حمد و ثنا کے لائق ہے، اور اس کائنات کی ہر چیز اسی کی اطاعت و فرمانبرداری کا دم بھر رہی ہے۔

وَلَهُ أَسْلَمَ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ طَوْعًا وَّكَرْهًا وَّإِلَيْهِ يُرْجَعُوْنَ (ال عمران:۸۳) "آسمانوں اور زمین میں جو کچھ ہے سب چارو ناچار اسی کے تابع فرماں (مسلم) ہیں اور سب کو اسی کی طرف پلٹنا ہے۔" انسان کو تو خالق کائنات نے اشرف بنایا ہے ارشاد ہوتا ہے:

وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِيْ آدَمَ (بنی اسرائیل:۷۰) "بلاشبہ ہم نے بنی آدم کو بزرگی عطا کی ہے۔" تو اسے بغاوت اور سرکشی زیب دیتی ہے؟ رب کریم تو اسے لاتعداد اور بے شمار نعمتوں سے نواز رہا ہے۔

يَا أَيُّهَا الْإِنْسَانُ مَا غَرَّكَ بِرَبِّكَ الْكَرِيْمِ (الانفطار:۶) "اے انسان تجھے اپنے رب کریم سے کس چیز نے دھوکے میں ڈال رکھا ہے۔" اور رب کریم کی طرف سے نعمتیں اتنی زیادہ اور ایسی عمدہ ہیں کہ اس کے شمار و قطار سے باہر ہیں۔

وَإِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا (ابراہیم:۳۴) "اور اگر تم اللہ تعالیٰ کی نعمتیں گننا چاہو تو کبھی ان کا حساب نہ رکھ سکو گے۔" انسان کا مقام اور رتبہ بلند ہے، وہ اس عالم رنگ و بو میں گل سرسبد کی حیثیت رکھتا ہے، جس طرح مختلف دھاتوں میں سونا قیمتی چیز ہے اسی طرح مخلوقات میں انسان کی واقعی بڑی قدر و منزلت ہے مگر جس طرح ہر چمکنے والی چیز سونا نہیں ہوتی تو اگر ہر پتھر سونا بن جائے پھر سونے کی قدر و قیمت جاتی رہے، اسی طرح وہ پتھر جس کے چھونے سے لوہا سونا بن جاتا ہے، ایک خاص قسم کا پتھر ہوتا ہے، ہر پتھر پارس بننے کا دعویٰ کرے تو نیک و بد کی تمیز دنیا سے اٹھ جائے۔

باقی رہے تمیز نہ پھر خوب و زشت میں
پارس کے ہوں خواص جو ہر سنگ و خشت میں

انسانیت کا شرف مخلوقات میں سونے کی حیثیت رکھتا ہے جب کہ ایک مسلمان کی شان پارس پتھر کی سی ہے، وہ جہاں اور جس کی رفاقت میں بیٹھے اسے بھی کندن بنا ڈالتا ہے۔

آج جہاں مجموعی طور پر انسان اپنی انسانیت کھو چکے ہیں وہاں مسلمان بھی اپنی شان و شوکت کو خیر باد کہہ چکے ہیں۔

شاعر مشرق اس پر آنسو بہاتا ہے

بجھی عشق کی آگ اندھیر ہے
مسلمان نہیں راکھ کا ڈھیر ہے

اب ضرورت ہے کہ ہم خواب غفلت سے بیدار ہوں اور اپنی عظمت رفتہ کو بحال کریں، اس کا علاج صرف اور صرف یہ ہے کہ رب العالمین کی کتاب ''القرآن'' کو حرز جاں بنائیں اور اس کی تعلیمات پر سچے دل سے عمل پیرا ہو جائیں اور پھر جس طرح پیارے رسول اللہ ﷺ اور آپ کے صحابہ کو دنیا اور آخرت میں کامیابیاں ملی ہیں، ہمیں بھی ویسی ہی کامیابیاں نصیب ہوں، گی اور پھر دنیا میں مسلمان امن وسلامتی کا پیغام بنے گا کیونکہ اس وقت سسکتی اور تڑپتی ہوئی انسانیت کا علاج صرف مسلمان کے پاس ہے، وہ اللہ کی کتاب کو عقل وفہم سے پڑھے اور اس کی زریں ہدایات کو اپنی زندگی میں جاری وساری کرے پھر وہ پارس پتھر کی طرح دوسروں کو سونا بناتا جائے گا۔

یا رب دل مسلم کو وہ زندہ تمنا دے
جو قلب کو گرما دے، جو روح کو تڑپا دے
پھر وادی فاراں کے ہر ذرے کو چمکا دے
پھر شوق تماشا دے، پھر ذوق تقاضا دے
محروم تماشا کو پھر دیدہ بینا دے
دیکھا ہے جو کچھ میں نے اوروں کو بھی دکھلا دے
بھٹکے ہوئے آہو کو، پھر سوئے حرم لے چل
اس شہر کے خوگر کو، پھر وسعت صحرا دے

Marfat.com

علاقائی تعصّبات اور اسلامی تعلیم

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے:
لَیْسَ مِنَّا مَنْ دَعَا اِلٰی عَصَبِیَّۃٍ ”یعنی وہ شخص یا گروہ ہم میں سے نہیں ہے جس نے عصبیت کو ہوا دی“۔

عصبیت کسے کہتے ہیں؟ کوئی فرد یا افراد مل کر اپنے علاقہ، اپنی زبان، اپنے لباس، اپنی تہذیب و تمدن کو دوسرے علاقہ کے لوگوں سے بہتر اور برتر خیال کریں اور انہیں اپنے سے کمتر اور بدتر سمجھیں۔

اسلام میں عصبیت کی قطعی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ (Islam is quite against Prejudice) اس کی دعوت کسی خاص خطہ اور علاقہ، کسی خاص گروہ اور قوم کے لئے نہیں ہے، یہ تو رب العالمین کا نازل کردہ ”الدین“ ہے، ایسا مشفق و مہربان پروردگار جو جہانوں کا پالنہار ہے۔
ارشاد ہوتا ہے:- اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ ”ہر شکر اور ہر تعریف اللہ تعالیٰ ہی کے لئے ہے جو تمام جہانوں کا پالنہار ہے۔“

اسی طرح آخری رسول جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت و رسالت بھی نسل انسانیت کیلئے ہے، عربی ہوں یا عجمی، شرقی ہوں یا غربی ان کی کامیابی و کامرانی صرف آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت میں مضمر ہے۔

ارشاد ہوتا ہے: وَمَآ اَرْسَلْنٰکَ اِلَّا کَآفَّۃً لِّلنَّاسِ بَشِیْرًا وَّ نَذِیْرًا (سبا:۲۸) ”اور (اے محمدؐ) ہم نے آپ کو نسل انسانیت کے لئے (انعام الٰہی کی) خوشخبری سنانے والا اور (عذاب الٰہی سے) ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے۔“

آپ صلی اللہ علیہ وسلم جو روشن کتاب لے کر تشریف لائے وہ بھی نسل انسانیت کے لئے

Marfat.com

ہدایت ہے۔

فرمایا:۔إِنَّا أَنزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتَٰبَ لِلنَّاسِ بِالْحَقِّ (الزمر:۴۱) "بلاشبہ ہم نے آپ پر یہ کتاب سچائی کے ساتھ نسل انسانیت کی ہدایت کیلئے نازل فرمائی ہے۔"

اور اس امت مسلمہ کا فریضہ (Duty) بھی بنی نوع انسان کی ہدایت و رہنمائی ہے۔

كُنتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنكَرِ (ال عمران:۱۱۰) "(مومنو!) جتنی امتیں (قومیں) پیدا ہوئیں تم ان سب سے بہتر ہو کہ (تمہارے ذمہ) تمام لوگوں (اقوام عالم) کو نیکیوں کا حکم دینا اور برائیوں سے روکنا ہے۔"

اسلام کی تعلیمات عالمگیر اور آفاقی (Global and world-wide) ہیں۔وہ یہ کہتا ہے کہ تمام انسان حضرت آدم وحوا کی نسل سے ہیں اور سب کا رب ایک ہے۔

ارشاد ہوتا ہے:۔إِنَّ هَٰذِهِ أُمَّتُكُمْ أُمَّةً وَاحِدَةً وَأَنَا رَبُّكُمْ فَاعْبُدُونِ (الانبیاء:۹۲) "(اے لوگو!) یہ تمہاری جماعت (دراصل) ایک ہی جماعت ہے اور میں تم سب کا رب ہوں تو سب میری ہی عبادت کرو۔"

اس کے نزدیک یہ ساری زمین اور جو کچھ اس کائنات (Universe) میں ہے صرف اور صرف اللہ ہی کی ملکیت ہے، انسان اس کا خلیفہ (Vicegerent) ہے اور اس کی یہ ذمہ داری ہے کہ یہاں پر اس کا نظام جاری و ساری کرے، ارشاد ہوتا ہے۔

وَقَٰتِلُوهُمْ حَتَّىٰ لَا تَكُونَ فِتْنَةٌ وَيَكُونَ الدِّينُ لِلَّهِ (البقرہ:۱۹۳) "(اور اللہ کا دین قائم کرنے کیلئے فسادیوں) سے اس وقت تک جنگ کرو کہ فتنہ وفساد نابود ہو جائے اور (ملک میں) اللہ ہی کا دین قائم ہو جائے۔"

اقامت دین کا یہی جذبہ اور یہی ولولہ ہمارے اسلاف کو مضطرب اور بے چین کئے رکھتا تھا اور وہ دعوت حق کا پرچم اٹھا کر دنیا کے اس کونے سے اس کونے تک پھیل گئے اور اللہ کی راہ میں ہر جانی و مالی قربانی پیش کی۔

اسلامی جرنیل طارق بن زیاد فاتح اندلس کے بعد جب سمندر عبور کر کے ساحل اندلس (اقصی یورپ) پر پہنچے تو انہوں نے سپاہیوں کو کشتیاں جلانے کا حکم دیا، سپاہی تعجب سے اپنے سالار سے مخاطب ہوئے کہ انہیں اگر واپس ہونے کی ضرورت پیش آئی اور دشمن کے مقابلے میں بھاگنا ہی

Marfat.com

پڑا تو کیا بنے گا، اپنی واپسی کے اسباب ختم کر دینا کہاں کی عقلمندی ہے؟ اس پر طارق بن زیاد نے مجاہدین اسلام کے سامنے جو تقریر کی وہ تاریخ میں آب زر سے لکھے جانے کے قابل ہے جس کا لب لباب کچھ اس طرح ہے۔

"میرے سپاہیو! تمہارے آگے دشمن ہے اور تمہارے پیچھے سمندر، اب یا تو اس ملک کو فتح کر کے حق کا بول بالا کر دیا اللہ کی راہ میں لڑتے ہوئے جام شہادت نوش کرو۔"

مومن کی زندگی کا مقصد نہ تو مال غنیمت کا حصول ہے اور نہ ملکوں اور شہروں کا محض فتح کرنا بلکہ اس کے پیش نظر اللہ کی زمین پر اللہ ہی کے قانون کو جاری وساری کرنا ہے۔

شہادت ہے مطلوب و مقصود مومن
نہ مال غنیمت نہ کشور کشائی

اس لئے مسلمان کا وطن کوئی خاص ملک یا کوئی خاص علاقہ نہیں ہوتا بلکہ وہ اللہ کی راہ میں جہاد کرتا ہوا جہاں بھی پہنچ جاتا ہے وہی اس کا وطن بن جاتا ہے۔

ہر ملک، ملک ماست کہ ملک خدائے ماست۔ ہر ملک ہمارا ملک ہے کیونکہ وہ ہمارے خدا کا ملک ہے۔

خود ہجرت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم نے علاقہ پرستی کا خاتمہ کر دیا، مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ کی طرف ہجرت اور دم آخر تک اسے اپنا مسکن بنا لینا اس بات کا بین ثبوت ہے کہ جہاں بھی کلمۃ الحق کی نشرواشاعت ہو سکے اور جہاں بھی اقامت دین کی خدمت بہتر طور پر سرانجام دی جا سکے تم اسی جگہ کو اپنا وطن بنا لو۔

مسلمان اپنے دل سے تمام تفرقات وتعصّبات نکال کر صرف مسلمان ہونے پر فخر کرتا ہے۔ اس کے لئے باعث افتخار سرمایہ، دولت ایمان ہے وہ افغانی، ترکی، ایرانی اور پاکستانی بعد میں ہوتا ہے مسلمان پہلے ہوتا ہے۔

نہ افغانیم و نے ترک و تاریم
چمن زادیم از یک شاخساریم
تمیز رنگ و بو بر ما حرام است
کہ ما پروردۂ یک نو بہاریم

Marfat.com

نہ ہم افغانی ہیں نہ ترکی اور نہ تاتاری، ہم ایک ہی چمن اور ایک ہی شاخسار یعنی اسلام سے ہیں، ہم پر رنگ ونسل، برتر وکمتر کی تفریق وتمیز حرام ہے، ہم ایک نئی بہار کے پروردہ ہیں اور وہ ہے اسلام کی روح پرور اور پاکیزہ بہار۔

ہمارے پیارے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے یہ الفاظ آج بھی دنیائے انسانیت کو تمیز رنگ و بو مٹانے کا پیغام دے رہے ہیں۔

فَلَيْسَ لِعَرَبِيٍ عَلٰى عَجَمِيٍ فَضْلٌ وَ لَا لِعَجَمِيٍ عَلٰى عَرَبِيٍ وَ لَا لِاَسْوَدَ عَلٰى اَبْيَضَ وَلَا لِاَبْيَضَ عَلٰى اَسْوَدَ فَضْلٌ اِلَّا بِالتَّقْوٰى (نقوش سیرت نمبر) ''اے لوگو! جان لو نہ کسی عرب کو عجمی (غیر عرب) پر کوئی فوقیت حاصل ہے اور نہ ہی کسی عجمی کو کسی عرب پر کوئی برتری ہے، نہ کالا گورے سے افضل ہے اور نہ گورا کالے سے بہتر، ہاں بزرگی اور فضیلت کا کوئی معیار ہے تو وہ تقویٰ ہے۔''

حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ سے کسی نے نسب پوچھا تو فرمایا ''سلمان بن اسلام'' سلمان تو اسلام کا ادنیٰ فرزند ہے، امیر المومنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ، بلال حبشی رضی اللہ عنہ، کے بارے میں فرمایا کرتے تھے:

''بِلَالُ سَيِّدُنَا''

بلال تو ہمارے سردار ہیں۔

مسلمان جب وطن کی حد بندیوں کو توڑ کر اسلام کے سچے خادم اور سپاہی تھے تو تمام تر فتوحات اور کامیابیاں، عزتیں اور سر بلندیاں انہیں کے لئے تھیں۔ انہوں نے چار دانگ عالم میں حق و صداقت کے ڈنکے بجائے، عدل وانصاف کا نظام برپا کیا اور دنیا بھر کے انسانوں نے ان سے راحت وسکون حاصل کیا اور جب سے وہ وطن پرستی کے باطل نظریات میں مقید ہوئے ہیں اس سے نہ صرف اندرون خانہ فتنہ وفساد کی چنگاریاں بھڑک اٹھی ہیں بلکہ بیرون خانہ بھی امن وسلامتی کی فضا رخصت ہو چکی ہے اور بحیثیت مجموعی امت مسلمہ عصبیت جیسی برائی کے سبب عزت ووقار کھو چکی ہے۔ آہ

حقیقت خرافات میں کھو گئی
یہ امت روایات میں کھو گئی

آج امت مسلمہ پر نکبت وادبار کی گھٹا چھا رہی ہے، ہر طرف ذلت ورسوائی ہے۔ اسرائیل

Marfat.com

تعداد میں قلیل ہونے کے باوجود کثیر تعداد میں عرب ملکوں کو چنے چبوا رہا ہے۔ فلسطینی سالہا سال سے آزادی کی جنگ لڑ رہے ہیں مگر کامیابی نہیں مل رہی ہے، کشمیری برسوں سے قربانیاں پیش کر رہے ہیں مگر ابھی آزادی کی منزل دور دور دکھائی نہیں دیتی، کاش کہ تمام دنیا کے مسلمان اپنے فروعی اختلافات کو نظر انداز کرتے ہوئے ایک قوت بن کر ابھریں تو یقیناً دنیا میں بڑی طاقت (Super Power) بھی ہونگے اور اللہ تعالیٰ کا سایہ رحمت بھی انہیں ڈھانپ لے گا کیونکہ اس کی اطاعت و فرمانبرداری کا حق پورا ہوگا۔

وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا " (مسلمانو!) تم سب مل کر اللہ کی رسی (قرآن حکیم) کو مضبوطی سے تھام لو اور آپس میں پھوٹ نہ ڈالو"۔

پھر غور کیجئے کہ اپنے وطن پاکستان کو آزاد کرانے کے لئے تمام تفرقات و اختلافات کو مٹا کر ہم اسلام کے مضبوط رشتہ میں منسلک ہو گئے تھے اور ہماری جانی و مالی قربانیوں کے صلہ میں اللہ تعالیٰ نے ہمیں نعمت آزادی سے بہرہ ور کیا تھا، یہاں پر مختلف صوبوں میں لوگوں کی زبانیں، لب و لہجے، لباس، عادات واطوار اور رسم و رواج مختلف تھے مگر ان کے فکر و عقیدہ کی یکسانی نے انہیں بھائی بھائی بنا دیا تھا، ہمیں یہ آزادی بلوچی، سندھی، سرحدی اور پنجابی ہونے کے ناتے سے نہیں ملی تھی بلکہ آزادی کا سہرا مسلمان اور صرف مسلمان ہونے کی وجہ سے ہمارے سروں پر بندھا تھا، اب ہماری سلامتی اور بقا صرف اور صرف اسلامی تعلیمات پر عمل پیرا ہونے سے وابستہ ہے۔

اللہ تعالیٰ ہمیں فکر و شعور کی نعمت عطا فرمائے۔ آمین!

Marfat.com

Marfat.com

رمضان المبارک......مدینہ منورہ میں

جونہی ماہ شعبان کا چاند طلوع ہوتا ہے تو رمضان المبارک کی تیاریاں شروع ہو جاتی ہیں۔ دنیا بھر کے مسلمانوں کے سینوں میں اس مقدس ماہ کے اندر عمرہ کی سعادت حاصل کرنے کا شوق و ولولہ پیدا ہوتا ہے، احادیث میں آتا ہے کہ رمضان المبارک میں عمرہ کا ثواب حج کے برابر ہے، حضرت انسؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب حج کو تشریف لے جانے لگے تو ایک صحابیہؓ نے اپنے خاوند سے کہا کہ مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حج کروادو، خاوند نے کہا کہ میرے پاس سواری نہیں ہے، بیوی نے کہا فلاں اونٹ تو موجود ہے، خاوند نے جواب دیا کہ وہ اللہ کے راستہ میں وقف ہے، چنانچہ وہ بیچاری مجبوراً رہ گئیں۔ جب آپؐ حج کر کے واپس تشریف لائے تو خاوند نے آپ کو سارا واقعہ سنایا، آپؐ نے فرمایا حج بھی تو اللہ کا راستہ ہے، اگر اس اونٹ پر حج کروادیتے تو کوئی حرج نہیں تھا، پھر خاوند نے عرض کیا کہ میری بیوی نے آپ کو السلام علیکم کہا ہے اور یہ درخواست کی ہے کہ میں آپؐ کے ساتھ حج کو نہ جاسکی تو اس کی تلافی کی اب کیا صورت ہے، آپؐ نے فرمایا کہ تم جا کر اسے میرا سلام پہنچادو اور کہہ دو کہ

اِنَّمَا تَعْدِلُ حَجَّةً مَعِي عُمْرَةٌ فِي رَمَضَانَ (ابوداؤد)

"رمضان المبارک میں عمرہ کرنا میرے ساتھ حج کرنے کے برابر ہے۔"

اللہ اکبر! یہ کتنی بڑی سعادت اور کتنی بڑی خوشخبری ہے۔

ماہ شعبان میں ہی پاسپورٹ اور حصول ویزا کے لئے تگ ودو شروع ہو جاتی ہے اور شعبان کے آخر اور رمضان کے شروع میں ہوائی جہاز کی نشستیں مخصوص ہو جاتی ہیں۔ اگرچہ عمرہ کیلئے ویزا پندرہ دن کے لئے ہوتا ہے لیکن بعض لوگ کوشش کر کے چند دن اور بڑھا لیتے ہیں، حرمین شریفین پہنچ کر دل یہی چاہتا ہے کہ ہمیشہ کے لئے یہیں قیام ہو جائے۔

Marfat.com

عاجز کو بھی اپنی اہلیہ کے ساتھ اس ماہ مقدس میں سفر کرنے اور رمضان المبارک کا پورا ماہ مدینہ منورہ میں گزارنے کی سعادت نصیب ہوئی، وہ یادیں اتنی سہانی اور اتنی پاکیزہ ہیں کہ آج تک دل سے محو نہیں ہوئی ہیں۔

ہم شعبان کے آخری ہفتے سعودی ائرلائنز کے ذریعہ مکہ پہنچ چکے تھے، عمرہ کی سعادت سے بہرہ ور ہونے اور دو دن مکہ میں قیام کے بعد مدینہ منورہ روانہ ہوئے، مدینہ جانے کے لئے دو راستے ہیں...... ایک پرانی شاہراہ ہے جو مقام بدر سے ہوکر مدینہ جاتی ہے اس میں تقریباً چھ گھنٹے لگ جاتے ہیں اور دوسری موٹروے جو جدید اور کشادہ ہے، اس شاہراہ پر چار گھنٹے میں سفر طے ہوجاتا ہے۔

چند پاکستانی سپیشل ویگن کے ذریعہ بدر کے راستہ مدینہ منورہ جارہے تھے، ہمیں بھی اس میں جگہ مل گئی۔ صبح کوئی 8 بجے ہوں گے کہ ہماری ویگن مکہ سے مدینہ روانہ ہوئی، لاہور کی طرح شہر مکہ بھی دور دور تک پھیل چکا ہے، اور ہر طرف خوبصورت بنگلے نظر آتے ہیں۔ شاہراہیں اوپر نیچے ہونے کے باوجود صاف ستھری ہیں اور انہیں ہموار بنانے کی ہر ممکن کوشش کی گئی ہے، شہر مکہ سے نکلنے کے بعد سڑک کے دونوں اطراف حدنگاہ تک کھلے میدان شروع ہوجاتے ہیں جو زیادہ تر بنجر اور بے آباد ہیں۔ زمین سنگلاخ اور پتھریلی ہے، کہیں کہیں خوبصورت بستیاں دکھائی دیتی ہیں۔ مکانات دیدہ زیب اور نفاست میں اپنی مثال آپ ہیں اور ہر جگہ ٹیلیفون اور بجلی کے پول نصب نظر آتے ہیں۔

دوران سفر ہی میرے ذہن کے دریچے کھلے اور ماضی میں جھانکنے لگے، مجھے پیارے رسول ﷺ اور صحابہ کرامؓ کی یاد ستانے لگی، جب اہل مکہ نے آپؐ اور آپ کی دعوت پر لبیک کہنے والوں پر مکہ کی زمین تنگ کردی اور ان کا جینا محال کردیا تو اللہ کی طرف سے آپ کو یثرب (مدینہ منورہ) کی طرف ہجرت کرنے کا حکم ہوا، اس لئے کہ اہل یثرب مشرف بہ اسلام ہوچکے تھے اور انہوں نے رسول اللہ ﷺ کو یثرب تشریف لانے اور اسے مرکز اسلام بنانے کی دعوت دیدی تھی۔ پہلے صحابہ کرامؓ نے اور سب سے آخر میں رسول اللہ ﷺ نے اپنے رفیق سفر حضرت ابوبکر صدیقؓ کے ساتھ مکہ سے مدینہ تک کا یہ سفر کچھ پیدل اور کچھ اونٹ پر شدید گرمی کے اندر کئی ہفتوں میں طے کیا۔ عرب کا ریتلا علاقہ، پتھریلی زمین، بے آب وگیاہ چٹیل میدان...... اور اب کتنی سہولتیں ہیں،

ائرکنڈیشنڈ بسیں، پختہ شاہراہیں، جگہ جگہ ہوٹل اور قیام گاہیں اور وہاں ہر قسم کا قیام وطعام موجود ہے۔

دن کے کوئی بارہ بجے ہوں گے کہ ہماری وین ایک ہوٹل کے پاس پہنچی، بورڈ پر پاکستان ہوٹل لکھا تھا، پڑھ کر خوشی ہوئی، ڈرائیور نے بتایا کہ اس ہوٹل کا کھانا عمدہ اور لذیذ ہوتا ہے۔ ڈرائیور اگرچہ یمنی تھا تاہم گزارے کے لئے تھوڑی بہت اردو بھی جانتا تھا۔ عاجز کو اس کے ساتھ عربی میں گفتگو کا زیادہ لطف آرہا تھا، وہ کہنے لگا کہ جب بھی مجھے اس طرف سفر کا موقع ملتا ہے، میں اس ہوٹل سے کھانا ضرور کھاتا ہوں اور دور دور سے لوگ یہاں آکر کھانا کھاتے ہیں، ہر قسم کا کھانا موجود تھا۔ تلی ہوئی مچھلی، گوشت، کباب، بریانی وغیرہ۔ کھانا واقعی لذیذ تھا، اور کھانے کے بعد بعض نے پیپسی اور بعض نے سیون اپ نوش کی، چونکہ عربی زبان میں 'پ' نہیں ہے، اس لیے وہ لوگ 'پ' کو 'ب' سے بدل کر بیبسی اور سیون اب کہتے ہیں۔

بعض عقیدت مندوں نے راستے میں ابوا کا مقام دیکھنے کی آرزو کی، یہ وہ جگہ ہے جہاں رسول اللہ ﷺ کی والدہ محترمہ بی بی آمنہؓ کا انتقال ہوا تھا جبکہ وہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ مکہ واپس آرہی تھیں۔ ڈرائیور کو کچھ مزید رقم دینے پر راضی کرلیا گیا، اصلی شاہراہ سے ہٹ کر بغلی سڑک پر ڈرائیور نے گاڑی موڑ لی، اور کوئی ایک گھنٹہ مسلسل ڈرائیونگ کی، راستے میں کئی لوگوں سے دریافت کیا مگر کوئی ٹھیک نشاندہی نہ کرسکا، آخر عاجز نے ایک جگہ انہیں تجویز دی کہ یہیں دعائے خیر کر کے واپس ہوجاؤ، وہاں سے واپس ہوئے تو کوئی ایک گھنٹہ مزید اصل شاہراہ پر پہنچنے میں لگا۔

ظہر کے بعد، دن کے تین بجے ہم میدان بدر پہنچ چکے تھے، شہدائے البدر کی قبور محض پتھروں کے نشانات ہیں، اس کے گرد جنگلا ہے، اور اندر جانے کی اجازت نہیں ہے، گورنمنٹ کا باوردی سپاہی کھڑا تھا، اس نے کہا یہیں سے دعا مانگ کر واپس ہوجایئے، سورۃ الفاتحہ کتنی پیاری دعا ہے جو بندۂ مومن نماز کی ہر رکعت میں مانگتا ہے،

اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ، صِرَاطَ الَّذِينَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ

''اے اللہ! ہمیں سیدھے راستہ پر چلا، راستہ ان لوگوں کا جن پر آپ نے انعام فرمایا ہے۔''

اور وہ منعم علیہ سعادت مند لوگ کون سے ہیں، قرآن حکیم نے دوسری جگہ ان کا ذکر

Marfat.com

فرمایا ہے۔

اَنۡعَمَ اللّٰہُ عَلَیۡھِمۡ مِّنَ النَّبِیّٖنَ وَالصِّدِّیۡقِیۡنَ وَالشُّھَدَآءِ وَالصّٰلِحِیۡنَ، وَحَسُنَ اُولٰٓئِکَ رَفِیۡقًا (النسا:٦٩)

''اللہ تعالیٰ نے انعام کیا، انبیائے کرام، صدیقین، شہدا اور صالحین پر اور ان کی رفاقت کیا ہی اچھی ہے۔''

بدر کے دونوں اطراف خوب صورت بنگلے اور کئی مساجد نظر آتی ہیں، شہر کی جامع مسجد میں جا کر ظہر، عصر کی نمازیں (صلوٰۃ القصر) ادا کیں، یقین جانئے سفر کی تمام تھکاوٹ جاتی رہی، اس وسیع و عریض خوب صورت مسجد کو دیکھ کر بڑی خوشی ہوئی، سعودیہ کی مساجد بڑی کشادہ، اور خوب صورت ہیں۔

وہاں سے معلوم ہوا کہ مدینہ منورہ کم از کم دو سو میل دور ہے اور تیز رفتاری سے بھی دو ڈھائی گھنٹے کا سفر ہے، غور کیجئے شہدائے بدر نے یہ سفر انتہائی بے سروسامانی سے سالارِ اسلام محمد رسول اللہ ﷺ کی قیادت میں شدید گرمی میں طے کیا تھا اور اپنے دشمن کفار مکہ سے نبرد آزما ہوئے تھے، حق و باطل کا یہ پہلا معرکہ تھا جس میں اللہ تعالیٰ نے اپنے خاکسار بندوں کو سنہری کامیابی سے ہمکنار فرمایا تھا۔

جوں جوں مدینہ منورہ کا راستہ کم ہو رہا تھا توں توں شہر میں پہنچنے کی تمنا اور تڑپ بڑھ رہی تھی، ہمارے سفر کے بعض ساتھیوں نے نعتیں پڑھنی شروع کیں، عاجز اور عاجز کی اہلیہ نے درودِ ابراہیمی (جو درود نماز میں پڑھتے ہیں) پر اکتفا کیا، اس کی فضیلت و اہمیت جو قرآن و حدیث میں ہے وہ محتاج بیان نہیں ہے، روضہ مبارک پر بھی ہم کثرت سے درود ابراہیمی ہی پڑھتے رہے۔ شہر کے قریب پہنچ کر پاسپورٹ ویزا چیکنگ ہوئی اور سورج غروب ہو چکا تھا کہ ہماری ویگن ہماری قیام گاہ کے قریب رک گئی جو پہلے سے بک تھی۔ ویگن سے اترے اپنے کمروں میں سامان رکھا، نہائے دھوئے، اجلے لباس زیب تن کئے، شام کا کھانا کھایا اور پیدل ہی مسجد نبوی کی طرف چل پڑے جو وہاں سے بمشکل دس منٹ کی مسافت پر تھی اور روشن سڑکوں، صاف ستھرے فٹ پاتھوں پر سیکنڈوں میں یہ طے ہو گئی۔ مسجد نبوی کے چمکتے ہوئے مینار نظر آنے لگے، اتنے میں ہم ایک دروازے پر پہنچے (چاروں اطراف کئی دروازے ہیں) اور دعا پڑھ کر داخل ہوئے۔

Marfat.com

اَللّٰھُمَّ افْتَحْ لِی اَبْوَابَ رَحْمَتِکَ ''اے اللہ! میرے لئے اپنی رحمت کے دروازے کھول دے''۔ اور ایک روایت میں اس طرح دعا بھی ہے۔

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ اَللّٰھُمَّ اغْفِرْلِی ذُنُوبِی وَافْتَحْ لِی اَبْوَابَ رَحْمَتِکَ (ابوداؤد) ''اے اللہ! ہمارے سردار محمد ﷺ اور ان کی آل و اولاد پر صلوٰۃ و سلام بھیج، اے اللہ! میرے گناہ معاف فرما اور میرے لئے اپنی رحمت کے دروازے کھول دے۔''

مسجد کا صحن وسیع و عریض ہے اور خوب صورت پتھر سے بنا ہوا کہ جس پر گرمی و سردی کے اثرات کم ہوتے ہیں اور عمارت مسجد کے چاروں طرف دور دور تک پھیلی ہوئی ہے۔ اللہ اکبر! یہ مسجد جس کی بنیاد پیارے رسول ﷺ اور آپ کے صحابہ نے رکھی تھی، یہ قطعہ زمین یتیم بچوں کی ملکیت تھا جنہوں نے مسجد کے لئے بغیر قیمت کے پیش کر دیا تھا مگر آپ ؐ نے اسے باقاعدہ قیمت ادا کر کے خریدا اور صحابہ کرام ؓ کے ساتھ مل کر اسے تعمیر فرمایا، اس کی دیواروں کی چنائی اینٹ اور پتھر سے نہیں ہوئی تھی، مٹی کو جما کر کھڑا کیا گیا تھا اور جس کی چھت ریت، سیمنٹ، بجری اور لوہے کی سلاخوں سے نہیں بلکہ کھجور کے درخت کے تنوں سے بنائی گئی تھی اور جس کا فرش سنگ زمرد اور مرمر کا نہیں بلکہ ریت اور سنگریزوں پر مشتمل تھا، مگر اس پر سجدہ کرنے والے وہ پاکباز تھے جن کی پیشانیاں نور ایمانی سے چمکتی تھیں، جو آپس میں شیر و شکر اور دشمن پر بھاری تھے اور ہمیشہ اللہ تعالیٰ کی رضامندی کے جویا رہتے تھے۔

مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ ط وَالَّذِیْنَ مَعَهٗ اَشِدَّآءُ عَلَی الْکُفَّارِ رُحَمَآءُ بَیْنَھُمْ تَرٰھُمْ رُکَّعًا سُجَّدًا یَّبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰہِ وَرِضْوَانًا سِیْمَا ھُمْ فِیْ وُجُوْھِھِمْ مِّنْ اَثَرِ السُّجُوْدِ ط ذٰلِکَ مَثَلُھُمْ فِی التَّوْرٰۃِ ج صلے وَ مَثَلُھُمْ فِی الْاِنْجِیْلِ ج قف کَزَرْعٍ اَخْرَجَ شَطْئَهٗ فَاٰزَرَہٗ فَاسْتَغْلَظَ فَاسْتَوٰی عَلٰی سُوْقِهٖ یُعْجِبُ الزُّرَّاعَ لِیَغِیْظَ بِھِمُ الْکُفَّارَ ط وَعَدَ اللّٰہُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ مِنْھُمْ مَّغْفِرَۃً وَّ اَجْرًا عَظِیْمًا (الفتح:۲۹)

''محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں اور جو لوگ آپ کے ساتھ ہیں وہ کافروں پر سخت مگر آپس میں رحمدل ہیں۔ تم جب دیکھو گے انہیں رکوع و سجود کرتے ہوئے اللہ کا فضل اور اس کی رضا تلاش کرتے ہوئے۔ (کثرت) سجدہ سے ان کی پیشانیوں پر امتیازی نشان موجود ہیں۔''

وہ تعداد میں تھوڑے تھے مگر اتفاق واتحاد سے دشمنوں کی بھاری تعداد پر بھی حاوی تھے، آج مسلمان تعداد کے لحاظ سے بہت زیادہ مگر افسوس نفاق وافتراق کے سبب اپنے سے کمتر لوگوں سے بھی زک اٹھا رہے ہیں۔ ہمارے سامنے اس وقت عرب اور اسرائیل کی مثال ہے، اسرائیل نے تعداد میں کم ہونے کے باوجود تمام عرب ریاستوں کو پریشان کر رکھا ہے۔

مسجد نبوی میں ہر دور خلافت وحکومت میں توسیع ہوتی رہی ہے مگر جس شان وشوکت سے سعودی دور حکومت میں شاہ فہد نے اس کی توسیع وتزئین میں دلچسپی لی ہے وہ سابقہ سب حکمرانوں سے سبقت لے گئے ہیں، انہوں نے حرمین شریفین کو وسعت دینے اور انہیں خوب صورت بنانے پر پانی کی طرح دولت بہائی ہے۔

مسجد نبوی کا وسیع وعریض صحن، دروازے اور محرابیں، فرش، قالین، چھتیں، فانوس اور قندیلیں، سب انتہائی خوب صورت اور قابل دید ہیں، مسجد کے عقب میں روضہ رسول ﷺ اور ان کی جالیاں اتنی خوب صورت ہیں کہ الفاظ انہیں بیان کرنے سے قاصر ہیں۔

مسجد اتنی وسیع ہے کہ جگہ جگہ بچے مختلف اساتذہ کی نگرانی میں قرآن حفظ کر رہے ہیں، جگہ جگہ قرآن وحدیث کے حلقہ جات قائم ہیں، بہت بڑی لائبریری ہے جن میں محققین اور طلبا ذوق و شوق سے محو مطالعہ ہیں، جگہ جگہ لوگ تلاوت قرآن اور ذکر وفکر میں مشغول ہیں۔

ایک جگہ ایک بزرگ استاد بچوں کو حفظ کرا رہے تھے۔ چہرے مہرے سے پاکستانی معلوم ہوتے تھے، میں نے سلام کے بعد عربی زبان میں اپنا تعارف کرایا، مجھے پاکستانی جان کر تکلف سے بالا ہو کر اردو میں جواب دیا کہ ان کا تعلق گوجرانوالہ (پاکستان) سے ہے اور گزشتہ 32 سال سے یہاں خدمت سرانجام دے رہے ہیں، ان کا اسم گرامی الشیخ عبداللہ ہے۔

آج شعبان کی آخری تاریخ ہے، شام کو رمضان کا چاند نظر آنے کی توقع ہے، میں نے اپنے عرب دوست الاستاذ عابد العوفی کو اپنی آمد کی ٹیلی فون پر اطلاع کر دی تھی، استاذ عابد مدینہ یونیورسٹی شعبہ حدیث (دارالحدیث) میں پڑھاتے ہیں، وہ چند سال قبل اپنے رفقاء کے ساتھ پنجاب یونیورسٹی لاہور میں ایم اے اسلامیات کا امتحان دینے آئے تھے، یہیں ان سے تعارف ہوا، میں نے اپنے غریب خانہ پر ان کی دعوت شیراز کی اور کچھ امتحان کے سلسلہ میں ان کی رہبری کی، اس کے بعد خط وکتابت سے دوستی کا سلسلہ بڑھا جو آج تک قائم ہے۔ بوقت عصر اپنی گاڑی

Marfat.com

لے کر میری قیام گاہ پر آئے اور مصر ہوئے کہ شام کا کھانا ان کے ساتھ کھاؤں، ان کا مکان شہر سے دو چار میل دور ہے، دیندار دار گھرانہ ہے اور آداب اسلامی سے پوری طرح واقف، میں اور میری اہلیہ ان کی گاڑی میں ان کے گھر پہنچے، گاڑی میں ان کے چھوٹے چھوٹے بچے موجود تھے جو اپنے ابو سے ہمارے بارے میں پوچھ رہے تھے، عربی زبان اپنی فصاحت وبلاغت، لطافت اور نظافت میں بے مثال ہے اور تھوڑا سا ذوق پیدا ہو جائے تو بات کرنے میں بڑا لطف آتا ہے۔

الاستاذ عابد کے گھر شام کے کھانے میں ہمارے علاوہ ان کے عزیز واقارب بھی مدعو تھے، خواتین وحضرات کا بالکل الگ انتظام تھا، میز کرسیوں کی بجائے کھانا چٹائی پر نہایت سلیقہ وقرینہ سے چنا گیا، مختلف قسم کے کھانے تیار کئے گئے تھے اور ہر پلیٹ لذیذ سے لذیذتر، عربوں کی مہمان نوازی تو ہی ضرب المثل ہے آج اہل مدینہ کی مہمان نوازی نے بڑا متاثر کیا، یہ اہل مدینہ ہی تھے جنہوں نے رسول اللہ ﷺ اور آپ کے صحابہؓ کو اپنے شہر آنے کی دعوت دی تھی اور ان کے ساتھ اخوت اور بھائی چارے کا جو مظاہرہ کیا تھا وہ تاریخ کا لازوال اور بے مثال باب بن چکا ہے۔

آج شام ریڈیو، اور ٹیلی ویژن پر رمضان المبارک کے چاند کا اعلان ہوا، عرب دوست کے یہاں کھانے میں تاخیر کے سبب نماز عشاء اور نماز تراویح ان کے محلّہ کی مسجد میں ادا کی، ہمارے یہاں کی طرح مسجد نمازیوں سے بھری ہوئی تھی اور خواتین کے لئے پردہ کا انتظام تھا، سعودی امام اور قاری فطری اور طبعی لب ولہجہ میں قرآن پڑھتے ہیں جس کے سامعین پر اثرات ہوتے ہیں اور معنی ومفہوم آتا ہو تو قرآن سننے کا بڑا لطف آتا ہے۔

نماز کے بعد عرب دوست مصر ہوئے کہ جتنے دن ٹھہرو یہیں قیام کرو مگر ادب سے معذرت کر دی اور انہوں نے ہمیں اپنی گاڑی میں ہماری قیام گاہ پر چھوڑ دیا اور مزید ایک افطاری کا وعدہ لے لیا، آئندہ کے لئے دعوت تو ضرور قبول کر لی لیکن ساتھ کہہ دیا کہ وہ عشاء کی نماز پر ہمیں مسجد نبوی پہنچا دیں گے۔

عرب دوست کی مہمان نوازی میں یہ بات بھی شامل ہے کہ ایک دن وہ ہمیں مدینہ منورہ کے تاریخی مقامات وزیارات دکھانے کیلئے لے گئے جن میں مسجد قبا، مسجد قبلتین، احد پہاڑ وغیرہ ہیں، ان مساجد میں نفل ادا کر کے جو روحانی سرور ملا وہ ناقابل بیان ہے، رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرامؓ کی یاد تازہ ہوگئی، اب یہ مساجد انتہائی خوب صورت بن چکی ہیں۔ احد پہاڑ جا کر عرب

Marfat.com

دوست نے تاریخی واقعہ پھر دہرادیا اور غزوہ احد کا سارا نقشہ سامنے آ گیا۔

مدینہ منورہ میں اہل علم کے لئے مدینہ یونیورسٹی (الجامعۃ الاسلامیہ) دیکھنا بھی دلچسپی سے خالی نہیں ہے، یہاں خواتین کا داخلہ ممنوع ہے اس لئے الاستاذ عابد ایک دن مجھے یونیورسٹی لئے گئے، اور مختلف شعبہ جات دکھانے کے علاوہ کئی اساتذہ سے تعارف بھی کرایا۔ چند سال قبل یونیورسٹی کے چار پانچ اساتذہ کا گروپ لاہور میں علماء اور اساتذہ کے ریفریشر کورس کے سلسلہ میں آیا تھا جس میں عاجز کو بھی شامل ہونے کی سعادت حاصل ہوئی تھی۔ یونیورسٹی اپنی جدید خوب صورت عمارت کے ساتھ خاصے وسیع رقبہ میں پھیلی ہوئی ہے، ظہر کی نماز یونیورسٹی کی مسجد میں ادا کی، مسجد کا ہال خاصا کشادہ تھا جو طلبا اور اساتذہ سے بھرا ہوا تھا، یونیورسٹی میں دنیا بھر کے مسلمان ملکوں کا کوٹہ ہے اور طلبا کے قیام وطعام، کتابوں بلکہ معقول وظائف کی سعودی حکومت کفیل ہے۔ جو انتہائی قابل ستائش بات ہے، واپسی پر الاستاذ عابد نے شعبہ ترسیل کتب کے انچارج سے میرے لئے مکمل قرآن حکیم (ٹیپ شدہ) اور بہت ساری کتب حاصل کیں جس کا میں نے تہہ دل سے شکریہ ادا کیا۔

مدینہ منورہ میں رمضان المبارک کا ہر دن عید اور خوشیوں سے بھرا ہوتا ہے، دنیا بھر کے مسلمان، مختلف لباس، چہروں، رنگ وروپ اور بولیوں میں نظر آتے ہیں مگر اسلامی اخوت ومحبت میں اکٹھے ہو کر ایک دوسرے کے قریب ہو جاتے ہیں اور ان کے درمیان اجنبیت اور مغائرت دور ہو جاتی ہے، ہر طرف سلامتی کی فضا پھیل جاتی ہے، السلام علیکم! اتنا خوب صورت تحفہ ہے جو ہر ملک کا باشندہ اپنے بھائی کو پیش کرتا ہے، پھر اذان کے کلمات، نماز کی ادائیگی اور قرآن کی تلاوت میں یکسانی نے دوئی اور جدائی کو ختم کر دیا ہے، ایک دوسرے کی زبان نہ جانتے ہوئے بھی ایک دوسرے کے لئے مٹھاس اور محبت قائم ہے اور حقیقت یہ ہے کہ محبت کی فضا زبان ولباس کی اجنبیت کو کبھی آڑے نہیں آنے دیتی ہے۔

مسجد نبوی کی ہر نماز خوشیوں اور محبتوں کا پیغام لاتی ہے، اندرون مسجد اور صحن مسجد (جو حد نگاہ تک پھیلا ہوا ہے) لاکھوں افراد سے بھر جاتا ہے، جونہی اذان کی صدائے دلنواز کانوں میں پہنچتی ہے، زندگی حرکت میں آ جاتی ہے، ہر شخص لگن اور تڑپ سے مسجد نبوی کی طرف چل رہا ہوتا ہے، دکاندار شٹر نیچے گراتے ہیں یا صرف کپڑا ڈال کر اور بعض یونہی چھوڑ کر چلے آتے ہیں، کسی کو اپنے

Marfat.com

سامان کی مطلق فکر نہیں ہے اس لئے کہ قانون اتنا سخت ہے کہ کوئی کسی چیز پر نظر اٹھا کر بھی دیکھ نہیں سکتا، سڑکوں پر عجیب سماں ہوتا ہے یوں محسوس ہوتا ہے کہ لوگ نماز عید کے لئے جا رہے ہیں، اشارے پر کاروں کی لمبی قطاریں لگ جاتی ہیں، ضابطہ اور قانون کی ہر طرف پاسداری ہے، بلکہ اس سے بڑھ کر احترام بھی پایا جاتا ہے، میں نے کہیں سڑک پار کرنے کا ارادہ کیا اور دور سے گاڑی کے ڈرائیور نے دیکھا تو قریب آ کر احتراماً اس نے گاڑی روک لی اور مجھے ہاتھ سے اشارہ کیا کہ آپ گزر جایئے، گویا کہ وہاں ڈرائیور چلنے والے کو بچاتا ہے اور ہمارے یہاں چلنے والا اپنے آپ کو بچاتا ہے۔

مسجد نبوی کا سب سے زیادہ نورانی منظر افطاری کا ہوتا ہے، نماز عصر کے بعد ہی لوگ جمع ہونے شروع ہو جاتے ہیں۔ عموماً عصر کے بعد ہلکی ہلکی ہوا چلنے لگتی ہے اور جی چاہتا ہے کہ صحن مسجد میں بیٹھ جائیں۔ مغرب کی اذان سے کوئی دس منٹ پہلے مسجد کا اندر اور باہر سب بھر جاتے ہیں۔ سفرہ (دستر خوان) بچھا دیے جاتے ہیں اور ان پر انواع و اقسام کی چیزیں چن دی جاتی ہیں۔ زمزم، کئی اقسام کی کھجوریں اور نج جوس، دہی، چاٹ، ڈبل روٹی کے ٹکڑے، پلاؤ، زردہ۔ معلوم ہوا کہ یہ سب انتظام روسائے شہر کرتے ہیں، افطاری سے پہلے دعا کا وقت ہوتا ہے اس لئے کہ رب کریم مزدور کو مزدوری عطا فرماتا ہے، لہٰذا اسے فراموش نہ کرنا چاہئے، احادیث میں آتا ہے کہ روزہ دار کی افطاری کے وقت دعا یقیناً قبول ہوتی ہے۔

افطاری کا اعلان ہوتے ہی سب حسب ذوق اشیاء سے افطاری کرتے ہیں، سنت طریقہ کھجور سے افطار کرنے کا ہے اور پھر آب زم زم جتنا چاہے نوش فرمایئے، آب زم زم میں غذا بھی ہے اور شفا بھی۔ سعودی حکومت کو اللہ تعالیٰ جزا دے، بیت اللہ کی طرح یہاں بھی اب زم زم وافر مقدار میں ملتا ہے، جگہ جگہ ٹھنڈے اور سادے آب زم زم کے کولر پڑے ہیں، جتنا چاہیں نوش فرمائیں اور اپنے اوپر بھی انڈیل لیجئے، شفا ہی شفا اور برکت ہی برکت ہے۔ افطاری سے پہلے دینی مدارس کے عرب بچے مسجد نبوی کے ہر دروازے پر آنے والوں کا استقبال کرتے ہیں، اور احتراماً کہتے ہیں کہ آج ہمارے ساتھ افطاری کیجئے۔

یَا عَمِّ اَلَا تَفْطُرُ مَعَنَا الْیَوْمَ؟ ''چچا جان کیا آج ہمارے ساتھ افطاری نہ فرمائیں گے؟ ان کا یہ لب ولہجہ اور انداز انتہائی مشفقانہ ہوتا ہے۔ دو بچوں میں اس بات میں تکرار ہوئی

Marfat.com

ایک بچہ میرا باز و تھام کر کہنے لگا کہ ھٰذَا ضَیْفِی ''کہ یہ میرے مہمان ہیں'' اور دوسرا کہنے لگا کہ لَا ھٰذَا ضَیْفِی ''نہیں یہ میرے مہمان ہیں'' خیر میں نے دوسرے کو عربی میں سمجھا دیا کہ کل آپ کے ساتھ افطار کریں گے۔ اور وہ خاموش ہو گیا، چنانچہ پہلا بچہ میرا بازو پکڑ کر اپنے سفرہ پر لے گیا۔ ہر شخص کی تمنا ہوتی ہے کہ آنے والے کو اپنے سفرہ پر بٹھائے، اور وہ سکڑ سکڑ کر جگہ بنا دیتے ہیں، اسلام مسلمانوں میں اسی محبت و مودت کو پیدا کرنا چاہتا ہے، اور مسجد نبوی میں افطاری کے وقت اس کا شاندار مظاہرہ ہوتا ہے۔

افطاری کے کوئی پندرہ منٹ بعد مغرب کی نماز کھڑی ہوتی ہے آناً فاناً خدام مسجد وہ سفرے سمیٹ لیتے ہیں اور منٹوں اور سیکنڈوں میں صفائی ہو جاتی ہے، مسجد کی صفائی اور نظافت بے مثال ہے۔ ہر نماز میں جو لطف و سرور آتا ہے وہ الفاظ میں بیان کرنا ممکن نہیں ہے مگر عشاء کی نماز اور نماز تراویح میں لطف و سرور بہت بڑھ جاتا ہے، نماز میں خشوع و خضوع، عربی لب و لہجہ میں قرات، قیام اللیل کو قیمتی بنا دیتے ہیں اور قرآن حکیم کا ترجمہ آتا ہو تو یہی جی چاہتا ہے کہ تلاوت سنتے ہی چلے جائیں۔ بس احباب سے یہی عرض ہے کہ اگر حج کے بعد توفیق ملے تو رمضان میں ضرور عمرہ ادا کیجئے اور عربی زبان ضرور سیکھئے، اس سے نہ صرف قرآن پڑھنے سننے کا لطف آتا ہے بلکہ دیار عرب میں وقت بہترین گزرتا ہے۔

Marfat.com

اسلام......انقلابِ زندگی

عمرو بن عبسہؓ کہتے ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی کہ اے اللہ کے رسولؐ! آپ کے ساتھ اس معاملہ میں کون ہے؟ (یعنی اسلام کی دعوت پر لبیک کہنے اور پھر دعوت و تبلیغ میں ساتھ دینے میں) فرمایا، غلام اور آزاد (دونوں قسم کے لوگ)! میں نے پوچھا اسلام کیا ہے؟ ارشاد ہوا ''اچھی گفتگو کرنا اور کھانا کھلانا (غربا و مساکین وغیرہ کو) میں نے سوال کیا کہ ایمان کیا ہے؟ فرمایا ''صبر کرنا اور درگزر کرنا'' صحابی رسولؐ کہتے ہیں کہ میں نے پھر پوچھا کہ اسلام کی کونسی خوبی پسندیدہ تر ہے۔ ارشاد ہوا کہ وہ خوبی یہ ہے کہ کسی شخص کی زبان اور ہاتھ سے دوسرے مسلمان محفوظ رہیں، عمرو بن عبسہؓ کہتے ہیں کہ میں نے پھر عرض کیا کہ انسان کی کونسی خوبی پسندیدہ تر ہے، ارشاد ہوا ''پاکیزہ اخلاق''۔ (رواہ احمد)

اس حدیث مبارک میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسلام اور ایمان کے شرعی اور لغوی مفہوم کو نہیں بلکہ اخلاقی اور عملی پہلو پر روشنی ڈالی ہے۔ حقیقت یہی ہے کہ رب کائنات پر ایمان لانے اور دعوت اسلام کو قبول کرنے کے بعد زندگی نئی کروٹ لیتی ہے، عقیدہ و یقین کو طہارت میسر آتی ہے، سوچ اور فکر کے پیمانے بدل جاتے ہیں، عادات و خصائل میں تبدیلی پیدا ہوتی ہے، نشست و برخاست میں حسن اور سلیقہ پیدا ہوتا ہے، آپس کے معاملات صحت و صفائی کے ساتھ طے ہونے لگتے ہیں، لین دین میں سچائی اور راستبازی کا مظاہرہ ہوتا ہے، عدل وانصاف کی راہیں ہموار ہوتی ہیں، مروت و احسان کے چشمے پھوٹتے ہیں، عفت و پاکبازی کی ہوائیں چلتی ہیں چہروں پر تواضع و خاکساری عیاں ہوتی ہے، حلم و بردباری کا سلوک ہوتا ہے، ہر طرف ایثار و قربانی کی جھلک نظر آتی ہے یوں محسوس ہوتا ہے کہ چمن اسلام میں داخل ہوتے ہی زندگی پر بہار ہو جاتی ہے، نخل حیات سرسبز و شاداب ہو جاتا ہے اور وہ سدا بہار پھلوں اور پھولوں سے تروتازہ رہتا ہے،

Marfat.com

قرآن حکیم اس کا نقشہ اس طرح کھینچتا ہے:

اَلَمْ تَرَ كَيْفَ ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا كَلِمَةً طَيِّبَةً كَشَجَرَةٍ طَيِّبَةٍ اَصْلُهَا ثَابِتٌ وَّ فَرْعُهَا فِي السَّمَآءِ (۲۴) تُؤْتِيْٓ اُكُلَهَا كُلَّ حِيْنٍۢ بِاِذْنِ رَبِّهَا (۲۵) [ابراہیم] ''اے پیغمبر! کیا تم نے غور نہیں کیا کہ اللہ نے کلمہ طیبہ کی مثال کیسی اچھی بیان فرمائی ہے کہ وہ ایک اچھے درخت کی مانند ہے، جس کی جڑیں زمین میں دبی ہوئی ہیں اور اس کی شاخیں آسمان میں ہیں، ہر آن وہ اپنے رب کے حکم سے اپنا پھل لاتا رہتا ہے۔''

ایک اچھی قسم کے درخت کی طرح جس کی جڑ زمین میں جمی ہوئی ہے، کلمہ توحید کی بھی اسی طرح ایک جڑ ہے یعنی اعتقاد جو قلب مومن میں راسخ ہوتا ہے اور اس کی شاخیں یعنی اعمالِ صالحہ بارگاہ قبولیت میں آسمان کی طرف لے جائے جاتے ہیں، پھر ان پر رضائے الٰہی کا ثمرہ دائما مرتب ہوتا رہتا ہے۔

اللہ اللہ! یہ کس قدر مبارک اور خوشگوار زندگی کا نقشہ ہے یہ پھولوں کی طرح ہمیشہ چہکتی اور مسکراتی رہتی ہے، اس سے اعمال حسنہ کی مہک ارد گرد پھیلتی ہے اور ماحول کو معطر کرتی چلی جاتی ہے، ذرا حضرت جعفر طیار رضی اللہ عنہ، کی اس تقریر کو پڑھ جائیے جو انہوں نے حبشہ کے بادشاہ نجاشی کے دربار میں کی تھی کہ اس سے قبل از اسلام اور بعد از اسلام کی زندگی کا موازنہ ہو جاتا ہے۔

''اے بادشاہ! ہم بتوں کی پوجا کرتے تھے، مردار کھاتے، بیہودہ باتیں بکتے، آدمیت اور انسانیت سے ہمیں واسطہ نہ تھا کسی قاعدہ قانون کو نہیں جانتے تھے، اللہ تعالیٰ نے ہم میں ایک برگزیدہ انسان پیدا کیا، جس کی دیانت اور صداقت کا ہم سب کو علم ہے اور جس کا تقویٰ اور طہارت ہمارے سامنے ہے، جو نسب کے اعتبار سے ممتاز ہے اس نے ہمیں اللہ کی وحدانیت کا سبق دیا اور بتایا کہ اللہ کا کوئی شریک نہیں ہے، اس نے ہمیں لکڑی اور پتھر کی پرستش سے منع فرمایا سچ بولنے اور ایفائے عہد کی ہدایت کی اور جملہ برائیوں سے بچنے کو کہا۔ وہ ہم سے نماز پڑھواتا ہے، روزے رکھواتا ہے، صدقہ دلواتا ہے، ہمارے اعزہ واقرباء اور ہم وطن اس کی ان باتوں سے خفا ہیں انہیں اصرار ہے کہ جہالت و گمراہی میں مبتلا رہو، بتوں کو پوجے جاؤ اللہ واحد کی عبادت مت کرو، صرف اصرار نہیں ہے، یہ ہمارے پیچھے پڑ گئے ہیں، ہم نے ان کے ہاتھوں بڑی تکلیفیں جھیلی ہیں اور تنگ آ کر وطن سے بے وطن ہوئے ہیں اور یہاں پناہ لینے آئے ہیں۔'' (حیات سرور کائنات، ملا واحدی)

Marfat.com

یہ محض لفاظی ہی نہیں بلکہ حقیقت ہے کہ اسلام زندگی کا ڈھانچہ یکسر بدل دیتا ہے، وہ اسے قعرِ مذلت سے نکال کر اوج ثریا پر لے جاتا ہے، وہ اسے پاکیزگی اور تابندگی عطا کرتا ہے...... اس دین حق میں نہ صرف حقوق اللہ بلکہ حقوق العباد کی بھی زبردست نگہداشت ہوتی ہے، اگر صوم وصلوۃ کی پابندی کا حکم ہو رہا ہے تو ساتھ ہی عزیز واقارب سے حسن سلوک کا درس بھی دیا جا رہا ہے، اگر حج اور زکوٰۃ کی ادائیگی کا بیان ہو رہا ہے تو غربا و مساکین کی خدمت کرنے کی نصیحت بھی کی جا رہی ہے، اس کے ساتھ ساتھ تقویٰ وطہارت اختیار کرنے اور عدل وانصاف قائم کرنے کی ہدایات بھی دی جا رہی ہیں، بہرحال بندہ مومن کی زندگی سراپا حسن وجمال کا مرقع ہوتی ہے۔

اس کی امیدیں قلیل ، اس کے مقاصد جلیل
اس کی ادا دلفریب ، اس کی نگاہ دلنواز

خود رسول اللہ ﷺ کی حیات طیبہ پر نگاہ ڈالیے تو وہ اسلامی تعلیمات کی جیتی جاگتی تصویر معلوم ہوگی، ادھر نماز کے لئے رب کائنات کے حضور جبین نیاز خم ہے تو ادھر نماز سے فراغت کے بعد خدمت خلق میں مصروف ہیں...... گھر تشریف لے جاتے ہیں تو اہل خانہ کے ساتھ گھر کے کام کاج میں ہاتھ بٹاتے ہیں، ادھر دعوت وتبلیغ کا کام پورے جوش وخروش، لگن اور تڑپ سے ہو رہا ہے تو ادھر بیواؤں اور یتیموں کی خدمت ہمہ تن سوز سے جاری وساری ہے، بیماروں کی تیمارداری ہو رہی ہے تو غریبوں اور مسکینوں کی اعانت بھی کی جا رہی ہے، عدل وانصاف اس طرح قائم کیا جاتا ہے کہ اپنے اور پرائے، دوست اور دشمن انصاف کے کٹہرے میں برابر ہیں...... پڑوسیوں کی خدمت ہے' مہمانوں کی میزبانی ہے، بڑوں کا ادب ہے، چھوٹوں پر شفقت ہے، راتوں کو عبادت ہے اور دن کے وقت اللہ کی راہ میں جہاد ہے، زندگی کیا ہے، سدا پھولوں کی طرح مہکتی ہے اور اس کا ہر لمحہ رب عظیم کے لئے وقف ہے۔

قُلْ اِنَّ صَلَاتِیْ وَ نُسُکِیْ وَ مَحْیَایَ وَ مَمَاتِیْ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ (الانعام:۱۶۲)

کہہ دیجیے کہ میری نماز اور میری بندگی، میرا جینا اور میرا مرنا سب اللہ رب العالمین کے لئے ہے۔

یہ ہے ہمہ گیر، صالح زندگی کا نمونہ جو اسلام پیش کرتا ہے اور مثالی اسلامی معاشرہ انہی خطوط پر قائم ہو سکتا ہے۔

اب ذرا معاشرہ پر نظر دوڑایئے...... پاکستان میں غالب اکثریت مسلمانوں کی ہے اور یہاں

Marfat.com

کے حکمران بھی مسلمان ہیں ..... حصول وطن کا اولین مقصد ہی اسلامی زندگی اختیار کرنا تھا تا کہ تجارت، زراعت، معاشرت اور سیاست تمام کے تمام شعبہ ہائے زندگی اسلام کے پاکیزہ اصولوں کے مطابق چلیں اور پاکستان گہوارہ امن بن جائے..... جہاں ہر شخص کی عزت و آبرو محفوظ اور ہر شخص کو بلا معاوضہ عدل وانصاف ملے ہر شخص امن اور سکھ کی نیند لے۔

مگر افسوس اور صد افسوس ہم نے زندگی کو ذلت و پستی کی اس قدر اتھاہ گہرائیوں میں پھینک دیا ہے کہ اس کی کوئی چول بھی سیدھی نہ رہی اونٹ کے متعلق محاورہ زبان زد عام ہے، ''اونٹ رے اونٹ تری کون سی کل سیدھی'' اونٹ کی تو شاید تلاش کرنے سے کہیں کوئی کل سیدھی مل ہی جائے مگر ہماری زندگی کا کوئی رخ سیدھا نظر نہیں آتا ہے..... ہر طرف دھوکہ فریب، لوٹ مار، اغوا، رشوت، چوری ڈکیتی، قتل وغارت، دن دیہاڑے عزتیں اور عصمتیں لٹنا اور کونسی برائی ایسی ہے جو پاکستانی معاشرے میں نہیں پائی جاتی ہے۔ ہماری معاشرتی زندگی میں اس قدر تعفن اور بدبو اٹھ رہی ہے کہ ایک سادہ دل' نیک انسان کے لئے یہ ماحول سوہان روح بن چکا ہے اور اس کا جینا محال ہو گیا ہے۔

خداوندا یہ تیرے سادہ دل بندے کدھر جائیں
کہ درویشی بھی عیاری ہے سلطانی بھی عیاری

ادھر ہماری بدنصیبی کا حال یہ ہے کہ دین کے چاہنے والے بھی آپس میں کٹے پھٹے ہوئے ہیں جس سے خیر و برکت کے تمام دروازے ہمارے اوپر بند ہیں اور ہم اللہ تعالیٰ کی رحمت سے کہیں دور جا پڑے ہیں، ان تیرہ و تاریک حالات میں اسلام کی پاکیزہ اور روشن تعلیمات پھر رحمت کا پیغام بن کر ہمارے دلوں پر دستک دیتی ہے، اور ہماری نجات صرف اور صرف اس بات میں ہے کہ اپنی تمام خواہشات نفسانی، ہٹ دھرمیوں، رنجشوں اور کدورتوں کو ختم کر کے قرآن و سنت کی پاکیزہ تعلیمات ہی کو اپنے لئے کافی وشافی سمجھیں اور انہیں حرز جاں بنائیں، بھلا اللہ تعالیٰ کی یہ واضح ہدایت چھوڑ کر ہم کہاں بھٹک رہے ہیں۔

وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّ لَا تَفَرَّقُوْا (ال عمران:۱۰۳) ''اور تم سب مل کر اللہ کی رسی (قرآن حکیم) کو مضبوطی سے پکڑے رکھو (اس کی تعلیمات پر عمل پیرا ہو جاؤ) اور آپس میں پھوٹ نہ ڈالو''

Marfat.com

یادرکھیے، دین کو قائم کرنے کے لئے اتفاق واتحاد ایسا ہی ضروری ہے جیسا کہ زندگی کے لئے ہوا اور غذا کی ضرورت ہے۔

شَرَعَ لَكُمْ مِّنَ الدِّيْنِ مَا وَصّٰى بِهٖ نُوْحًا وَّالَّذِيْٓ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ وَمَا وَصَّيْنَا بِهٖٓ اِبْرٰهِيْمَ وَ مُوْسٰى وَ عِيْسٰٓى اَنْ اَقِيْمُوا الدِّيْنَ وَلَا تَتَفَرَّقُوْا فِيْهِ (الشوریٰ:۱۳) ''اس نے تمہارے دین کا وہی راستہ مقرر کیا ہے جس کو اختیار کرنے کا نوح علیہ السلام کو حکم دیا تھا اور جس کی (اے محمدؐ) ہم نے تمہاری طرف وحی بھیجی ہے اور جس کا ابراہیمؑ، موسیٰؑ اور عیسیٰؑ کو حکم دیا تھا اور وہ یہ کہ دین کو قائم رکھنا اور اس میں پھوٹ نہ ڈالنا۔''

اتنی روشن تعلیمات ملنے کے بعد بھی ہم اختلافات کا شکار ہیں...... ہم کب تک جاہلیت کے اس نظام کو قبول کیے رکھیں گے، کب تک ظالم دندناتے اور مظلوم پستے رہیں گے۔ زندگی تو انتہائی مختصر ہے، ہمارا حال یہ ہے کہ جیسے صدیوں زندہ رہنا ہے، مسلمان کو دنیا کے ہر حصہ میں یہود و نصاریٰ نقصان پہنچانے پر تلے ہوئے ہیں اور ہم آپس میں شقاق اور نفاق کا شکار ہیں۔

اگر ان نازک حالات میں اللہ تعالیٰ سے توبہ تلہ کر کے ہم نے اپنی راہ سیدھی نہ کی تو پھر یاد رکھیے قانون الٰہی اپنی جگہ مسلمہ اور سچا ہے۔

وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَلَا تَنَازَعُوْا فَتَفْشَلُوْا وَ تَذْهَبَ رِيْحُكُمْ (الانفال:۴۶)

''اللہ اور اس کے رسولؐ کے حکم پر چلو اور آپس میں جھگڑا اور فساد نہ کرو کہ (ایسا کرو گے تو) تم بزدل ہو جاؤ گے اور تمہارا اقبال جاتا رہے گا۔''

Marfat.com

Marfat.com

والدین کے ساتھ حسنِ سلوک

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک آدمی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور عرض کیا کہ اے اللہ کے رسولؐ! میرے اچھے برتاؤ کا سب سے زیادہ حقدار کون ہے؟ آپؐ نے فرمایا: 'تمہاری ماں' کہا پھر؟ فرمایا: 'تمہاری ماں' کہا پھر؟ فرمایا: 'تمہاری ماں' کہا پھر 'فرمایا: تمہارا باپ'۔ (متفق علیہ)

اس حدیث مبارک پر بار بار غور کرنے سے میں اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ بچوں کو پالنے پوسنے، ان کی تعلیم و تربیت اور دیکھ بھال میں ماں کی خدمات و احسانات باپ سے کہیں زیادہ، محنت و مشقت طلب، ایثار و قربانی سے بھرپور اور الفت و محبت سے لبریز ہیں، اس لئے ماں کے ساتھ احسان و مروت کے درجات بھی بڑھ گئے ہیں، مگر اس کے ساتھ ساتھ باپ سے نیک برتاؤ کو بھی کسی طرح نظر انداز نہیں کیا گیا ہے۔

اسلام کی تعلیمات کے دو اہم شعبے ہیں۔ حقوق اللہ اور حقوق العباد، مثلاً صوم و صلوٰۃ کی پابندی اور ان کی خشوع و خضوع سے ادائیگی اللہ تعالیٰ کے حقوق ہیں تو لوگوں کے ساتھ نیک برتاؤ اور حسن سلوک بندوں کے حقوق ہیں۔ کوئی شخص اگر صبح شام مسجد میں بیٹھ کر ذکر و اذکار میں مشغول رہے اور اہل خانہ بھوک سے نڈھال رہیں تو اس کی یہ عبادت اللہ تعالیٰ کے ہاں قبول نہ ہوگی، خوبی یہ ہے کہ وقت پر نمازیں بھی ادا کی جائیں اور نمازوں سے فارغ ہو کر اہل خانہ کیلئے رزق حلال کی تلاش بھی کی جائے۔ حج اور زکوٰۃ کا فریضہ ادا کیا جائے تو بیواؤں، یتامی، مساکین اور فقراء کی خدمت بھی کی جائے۔ اسے خوبصورت زندگی (an ideal life) کہتے ہیں۔

حقوق العباد میں سرفہرست والدین کا حق ہے، ارشاد ہوتا ہے:

لَا تَعْبُدُوْنَ اِلَّا اللّٰهَ ، وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا (البقرہ:۸۳) ''تم لوگ اللہ تعالیٰ کے سوا

کسی کی عبادت نہ کرو اور والدین سے احسان کرو"۔

ایک دوسرے مقام پر ارشاد ہوا:

وَاعْبُدُوا اللّٰهَ وَلَا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْئًا وَّ بِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا (النساء:۳۶) "اور اللہ کی عبادت کرو اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ بناؤ اور والدین سے اچھا سلوک کیا کرو"۔

اسلام کی بلند اور پاکیزہ تعلیمات نے والدین کے ساتھ حسن مروت کی ہر حال میں تلقین کی ہے یہاں تک کہ اپنے ایمان وعقیدہ کو مضبوط رکھتے ہوئے غیر مسلم والدین سے بھی خیر و بھلائی سے پیش آنے کی نصیحت کی جارہی ہے۔

وَاِنْ جَاهَدٰكَ عَلٰٓى اَنْ تُشْرِكَ بِىْ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ فَلَا تُطِعْهُمَا وَصَاحِبْهُمَا فِى الدُّنْيَا مَعْرُوْفًا وَّ اتَّبِعْ سَبِيْلَ مَنْ اَنَابَ اِلَىَّ (لقمٰن:۱۵) "اور اگر وہ (یعنی تمہارے والدین) تجھ پر دباؤ ڈالیں کہ تو میرے ساتھ شریک کرے جس کا تجھے علم نہیں، تو (اپنے اسلام اور ایمان پر قائم رہنا) اور ان کا کہنا نہ ماننا، البتہ دنیوی معاملات میں ان سے بھلائی کے ساتھ رفاقت کرنا مگر اتباع اس شخص کی راہ کی کرنا جس نے میری طرف رجوع کیا"۔

معلوم ہوا کہ عقیدہ اور ایمان ایسا مضبوط سہارا ہے جس پر بندہ مومن کسی لمحہ اور کسی آن کوئی آنچ آنے نہیں دیتا ہے، وہ سب کو چھوڑ سکتا ہے سب سے روٹھ سکتا ہے، مگر اپنے رب کی بندگی کو کبھی نہیں چھوڑ سکتا ہے۔ انسان کی زندگی میں بڑھاپا، کمزوری و ناتوانی کا دور ہے، اس وقت اس کے اعضاء سست اور مضمحل ہو جاتے ہیں اور وہ کام کاج کے اہل نہیں رہتا ہے۔ کسمپرسی کے ان لمحات میں وہ آرام وسکون چاہتا ہے، وہ آرزومند ہوتا ہے کہ کوئی اس کا سہارا بنے، اسے تسلی اور تشفی دے، وہ اگر بیمار پڑ جائے تو اس کی تیمارداری کیلئے کوئی موجود ہو، ضعف و پیری کے ان اوقات میں رب العالمین اپنے بندوں کو حکم دیتا ہے:

اِمَّا يَبْلُغَنَّ عِنْدَكَ الْكِبَرَ اَحَدُهُمَآ اَوْ كِلٰهُمَا فَلَا تَقُلْ لَّهُمَآ اُفٍّ وَّلَا تَنْهَرْهُمَا وَ قُلْ لَّهُمَا قَوْلًا كَرِيْمًا (۲۳) وَاخْفِضْ لَهُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ مِنَ الرَّحْمَةِ وَ قُلْ رَّبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيٰنِىْ صَغِيْرًا (۲۴) [بنی اسرائیل]

"اگر (تمہارے والدین میں سے) کوئی ایک یا دونوں تمہارے سامنے بڑھاپے کو پہنچ جائیں تو انہیں اف تک نہ کہو، نہ ہی انہیں جھڑکو اور ان سے ادب سے بات کرو، اور ان پر رحم کرتے

Marfat.com

ہوئے انکساری وخاکساری سے پیش آؤ اور ان کے لئے (ہمیشہ) دعا گو رہو "رب! ان پر رحم فرما جیسے (رحمت وشفقت) سے انہوں نے بچپنے میں مجھے پالا پوسا تھا۔"

سبحان اللہ! رب کریم کی بے پایاں رحمتوں اور بخششوں کا کون اندازہ لگا سکتا ہے! اس کے کلام کے حسن و جمال کو کون پہنچ سکتا ہے، مندرجہ بالا عربی عبارت کو مکرر پڑھئے تو ہر بار آپ نئی چاشنی سے آشنا ہوں گے، دنیا کی کوئی تہذیب اور کلچر، کوئی مذہب اور ازم اسلام کے پیش کردہ اخلاقیات کی گرد کو بھی نہیں پہنچ سکتا، ذرا اس حدیث مبارک پر غور کیجئے۔

حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے، انہوں نے کہا، کسی مسلمان کے اگر ماں باپ زندہ ہیں اور وہ صبح کے وقت ان کی خیریت دریافت کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے لئے جنت کے دو دروازے کھول دیتا ہے، اگر والدین میں سے ایک ہی ہے تو ایک دروازہ اور اگر اس نے والدین میں سے کسی کو ناراض کر دیا تو اللہ اس شخص سے اس وقت تک راضی نہ ہوگا جب تک کہ وہ راضی نہ ہو جائیں، ابن عباسؓ سے کہا گیا کہ اگر ماں باپ ظلم کریں، جب بھی، کہا، ظلم کریں جب بھی (الادب المفرد-امام بخاریؒ باب بر والدیه و ان ظلما)

اس سے بھی عجیب وغریب یہ حدیث ہے۔

طیسلہ بن میاس کہتے ہیں کہ میں جنگ میں تھا، وہاں بعض گناہ سرزد ہوئے جو مجھے گناہ کبیرہ ہی معلوم ہوتے تھے، میں نے ابن عمرؓ سے ان کا ذکر کیا، تو انہوں نے مجھ سے پوچھا کہ وہ گناہ کیا ہیں؟ میں نے عرض کیا یہ یہ ہیں، فرمایا یہ تو گناہ کبیرہ نہیں ہیں، گناہ کبیرہ تو نو ہیں..... شرک، ناحق قتل، جہاد سے فرار، قذف محسنہ (شریف عورت پر بدکاری کی تہمت لگانا) سود خوری، مال یتیم کھانا، مسجد میں الحاد پھیلانا، (دین کا) مذاق اڑانا اور والدین کا بیٹے کی نافرمانی کی وجہ سے رو پڑنا۔ پھر ابن عمرؓ نے اس شخص سے پوچھا "کیا تم جہنم سے ڈرتے ہو؟ اور چاہتے ہو کہ جنت میں جاؤ؟ کہا، اللہ کی قسم یہی چاہتا ہوں۔ پوچھا، "کیا تمہارے والدین زندہ ہیں؟" جواب دیا کہ والدہ ہیں، کہا اللہ کی قسم اگر تم اس سے نرمی سے باتیں کرو اور اس کو کھلاؤ تو جنت میں ضرور جاؤ گے، بشرطیکہ گناہ کبیرہ سے اجتناب کرو۔

آپ قرآنی آیات پر غور کریں تو معلوم ہوگا کہ اللہ تعالیٰ نے ماں کی تکلیف اور پریشانی کا اپنی کتاب مبین میں الگ ذکر فرمایا ہے۔ ایک جگہ فرمایا:

Marfat.com

وَ وَصَّيْنَا الْإِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ ج حَمَلَتْهُ أُمُّهُ وَهْنًا عَلٰى وَهْنٍ وَّ فِصٰلُهُ فِيْ عَامَيْنِ اَنِ اشْكُرْلِيْ وَلِوَالِدَيْكَ ط اِلَيَّ الْمَصِيْرُ (لقمن:۱۴)

''اور ہم نے انسان کو اپنے والدین سے (حسن سلوک کا) تاکیدی حکم دیا اس کی ماں نے کمزوری سہتے ہوئے اسے اٹھائے رکھا اور دو سال اس کے دودھ چھڑانے میں لگے، لہٰذا میرا شکر ادا کرو اور اپنے والدین کا بھی (بالآخر) میرے پاس ہی لوٹ آنا ہے''۔

ایک دوسرے مقام پر اس طرح فرمایا:

وَوَصَّيْنَا الْإِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ اِحْسٰنًا ط حَمَلَتْهُ اُمُّهُ كُرْهًا وَّ وَضَعَتْهُ كُرْهًا ط وَحَمْلُهُ وَ فِصٰلُهُ ثَلٰثُوْنَ شَهْرًا (الاحقاف:۱۵)

''ہم نے انسان کو حکم دیا کہ وہ اپنے والدین سے اچھا سلوک کرے، اس کی ماں نے مشقت سے اسے پیٹ میں رکھا اور مشقت سے جنا، اس کے اٹھانے اور دودھ چھڑانے میں تیس ماہ لگے''۔

اس بے مثال ایثار و قربانی اور تکلیف و مشقت کی وجہ سے ماں کا مرتبہ اور اجر باپ کی نسبت کہیں بڑھ گیا ہے۔ اس لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''اَلْجَنَّةُ تَحْتَ اَقْدَامِ اُمَّهَاتِكُم''

جنت تمہاری ماؤں کے قدموں کے نیچے ہے۔

(مشکوۃ المصابیح بحوالہ احمد و نسائی، کتاب الآداب، سیرت النبی جلد ششم)

مقصود اس سے یہ ہے کہ اپنی ماؤں کی خدمت کرلو اور جنت لے لو۔

ذرا ٹھنڈے دل و دماغ سے ماں باپ کی خدمات پر غور کریں خصوصاً ماں کی قربانیوں کا جائزہ لیں کہ اس بیچاری نے سردی اور گرمی کی راتیں بچوں کی خاطر کس فکر اور دردمندی سے گزاری ہیں اور خود بے آرام ہو کر بھی بچوں کو آرام دیا ہے۔

ماں کو آرام کی کہاں فرصت
سوئی بے ڈھب تو آ گئی شامت
کپڑے لتوں کی ہو گئی کیا گت
ہے بچھونا بھی تربتر لت پت

Marfat.com

صبح اٹھ کر کھنگالتی ہے تمام
جاڑے پالے کا وقت اور یہ کام

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے ایک بار ایک یمنی کو دیکھا کہ اپنی پیٹھ پر ماں کو لئے ہوئے طواف کعبہ کررہا ہے اور زبان پر یہ شعر جاری ہیں۔

اِنّـی لَهَـا بَـعِـیـرُهَـا الْـمُـذَلَّـلُ
اِنْ اُذْعِـرَتْ رِکَـابُـهَـا لَـمْ اُذْعَـرُ

میں اس کے لئے (اپنی ماں کیلئے) ایک سواری کا اونٹ ہوں، جب سواروں کو ڈرایا جائے تو میں نہیں ڈرتا۔

پھر انہوں نے ابن عمرؓ سے مخاطب ہو کر پوچھا، کیا میں نے ماں کا بدلہ دے دیا؟

ابن عمرؓ نے جواب دیا، "وَلَا بِزَفْرَةٍ وَاحِدَةٍ" نہیں، اس کی ایک آہ کا بدلہ بھی نہ ہوا۔

(الادب المفرد، باب جزاء الوالدین)

ماں باپ اور خصوصاً ماں وہ قیمتی موتی ہے جس کا کوئی بدل نہیں ہے، اس کا احساس اس وقت ہوتا ہے جب یہ موتی چھن جاتا ہے شاعر وطن سے بے وطن تھا کہ ماں داغ مفارقت دے گئی، وہ شعر کی زبان میں اس طرح آنسو بہاتا ہے۔

کس کو اب ہوگا وطن میں آہ! میرا انتظار؟
کون میرا خط نہ آنے سے رہے گا بے قرار؟
خاک مرقد پر تیری لیکر یہ فریاد آؤں گا
اب دعائے نیم شب میں کس کو میں یاد آؤں گا
تربیت سے تیری میں انجم کا ہم قسمت ہوا
گھر مرے اجداد کا سرمایۂ عزت ہوا
دفتر ہستی میں تھی زریں ورق تیری حیات
تھی سراپا دین و دنیا کا سبق تیری حیات
عمر بھر تیری محبت مری خدمت گر رہی
میں تری خدمت کے قابل جب ہوا تو چل بسی

Marfat.com

عاجز کی نظر جب بھی ان اشعار پر پڑتی ہے تو آنسوؤں کی جھڑی لگ جاتی ہے اور بے اختیار والدہ کی یاد ستانے لگتی ہے، میں نے یہ مضمون خصوصاً زمانہ حاضر کے نوجوانوں کیلئے زیب قرطاس کیا ہے، سکولوں، کالجوں اور یونیورسٹیوں میں تعلیم حاصل کرنے والے اکثر نوجوان، لڑکے اور لڑکیاں عقل وخرد سے عاری، اخلاق وادب سے فارغ، اپنے ماں باپ کے سامنے گستاخ اور منہ پھٹ دکھائی دیتے ہیں، اس میں کس کا قصور ہے؟ والدین حکومت، ماحول، ناقص تعلیم وتربیت، فضول اور غلط ذرائع ابلاغ سب شامل ہیں۔ ہمارا نظام تعلیم انگریز کا چھوڑا ہوا ہے جو دور غلامی کی یاد دلاتا ہے اسے بدلنے کی آج تک کوشش نہیں کی گئی ہے بلکہ کالجوں اور یونیورسٹیوں میں مخلوط تعلیم نے کئی خرابیاں پیدا کی ہیں اور نوجوانوں کو بے حیائی کے دلدل میں پھنسا دیا ہے۔ پھر ذرائع ابلاغ میں، ٹی وی کی عریانی اور بیہودہ ڈائجسٹوں کی بھرمار نے رہی سہی کسر پوری کر دی ہے، ادھر دیندار لوگوں نے آپس کی تفرقہ بازیوں اور پھوٹ سے نیکی کی قوت کو مضبوط نہیں بنایا ہے اور نظام جاہلیت کو پھیلنے پھولنے کا موقع دیا ہے جو ناقابل معافی جرم ہے اور ابھی تک آپس میں کٹے پھٹے ہوئے ہیں۔ ذرا بتلائیے کہ ہم رب کریم کے حضور کس طرح سرخرو ہو سکتے ہیں؟

Marfat.com

رشوت

عبداللہ بن عمروؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:
''اللہ تعالیٰ کی لعنت ہو رشوت دینے والے اور لینے والے پر۔''
''لَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الرَّاشِي وَالْمُرْتَشِي''

امام بخاریؒ اور امام مسلمؒ دونوں نے اس روایت کو نقل کیا ہے، جس سے اس کی صحت ثقہ ہو جاتی ہے، غور طلب بات یہ ہے کہ رشوت لینے دینے پر اس قدر وعید کیوں سنائی گئی ہے؟ لعنت کا لفظ عربی زبان میں بھلائی اور خیر سے دوری کے معنی میں استعمال ہوتا ہے، شیطان کو لعین اس وجہ سے کہا جاتا ہے کہ وہ نافرمانی اور سرکشی کے باعث اللہ تعالیٰ کی رحمت سے دور ہو گیا، یہ بات اچھی طرح سمجھ لیجئے کہ اسلام معاشرتی زندگی میں کسی بھی بگاڑ اور فساد کو پسند نہیں کرتا ہے اور رشوت کو اس لئے ناپسند کیا گیا ہے کہ معاشرتی زندگی کا امن وسکون تہ وبالا ہو جاتا ہے، رشوت کے معنی یہ ہیں کہ کوئی شخص اپنی باطل غرض اور ناحق مطالبہ کے پورا کرنے کے لئے کسی ذی اختیار یا کارپرداز شخص کو کچھ دے دلا کر اپنے موافق کرے، معاشرے میں اس برائی کے پھیلتے ہی دوسروں کی حق تلفیاں شروع ہو جاتی ہیں۔ اس بات کو اپنے معاشرے کی مثالوں سے واضح کرتے ہیں، بجلی کے نئے کنکشن کیلئے کسی شخص نے آج درخواست دی ہے، اصولی طور پر اس کی باری بیس دن بعد آتی ہے، مگر متعلقہ آفیسر کو مال دے دلا کر وہ دوسرے دن ہی کنکشن حاصل کر لیتا ہے، اس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ اس آفیسر کو مال مفت ہاتھ لگنے سے روپے پیسے کی ایسی چاٹ پڑ جاتی ہے کہ اس کے بغیر وہ کوئی کام نہیں کرتا، اس طرح ایک غریب انسان جو عسرت کی زندگی گزار رہا ہے اور جس کے پاس کنکشن کی اصل رقم ادا کرنا ہی مشکل ہو رہا ہے، وہ متعلقہ آفیسر کو رشوت دینے کے لئے مال کہاں سے لائے؟ نتیجتاً اس کا کام رکا رہتا ہے، وہ متعلقہ دفتر میں بار بار چکر لگاتا ہے مگر کام بنتا نظر نہیں

Marfat.com

آتا، امیر آدمی نے آفیسر کو رشوت دے کر اور آفیسر نے رشوت لے کر غریب انسانوں کے لئے پریشانی اور مشکلات پیدا کر دی ہیں، اگر وہ رشوت نہ دیتا یا آفیسر اتنا اصول پسند ہوتا کہ قاعدہ اور قانون کے مطابق چلتا تو اس سے دوسروں کے لئے کتنی آسانی پیدا ہو جاتی، تھوڑا سا غور کیجئے تو رشوت دینے اور لینے والے دونوں مجرم ٹھہرتے ہیں اور آخرت کی سزا سے پہلے دنیا میں بھی انہیں سزا ملنی چاہئے مگر ملک کے قانون میں کمزوری اور سقم کی وجہ سے ایسا نہیں ہوتا ہے۔

آپ سرکاری ملازم ہیں، آپ کی تنخواہ کے بقایا جات کا بل شعبہ حساب میں رکا ہوا ہے اور وہ پاس نہیں ہو رہا ہے، آپ کے کسی بچے کی شادی ہونے والی ہے، جس کے لئے آپ کو رقم کی شدت سے ضرورت ہے، کلرک لوگ آپ کو خواہ مخواہ پریشان کرتے ہیں، ہاں انہیں کوئی مناسب رقم تھما دیں تو بل پاس ہو جاتا ہے ورنہ آپ آخر دم تک پریشان رہتے ہیں، اس رشوت سے کیسے بچا جا سکتا تھا؟ کاش قانون کی بالا دستی ہوتی!

آپ ویگن میں سفر کر رہے ہیں، ڈرائیور نے کسی چوراہے پر قانون شکنی کی ہے اور وہ پولیس مین کی زد میں آچکا ہے، قانون کے مطابق اُس کا چالان ضروری ہے، مگر چند منٹ میں ہی ڈرائیور مسکراتا ہوا واپس آجاتا ہے اور بڑے مزے سے گاڑی سٹارٹ کر کے یہ جا وہ جا، یوں محسوس ہوتا ہے کہ چند روپوں نے پولیس مین کی مٹھی گرم کر دی ہے اور قانون بے اثر ہو چکا ہے!

آپ کے مکان کے سامنے میدان یا پارک ہے جہاں آپ کے پڑوس میں سے کسی نے شادی بیاہ کے لئے شامیانے لگوائے ہیں، یقیناً اسے ایسا کرنے کا حق ہے، اس نے بجلی کے قمقموں سے اس جگہ کو بقعہ نور بنا دیا ہے، اگرچہ یہ قومی دولت کا نقصان ہے اور اخلاقی جرم ہے تاہم قابل برداشت ہے، اب اس نے میدان کے چاروں کونوں میں سپیکر نصب کروا دیے ہیں اور اس میں فلمی گانوں کی پورے زور و شور سے ریکارڈنگ جاری ہے جو رات بھر جاری رہتی ہے جس سے مریض پریشان اور طالب علم حیران! اگرچہ قانون نے اس شخص کو ایسا کرنے کی اجازت نہیں دی ہے، مگر کیا کیجئے روپے پیسے کی بدولت اس نے پولیس کو راضی کر لیا ہے، قانون کی کوئی وقعت نہ رہی!

یہ وہ باتیں ہیں جو میرے اور آپ کے مشاہدہ میں روزمرہ آتی رہتی ہیں، اور ہمارے ملک میں یہ روگ اتنی وسعت کے ساتھ پھیل چکا ہے کہ شاذ و نادر ہی کوئی محکمہ اس وبا کی لپیٹ سے بچا ہوا نظر آتا ہے۔ جدھر نکل جائیں خالی جیب جانا بہت بڑا گناہ ہے، اگر جیب میں کچھ ہے تو کام بن جائے گا

Marfat.com

وگرنہ ہاتھ ملتے ہی واپس لوٹ آیئے یہاں تک کہ عدلیہ جیسا محکمہ بھی اس مرض سے محفوظ نظر نہیں آتا۔

اسلام سے قبل بھی یہ وبا عام تھی، یہود جنہیں اہل کتاب ہونے کا دعویٰ تھا، دولت وثروت نے ان میں اونچے نیچے طبقے قائم کردیے تھے۔قانون کی زد سے بچنے کے لئے ان کے امراء علانیہ رشوت دیتے اوران کے جج یا قاضی علانیہ رشوت لیتے تھے اور ایک کا حق دوسرے کو دلا دیتے تھے، چنانچہ تورات کے قوانین میں تحریف کا ایک بڑا سبب یہی رشوت خوری تھا جس کا قرآن ان الفاظ میں ذکر کرتا ہے۔

اِنَّ الَّذِیْنَ یَکْتُمُوْنَ مَآ اَنْزَلَ اللّٰہُ مِنَ الْکِتٰبِ وَیَشْتَرُوْنَ بِہٖ ثَمَنًا قَلِیْلًا، اُولٰٓئِکَ مَا یَاْکُلُوْنَ فِیْ بُطُوْنِہِمْ اِلَّا النَّارَ وَلَا یُکَلِّمُہُمُ اللّٰہُ یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ وَلَا یُزَکِّیْہِمْ، وَلَہُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ (البقرہ:۱۷۴)

''جولوگ ان احکام کو جو اللہ نے اپنی کتاب (تورات) میں نازل کئے ہیں چھپاتے ہیں اور اس کے معاوضہ میں (دنیا) کی متاع قلیل خریدتے ہیں تو (یقین کرو) وہ لوگ ہیں جو اپنے پیٹ آگ سے بھر رہے ہیں، اور قیامت کے روز، اللہ ان سے نہ کلام کرے گا اور نہ ان کو (گناہوں سے) پاک کرے گا اوران کے لئے دردناک عذاب ہے۔''

دوسری جگہ ان کے بارے میں فرمایا!

سَمّٰعُوْنَ لِلْکَذِبِ اَکّٰلُوْنَ لِلسُّحْتِ (المائدہ:۴۲)

''جھوٹ کے بڑے سننے والے اور حرام (ناجائز) جی بھر کے کھانے والے۔'' ''سمّٰعون'' اور اکّٰلون دونوں مبالغہ کے صیغے ہیں یعنی ان میں یہ رذائل کوٹ کوٹ کر بھرے ہوئے ہیں۔

سورۃ مائدہ میں ہی ان کی حرام خوری کا ذکر اس طرح بھی آیا ہے

وَتَرٰی کَثِیْرًا مِّنْہُمْ یُسَارِعُوْنَ فِی الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ وَ اَکْلِہِمُ السُّحْتَ ط لَبِئْسَ مَا کَانُوْا یَعْمَلُوْنَ (۶۲) لَوْلَا یَنْہٰہُمُ الرَّبّٰنِیُّوْنَ وَالْاَحْبَارُ عَنْ قَوْلِہِمُ الْاِثْمَ وَاَکْلِہِمُ السُّحْتَ ط لَبِئْسَ مَا کَانُوْا یَعْمَلُوْنَ (۶۳)[المائدہ]

''ان میں سے اکثر کو آپ دیکھیں گے کہ گناہ اور زیادتی کے کاموں اور حرام خوری میں تگ ودو کرتے پھرتے ہیں اوران کے یہ افعال بہت بڑے ہیں، ان کے مشائخ اور علماء ان یہود کو گناہ پر زبان کھولنے اور حرام کھانے سے کیوں نہیں روکتے؟ بہت برا ہے جو یہ لوگ کررہے ہیں۔''

Marfat.com

اس آیہ مبارکہ سے واضح ہو رہا ہے کہ ہر برائی اور ہر بے حیائی کی روک تھام کے لئے علماء و مشائخ کا فرض بنتا ہے کہ وہ لوگوں کو سمجھائیں بجھائیں، بڑے شدومد سے اس کے خلاف آواز اٹھائیں نفرت کا اظہار کریں اور اگر اسلامی حکومت ہو تو وہ قانون اور قوت کے ذریعہ اسے دبائے مگر افسوس کہ پاکستان میں نہ تو علماء و مشائخ کی کوئی قوت بن سکی اور نہ ہی ٹھوس بنیاد پر کوئی اسلامی حکومت ہی قائم ہو سکی۔ اس میں ہماری دھڑے بندیوں کا قصور ہے، کاش کہ ہم سمجھ سے کام لیں۔ غور کریں تو یہاں ہر طرف برائیاں اکاس بیل کی طرح پھیلی ہوئی ہیں جنہیں ہم صبح و شام اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں، کیا ہماری نجات اللہ کے ہاں ہو جائے گی؟

شریعت محمدیؐ نے نظام حق کو پھر سے جاری کیا اور رشوت پر ضرب کاری لگاتے ہوئے یہ اعلان فرمایا!

وَلَا تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ وَتُدْلُوْا بِهَآ اِلَى الْحُكَّامِ لِتَاْكُلُوْا فَرِيْقًا مِّنْ اَمْوَالِ النَّاسِ بِالْاِثْمِ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ (بقرہ:۱۸۸) ''اور آپس میں ایک دوسرے کا مال باطل طریقوں سے نہ کھاؤ، نہ ہی ایسے مقدمات اس غرض سے حکام تک لے جاؤ کہ تم دوسروں کے مال کا کچھ حصہ ناحق طور پر ہضم کر جاؤ، حالانکہ حقیقت حال تمہیں معلوم ہوتی ہے۔''

اس آیت کا ایک مفہوم تو یہ ہے کہ حکام (وقت) کو رشوت دے کر ناجائز فائدہ حاصل کرنے کی کوشش نہ کرو، اور دوسرا مفہوم یہ ہے کہ یہ جانتے ہوئے کہ یہ مال دوسرے شخص کا ہے، اس کے خلاف جھوٹا مقدمہ عدالت میں نہ لے جاؤ، ہو سکتا ہے کہ حاکم عدالت روداد مقدمہ کی بنا پر مقدمہ کا فیصلہ تمہارے حق میں کر دے اور اس کا مال تمہیں دلوا دے مگر جو ناحق ہے وہ اللہ کے ہاں ناحق ہی ہے، نیز ایک مزید جرم حاکم عدالت کو فریب میں مبتلا کرنے کا بھی عائد ہوگا، اور اگر کسی نہ کسی طرح اس دنیا میں دھوکہ دے کر بچ نکلو گے تو آخرت کی عدالت میں خلاصی مشکل ہی نہیں ناممکن ہے اور وہاں کی رسوائی انتہائی ذلت آمیز ہے، مگر وہاں حسرت و افسوس کے علاوہ کچھ نہ ہوگا۔

جناب رسول اللہ ﷺ نے رشوت کا سختی سے قلع قمع فرمایا اور صحابہ کرامؓ نے اس پر عمل کر کے دکھا دیا، ذرا اس واقعہ پر غور فرمائیے!

خیبر کے یہودیوں سے زمین کے آدھوں آدھ پیداوار پر مصالحت ہوئی تھی، جب پیداوار کی تقسیم کا وقت آتا تو رسول اللہ ﷺ حضرت عبداللہ بن رواحہؓ کو بھیجتے، وہ دیانت و امانت سے

پیداوار کے دو حصے کر دیتے اور کہہ دیتے کہ ان دو میں سے جو چاہو لے لو، یہودیوں نے اپنے دستور کے مطابق ان کو بھی رشوت دینی چاہی، آپس میں چندہ کر کے اپنی عورتوں کے کچھ زیور اکٹھے کئے اور کہا کہ یہ قبول کرو اور اس کے بدلے تقسیم میں ہمارا حصہ بڑھا دو یہ سن کر عبداللہ بن رواحہؓ نے فرمایا ''اے یہودیو! اللہ کی قسم! تم اس کی ساری مخلوق میں مجھے مبغوض ہو، لیکن یہ بات مجھے تم پر ظلم کرنے پر آمادہ نہیں کر سکتی، اور جو تم نے رشوت پیش کی ہے وہ حرام ہے، ہم مسلمان اس کو نہیں کھاتے''۔ یہودیوں نے ان کی گفتگو سن کر کہا کہ ''یہی وہ انصاف ہے جس سے آسمان و زمین قائم ہیں۔'' [موطا امام مالک۔ کتاب المساقات]

اسی لئے رسول اللہ ﷺ نے عمال کو رعایا سے ہدیہ اور تحفہ قبول کرنے کی ممانعت فرمائی، ایک دفعہ ایک عامل نے آ کر کہا کہ یہ صدقہ کا مال ہے اور یہ مجھے ہدیہ ملا ہے، یہ سن کر رسول اللہ ﷺ نے منبر پر کھڑے ہو کر تقریر فرمائی، حمد و ثنا کے بعد ارشاد ہوا۔

''عامل کا کیا حال ہے کہ ہم اس کو بھیجتے ہیں تو آ کر کہتا ہے کہ یہ تمہارا ہے اور یہ میرا ہے، تو اپنے باپ یا ماں کے گھر میں بیٹھ کر نہیں دیکھتا کہ اس کو تحفے ملتے ہیں یا نہیں، قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے وہ اس میں سے جو لے جائے گا وہ قیامت میں اپنی گردن پر لاد کر لائے گا۔ اونٹ، بکری جو ہو، پھر آپؐ نے اپنے دونوں ہاتھ اٹھا کر تین بار فرمایا ''اے اللہ! میں نے (تیرا دین) پہنچا دیا۔'' [بخاری۔ بحوالہ سیرت النبی]

اس تقریر کو بار بار پڑھیے کہ اس کے الفاظ کس قدر حقیقت و صداقت سے لبریز ہیں اور یہاں کے انکم ٹیکس آفیسرز اور اس محکمہ کے تمام لوگوں کے لئے تازیانہ عبرت! ہمارا ملک کنگال کیوں ہوا ہے! اور ہم کیوں ہر سال غیروں کے سامنے جھولی پھیلاتے ہیں؟ اس لئے کہ حکومت اور عمال حکومت نے انصاف سے کام نہیں لیا ہے، خزانہ عامرہ کو مال مفت سمجھ کر دونوں ہاتھوں سے لوٹا ہے، اور غریب عوام کی زندگی اجیرن کر کے رکھ دی ہے، افسوس کہ آج تک ملک میں کوئی صالح نظام قائم نہ ہو سکا۔ مجھے تعجب اور حیرت ہے ان علماء پر جو الگ الگ سٹیج لگا کر یہ سب کچھ اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں! کیا اس طرح نظام خلافت کا خواب شرمندہ تعبیر ہو سکتا ہے؟

Marfat.com

طلبِ علم میں سفر

ابوالدرداءؓ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا کہ جس نے علم کی جستجو میں سفر کیا، اللہ تعالیٰ اس کے لئے جنت کی راہ کو آسان بنا دیتا ہے اور بے شک فرشتے ایسے طالب علم کے لئے اپنے پروں کو بچھا دیتے ہیں (اعزاز کے طور پر) اور اس کے پیش نظر محض اللہ تعالیٰ کی رضا ہوتی ہے، تو ایسے طالب علم کے لئے زمین وآسمان کی تمام مخلوق یہاں تک کہ سمندر کی مچھلیاں بھی مغفرت کی دعا کرتی ہیں، عالم کو عابد پر وہی فضیلت حاصل ہے جو بدرِ منیر کو تمام ستاروں پر (ریاض الصالحین۔کتاب العلم)

جنابِ سرورِ کائنات ﷺ کے اس ارشاد مبارک کو ہمارے سلف صالحین نے حرز جان بنایا، اس دور میں جب کہ سیر وسفر کی سہولتیں میسر نہ تھیں وہ تلاشِ علم میں مارے مارے پھرے، نورِ علم سے انہوں نے اپنی زندگیوں کو منور کیا اور اس روشنی کو چار دانگِ عالم میں پہنچایا، غور فرمایئے کہ وہ کیا عجیب دور تھا جب ایک طالب علم اپنا زادِ راہ لے کر پا پیادہ سفر کرتا، راستے کی مشکلات برداشت کرتا، استاد کے یہاں پہنچتا، نہ صرف علم کی روشنی سے بہرہ ور ہوتا بلکہ ان کی اطاعت وخدمت کی سعادت حاصل کر کے ان کی پر خلوص دعاؤں کے ساتھ گھر لوٹتا، اس کا علم حاصل کرنا خیر وبرکت کا باعث بنتا، وہ زندگی میں چمکتا پھلتا پھولتا، لوگ اس کے علم سے فیض یاب ہوتے، اس کی زندگی اس شمع کی سی ہوتی جس سے بھولے بھٹکے مسافر راہ یاب ہوتے اور وہ اپنی منزل کی طرف آگے بڑھتے، آیئے ان روشن ستاروں کی چند مثالیں دیکھیں۔

جب حافظ الحدیث حجاج بغدادی کے یہاں تحصیل علم کو جانے لگے تو ان کی مقدرت کی کل کائنات یہ تھی کہ ان کی دلسوز والدہ نے سو کلچے پکا دیے تھے، جن کو وہ ایک گھڑے میں بھر کر ساتھ لے گئے، روٹیاں مہربان ماں نے پکا دی تھیں، سالن ہونہار اور دلبر فرزند نے خود تجویز کر لیا اور اتنا

کثیر کہ آج تک صد ہا برس گزرنے کے بعد بھی ویسا ہی تروتازہ موجود ہے وہ کیا؟ دجلے کا پانی، حجاج ہر روز ایک روٹی دجلے کے پانی میں بھگو کر کھا لیتے اور استاد سے پڑھتے، جس روز روٹیاں ختم ہوگئیں ان کو استاد کا فیض بخش دروازہ چھوڑنا پڑا (علمائے سلف، حبیب الرحمٰن شیروانی)

میرا خیال ہے کہ اس ہونہار اور سعادت مند طالب علم نے استاد کے یہاں 100 دنوں میں نہ معلوم علم وادب کی کتنی منزلیں طے کی ہوں گی جو آج مہینوں بلکہ سالوں میں بھی طے کرنا مشکل ہے، اس طالبِ علم میں حصول علم کے لئے لگن اور تڑپ تھی، اس میں خلوص اور للّٰہیت تھی، اس میں طاعت اور وفاداری کا جذبہ تھا، پھر استاد کی دعائیں سونے پر سہاگہ تھیں۔

حافظ ابن طاہر مقدسی نے جتنے سفر طلبِ حدیث میں کیے ان میں کبھی انہوں نے سواری کا سہارا نہیں لیا، سواری اور باربرداری کا کام وہ اپنے ہی نفس سے لیتے تھے، سفر پیادہ پا کرتے تھے اور کتابوں کا پشتارا کمر پر ہوتا تھا، پیدل چلنے کی مشقت کبھی کبھی یہ رنگ لاتی کہ پیشاب میں خون آنے لگتا۔ (علمائے سلف)

اِمام بخاریؒ عربی نہیں، عجمی تھے، ان کا مولد ومسکن بخارا ایشیائی ترکستان میں واقع تھا، اللہ تعالیٰ نے نور ایمان سے سینہ منور کیا تو حصولِ علم کے لئے بغداد، بصرہ، خراسان، کوفہ، خوارزم، حجاز اور شام کا سفر کیا، اور ان علاقوں میں اس وقت کوئی محدث ایسا نہ تھا جس سے اِمام موصوف نے کچھ نہ کچھ اخذ نہ کیا، ان کے تمام شیوخ کی مجموعی تعداد ایک ہزار اسی ہے۔

(تذکرۃ المحدثین مطبوعہ، اعظم گڑھ)

پھر اس مردِ مومن نے جناب رسول اللہ ﷺ کی احادیث کو اتنی محنت ومشقت سے جمع کیا کہ قرآن حکیم کے بعد صحیح ترین کتاب "بخاری شریف" مشہور ہوئی اور اپنی علمی وجاہت وثقاہت کا عربوں سے بھی لوہا منوایا۔

ابوسعید اعمیٰ سے روایت ہے کہ حضرت ابوایوب انصاریؓ نے مدینے سے مصر کا سفر محض اس لئے اختیار کیا کہ حضرت عقبہ بن عامرؓ سے ایک حدیث سنی، چنانچہ وہ وہاں پہنچے تو عقبہؓ نے استقبال کیا، ابوسعید فرمانے لگے "میں ایک حدیث کے لئے آیا ہوں، جس کے سنانے والوں میں اب تمہارے سوا کوئی باقی نہیں۔" عقبہؓ نے حدیث سنائی کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "جس کسی نے مومن کی ایک برائی ڈھکی، قیامت کے روز اللہ تعالیٰ اس کی پردہ پوشی فرمائے گا۔" حضرت ابو

Marfat.com

ایوبؓ یہ حدیث سنتے ہی اپنے اونٹ کی طرف بڑھے، وہ سفر کے لئے تیار تھا، ایک لمحہ ٹھہرے بغیر مدینہ منورہ واپس چلے گئے۔ (العلم والعلماء۔ علامہ ابن عبدالبر)

حصولِ مقصد کے بعد ان کے لیے وہاں ٹھہرنا ممکن نہ تھا، اس سے بھی بڑھ کر قابل رشک یہ واقعہ ہے اسے توجہ سے پڑھئے!

''علامہ سید شریف کو اپنی طالب علمی کے زمانے میں ایک عجیب شوق پیدا ہوا کہ وہ کتاب ''شرح مطالع'' خود اس کے مصنف کی خدمت میں حاضر ہو کر پڑھیں، ''شرح مطالع'' کے مصنف اس وقت ہرات میں مقیم تھے اور سید شریف خراسان میں، اس زمانے میں سوائے پیدل سفر کرنے یا معمولی سواری پر سوار ہو کر چلنے کے اور کوئی دوسرا ذریعہ نہیں تھا، خراسان اور ہرات کے درمیان کا بیشتر حصہ پہاڑی اور دشوار گزار راستوں پر مشتمل تھا مگر جذب و شوق کی فراوانی اور طلب وجستجو کی کشمکش سید شریف کو نچلا نہیں بیٹھنے دیتی تھی۔ سامانِ سفر پشت پر لادا اور کشاں کشاں روانہ ہوئے، سفر کی مشکلات و مصائب برداشت کرتے ہوئے جب آپ خراسان پہنچے تو معلوم ہوا کہ شرح مطالع کے مصنف کا دماغ ضعف اور ناتوانی سے ماؤف ہو چکا ہے، اس کے باوجود ان سے ملاقات کی، اس کے شوق و جذبہ کو دیکھ کر شرح مطالع کے مصنف نے اس اولوالعزم طالب علم کو اپنے شاگرد مبارک شاہ کے پاس جانے کا مشورہ دیا جو اس وقت قاہرہ (مصر) میں مقیم تھے، خراسان سے ہرات اور پھر ہرات سے قاہرہ ہزاروں میل کے سفر کا چکر تھا، لیکن علم کے شوق نے سید شریف کو پست ہمت نہ ہونے دیا اور وہ وہاں سے پا پیادہ مصر روانہ ہو گئے اور وہاں پہنچ کر شاہ مبارک سے عرض مدعا کی، مبارک شاہ نے ان کے ذوقِ علمی کو دیکھ کر اپنی شاگردی میں قبول کر لیا، اس طرح خراسان کے افق پر جھلملاتا ہوا ایک تارہ اپنے شوق، عشق اور لگن کی بدولت اسلام کے افقِ علمی پر ایک ماہ تمام بن کر نمودار ہوا جس کی چمک دمک کو گردشِ زمانہ اور انقلابِ روزگار کبھی بھی متاثر نہ کر سکے گا (روشنی جلد دوئم مولانا سید محمد متین ہاشمی)۔

مولانا ابوالکلام آزاد اپنی تفسیر 'ترجمان القرآن' کے انتساب میں لکھتے ہیں ''غالباً دسمبر 1918ء کا واقعہ ہے کہ رانچی میں نظر بند تھا۔ عشاء کی نماز سے فارغ ہو کر مسجد سے نکلا تو مجھے محسوس ہوا، کوئی شخص پیچھے آ رہا ہے، مڑ کے دیکھا تو ایک شخص کمبل اوڑھے کھڑا تھا، ''آپ مجھ سے کچھ کہنا چاہتے ہیں؟''

Marfat.com

''ہاں جناب، میں بہت دور سے آیا ہوں۔''

''کہاں سے۔''، ''سرحد پار سے''، ''یہاں کب پہنچے؟۔''، ''آج شام کو پہنچا۔ میں بہت غریب آدمی ہوں، قندھار سے پیدل چل کر کوئٹہ پہنچا، وہاں چند ہم وطن سوداگر مل گئے تھے، انہوں نے نوکر رکھ لیا، اور آگرہ پہنچا دیا، آگرہ سے یہاں تک پیدل چل کر آیا ہوں۔''، ''افسوس تم نے اتنی مصیبت کیوں برداشت کی؟۔''، ''اس لئے کہ آپ سے قرآن مجید کے بعض مقامات سمجھ لوں۔'' میں نے الہلال اور البلاغ کا ایک ایک حرف پڑھا ہے۔''

یہ شخص چند دنوں تک ٹھہرا اور پھر یکایک واپس چلا گیا وہ چلتے وقت اس لئے نہیں ملا کہ اسے اندیشہ تھا، میں اسے واپسی کے مصارف کے لئے روپیہ دوں گا اور وہ نہیں چاہتا تھا کہ اس کا بار مجھ پر ڈالے، اس نے یقیناً واپسی میں بھی مسافت کا بڑا حصہ پیدل طے کیا ہوگا۔

مجھے اس کا نام یاد نہیں، مجھے یہ بھی نہیں معلوم کہ وہ زندہ ہے یا نہیں، لیکن اگر میرے حافظہ نے کوتاہی نہ کی ہوتی تو میں یہ کتاب (ترجمان القرآن) اسی کے نام منسوب کرتا۔'' (ابوالکلام آزاد 12 ستمبر 1931ء کلکتہ)

یقیناً ایسے طالب قرآن اور صاحب ذوق کی زندگی قابلِ رشک ہے جو مشکلات و مصائب جھیلنے کے بعد بھی وادیٔ علم میں سرگرداں رہتا ہے، اور پہاڑوں اور میدانوں کی وسعتیں اس کے جذبہ شوق کے سامنے بے حقیقت نظر آتی ہیں، سمندر و دریا اس کے لئے پایاب ہوتے ہیں۔

یہ نفوس قدسیہ علم حاصل کرنے کے بعد اپنے وطن لوٹتے تو استاد کی نصیحت کو توجہ اور شوق سے سنتے، امام ابوحنیفہؒ کے شاگرد یوسف السمتیؒ حصولِ علم کے بعد اپنے وطن بصرہ جانے لگے تو استاد نے روک لیا اور کہا رخصت کی کیا جلدی ہے؟ میں کسی مناسب وقت میں تمہیں بتانا چاہتا ہوں کہ تمہیں کیا رویہ رکھنا چاہئے جس سے علم تمہارا زیور بن جائے نہ کہ عیب! اور کس طرح تم ایک عالم کی حیثیت سے عوام میں مقبول ہو نہ کہ غیر مقبول، چنانچہ یوسف السمتیؒ نے سفر ملتوی کر دیا، پھر امام ابو حنیفہؒ نے انہیں یہ نصیحت کی۔

''میرا خیال ہے تم بصرہ میں بڑے فخر کے ساتھ داخل ہوگے اور تمہارے دل میں خیال ہوگا کہ تم سب لوگوں سے مرتبے میں بلند ہو اور تم یہ بھی توقع کروگے کہ ہر مختلف فیہ مسئلہ میں سب لوگ تمہاری رائے پر اٰمَنَّا وَ صَدَّقْنَا کہیں۔'' السمتیؒ نے جواب دیا ''آپ صحیح فرماتے ہیں، میرا عمل تو

یہی ہوتا۔"

امام صاحبؒ نے فرمایا "جب تم بصرہ میں داخل ہو گے تو لوگ گرمجوشی سے تمہارا استقبال کریں گے اور تمہاری زیارت کے لئے جمع ہو جائیں گے، اس حالت میں تمہیں چاہئے کہ ہر شخص سے اس کے درجے کے مطابق سلوک کرو اہل منصب کے ساتھ خوش خلقی سے پیش آنا، اہلِ علم کی عزت کرنا۔ بوڑھوں سے شفقت اور عزت کا برتاؤ کرنا اور نوجوانوں سے خندہ پیشانی اور بے تکلفی سے ملنا جلنا، عوام سے رابطہ رکھنا، نیک لوگوں سے دوستی کرنا اور برسرِ اقتدار حکام اور عہدہ داروں سے بے التفاتی نہ کرنا، سخاوت اور دریا دِلی اپنا شعار بنانا کیونکہ بخیل آدمی سے نہ تو کوئی محبت کرتا ہے اور نہ کوئی اس کی عزت ہی ہوتی ہے۔ جو تم سے ملاقات کو آئے تم اُسے خوش آمدید کہنا اور پھر کبھی تم بھی اس کی ملاقات کے لئے جانا، اگر تم سے کوئی اچھا سلوک کرے تو اس کا شکریہ ادا کرنا اور دوسروں کی تقصیر معاف کر دینا، اپنے دوستوں سے ہمیشہ ملتے رہنا، بیماروں کی عیادت کرنا، خوشحالی میں لوگوں کو مبارک باد دینا اور بدحالی میں اظہار ہمدردی کرنا، تعلیم و تعلم کے بارے میں مشورہ یہ ہے کہ کوئی ایسی بات نہ کہنا جو لوگوں کی سمجھ سے بالاتر ہو، دوسروں کی رائے کی ترش روئی سے مخالفت نہ کرنا، اختلاف کی صورت میں اگر تمہاری رائے دریافت کی جائے تو اپنی رائے کا اظہار کر دینا اور اپنا علم دوسروں تک پہنچانے میں محتاط رہنا

(تاریخ تعلیم و تربیت اسلامیہ از ڈاکٹر احمد شلبی)

مندرجہ بالا قیمتی نصائح ہر اس طالب علم کے لئے بار بار پڑھنے اور اسے حرز جان بنانے کی چیز ہے جو اپنی تعلیم سے فارغ ہو چکا ہو اور حصولِ علم کے بعد اپنے وطن جانے کا ارادہ کر رہا ہو۔

Marfat.com

آزادی یا غلامی؟

عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشادِ گرامی ہے کہ مسلمان وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھ سے دوسرے مسلمان محفوظ رہیں اور (حقیقت میں) مہاجر وہ ہے جو ان باتوں کو چھوڑ دے کہ جن سے اللہ تعالیٰ نے روکا ہے۔ (بخاری و مسلم)

لغت میں ہجرت کا مفہوم ترکِ وطن، نقل مکانی اور ایک ملک سے دوسرے ملک کو جانے اور وہاں آباد ہونے کے ہیں، مگر شریعت اسلامیہ نے اس مفہوم میں وسعت اور پاکیزگی پیدا کی ہے، اس کے نزدیک ہجرت محض نقل مکانی کا نام ہی نہیں ہے بلکہ اس کے ساتھ ساتھ ضروری ہے کہ وطن چھوڑنے میں رضائے الٰہی ہو اور نئی جگہ پہنچ کر اپنے آپ کو اسلامی حدود و قیود کا پابند بنایا جائے۔ گویا مسلمان ایک جگہ سے دوسری جگہ اس لئے ہجرت کرتا ہے کہ وہاں دین پر چلنا آسان ہو جائے اور ان مشکلات اور رکاوٹوں سے چھٹکارا مل جائے جو اقامت دین میں حائل ہو رہی تھیں۔ اس سلسلہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں کی مکہ مکرمہ سے ہجرت ہمارے لئے بہترین نمونہ ہے، مکہ مکرمہ میں اسلام قبول کرنے والوں کو طرح طرح سے ایذائیں دی گئیں، انہیں بری طرح ستایا گیا اور پریشان کیا گیا، مارا اور پیٹا گیا، زدوکوب کیا گیا، بیڑیاں پہنا کر قید کیا گیا، تپتی ریت پر برہنہ بدن گھسیٹا گیا، معاشرتی مقاطعہ کیا گیا کہ نہتے اور بے بس ایمان کے متوالے مکہ سے باہر شعب ابی طالب میں کھلے آسمان کے نیچے پناہ لینے پر مجبور ہوئے اس حال میں کہ کفار نے شہر سے ان کے لئے آب و دانہ کی رسد تک روک دی، دن دو دن کے لئے نہیں، ہفتوں اور مہینوں کے لئے نہیں، بلکہ مسلسل اور لگاتار، تپتے ہوئے سنگریزوں پر، اور جلتے ہوئے پتھروں پر تین برس اسی کیفیت میں گزر گئے اور مسلمانوں نے یہ طویل وقت ناقابل بیان دکھوں اور پریشانیوں میں انتہائی استقامت اور صبر و ایمان سے گزارا۔

Marfat.com

پھر ایسا بھی ہوا کہ کفار کے ظلم وستم اور ایذارسانیوں سے پریشان ہو کر بعض مسلمانوں نے کچھ عرصہ کے لئے ملک حبشہ ہجرت کی، مگر قریش مکہ نے وہاں بھی پیچھا کیا اور وہاں کے بادشاہ نجاشی کو مسلمانوں کے خلاف بھڑکایا اور اکسایا، یہ تو اللہ کا کرم ہوا کہ اس نیک دل اور سمجھ دار بادشاہ نے قریش کے وفد کی بے سروپا باتوں پر توجہ نہ دی اور مسلمانوں کا ہر طرح سے دفاع کیا۔

بالآخر اللہ تعالیٰ نے اہل مدینہ کے دل ایمان کے لئے کشادہ کر دیے اور مسلمانوں کو حکم ہوا کہ مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کر جائیں، چنانچہ رسول اللہ ﷺ اور مسلمان اپنے گھر بار چھوڑ کر مدینہ منورہ پہنچے اور اسے مرکز اسلام بنا کر اسلامی حکومت کی داغ بیل ڈالی، زندگی کا ہر شعبہ اسلام کی پاکیزہ تعلیمات کے مطابق ڈھالا گیا۔ تجارت، سیاست، عدالت، معاشرت اور معیشت ایسے تمام شعبہ جات اسلام کے ابدی اور لازوال اصولوں کے مطابق کام کرنے لگے۔

مسجد نبوی میں مسلمان نہ صرف نماز کے لئے جمع ہوتے بلکہ یہاں پر ان کی تعلیم وتربیت بھی ہوتی، ان کے معاملات وتنازعات کے فیصلے بھی ہوتے اور انہیں یہاں غزوات و جہاد کے لئے تیار بھی کیا جاتا۔ گویا کہ مسجد صرف سجدہ گاہ ہی نہیں تھی بلکہ مکتب و مدرسہ، تربیت کا مرکز، عدالت نیز سیاسی اور فوجی امور کے فیصلہ جات کے لئے بہترین جگہ تھی اور یہاں سے صاحبان ایمان و فراست اور علم ودانش کی ایسی جماعت تیار ہوئی جنہوں نے چار دانگ عالم میں نیکی اور راستی کے جھنڈے گاڑے، عدل وانصاف کے پرچم لہرائے، حق وانصاف کا بول بالا کیا اور امن وسلامتی کی فضا قائم کی گویا کہ وہ قرآن حکیم کی اس آیہ مبارکہ کی تصویر بن گئے:

اَلَّذِيْنَ اِنْ مَّكَّنّٰهُمْ فِى الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ وَاَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ ؕ وَلِلّٰهِ عَاقِبَةُ الْاُمُوْرِ (الحج:۴۱)

”وہ لوگ کہ اگر ہم ان کو ملک میں دسترس دیں تو نماز کا نظام قائم کریں اور زکوٰۃ کے نظام کو بحال کریں، نیک کاموں کا حکم دیں اور برے کاموں سے روکیں اور تمام امور کا انجام اللہ تعالیٰ ہی کے اختیار میں ہے۔“

اللہ تعالیٰ کی زمین کے حقیقی وارث ایسے ہی لوگ ہیں۔

اَنَّ الْاَرْضَ يَرِثُهَا عِبَادِىَ الصّٰلِحُوْنَ (الانبیا:۱۰۵)

”بلاشبہ زمین کے وارث میرے نیک بندے ہوں گے۔“

Marfat.com

قیام پاکستان سے قبل ہم بھی انگریزوں اور ہندوؤں کی غلامی میں تھے، ہماری معاشرت اور معیشت بری طرح متاثر ہورہی تھی، سیاست پر انگریزوں کا قبضہ تھا تو تجارت پر ہندو چھائے ہوئے تھے یہاں تک کہ سرکاری ملازمتوں میں بھی مسلمانوں کیلئے نہایت معمولی سا کوٹہ رکھا گیا تھا۔

ہماری دلی آرزو اور تمنا تھی کہ اسلامی اصولوں کے مطابق زندگی گزاریں، تاکہ ہم اسلام کے عادلانہ نظام کی بہاریں دیکھ سکیں، زندگی میں ہر شخص کو پھلنے پھولنے کے مواقع میسر ہوں۔ کوئی غریب سے غریب بھی تعلیم، علاج معالجے، روزگار، روٹی، کپڑے، مکان ایسی بنیادی سہولتوں سے محروم نہ رہے، سب کے ساتھ یکساں انصاف ہو اور ہر شخص عزت و آبرو کی زندگی گزار سکے۔

اغیار کی ظالمانہ اور منافقانہ پالیسیوں کو ہم نے محسوس کیا اور آزادی کے لئے جدوجہد شروع کردی، اللہ تعالیٰ نے ہماری کوششوں کو بارآور کیا اور ہم آزادی کی نعمت سے ہمکنار ہوئے۔ حصولِ آزادی کے لئے بے پناہ جانی و مالی قربانیاں دینی پڑیں، مہاجرین کو ترکِ وطن کے لئے ان گنت دکھوں اور تکلیفوں کا سامنا کرنا پڑا، یہ خونچکاں داستان اس قدر دردناک اور دلسوز ہے کہ جسے آج بھی پڑھ کر رونگٹے کھڑے ہوجاتے ہیں۔ سینکڑوں اور ہزاروں نہیں لاکھوں افراد کو انتہائی بے دردی اور سفاکی سے شہید کردیا گیا، ان میں بچے، بوڑھے، خواتین اور نوجوان سب شامل ہیں۔ ہزاروں خواتین کی بے حرمتی کی گئی اور وہ اپنے عزیز و اقارب سے بچھڑ گئیں، ان گنت تعداد میں بیوہ ہوگئیں، اور ان کے بچے یتیم ہوگئے۔ خاندان اجڑ گئے۔ یہ تمام قربانیاں اس لئے دی گئیں کہ الگ تھلگ وطن میں آزادی کی فضا میں نظام حق کو جاری و ساری کرسکیں۔

کیا ہم نے جس مقصد اور مشن کے حصول کی خاطر اتنی بڑی قربانیاں دی تھیں وہ حاصل کرلیا ہے؟ کیا ہماری زندگی کے تمام شعبہ جات اسلامی اصولوں کے مطابق ڈھل گئے ہیں؟ کیا ہم اسلام کے عادلانہ نظام کو یہاں رائج کرسکیں گے؟ کیا ہماری انفرادی اور اجتماعی زندگیاں اسلام کے اصولوں کے مطابق بسر ہورہی ہیں؟

دل سوختہ گرمی فریاد ہے شمشاد
زندانی ہے اور نام کو آزاد ہے شمشاد

پہلے ہم انگریز کی غلامی میں تھے، ان سے شکوہ شکایت کیا کرتے! تاہم کچھ نہ کچھ اصولوں کی پابندی تھی، آزادی ملنے کے بعد، ہم ''صاب'' (صاحب) کی غلامی میں آگئے ہیں، آپ کسی دفتر

Marfat.com

میں کسی متعلقہ آفسر سے ملنے کے لئے جاتے ہیں، یا تو آفیسر صاحب ابھی آئے نہیں ہوتے، خوش قسمتی سے تشریف لا چکے ہوں تو دفتر کا عملہ کہتا ہے: "صاب میٹنگ میں ہیں" ذرا ٹھنڈے دل سے بتلائیے کہ آزاد لوگوں کا یہ حال ہوتا ہے۔

حصول آزادی کا یقیناً صرف اور صرف یہی مقصد تھا کہ یہاں شریعت اور دین کے مطابق زندگی گزاریں گے، ہر شخص عزت وآبرو سے گزر بسر کرے گا۔ اطمینان اور سکھ کا سانس لے گا، مگر انصاف کی بات کیجئے کہ گزشتہ چھپن برس میں کیا کھویا اور کیا پایا ہے؟ مجھے شاعر کے ساتھ آنسو بہانے پڑتے ہیں۔

دیں ہاتھ سے دے کر اگر آزاد ہو ملت
ہے ایسی تجارت میں مسلماں کا خسارا

کسی بھی ریاست کے قیام وبقا کے لئے عدل وانصاف، بنیاد اور اساس کی حیثیت رکھتا ہے، حکومت کی مثال کھیت کے گرداگرد باڑ کی سی ہوتی ہے۔ جو اس کی حفاظت کرتی ہے، ایسی ہی حکومت لوگوں کے جان ومال کی نگران ہوتی ہے۔ اگر وہ ایسا نہ کر پائے تو اس کا وجود بے معنی اور بے مقصد ہے، قرآن حکیم نے کئی مقامات پر اس کی تاکید کی ہے، ارشاد ہوا۔

اِعْدِلُوْا هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى وَاتَّقُوا اللّٰهَ (المائدہ:۸)

"(ہمیشہ) عدل کیا کرو، تمہاری مسلمانی اور پرہیزگاری کا اسی سے پتہ چلے گا اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو۔"

ذرا بتلائیے کہ یہاں ہر پاکستانی کو انصاف ملا ہے؟ کتنے علماء وفضلا اور بے گناہ شہریوں کو گولیوں کا نشانہ بنایا گیا مگر قاتلوں کا سراغ تک نہ ملا، کتنے راہ چلتے مسافر چوروں اور ڈاکوؤں کے ہاتھوں لٹے مگر وہ اپنے مال کو واپس نہ پا سکے، کتنے مظلوموں کے مقدمات فیصلہ طلب ہیں مگر وہ سالہا سال لٹکتے جا رہے ہیں، حالانکہ مسلم کی شان تو یہ ہے۔

دم تقریر تھی مسلم کی صداقت بیباک
عدل اس کا تھا قوی لوثِ مراعات سے پاک

باشعور قومیں نسل نو کی صحیح خطوط پر آبیاری کرتی ہیں، ان کی تعلیم، اخلاق، صحت، علاج معالجے پر بھرپور توجہ دیتی ہیں اور انہیں پوری طرح امور زندگی سے آراستہ کرتی ہیں اور اس کے

نوجوان شاعر کے اس شعر کا مصداق بنتے ہیں۔

نہیں تیرا نشیمن قصرِ سلطانی کے گنبد پر
تو شاہیں ہے! بسیرا کر پہاڑوں کی چٹانوں میں

مگر افسوس کہ کسی بھی دورِ حکومت میں اس طرف توجہ نہ دی گئی اور ہمارے بہت سے شاہین بچے جنہوں نے قوموں اور ملکوں کی تقدیر کو بدلنا ہوتا ہے۔ لہو ولعب میں ضائع ہوگئے اور ہورہے ہیں، انہیں اچھے اور معیاری تعلیمی ادارے، مضبوط نصاب تعلیم، پاکیزہ لٹریچر اور صحت مند ذرائع نشر وابلاغ مہیا نہیں کیے گئے، اس لئے وہ بھٹکتے نظر آرہے ہیں۔ کتنے نوجوان ہیں جو تعلیم سے فارغ ہوکر مارے مارے پھر رہے ہیں اور انہیں ملازمتیں نہیں ملتی ہیں۔

ہر سال ہندوؤں کے تہوار بسنت کا زور شور ہوتا ہے اور کئی روز پہلے ہی پتنگ بازی ہورہی ہوتی ہے، دن میں متعدد بار بجلی فیل ہوتی ہے جس سے پانی بھی منقطع ہوجاتا ہے اور لوگوں کے کام کاج میں حرج ہوتا ہے۔ اربوں روپے کے نقصان کے علاوہ کئی قیمتی جانیں ضائع ہوچکی ہیں، راہ چلتے معصوم بچوں کے گلے تیز ڈور پھر جانے سے کٹ جاتے ہیں اور وہ اپنے والدین کے سامنے تڑپ تڑپ کر جان کھودیتے ہیں۔ اور حکومت خاموش تماشائی بن کر اسے جشنِ بہاراں کا نام دے دیتی ہے۔ ادھر آئے دن خبریں آتی ہیں کہ فلاں گھر میں بے روزگار باپ نے اپنے بچوں کو غربت اور سسکتی حالت میں ہلاک کردیا، کیا حکومت کی ذمہ داری نہ تھی کہ ایسے لوگوں کو روزگار مہیا کرتی اور ان فضول خرچ لوگوں سے قومی دولت چھین کر ان مستحق لوگوں میں تقسیم کرتی، اس طرح دنیا اور آخرت میں سرخرو ہوتی۔

آزادیٔ افکار سے ہے ان کی تباہی
رکھتے نہیں جو فکر و تدبر کا سلیقہ
ہو فکر اگر خام تو آزادیٔ افکار
انسان کو حیوان بنانے کا طریقہ

مسلمانو! یاد رکھو، اللہ تعالیٰ کے دین کو قائم کرنا تمہارا فریضہ ہے۔ اس کے لئے تمہارا اتفاق و اتحاد ضروری ہے، رب کریم کی کتابِ مبین میں تمہیں یہی سبق دیا گیا ہے۔

اَنْ اَقِیْمُوا الدِّیْنَ وَلَا تَتَفَرَّقُوْا فِیْہِ (الشوریٰ:۱۳)

''دین کو قائم رکھو(اور دیکھنا)اس میں تفرقہ نہ ڈالنا۔''

فرقوں اور گروہوں میں بٹنے والوں کو کبھی کامیابی نصیب نہیں ہو سکتی ہے اور نہ ہی وہ اللہ تعالیٰ کے یہاں سرخرو ہو سکتے ہیں۔

اِنَّ الَّذِيْنَ فَرَّقُوْا دِيْنَهُمْ وَ كَانُوْا شِيَعًا لَّسْتَ مِنْهُمْ فِيْ شَيْءٍ ط اِنَّمَا اَمْرُهُمْ اِلَى اللّٰهِ ثُمَّ يُنَبِّئُهُمْ بِمَا كَانُوْا يَفْعَلُوْنَ (الانعام:۱۵۹)

''جن لوگوں نے اپنے دین میں تفرقہ ڈالا اور وہ فرقوں میں بٹ گئے ان سے آپ کا کچھ سروکار نہیں ،ان کا معاملہ اللہ کے سپرد ہے پھر وہ انہیں بتلادے گا کہ وہ کن (بے مقصد اور فضول) کاموں میں مصروف تھے۔''(اور انہوں نے اپنی زندگیاں ضائع کر ڈالیں) ہائے افسوس کہ مسلمانوں نے قرآن حکیم کو نہ سمجھا۔

منفعت ایک ہے اس قوم کی ،نقصان بھی ایک
ایک ہی سب کا نبیؐ ،دین بھی ،ایمان بھی ایک
حرم پاک بھی ،اللہ بھی ،قرآن بھی ایک
کچھ بڑی بات تھی ہوتے جو مسلمان بھی ایک
فرقہ بندی ہے کہیں اور کہیں ذاتیں ہیں
کیا زمانے میں پنپنے کی یہی باتیں ہیں

Marfat.com

مثالی گھرانہ

''حضرت اسود بن یزید رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم گھر میں ہوتے تو کیا کرتے تھے؟ انہوں نے جواب دیا: ''آپؐ اپنے اہل خانہ کے کام میں ہاتھ بٹاتے اور جب نماز کا وقت آجاتا تو مسجد چلے جاتے۔''

حسن سلوک اور حسن مروت سے معاشرتی زندگی کی بنیاد پڑتی ہے۔ لفظ معاشرہ کا مفہوم ہی ظاہر کرتا ہے کہ ایک دوسرے کے ساتھ مل کر رہو سہو، ایک دوسرے کے دکھ درد میں کام آؤ۔ ایک دوسرے کا ہاتھ بٹاؤ۔ اس لئے کہ دست تعاون سے ہی وہ پھلتا پھولتا ہے۔ اسلام کی پاکیزہ اور صاف ستھری تعلیمات میں اس بات کو بڑی اہمیت دی گئی ہے۔ ارشاد ہوتا ہے:

وَتَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَ التَّقْوٰى (المائدہ:۲)

''نیکی اور پرہیزگاری کے کاموں میں باہم مددگار بنو''

گھر معاشرتی زندگی کا وہ پہلا ادارہ ہے جس کی اصلاح اور بہتری سے ایک فلاحی ریاست کی امید رکھی جاسکتی ہے، اس لئے قرآن وسنت میں اس کی تعمیر وترقی پر خصوصی توجہ دی گئی ہے۔ میاں بیوی کی صلح وصفائی، اچھی رفاقت ومروت سے گھر کے اندر بچوں پر مثبت اثرات پڑتے ہیں اور ان کے اخلاق وکردار بھی سنورتے اور نکھرتے ہیں اور جب میاں بیوی میں لڑائی جھگڑا، نااتفاقی اور ناچاقی رہے تو بچوں پر اس کے منفی اثرات پڑتے ہیں اور ان کے عادات وخصائل بگڑتے اور خراب ہوتے ہیں۔ اس لئے قرآن حکیم نے مردوں کو عورتوں کے ساتھ حسن معاشرت، حسن معاملہ اور تحمل وبرداشت کا حکم دیا ہے:

وَعَاشِرُوْهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ج فَاِنْ كَرِهْتُمُوْهُنَّ فَعَسٰى اَنْ تَكْرَهُوْا شَيْئًا وَّ يَجْعَلَ اللّٰهُ فِيْهِ خَيْرًا كَثِيْرًا (النساء:۱۹) ''اور بیویوں کے ساتھ حسن سلوک سے گزران کرو، اگر وہ تم کو

Marfat.com

ناپسند ہوں، تو کیا عجب ہے کہ تم کو ایک چیز ناپسند ہو اور اللہ تعالیٰ اس میں خیر و برکت دے۔"

عموماً گھریلو معاملات میں چھوٹی چھوٹی باتوں سے میاں بیوی کے تعلقات میں خرابی کی بنیاد پڑ جاتی ہے جو اکثر و بیشتر خواتین کی تیز طبیعت اور نازک مزاجی کا نتیجہ ہوتی ہے۔ حدیث مبارک میں عورتوں کی اس طبعی کمزوری کو ایک بڑی اچھی مثال سے واضح کیا گیا ہے اور اسے نظر انداز کرنے کی ہدایت کی گئی ہے۔

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے کہ: "عورتوں کے ساتھ بھلائی سے پیش آؤ، وہ پسلی سے پیدا کی گئی ہیں، اگر اس کو سیدھا کرنے کی کوشش کرو گے تو اس کو توڑ دو گے، اس کجی کے ساتھ ہی ان سے نباہ کرو۔" (بخاری: باب المداراۃ مع النساء)

اس لئے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حسن سلوک اپنے اہل خانہ کے ساتھ بہترین تھا۔ ایک حدیث میں ہے:

خَیْرُکُمْ خَیْرُکُمْ لِاَھْلِهٖ وَاَنَا خَیْرُکُمْ لِاَھْلِیْ (ابن ماجہ، زاد سفر، جلیل احسن ندوی)

"تم میں سے بہترین آدمی وہ ہے جو اپنی بیوی کے لئے بہتر ہو، اور میں تم میں سے اپنے اہل خانہ کے ساتھ بہترین ہوں۔"

آپ اسلام کی پاکیزہ تعلیمات کے حسن ترتیب پر غور کیجئے۔ اچھے اخلاق اور اچھے معاملات کا مظاہرہ گھر سے ہوتا ہے۔ پھولوں کی جو خوشبو گھر سے اٹھتی ہے، وہی ارد گرد پھیل کر ماحول کو معطر کرتی ہے۔

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعوت اسلامی کا آغاز بھی کاشانہ نبوت سے کیا تھا، آپؐ کی دعوت پر لبیک کہنے والوں میں سب سے پہلی خاتون آپ کی زوجہ محترمہ ام المومنین بی بی خدیجہ رضی اللہ عنہا تھیں۔ بی بی صاحبہ نے نہ صرف اسلام قبول کرنے میں سبقت فرمائی بلکہ ہر طرح سے آپ کو تسلی و تشفی دینے میں بھی پیش پیش تھیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اس احسان و مروت کو ہمیشہ یاد رکھا۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں، مجھے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج میں سے کسی پر اتنا رشک نہیں آتا تھا جتنا خدیجہ رضی اللہ عنہا پر آتا تھا، میں نے انہیں دیکھا نہیں تھا لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کا ذکر بہت زیادہ کرتے تھے اور ایسا بہت ہوتا کہ آپ بکری ذبح فرماتے اور پھر اس کا گوشت بناتے تو خدیجہ رضی اللہ عنہا کی سہیلیوں کے یہاں بھیجتے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا

Marfat.com

کرتے: "بلا شبہ وہ بہت اچھی خاتون تھیں...... وہ ایسی اور ایسی تھیں۔ ان کے یہ اور یہ کارنامے ہیں، اور ان سے مجھے اولاد ہوئی۔" (متفق علیہ، بحوالہ زادسفر، جلیل احسن ندوی)

مجموعی طور پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا حسن سلوک تمام ازواج مطہرات کے ساتھ نہایت ہی عمدہ تھا۔ آپ گھر تشریف لاتے تو اہل خانہ کے ساتھ گھر کے کام کاج میں ان کی مدد کرتے، کبھی آٹا گوندھ دیتے، کبھی جھاڑو دے دیتے، کبھی چولہا سلگا دیتے، ازواج مطہرات اگر کچھ ادھر ادھر کے قصے یا گزرے ہوئے واقعات بیان کرتیں تو آپؐ برابر سنتے رہتے اور خود بھی کچھ اپنے گزشتہ واقعات بیان فرماتے۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہم میں اسی طرح ہنستے بولتے بیٹھے رہتے کہ معلوم ہی نہ ہوتا کہ کوئی اولوالعزم نبی ہیں۔ لیکن جب کوئی دینی بات ہوتی یا نماز کا وقت آجاتا تو رخ انور فوراً ادھر متوجہ ہو جاتا۔ (اسوہ حسنہ، صفوۃ الرحمان صابر)

یہ ٹھیک ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دنیا کے بادشاہوں کی طرح شان وشکوہ اور کروفر سے زندگی نہیں گزاری بلکہ سادگی اور قناعت پسندی کو ترجیح دی اور اہل خانہ کو بھی یہی نصیحت فرمائی۔ اس کے باوجود خندہ پیشانی خوش خلقی، خدمت، تعاون اور احسان و مروت کا دامن کبھی ہاتھ سے نہ چھوڑا اور یہ وہ سدا بہار پھول ہیں جن سے گھروں میں الفت ومحبت کی مہک قائم ودائم رہتی ہے۔ اگر عالی شان محلات سے یہ چیز غائب ہو جائے تو مال و دولت کے انبار ہونے کے باوجود زندگی اجیرن اور دکھی بن کر رہ جاتی ہے اور اگر ٹوٹی پھوٹی جھونپڑیوں میں اخلاق و مروت کے پھول کھلیں تو روکھی سوکھی کھا کر بھی اطمینان ومسرت کی فضا برقرار رہتی ہے۔ یاد رکھئے طمانیت قلب مال سے نہیں بلکہ اللہ کی یاد سے پیدا ہوتی ہے۔

حدیث مبارک میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زہد وقناعت کے بارے میں آتا ہے:

كَانَ رَسُولُ اللّٰهِ يَبِيتُ اللَّيَالِي الْمُتَتَابِعَةَ طَاوِيًا هُوَ وَاهْلُهُ لَا يَجِدُونَ عَشَاءً

"آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اہل وعیال متصل کئی کئی رات بھوکے رہ جاتے تھے کیونکہ رات کا کھانا میسر نہیں ہوتا تھا۔" (جامع ترمذی، معیشۃ النبیؐ، بحوالہ سیرت النبیؐ: جلد دوم)

پیہم دو دو مہینے تک گھر میں آگ نہیں جلتی تھی۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے ایک موقع پر جب یہ واقعہ بیان کیا تو عروہ بن الزبیرؓ نے پوچھا کہ آخر گزارا کس چیز پر تھا؟ بولیں کہ پانی اور کھجور، البتہ ہمسائے کبھی کبھی بکری کا دودھ بھیج دیتے تھے تو پی لیتے تھے۔ (صحیح بخاری، کتاب الرقاق،

Marfat.com

بحوالہ سیرت النبیؐ۔ جلد دوم)

کاشانہ نبوت میں اس تنگی و ترشی کے باوجود سکون و سرور اور مہر و محبت کی جو فضا تھی وہ بے مثال تھی اور رہتی دنیا کے لئے بہترین نمونہ!

آج ہم نے تعلیمات قرآنی اور اسوہ رسول کو فراموش کر دیا ہے۔

جذبہ احسان و مروت رخصت ہوا تو ایثار و قناعت کی خصلت نے بھی بوریا بستر لپیٹا۔ ہمارے اکثر و بیشتر گھرانے فساد اور جھگڑوں کی آماجگاہ بنے ہوئے ہیں...... ساس اور بہو کے جھگڑے...... نندوں میں باہم فساد، بھائی، بھائی سے الجھ رہا ہے، بیٹے اور بیٹیاں والدین سے نالاں ہیں، والدین ان سے ناراض ہیں۔ ایک ہی خاندان کے افراد ایک دوسرے کے خلاف زہر اگل رہے ہیں، اس میں کوئی ایک قصور وار نہیں بلکہ ہم سب ہی قصور وار ہیں۔ ہم ایک دوسرے کو معاف نہیں کرتے، حالانکہ رب کریم کا ارشاد ہے:

وَالْكٰظِمِيْنَ الْغَيْظَ وَالْعَافِيْنَ عَنِ النَّاسِ ط وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ (آل عمران: ۱۳۴) ''اور غصے کو پی جانے والے اور لوگوں کو معاف کر دینے والے، تو اللہ تعالیٰ ایسے ہی محسنوں کو پسند فرماتا ہے۔''

خطاؤں کا پتلا کون انسان نہیں ہے؟ غلطیاں کس سے سرزد نہیں ہوتی ہیں؟ کیا ہم پسند نہیں کرتے کہ اللہ ہماری خطائیں معاف فرمائے۔ اس لئے ہم بھی دوسروں کو معاف کر دیا کریں۔ اور اپنی انا کا مسئلہ نہ بنائیں۔ ارشاد ہوتا ہے:

وَلْيَعْفُوا وَلْيَصْفَحُوا اَلَا تُحِبُّوْنَ اَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَكُمْ (النور: ۲۴)

''انہیں چاہئے کہ معاف کر دیں اور درگزر کریں۔ (آپس میں عفو و درگزر سے کام لیں) کیا تم پسند نہیں کرتے ہو کہ اللہ تعالیٰ تمہیں معاف کر دے۔''

غور کیجئے کہ رحمتہ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح مکہ پر کیسے کیسے دشمنوں کو معاف فرما دیا تھا، اگر ہم بھی ایک دوسرے کو معاف کرتے جائیں اور پھر الفت و محبت کا سلوک روا رکھیں تو ہمارے گھرانے بھی ان شاء اللہ خوشیوں سے معمور ہو جائیں گے اور ہم امن و سلامتی اور عافیت پائیں گے۔

امتِ مسلمہ کا اتحاد - کامیابی کا راستہ

Marfat.com

اخلاقِ حسنہ کی فض

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ، سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''بے شک باطنی سیرت کا اچھا ہونا، ظاہری اخلاق و عادات کا عمدہ ہونا اور میانہ روی اختیار کرنا (یعنی افراط وتفریط سے بچ کر رہنا) یہ (اوصاف) نبوت کے پچیس حصوں میں سے ایک حصہ ہے۔ (ابوداؤد)

اسلام کے نزدیک حسن سیرت، حسن صورت سے کہیں بڑھ کر ہے جس کا باطن خوبصورت ہے حقیقت میں وہی خوبصورت ہے، باطن کی خوبصورتی کی مثال اس چمن کی سی ہے، جہاں ہر طرف خوشبودار پھول کھلے ہیں اور ان کی مہک سے ارد گرد کا ماحول معطر ہے اور آنے جانے والوں کے دلوں کو مسحور کر رہا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ میں جب دعوت اسلام کا آغاز فرمایا تو ابتداء میں جو لوگ مشرف بہ اسلام ہوئے، ان میں ایک غلام بھی تھے ان کا اسم گرامی بلال رضی اللہ عنہ تھا، ملک حبشہ سے ان کا تعلق تھا، رنگ روپ سیاہ، موٹے موٹے ہونٹ اور جسم لاغر تھا مگر زیور ایمان واخلاق سے آراستہ ہوتے ہی قدر و قیمت کہاں سے کہاں پہنچ گئی، حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے:

''اَبُوْ بَکْرٍ سَیِّدُنَا وَ اَعْتَقَ سَیِّدَنَا یَعْنِی بِلَالًا''

ابوبکر ہمارے سردار ہیں اور انہوں نے ہمارے سردار یعنی بلال ؓ کو آزاد کرایا، حضرت ابوبکرؓ نے اس موقع پر خوش ہو کر یہ شعر پڑھا

حَفِیًّا زَادَکَ الرَّحْمٰنُ خَیْرًا
فَقَدْ اَدْرَکْتَ ثَارَکَ یَا بِلَالُ

پر چھوڑنے والے تھے، نہ درشت خو تھے اور نہ سخت گو، بدی کے بدلے میں بدی نہ کرتے تھے، معافی مانگنے والوں کو معاف فرما دیتے تھے اور خطا کاروں سے درگزر فرماتے تھے، ان کا کام مذاہب کی کجیوں کو مٹانا تھا (اور دین اسلام کی سیدھی اور سچی تعلیمات کو روشن کرنا تھا) ان کی تعلیم اندھوں کو آنکھیں اور بہروں کو کان عطا کرتی تھی، آپ تمام خوبیوں سے آراستہ اور جامع اوصاف حمیدہ تھے، سکینت آپ ﷺ کا لباس، نیکی آپ ﷺ کا شعار، تقویٰ آپ ﷺ کا ضمیر، حکمت آپ ﷺ کا کلام، عدل آپ ﷺ کی سیرت، راستی آپ ﷺ کی شریعت اور ہدایت آپ ﷺ کی رہنما تھی، آپ ذلت دور کرنے والے، گمناموں کو رفعت بخشنے والے، مجہولوں کو طاقت دینے والے، قلت کو کثرت اور تنگدستی کو غنا سے بدلنے والے تھے۔ (صحیح بخاری بحوالہ مقالات سیرت، ڈاکٹر محمد آصف قدوائی)

حجۃ الاسلام امام غزالیؒ لکھتے ہیں۔

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مویشی کو چارہ خود ڈالتے، اونٹ باندھتے، گھر میں صفائی کر لیتے، بکری دوہ لیتے، خادم کے ساتھ بیٹھ کر کھا لیتے، خادم کو اس کے کام کاج میں مدد دیتے، بازار سے چیز خود جا کر خرید لیتے خود اسے اٹھا لیتے، ہر ادنیٰ و اعلیٰ خورد و بزرگ کو سلام پہلے کر دیا کرتے، جو کوئی ساتھ ہو لیتا، اس کے ہاتھ میں ہاتھ دے کر چلا کرتے، غلام و آقا، حبشی و ترکی میں ذرا تفاوت نہ کرتے، رات دن کا لباس ایک ہی رکھتے، کیسا ہی کوئی حقیر شخص دعوت کے لئے کہتا، قبول فرما لیتے، جو کچھ کھانا سامنے رکھ دیا جاتا، اسے برغبت کھا لیتے، رات کے کھانے میں سے صبح کے لئے اور صبح کے کھانے میں سے شام کے لئے اٹھا نہ رکھتے، نیک خو، کریم الطبع، کشادہ رو تھے مگر ہنستے نہ تھے، اندوہگین (غم زدہ) تھے مگر ترشرو نہ تھے، متواضع تھے جس میں دنایت (کمینہ پن) نہ تھی، باہیبت (بارعب) تھے جس میں درشتی (بد خلقی) نہ تھی، سخی تھے مگر اسراف نہ تھا، ہر ایک پر رحم فرمایا کرتے، کسی سے کچھ طمع نہ رکھتے، سر مبارک کو جھکائے رکھتے تھے۔'' (کیمیائے سعادت بحوالہ رحمۃ للعالمین، قاضی محمد سلیمان منصور پوری)

حکیم الامت شاہ ولی اللہ دہلوی لکھتے ہیں:

''جو شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے یکبارگی آ جاتا وہ ہیبت زدہ ہو جاتا (آپ کے جمال وجلال کو دیکھ کر) اور جو کوئی پاس آ بیٹھتا، وہ فدائی بن جاتا (مٹھاس اور

محبت کو پا کر) کنبہ والوں اور خادموں پر بہت زیادہ مہربان تھے، انس رضی اللہ عنہ نے دس سال تک خدمت کی، اس عرصہ میں انہیں کبھی اف (ہونھ) تک نہ کہا، زبان مبارک پر کبھی کوئی گندی بات یا گالی نہیں آتی تھی، نہ کسی پر لعنت کیا کرتے تھے، دوسرے کی اذیت و آزار پر نہایت صبر کیا کرتے، اللہ کی مخلوق پر نہایت رحم فرماتے، ہاتھ یا زبان مبارک سے کبھی کسی کو شر نہ پہنچا، کنبہ کی اصلاح اور قوم کی درستی پر نہایت توجہ فرماتے، ہر شخص اور ہر چیز کی قدر و منزلت سے آگاہ تھے، (حجة الله البالغة)

سید سلیمان ندوی لکھتے ہیں:

''قرآن پاک، اسلام کے احکام ہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے جو تعلیمات انسانوں کو پہنچائی گئیں، ان کا مجموعہ دین ہے، بحیثیت ایک عملی پیغمبر کے رسول اللہ ﷺ کی سیرت مبارک در حقیقت قرآن پاک کی عملی تفسیر ہے، جو حکم آپ پر اتارا گیا، آپ نے خود اس کو کر کے بتایا۔ ایمان، توحید، نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ، صدقہ، خیرات، جہاد، ایثار، قربانی، عزم، استقلال، صبر، شکر، اور ان کے علاوہ حسنِ عمل و حسن خلق کی باتیں جس قدر آپ نے فرمائیں، ان کے لئے سب سے پہلے آپ نے اپنا ہی نمونہ پیش فرمایا، جو کچھ قرآن میں تھا وہ سب مجسم ہو کر آپ کی زندگی میں نظر آیا، چند صحابیؓ حضرت عائشہؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی کہ یَا اُمَّ الْمُؤْمِنِيْنَ! حضورؐ کے اخلاق اور معمولات بیان فرمایئے۔ ام المومنین جواب میں کہتی ہیں، کیا تم نے قرآن پڑھا ہے؟ كَانَ خُلُقُ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، اَلْقُرْآنُ آپ کا اخلاق ہمہ تن قرآن تھا، قرآن الفاظ و عبارت ہے اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت اس کی عملی تفسیر ہے۔ (خطباتِ مدراس)

سید مودودیؒ لکھتے ہیں:

''اب دیکھئے کہ نبوت سے پہلے چالیس سال تک آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو زندگی کے میں گزاری تھی، اس کے اثرات کیا تھے، یہ زندگی صرف بے داغ ہی نہ تھی، بلند ترین سیرت و کردار کا ایک نمونہ تھی، جس معاشرے میں آپ بچپن سے ادھیڑ عمر تک رہے بسے تھے، جس کے لوگوں کو ہر پہلو سے آپؐ کے ساتھ رشتہ داری، ہمسائیگی، میل جول، دوستی، لین دین غرض طرح طرح کے معاملات میں شب و روز سابقہ پیش آتا رہا تھا، ان میں سے کوئی ایسا نہ تھا جو

Marfat.com

آپؐ کی سچائی، آپؐ کی دیانت، آپؐ کی شرافت، آپ کی اخلاقی پاکیزگی، آپؐ کے حسن سلوک، آپ کی رحمدلی اور آپؐ کی ہمدردی وفیاضی کا معترف نہ ہو۔ آپ مجسم خیر تھے، کسی کو آپؐ سے شر کا تجربہ تو درکنار، اس کا اندیشہ تک کبھی نہ ہوا تھا۔ آپؐ کے اوپر لوگوں کو اتنا اعتماد تھا کہ وہ آپ کو "امین" کہتے تھے۔ (سیرت سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم)

نعیم صدیقی لکھتے ہیں:

"حضورؐ پاک کے اخلاق کا بیان یہاں کسی ضمنی عنوان کے تحت کیا نہیں جاسکتا ہے، وہاں تو پوری زندگی حسن خلق ہی کی تفسیر ہے، جس کے متعلق حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا تھا "کَانَ خُلُقُهُ الْقُرْآنَ" انسؓ بن مالک کا یہ قول بہت ہی جامع ہے کہ "کَانَ اَحْسَنَ النَّاسِ وَ کَانَ اَجْوَدَالنَّاسِ وَ کَانَ اَشْجَعَ النَّاسِ "احسن الناس (لوگوں میں سب سے اچھے) ہونے کی کیفیت یہ تھی کہ کسی کو عمر بھر تکلیف نہیں پہنچائی (ماسوا ان باتوں کے جو حکم الٰہی کے تحت تھیں) اور دوسروں کی زیادتیوں پر کبھی انتقام نہیں لیا، ہر کسی سے عفو فرمایا، یہاں تک کہ مکہ اور طائف کے بیداد گروں کو معاف کیا اور منافقین و اشرار سے درگزر کیا، اجود الناس (لوگوں میں سب سے سخی) ہونے کا عالم یہ تھا کہ جابرؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہؐ سے جو کچھ بھی کسی نے مانگا آپؐ نے کبھی نہ نہیں کی، موجود ہوا تو دے دیا، کبھی قرض لے کر دیا، نہیں موجود ہوا تو دوسرے وقت آنے کو کہا، یا سکوت اختیار کیا، اشجع الناس (لوگوں میں سب سے بہادر) ہونے کے لئے فی الجملہ یہ امر کافی ہے کہ نظریہ حق کو لے کر تنِ تنہا اٹھے اور زمانے بھر کی مخالفتوں اور مظالم کے مقابلے میں جمے کھڑے رہے، کبھی کسی خطرناک ترین موقع پر بھی خوف یا کمزوری کا اظہار نہ کیا، غار ثور ہو یا احد و حنین کے معرکے ہر موقع پر یقین محکم کا مظاہرہ کیا۔ (محسنِ انسانیتؐ)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا تمام انسانوں کے لئے خیر و بھلائی کا طالب ہونا، ان کے دکھ درد کا احساس رکھنا اور پھر خاص طور پر مومنوں کے لئے شفقت و محبت رکھنے کا قرآن اس طرح ذکر کرتا ہے۔

لَقَدْ جَاءَكُمْ رَسُولٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ عَزِيزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَؤُفٌ رَّحِيمٌ (التوبہ:۱)

Marfat.com

''تمہارے پاس خودتم میں سے ایک پیغمبر آیا جس پر تمہاری تکلیف بہت شاق گزرتی ہے، تمہاری خیر و بھلائی کا وہ بھوکا ہے، ایمان والوں پر نہایت شفیق اور مہربان ہے۔''

اخلاق حسنہ سے آراستہ ہونے کے لئے قرآن حکیم اور سیرتِ طیبہ کا بغور مطالعہ کرنا، نیز صحابہ رضی اللہ عنھم اور ابرار و صالحین کی سیرتوں کو پڑھنا، نیک مجالس میں بیٹھنا، اللہ تعالیٰ کا کثرت سے ذکر کرنا اور اس کے حضور عجز و خاکساری سے دعا و مناجات کرنا بڑا سودمند ثابت ہوسکتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بہت سی دعائیں اخلاق حسنہ کے حصول کے لئے رہنمائی کرتی ہیں، دو چار دعائیں احباب کے فائدہ کیلئے لکھتا ہوں۔

اَللّٰھُمَّ اَغْنِی بِالْعِلْمِ وَزَیِّنِی بِالْحِلْمِ وَ اَکْرِمْنِی بِالتَّقْوٰی وَجَمِّلْنِی بِالْعَافِیَۃِ

''اے اللہ! مجھے علم سے مالا مال، حلم و بردباری سے زینت، تقوی اور پرہیز گاری سے عزت اور صحت و عافیت سے خوبصورتی عطا فرما''۔

اَللّٰھُمَّ اٰتِ نَفْسِیْ تَقْوَاھَا وَزَکِّھَا اَنْتَ خَیْرُ مَنْ زَکّٰھَا اَنْتَ وَلِیُّھَا وَمَوْلَاھَا

''اے اللہ! میرے نفس کو پرہیز گاری عطا فرما اور اس کا تزکیہ فرمادے تو ہی سب سے بہتر تزکیہ فرمانے والا ہے تو ہی اس (نفس کا) آقا اور تو ہی اس کا مولا ہے۔''

اَللّٰھُمَّ طَھِّرْ قَلْبِیْ مِنَ النِّفَاقِ وَعَمَلِیْ مِنَ الرِّیَاءِ وَلِسَانِیْ مِنَ الْکَذِبِ وَعَیْنِیْ مِنَ الْخِیَانَۃِ فَاِنَّکَ تَعْلَمُ خَآئِنَۃَ الْاَعْیُنِ وَمَا تُخْفِی الصُّدُوْرِ۔

''اے اللہ! میرے دل کو نفاق سے اور میرے عمل کو ریا سے، میری زبان کو جھوٹ سے اور میری آنکھ کو خیانت سے پاک فرمادے کیونکہ تو ہی آنکھوں کی خیانت اور سینوں کی پوشیدہ باتوں کو جانتا ہے۔''

اَللّٰھُمَّ اجْعَلْ سَرِیْرَتِیْ خَیْرًا مِّنْ عَلَانِیَتِیْ وَاجْعَلْ عَلَانِیَتِیْ صَالِحًا

''اے اللہ! میرے باطن کو میرے ظاہر سے بہتر بنا اور میرے ظاہر کو بھی پاکیزہ اور ستھرا بنادے۔''

خاص طور پر آئینہ دیکھتے وقت پڑھیے:

اَللّٰھُمَّ کَمَا حَسَّنْتَ خَلْقِیْ فَحَسِّنْ خُلُقِیْ

''اے اللہ! جیسے تو نے میری صورت اچھی بنائی ہے میری سیرت بھی اچھی کردے۔''

Marfat.com

(بحوالہ حصن حصین، پیارے رسولؐ کی پیاری دعائیں)

اصلاح اور بہتری کے لئے کوشش اور دعا دونوں باتیں ضروری ہیں نیک راہ پر چلنے کا پختہ عزم ہو اور رب کریم سے مدد تلاش کی جائے تو یقیناً اس کی طرف سے روشنی ملتی ہے کیونکہ اسی کا فرمان ہے۔

وَالَّذِیْنَ جَاهَدُوْا فِیْنَا لَنَهْدِیَنَّهُمْ سُبُلَنَا (القرآن) ''اور جو لوگ ہماری راہ (پر چلنے کی کوشش) کرتے ہیں ہم انہیں ضرور بضرور راہ دکھاتے ہیں۔''

آغاز میں مذکورہ حدیث میں میانہ روی کا ذکر بھی آیا ہے۔ میانہ روی زندگی گزارنے کا وہ زریں اصول ہے جس سے کوئی شخص ندامت اور شرمندگی کا شکار نہیں ہوتا اور بہت سے نقصانات اور خساروں سے محفوظ ہو جاتا ہے، اسلام نے زندگی کے ہر معاملے میں اعتدال اور میانہ روی کی تعلیم دی ہے۔ چلنے پھرنے، اٹھنے بیٹھنے، کھانے پینے، روپے پیسے کے خرچ میں، یہاں تک کہ عبادت و ریاضت میں بھی اعتدال اور میانہ روی کو ملحوظ رکھا گیا ہے، متوازن چال اور گفتگو کے متعلق حکیم لقمان اپنے بیٹے کو نصیحت کرتے ہیں۔

وَاقْصِدْ فِیْ مَشْیِکَ وَاغْضُضْ مِنْ صَوْتِکَ (لقمٰن:۱۹)

''اور اپنی چال میں اعتدال ملحوظ رکھو اور اپنی آواز پست کرو''۔

آج کل تیز رفتاری اور مسابقت میں نہ معلوم کتنے حادثات روزانہ ہوتے ہیں اور آناً فاناً کتنی قیمتی جانیں ضائع ہو جاتی ہیں اور آواز کو پست رکھنے میں یہ حکمت ہے کہ اس سے انسان کی شرافت و عظمت ٹپکتی ہے۔ اس لئے کہ چیخنا چنگھاڑنا حیوانوں کا کام ہے۔

اپنی آمدنی کو اعتدال سے خرچ کرنے کی تلقین اس طرح کی جاتی ہے۔

وَلَا تَجْعَلْ یَدَکَ مَغْلُوْلَةً اِلٰی عُنُقِکَ وَلَا تَبْسُطْهَا کُلَّ الْبَسْطِ فَتَقْعُدَ مَلُوْمًا مَّحْسُوْرًا (بنی اسرائیل:۳۹)

''نہ تم اپنے ہاتھ گردن سے باندھ رکھو (بخل سے کام نہ لو) اور نہ ہی انہیں پوری طرح کھلا چھوڑ دو (ضرورت سے زیادہ خرچ نہ کرو) ورنہ ملامت زدہ اور درماندہ بن جاؤ گے''۔

کھانے پینے میں یہ ہدایت کی جارہی ہے:

کُلُوْا وَاشْرَبُوْا وَلَا تُسْرِفُوْا (الاعراف:۳۱)

"(رزق حلال) کھاؤ پیو مگر اسراف سے بچو"۔

عبادت وریاضت میں بھی یہ اصول ہے کہ فرائض کی ادائیگی کے بعد نوافل میں اس قدر مشغول نہ ہو جاؤ کہ راحت وآرام کا وقت نہ مل سکے یا اہل خانہ کی نگرانی ونگہبانی سے قاصر ہو جاؤ اور ان کے لئے حلال کی روزی کمانے سے بھی جاتے رہو، اس میں اعتدال اور باقاعدگی کی تعلیم دی گئی ہے، بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنھم نے جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا رب تعالیٰ کی بندگی کا حال سنا تو ان میں سے کسی نے ہمیشہ عبادت وریاضت اور ذکر وفکر میں مشغول رہنے اور کسی نے ہمیشہ روزہ رکھنے اور کسی نے گھر نہ بسانے کی آرزو کی، جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر ہوئی تو انہیں منع فرمایا اور ارشاد ہوا "میں کبھی روزے سے ہوتا ہوں اور کبھی نہیں، میں اپنے رب کی بندگی بجالاتا ہوں اور آرام بھی کرتا ہوں، میں نے شادی بیاہ بھی کیا ہے۔ جس نے میری سنت (طریق حیات) سے منہ موڑا وہ مجھ سے نہیں"۔

یہ ہے وہ اسلامی زندگی کا پاکیزہ اور شاندار تصور جس پر اللہ تعالیٰ کا جتنا بھی شکر ادا کیا جائے وہ کم ہے، دین اسلام ہر طرح سے روشن ہے کہ اس کی راتیں بھی دن کی طرح چمک رہی ہیں "لَيْلُهَا كَنَهَارِهَا" پھر تعجب ہے کہ ہم کہاں بھٹک رہے ہیں، ہماری معاشرتی زندگی اخلاق سے عاری اور اعتدال سے فارغ ہے، اسلام تو ہمیں زمین سے اٹھا کر اوج ثریا تک پہنچانا چاہتا ہے مگر افسوس کہ ہم حماقت اور نادانی کے سبب قعر مذلت میں گر رہے ہیں۔

آخر میں اس حدیث کے متعلق سمجھ لیجئے جو مضمون کے شروع میں بیان ہوئی ہے۔ "یہ اوصاف نبوت کے پچیس حصوں میں سے ایک حصہ ہے" یعنی یہ خصائل انبیاء کرام کے ہیں، جس میں یہ اوصاف ہوں گے، اس نے گویا بعض پیغمبرانہ اوصاف حاصل کر لئے، اس کا یہ مطلب نہیں کہ اس نے پیغمبری کا کچھ حصہ حاصل کر لیا کیونکہ نبوت محنت وریاضت سے حاصل نہیں ہو سکتی۔ یہ اللہ تعالیٰ کی دین ہے جس کو پسند فرماتا ہے، نبوت سے سرفراز کرتا ہے۔ لیکن محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی اور کو یہ دین وعطا بھی ملنے والی نہیں ہے کیونکہ آپ اس سلسلہ کی آخری کڑی ہیں، جن پر پہنچ کر یہ سلسلہ اپنے اتمام واکمال کو پہنچ گیا ہے۔

Marfat.com

Marfat.com

زکوٰۃ معاشی ناہمواریوں کا حل

نظام زکوٰۃ کو مکمل طور پر نافذ کرنے سے تمام معاشی ناہمواریوں اور مشکلات پر قابو پایا جاسکتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ سماجی فلاح و بہبود کی ہمہ گیر اسکیم ہے جس سے ملک وملت کے بے کس اور بے سہارا لوگوں کی مدد، بیماروں اور تنگدستوں کی خدمت، غربا اور مساکین کی تعلیم و تربیت، اسلامی فوج کی سرپرستی، بیواؤں اور یتیموں کی نگرانی، شاہراہوں اور پلوں کی تعمیر اور ایسے ہی رفاہی امور پر زکوٰۃ کا مال خرچ کیا جاتا ہے، قرآن حکیم میں مصارف زکوٰۃ کا ذکر اس طرح آتا ہے۔

اِنَّمَا الصَّدَقٰتُ لِلْفُقَرَآءِ وَالْمَسٰكِيْنِ وَالْعٰمِلِيْنَ عَلَيْهَا وَالْمُؤَلَّفَةِ قُلُوْبُهُمْ وَ فِي الرِّقَابِ وَالْغٰرِمِيْنَ وَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَابْنِ السَّبِيْلِ ؕ فَرِيْضَةً مِّنَ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ (التوبہ:٦٠)

''بے شک صدقات (زکوٰۃ) تو دراصل فقیروں، مسکینوں اور زکوٰۃ کے محصلین (منتظمین) کا حق ہے، نیز تالیف قلب (جن کی دلجوئی منظور ہو) اور غلام آزاد کرانے، قرضداروں کے قرض اتارنے، اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرنے اور مسافروں کی امداد کے لئے ہے یہ (طریقہ کار) اللہ کا مقرر کردہ ہے اور اللہ تعالیٰ سب کچھ جاننے والا حکمت والا ہے''۔

مندرجہ بالا آیۃ کریمہ کے الفاظ کو اس طرح سمجھا جاسکتا ہے۔

فقراء:۔فقیر سے مراد ہر وہ شخص ہے جو اپنی معیشت کے لئے دوسرے کی مدد کا محتاج ہو، یہ لفظ تمام حاجت مندوں کے لئے عام ہے۔ خواہ وہ جسمانی نقص یا بڑھاپے کی وجہ سے مستقل طور پر محتاج اعانت ہو گئے ہوں یا کسی عارضی سبب سے سردست مدد کے محتاج ہوں اور اگر انہیں سہارا مل جائے تو آگے چل کر خود اپنے پاؤں پر کھڑے ہو سکتے ہوں۔ مثلاً یتیم بچے، بیوہ عورتیں، بے روزگار لوگ اور وہ لوگ جو وقتی حوادث کا شکار ہو گئے ہوں (مثلاً پانی کی قلت کے باعث فصل

Marfat.com

وغیرہ نہ ہوسکی) (تفہیم القرآن۔ سورۃ التوبہ)

مسکین:۔ مسکنت میں عاجزی، درماندگی، بے چارگی اور ذلت کے مفہومات شامل ہیں، اس اعتبار سے مساکین وہ لوگ ہیں جو عام حاجت مندوں کی بہ نسبت زیادہ خستہ حال ہوں، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس لفظ کی تشریح کرتے ہوئے خصوصیت کے ساتھ ایسے لوگوں کو مستحق امداد ٹھہرایا ہے جو اپنی ضرورت کے مطابق ذرائع نہ پارہے ہوں اور سخت تنگ حال ہوں، مگر نہ تو ان کی خودداری کسی کے آگے ہاتھ پھیلانے کی اجازت دیتی ہو اور نہ ان کی ظاہری پوزیشن ایسی ہو کہ کوئی انہیں حاجت مند سمجھ کر ان کی مدد کے لئے ہاتھ بڑھائے، چنانچہ حدیث میں اس کی تشریح یوں آئی:

"المسکین الذی لا یجد غنی یغنیه و لا یفطن له فیصدق علیه و لا یقوم فیسئال الناس" مسکین وہ ہے جو اپنی حاجت بھر مال نہیں پاتا اور نہ پہچانا جاتا ہے کہ اس کی مدد کی جائے اور نہ وہ کھڑا ہو کر لوگوں سے مانگتا ہے۔ (تفہیم القرآن)

عاملین:۔ وہ لوگ جو زکوٰۃ اکٹھی کرتے ہیں، قانون اور قاعدے کے مطابق ان کی تنخواہ زکوٰۃ کی رقم میں سے ادا کی جائے گی، اس ضمن میں حساب کتاب رکھنے والے اور متعلقہ تمام عملہ شامل ہے۔

تالیف قلب:۔ یہ زکوٰۃ کی ایسی مد ہے جس میں ایسے نومسلموں کی مدد کی جائے جنہیں نئے معاشرے میں اپنے پاؤں پر کھڑا ہونا مشکل ہو یا جو لوگ اسلام کی طرف مائل ہو رہے ہوں۔

غلام آزاد کرانا:۔ انہیں خرید کر آزاد کر دیا جائے جیسا کہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے بلال حبشیؓ کو ان کے آقا امیہ بن خلف سے خرید کر آزاد کر دیا تھا یا وہ بے قصور مظلومین جو قید و بند میں پڑے ہوں ان کی رہائی کے لئے ہر سعی اور کوشش کو بروئے کار لایا جائے، ان کا فدیہ وغیرہ دے کر رہائی حاصل کرائی جائے۔

غارمین:۔ اس سے ایک تو وہ مقروض مراد ہیں جو اپنے اہل وعیال کے نان ونفقہ اور روزمرہ کی ضروریات زندگی فراہم کرنے میں لوگوں کے زیر بار ہوں۔ انہوں نے بال بچوں کا پیٹ بھرنے کے لئے ادھر ادھر سے قرض اٹھائے ہوں...... کھیتی باڑی میں نقصان ہوا یا کاروبار میں نقصان ہو گیا اس لئے قرض اٹھالئے، ایسے لوگوں کی زکوٰۃ کی رقم سے امداد کرنا تاکہ وہ معاشرے میں دوبارہ اپنے قدموں پر کھڑے ہو سکیں اور باعزت زندگی گزارنے کے قابل ہو جائیں۔

فی سبیل اللہ:۔ یہاں فی سبیل اللہ سے مراد جہاد فی سبیل اللہ ہے یعنی ہر وہ کوشش اور

Marfat.com

جدوجہد جس سے مقصود نظام کفر کو مٹانا اور اس کی جگہ نظام اسلامی کو قائم کرنا ہو، اس جدوجہد میں جو لوگ کام کریں، ان کو سفرخرچ کے لئے، آلات واسلحہ اور دوسری ضروریات کی فراہمی کے لئے زکوٰۃ فنڈ سے مدد دی جاسکتی ہے۔ ظاہر ہے کہ اس میں مملکت اسلامیہ کی وہ فوج بھی آجاتی ہے جو اس کی سرحدوں کی حفاظت کرتی ہے اور جس کے پیش نظر نظام کفر کو مٹا کر نظام اسلام قائم کرنا ہو اور فی سبیل اللہ میں وہ درسگاہیں اور مدارس بھی آجاتے ہیں جہاں بچوں کی اسلامی اور اخلاقی تعلیم و تربیت ہوتی ہے۔

مسافر:- یہ زکوٰۃ ادا کرنے کی آخری مد ہے اس سے مراد ایسا مسافر ہے جو حالت سفر میں مالک نصاب نہ ہو، گو مکان پر دولت رکھتا ہو۔ (تفسیر شبیر احمد عثمانی)

زکوٰۃ کی رقم امراء سے وصول کر کے غرباء میں تقسیم کر دی جاتی ہے اور اس طرح تقسیم کی جاتی ہے کہ کانوں کان کسی کو خبر تک نہیں ہوتی، اس طرح مجموعی طور پر معاشرے میں بسنے والا ہر فرد باوقار اور باعزت زندگی گزارنے کے قابل ہو جاتا ہے، بہت سے فلاحی ادارے کام کرنے لگتے ہیں، جگہ جگہ ہسپتال اور شفا خانے کھل جاتے ہیں۔ تنگدست بیماروں کا علاج ومعالجہ شروع ہو جاتا ہے، درسگاہیں اور مدارس جا بجا کھلنے سے تعلیم عام ہو جاتی ہے، ایسے مختلف ادارے کھلنے سے لوگوں کو روزگار ملتا ہے اور بیروزگاری (Unemployment) کا بہترین مداوا ہوتا ہے اور دولت گردش میں آجاتی ہے اور بیکاری دور ہونے سے بہت سی معاشرتی برائیاں ختم ہو جاتی ہیں۔

اگر کسی ریاست میں بے کس اور بے سہارا لوگوں کو بے یارومددگار چھوڑ دیا جائے، دکھیاروں اور ستم رسیدہ انسانوں کو نظر انداز کر دیا جائے اور ان کی تعلیم وتربیت کو فراموش کر دیا جائے تو یہی لوگ کئی قسم کی برائیوں کے عادی بن کر پوری معاشرتی زندگی کو تہ وبالا کر ڈالتے ہیں جس کا خمیازہ پوری قوم کو بھگتنا پڑتا ہے۔

ادائیگی زکوٰۃ سے جیسا کہ پہلے عرض کیا جا چکا ہے۔ قومی دولت گردش میں آجاتی ہے جو معاشرے میں بسنے والے تمام افراد کی صلاح وفلاح کا باعث بنتی ہے جس سے بخل وحرص ایسے رذائل کا خاتمہ ہو جاتا ہے، غربا ومساکین کی مدد سے ہمدردی وغمخواری ایسی اچھی خوبیاں پیدا ہوتی ہیں اور ایک مسلمان زر ومال کا نہیں بلکہ اپنے رب کا سچا اور وفادار بندہ بن کر مقام عبرت پر فائز ہو جاتا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے۔

Marfat.com

وَسَيُجَنَّبُهَا الْاَتْقَى (١٧) الَّذِیْ يُؤْتِیْ مَالَهٗ يَتَزَكّٰی (١٨) وَ مَا لِاَحَدٍ عِنْدَهٗ مِنْ نِّعْمَةٍ تُجْزٰٓی (١٩) اِلَّا ابْتِغَآءَ وَجْهِ رَبِّهِ الْاَعْلٰی (٢٠)[الیل]

''اور جو پرہیز گار ہے وہ (آتش جہنم) سے بچالیا جائے گا، جو تزکیہ نفس کے لئے اپنا مال خرچ کرتا ہے، وہ اس لئے (خرچ) نہیں کرتا کہ اس پر کسی کا احسان ہے اور وہ اس کا بدلہ اتارتا ہے بلکہ وہ رب الاعلیٰ کی رضامندی حاصل کرنے کے لئے ایسا کرتا ہے۔''

انسان کے روحانی امراض میں حب مال اور حب جاہ سخت تباہ کن بیماریاں ہیں...... وہ مال و دولت کے حصول میں اور دوسروں پر اپنے شان وشکوہ کا سکہ جمانے کے لئے بہت سے اخلاقی حدود کو بھی پامال کر ڈالتا ہے۔ رشوت، خیانت، ذخیرہ اندوزی، بلیک مارکیٹنگ، لوٹ کھسوٹ، فخر و غرور اور نمود ونمائش، شہرت اور مال و دولت کی حرص سے پیدا ہونے والے نتائج ہیں اور یہ حرص و خواہش قبر کی مٹی ہی ختم کرتی ہے، قرآن اس کو اس طرح بیان کرتا ہے۔

اَلْهٰكُمُ التَّكَاثُرُ (١) حَتّٰی زُرْتُمُ الْمَقَابِرَ (٢) [التکاثر]

''(لوگو!) تمہیں کثرت مال کی خواہش نے ہلاک کر دیا ہے، حتیٰ کہ تم قبروں میں جا پہنچے''۔

زکوٰۃ کی ادائیگی روح کی ان بیماریوں کا موثر ترین علاج ہے، انسان کی محبت مال و دولت سے نہیں بلکہ غربا اور مساکین سے بڑھتی ہے اور اس سے اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل ہونے کے علاوہ روح اطمینان وسکون سے سرشار ہو جاتی ہے، ارشاد ہوتا ہے۔

وَمَنْ يُّوْقَ شُحَّ نَفْسِهٖ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ (الحشر:٩)

''اور جو شخص حرص نفس سے بچالیا گیا تو ایسے ہی لوگ فوز وفلاح سے ہمکنار ہونے والے ہیں''۔

پھر دیکھا جاتا ہے کہ باہمی چپقلش اور طبقاتی کش مکش سے معاشرتی زندگی کو سخت نقصان پہنچتا ہے۔ جس سے حسد و بغض اور نفرت وعداوت کی چنگاریاں سلگنے لگتی ہیں، اس کے نتیجہ میں دنگہ وفساد اور قتل وغارت تک نوبت پہنچ جاتی ہے، اسلام اس کا حل یہ بتایا ہے کہ دولت صرف امیر لوگوں کے ہاتھ میں نہ رہے بلکہ سرکولیشن (Circulation) سے غرباء تک پہنچتی رہے، اور نفرتوں کو پاٹنے کی صرف یہی موثر شکل ہے، ارشاد ہوتا ہے۔

كَيْ لَا يَكُوْنَ دُوْلَةً بَيْنَ الْاَغْنِيَآءِ مِنْكُمْ (الحشر:٧)

''تاکہ (اللہ تعالیٰ کا عطا کردہ مال) دولتمندوں کے ہاتھوں ہی نہ پھرتا رہے''۔

Marfat.com

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے۔

"تُؤْخَذُ مِنْ اَغْنِيَاءِ هِمْ وَ تُرَدُّ اِلٰى فُقَرَاءِ هِمْ"

"کہ (زکوٰۃ) معاشرے میں بسنے والے امیر لوگوں سے جمع کی جائے اور وہیں کے رہنے والے غربا اور مساکین میں تقسیم کر ڈالی جائے۔"

اسلام کے نزدیک ارتکاز دولت (Hoard) پسندیدہ چیز نہیں ہے۔ جس طرح پانی کہیں ٹھہرا رہے تو اس میں تعفن اور بدبو پیدا ہو جاتی ہے۔ اسی طرح دولت بھی سینت سینت کر رکھی جائے، نہ اسے اپنے اوپر صرف کیا جائے اور نہ ہی اپنے عزیز و اقارب، غربا و مساکین پر خرچ کیا جائے تو یہ خبث نفس کا باعث بنتی ہے یعنی اس سے نفس میں کمینگی، خست، حرص اور لالچ پیدا ہوتا ہے، پھر ایسا نفس کبھی سیر نہیں ہوتا، جوں جوں دولت ہاتھ لگتی ہے توں توں مزید کی خواہش بڑھتی ہے (The more you get, the more you desire) گویا کہ ایسا شخص اپنے شہر اور اپنی بستی میں قارون بن جاتا ہے جو نفس اور دولت کا پجاری ہوتا ہے، ایسی دولت دنیا میں اس کے لئے سوہان روح اور آخرت میں وبال جان ثابت ہوتی ہے، قارون نامی شخص کا انجام دنیا میں عبرتناک ہوا اور آخرت میں بھی ایسے لوگوں کے متعلق ارشاد ہوتا ہے۔

وَالَّذِيْنَ يَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَا يُنْفِقُوْنَهَا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ (التوبہ:۳۴) "اور جو لوگ سونا اور چاندی جمع کرتے ہیں اور اسے اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے، انہیں اس دن کے دردناک عذاب کی خوشخبری سنا دیجئے (جو بڑا ہی ہولناک دن ہے اور کوئی کسی کے کام آنے والا نہیں سوائے اعمال حسنہ کے)۔"

وہی مال جو بڑی محبت اور چاہت سے جمع کیا تھا اور جو دنیا میں (مال اکٹھا کرنے والے کیلئے) بڑی شان و شوکت کا باعث بنا مگر حرص و بخل کے سبب روز جزا وہی اس کے لئے کلنک کا ٹیکہ ثابت ہوگا۔

نفس کی خباثت سے بچنے کیلئے اسلام نے زکوٰۃ کو مقرر کیا ہے، غور کیجئے کہ غزوہ تبوک کے موقع پر جب بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم باغوں اور کھیتوں کی محبت کی وجہ سے کہ وہ فصلوں اور پھلوں سے لدے کھڑے تھے شریک غزوہ نہ ہو سکے تو انہیں بعد میں اپنی اس سستی اور غفلت کا شدید احساس ہوا بلکہ ندامت کے آنسو آنکھوں سے بہنے لگے اور اللہ تعالیٰ نے انہیں اس غلطی پر

Marfat.com

معاف فرمادیا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم ہوتا ہے۔

"خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّيْهِمْ بِهَا"

"کہ ان کے مالوں میں زکوٰۃ لے کر انہیں پاک وصاف کیجئے"۔

حقیقت یہ ہے کہ طبیعت میں صفائی اور پاکیزگی اس طرح پیدا ہوتی ہے کہ اللہ کی راہ میں مال لٹانے سے اسی مالک کی طرف توجہ ہو جاتی ہے جس نے یہ زندگی اور اس کی تمام نعمتوں سے اسے نوازا ہے۔ دل جب رب کریم کی محبت سے سرشار رہتا ہے تو زندگی تقویٰ وطہارت سے آراستہ ہو جاتی ہے اور جسے یہ کیفیت حاصل ہو جائے وہ یقیناً بڑا خوش قسمت ہے۔

شاہ ولی اللہ دہلوی زکوٰۃ کی اہمیت پر قمطراز ہیں:

"جب آدمی زکوٰۃ دینے کی مشق وتمرین کرتا ہے اور اس کا خوگر ہو جاتا ہے تو اس سے اس کا نفس حرص وبخل ایسے رذائل سے پاک ہو جاتا ہے اور وہ درجہ اخبت پر فائز ہو جاتا ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ کی عظمت وجلال کے سامنے ہر وقت جھکے رہتا ہے۔ اس کے علاوہ فضیلت سماحت سے بھی بہرہ ور ہوتا ہے یعنی اس میں سخاوت نفس ایسی عمدہ صفت پیدا ہوتی ہے۔ یہ ایک ایسی خوبی ہے کہ جس سے بندہ اپنے رب سے لولگاتا ہے اور اس کی صفت ملکیت (فرشتوں جیسی) صفت بہیمیت (حیوانیت) پر غالب رہتی ہے۔"

یہ تو زکوٰۃ کے فرد پر ثمرات واثرات تھے، اس کے اجتماعی فوائد پر شاہ صاحب لکھتے ہیں۔

"زکوٰۃ سے شہری نظام کو بہتر طریقہ پر قائم رکھنا مقصود ہوتا ہے، شہری زندگی خواہ کتنے ہی چھوٹے پیمانے پر ہو، وہاں کمزور وناتواں، اپاہج وبے کس ضرور نظر آئیں گے، اس کے علاوہ حادثات ومشکلات، آفات ارضی وسماوی کا ہر قوم کسی نہ کسی صورت میں نشانہ بنتی ہے، اگر غریبوں، مسکینوں ضرورت مندوں اور حاجت مندوں کی طرف دست تعاون نہ بڑھایا جائے تو اس کا نتیجہ اس قوم کی ہلاکت ہوگا"۔ (حجۃ اللہ البالغۃ جلد دوئم)

مسلمان ہجرت کر کے مدینہ منورہ آئے تو اسلامی ریاست کی داغ بیل ڈال دی گئی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جہاں نماز کا نظام قائم فرمایا وہاں زکوٰۃ کا بھی باقاعدہ نظام مقرر فرمایا، زکوٰۃ کو جمع کرنے کیلئے عاملین (محصلین) مقرر فرمائے جن کی تنخواہیں زکوٰۃ کی آمدنی ہی سے ادا کی جاتی تھیں۔

نظام صلوٰۃ وزکوٰۃ کو فوری طور پر اسلامی ریاست میں قائم کرنے کا اللہ تعالیٰ کا حکم اس طرح ہے۔

Marfat.com

اَلَّذِیْنَ اِنْ مَّکَّنّٰھُمْ فِی الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوۃَ وَاٰتَوُا الزَّکٰوۃَ وَاَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَ نَھَوْا عَنِ الْمُنْکَرِ (الحج:۴۱)

"(اللہ کی طرف سے غلبہ حاصل کرنے والے) وہ ہیں کہ اگر ہم انہیں زمین پر اقتدار بخشیں تو وہ نماز اور زکوٰۃ کا نظام قائم کریں، بھلے کاموں کا حکم دیں اور برے کاموں سے روکیں۔"

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس دنیا سے تشریف لے گئے تو پہلے خلیفہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں بعض قبائل نے زکوٰۃ دینے سے انکار کر دیا جن کے خلاف خلیفہ اول نے باقاعدہ جہاد کیا اور زکوٰۃ کے نظام کو مضبوط کر دیا، اس نظام کا فائدہ یہ ہوا کہ اسلامی حکومتوں کو غیروں کا محتاج نہ ہونا پڑا اور وہ اپنے پاؤں پر خود کھڑی ہوئیں اور عوام کو بھی ہر طرح سے خوشحالی اور اطمینان نصیب ہوا۔

ہمیں اللہ تعالیٰ نے یہ ملک عطا فرمایا، اس کے لئے بے شمار جانی و مالی قربانیاں اس لئے دی گئیں کہ ہم یہاں اسلامی نظام کو جاری وساری کر سکیں اور شریعت مطہرہ کے مطابق زندگی گزار سکیں۔ مگر افسوس کہ نااہل اور بدنیت سیاست دان اسلام کا نام لے کر حکومت تو کرتے رہے مگر عملاً اسلامی نظام کو نافذ نہ کیا بلکہ کسی بھی مضبوط نظام کو قائم نہ کیا، نتیجۃً ہم تباہی و بربادی سے دوچار ہوئے، اب حال یہ ہے کہ ہر شہری بلکہ ہر پیدا ہونیوالا بچہ مقروض پیدا ہوتا ہے، جسے قرض کے علاوہ سود بھی ادا کرنا ہوتا ہے، پوری قوم اربوں ڈالر کے قرضے اور سود تلے دبی ہوئی ہے اور ہر سال کشکول اٹھائے قرض اٹھاتے ہیں، زکوٰۃ کا نظام جزوی طور پر رائج ہے، بنکوں میں سیونگ اکاؤنٹ پر زکوٰۃ کاٹی جاتی ہے مگر کرنٹ اکاؤنٹ کو چھوٹ دے دی جاتی ہے، سیونگ اکاؤنٹ عام طور پر کم آمدنی والے لوگ، ملازم پیشہ کھلواتے ہیں جبکہ کرنٹ اکاؤنٹ تاجر پیشہ اور بڑی بڑی ملوں والے کھلواتے ہیں، اس وقت ملک معاشی اور معاشرتی بحران کا شکار ہے اور اس کا علاج اسلام نے بتایا ہے حقیقت یہ ہے کہ نماز تمام معاشرتی برائیوں کا سدباب کرتی ہے جبکہ زکوٰۃ تمام معاشی ناہمواریوں کا حل ہے، کاش کہ ہم اس نسخہ شفا پر عمل پیرا ہو جائیں۔

Marfat.com

Marfat.com

عرش الٰہی کے سائے میں

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "سات افراد ایسے ہیں جن پر (میدان محشر میں) اللہ تعالیٰ اپنی رحمت کا سایہ فرمائے گا، اور اس دن اس کی رحمت کے سوا اور کوئی سایہ نہ ہوگا (اور وہ سات خوش نصیب کون؟) (1) انصاف کرنے والا حاکم (2) وہ جوان جس نے اللہ عزوجل کی عبادت و ریاضت میں نشو ونمو پائی (3) وہ شخص جس کا دل مسجد میں اٹکا رہے (نمازوں کے انتظار اور مساجد میں جانے کا شوق اور ولولہ ہمہ وقت دامنگیر رہے) (4) وہ دو شخص جنہوں نے اللہ کے لئے ایک دوسرے سے محبت کی، وہ اسی کی رضا کے لئے جمع ہوئے اور اس کی رضا کے لئے جدا ہوئے (5) وہ شخص جسے صاحب منصب و جمال عورت بلائے (برائی کی دعوت دے) تو وہ کہے میں تو اللہ سے ڈرتا ہوں (6) وہ شخص جس نے اس طرح چھپا کر صدقہ وخیرات کیا کہ بائیں ہاتھ کو یہ خبر نہ ہوئی کہ دائیں ہاتھ نے کیا خرچ کیا (نیکی کر کے فوراً بھول گیا) (7) اور وہ شخص جس نے تنہائی میں اللہ تعالیٰ کو یاد کیا اور پھر (اپنے گناہوں کو یاد کر کے) اس کی آنکھوں سے آنسو ابل پڑے۔

اچھے اعمال و اخلاق کی ترغیب اور برے اعمال و اخلاق سے نفرت کے لئے احادیث مبارکہ میں جن اعمال کا ذکر ہوا ہے، عام طور پر ان سے مراد یہ نہیں ہوتی کہ اجر وثواب صرف ان ہی اعمال تک محدود ہے اس حدیث مبارک میں بھی سات کا عدد تحدید کے لئے نہیں ہے، ان سات افراد کے علاوہ کچھ دوسرے افراد بھی ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ روز جزا اپنے سایہء رحمت میں جگہ عطا فرمائے گا، مثلاً مسلم شریف میں تنگدست قرض دار کو مہلت دینے والے اور اپنے قرض کے بعض حصے کو معاف کر دینے والے کے لئے بھی اسی اجر کی بشارت دی گئی ہے، قرآن حکیم میں انعام یافتہ لوگوں میں سر فہرست انبیائے کرام ہیں، اس کے بعد صدیقین، شہدا اور صالحین کا مقام

Marfat.com

ہے، ظاہر ہے کہ رحمت الٰہیؒ کے سایہ میں یہ لوگ پیش پیش ہوں گے، مندرجہ بالا حدیث مبارک میں جن خوش بختوں کا ذکر آیا ہے۔ وہ اس طرح ہے۔

(1) سب سے پہلے عادل حاکم کا ذکر آیا ہے کہ اس کا عدل وانصاف ہی کسی ریاست کے قیام و بقا کی اساس بنتا ہے۔ معاشرتی زندگی امن وسکون پاتی ہے اور زندگی کے تمام شعبوں میں تعمیر وترقی کی راہیں ہموار ہوتی ہیں، اور اگر یہ تہ وبالا ہو جائے تو ہر طرف فتنہ وفساد پھیل جاتا ہے، لوگوں کے جان ومال خطرات میں پڑ جاتے ہیں، طاقتور کمزوروں کو دباتے ہیں، ظالم ظلم کرتے ہیں اور ادھر ادھر دندناتے پھرتے ہیں، ہر طرف انارکی پھیل جاتی ہے اور نظام حیات معطل ہو کر رہ جاتا ہے، کہیں بھی جان ومال کی سلامتی دکھائی نہیں دیتی ہے، جیسا کہ آج کل پاکستان کے حالات ہیں کہ مساجد تک محفوظ نہیں ہیں اس فتنہ وفساد کو قرآن قتل وغارت گری سے بھی شدید قرار دیتا ہے۔

والفِتْنَةُ اَشَدُّ مِنَ الْقَتْلِ (البقرہ:۱۹۱) ''اور فتنہ (پھیلانا) قتل سے بھی بڑا گناہ ہے''

جہاں عادل حکمران کے لئے سایہ عرش میں عافیت پانے کی خوشخبری ہے تو ظالم حکمران کے لئے سخت وعید بھی ہے، اس حدیث کو سنیئے!

حضرت معقلؓ بن یسار (بنوامیہ کے گورنر) نے عبیداللہ سے فرمایا کہ میں تمہیں ایک حدیث سناتا ہوں جو میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی تھی، آپؐ نے فرمایا کہ جو شخص مسلمان رعیت کا حاکم ہو اور وہ اس حال میں مرجائے کہ اپنی رعایا کے ساتھ خیانت کر رہا ہو تو اللہ تعالیٰ اس پر جنت حرام کر دے گا (بخاری بحوالہ اسوہ حسنہ، بنت الاسلام)

اپنا ہو یا غیر، دوست ہو یا دشمن، سب کے ساتھ عدل وانصاف کرنا ہی پرہیز گاری کی علامت ہے، ارشاد ہوتا ہے۔

اِعْدِلُوا هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰی (المائدہ:۸) ''(اے ایمان والو!) ہمیشہ انصاف کیا کرو، کہ یہی بات تمہاری پرہیز گاری کے قریب تر ہے۔''

ٹھیک ہے کہ تم صوم وصلوٰۃ کے پابند ہو اور حج اور عمرہ کے فرائض بھی ادا کرتے ہو اور ہر سال مساکین اور غربا کو زکوٰۃ بھی دیتے ہو۔ اس کا ثواب تمہاری ذات تک محدود ہے، مگر لوگوں کے ساتھ انصاف کرنا معاشرتی اور اجتماعی عمل ہے اور اس سے تمہاری پرہیز گاری اور تقویٰ کی شہادت ملتی ہے۔

Marfat.com

مسلمان کا یہی عدل تھا جس نے اسے دنیا میں عزو شرف بخشا تھا اور اقوام عالم میں وہ سر بلند ہوا تھا۔

دمِ تقریر تھی مسلم کی صداقت بیباک
عدل اس کا تھا قوی لوث مراعات سے پاک
شجرِ فطرت مسلم تھا حیا سے نمناک
تھا شجاعت میں وہ اک ہستیِ فوق الادراک

(2) دوسرا شخص وہ جس نے اللہ تعالیٰ عزوجل کی بندگی اور عبادت میں نشوونمو پائی............ جو بچپن ہی سے نماز، روزہ کا پابند ہو گیا، نیکی اور سلامتی کو اپنا شعار بنالیا، تقویٰ اور پرہیزگاری کی راہ پر چلا...... اچھے والدین اپنے بچوں کو بچپن سے ہی صوم وصلوٰۃ کی طرف لگا دیتے ہیں، ان کے بچے قرآنی آیات کو اپنی معصوم زبانوں سے ادا کرتے ہیں، ان میں سے بعض اپنے سینوں میں ضبط کر لیتے ہیں۔ اس طرح اللہ تعالیٰ کی یاد میں وہ پھلتے پھولتے ہیں، ایسے ہی بچے آگے چل کر اسلام کے جاں نثار سپوت بن کر ابھرتے ہیں اور روز جزا سایہ رحمت میں جگہ پانے کے مستحق ٹھہرتے ہیں...... مگر افسوس کہ آج کل پاکستانی بچوں کی سکول و کالج میں جس طرح تعلیم و تربیت ہو رہی ہے اور نشری میڈیا نے جس تہذیب سے انہیں آراستہ کیا ہے، مجھے انتہائی دکھ کے ساتھ شاعر کا ہمنوا ہونا پڑتا ہے:

اٹھا میں مدرسہ و خانقاہ سے غمناک
نہ زندگی، نہ محبت، نہ معرفت، نہ نگاہ

ہم سب اس فرسودہ و بیہودہ نظام جاہلیت کو قبول کئے ہوئے ہیں، صوم وصلوٰۃ کے پابند مختلف ٹولیوں اور جماعتوں میں بٹے ہیں، ان میں کہیں اتفاق و اتحاد نظر نہیں آتا، یہی وجہ ہے کہ فاسق و فجار ان پر حکمرانی کرتے چلے آئے ہیں، اللہ تعالیٰ کا قانون اٹل ہے۔

وَ اَطِیْعُوا اللّٰہَ وَرَسُوْلَهٗ وَلَا تَنَازَعُوْا فَتَفْشَلُوْا وَ تَذْهَبَ رِیْحُكُمْ ۔(الانفال:46)

''اور اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کرو اور آپس میں جھگڑا نہ کرو ورنہ تم بزدل ہو جاؤ گے اور تمہاری ہوا اکھڑ جائے گی۔''

(3) تیسرا وہ شخص جس کا دل مسجد میں اٹکا رہے یعنی ایک نماز ادا کرنے کے بعد دوسری نماز کے لئے منتظر اور بیقرار رہے...... یہ وہی شخص ہو سکتا ہے جو اپنے مولا کی ملاقات اور اس سے مناجات کا

Marfat.com

انتہائی مشتاق ہو، نماز ایسے شخص کے لئے آنکھوں کی ٹھنڈک اور دل کا سکون ہوتی ہے "قُرَّةُ عَيْنِي فِي الصَّلٰوة" یعنی نماز میں میری آنکھوں کے لئے ٹھنڈک ہے (الحدیث) اور پھر جونہی موذن کی صدائے دلنواز کانوں میں گونجتی ہے، وہ فوراً اٹھ کھڑا ہوتا ہے اور ذوق وشوق سے رب کریم کے در پر اپنی جبین نیاز جھکانے کے لئے چل پڑتا ہے بلکہ دوست واحباب اور اپنی بیوی بچوں کو بھی نماز پڑھنے کی نصیحت وتلقین کرتا ہے، وہ پاک وصاف ہو کر اپنے مالک کے حضور عجز وخاکساری کی تصویر بن کر ادب واحترام سے مناجات کرتا ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔

اِنَّ الْمُصَلِّيْ يُنَاجِي رَبَّهٗ "بلاشبہ نمازی اپنے رب سے باتیں کرتا ہے۔"

اس لئے نماز کو انتہائی خشوع وخضوع سے، معنی پر غور وفکر کرتے ہوئے پڑھنا چاہئے یہ جانتے ہوئے کہ وہ رب العالمین سے ہم کلام ہے۔

سفر ہو یا حضر، راحت ہو یا مصیبت، صحت ہو یا بیماری، گاڑی پر ہو یا پیادہ، وطن میں ہو یا دیار غیر میں، امن ہو یا جنگ کسی حال اور کسی صورت میں بھی وہ رب کریم کو نہیں بھولتا، صرف اور صرف وہ اسی کی مدد کا طلب گار رہتا ہے، جہاں کہیں وہ جا رہا ہے، جونہی مسجد سے موذن کی پکار سنتا ہے فوراً لبیک کہتے ہوئے مالک کے در پر جا کر اپنی پیشانی کو خم کر دیتا ہے، ایسے لوگوں کے بارے میں قرآن کہتا ہے۔

رِجَالٌ لَّا تُلْهِيْهِمْ تِجَارَةٌ وَّلَا بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ وَ اِقَامِ الصَّلٰوةِ وَاِيْتَآءِ الزَّكٰوةِ (النور: ۳۷) "(انعام پانے والے وہ لوگ ہیں) جنہیں اللہ کے ذکر، اقامت صلوٰۃ اور ادائے زکوٰۃ سے نہ تجارت غافل کرتی ہے اور نہ ہی خرید وفروخت۔"

نہیں نہیں! بلکہ توپوں کی گھن گرج میں وہ اپنے رب کو نہیں بھولتے ہیں۔

آ گیا عین لڑائی میں اگر وقت نماز
قبلہ رو ہو کے زمیں بوس ہوئی قوم حجاز
ایک ہی صف میں کھڑے ہو گئے محمود و ایاز
نہ کوئی بندہ رہا اور نہ کوئی بندہ نواز
بندہ و صاحب و محتاج و غنی ایک ہوئے
تیری سرکار میں پہنچے تو سبھی ایک ہوئے

Marfat.com

(4) چوتھے نمبر پر ان لوگوں کا نقشہ کھینچا گیا ہے جنہوں نے تمام محبتوں کو اللہ تعالیٰ کی محبت میں اس طرح گم کر دیا ہو کہ وہی محبت تمام انسانی تعلقات کی بنیاد بن گئی ہو، ان کی محبت میں اللہ کے باغیوں کا کوئی حصہ نہیں ہوتا، وہ جس سے محبت کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ کی رضا اور اس کی خوشنودی کے لئے محبت کرتے ہیں اور وہ جس سے نفرت کرتے ہیں اس میں بھی اسی کی رضا ہوتی ہے بلکہ ان کا ہر عمل مولا و مالک کی رضا کے لئے ہوتا ہے، اسی سے ایمان کی تکمیل ہوتی ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے۔

"مَنْ اَحَبَّ لِلّٰهِ وَاَبْغَضَ لِلّٰهِ ، وَاَعْطٰى لِلّٰهِ وَمَنَعَ لِلّٰهِ فَقَدِ اسْتَكْمَلَ الْاِيْمَانَ "

(مشکوٰۃ۔ کتاب الایمان) "جس نے اللہ ہی کے لئے محبت کی اور اللہ ہی کے لئے دشمنی کی، اللہ کے لئے کسی کو عطا کیا اور اللہ ہی کے لئے کسی سے روکا تو اس نے اپنے ایمان کو مکمل کر لیا"

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں محبت و نفرت کا ایسا ہی معیار تھا، ذرا اس واقعہ پر غور کیجئے!

"کفر و اسلام کا پہلا معرکہ (غزوہ بدر) اس اعتبار سے بڑا صبر طلب اور درد انگیز تھا کہ دونوں فوجیں ایک دوسرے کے مقابلہ میں صف آرا ہوئیں تو کئی رشتہ دار ایک دوسرے کے سامنے تھے۔ حضرت ابو بکرؓ کے بڑے بیٹے عبدالرحمٰن اس وقت تک مسلمان نہیں ہوئے تھے اور اس وجہ سے مکہ ہی میں رہ گئے تھے، بدر میں قریش کی فوج کے ایک سپاہی وہ بھی تھے، انہوں نے میدان جنگ میں بڑھ کر پکارا کہ میرے مقابلہ میں کون آتا ہے؟ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ، خود تلوار کھینچ کر مقابلہ کو نکلے، لیکن رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ گوارا نہ ہوا، فوراً ابو بکرؓ کو روکا" (صدیق اکبرؓ سعید احمد اکبر آبادی)

(5) پانچواں وہ شخص ہے جس نے خواہشات نفس پر قابو پاتے ہوئے برائی اور بے حیائی کا قلع قمع کر ڈالا اور تمام مواقع میسر ہونے کے باوجود اللہ تعالیٰ سے ڈرتا رہا، یہ واقعی بہت بڑی عظمت ہے اور ایسا شخص قابل ستائش ہے، قرآن حکیم نے سیدنا یوسف علیہ السلام کا عظیم کردار پیش کیا ہے، سورہ یوسف کا مطالعہ ہر نوجوان کے لئے سرمہ بصیرت ہے، پھر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاکیزہ اخلاق و کردار پر نگاہ ڈالیے کہ وہ عرب جہاں ہر طرف فسق و فجور اور گناہ و سرکشی کے طوفان ہی نہیں جھکڑ اور آندھیاں چل رہی تھیں۔ ایسے پراگندہ اور خراب ماحول میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا دامن پاکیزہ اور مصفی رہا اور اپنی جوانی کے ایام غار حرا میں غور و فکر اور خالق کائنات کی یاد میں بسر کیے۔

(6) چھٹا وہ شخص ہے جو اس قدر اخلاص سے صدقہ و خیرات کرتا ہے کہ وہ کسی پر احسان نہیں جتلاتا

Marfat.com

بلکہ راہ حق میں مال دے کر بھول جاتا ہے، ایسے لوگوں کے بارے میں قرآن اعلان کرتا ہے:

وَيُطْعِمُوْنَ الطَّعَامَ عَلٰى حُبِّهٖ مِسْكِيْناً وَّيَتِيْماً وَّ اَسِيْرًا ، اِنَّمَا نُطْعِمُكُمْ لِوَجْهِ اللّٰهِ ، لَانُرِيْدُ مِنْكُمْ جَزَآءً وَّلَا شُكُوْراً

''اور اللہ کی محبت میں مسکین، یتیم اور قیدی کو کھانا کھلاتے ہیں (اور زبان حال سے کہتے ہوئے ان کے دل شہادت دے رہے ہوتے ہیں) کہ ہم تمہیں صرف اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے کھلا رہے ہیں، ہم تم سے نہ تو کسی شکریہ کے طالب ہیں اور نہ ہی کسی جزاء کے۔''

(7) ساتواں وہ شخص ہے جو بیتے ہوئے ایام کے گناہوں کو یاد کر کے رب تعالیٰ سے تنہائی میں شرمساری کے آنسو بہاتا ہے، اللہ تعالیٰ کو بندہ مومن کے وہ آنسو جو ندامت سے بہتے ہیں بہت پسند ہیں، اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ بشارت بھی سنئے۔

''حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علی وسلم نے فرمایا'' اللہ تعالیٰ کو کوئی چیز اتنی محبوب نہیں جتنے دو قطرے اور دو نشان...... دو قطروں میں سے ایک وہ قطرہ (خون) جو اللہ کی راہ میں بہایا گیا اور دوسرا وہ قطرہ جو اللہ کے ڈر سے (آنکھ) سے ٹپک جائے اور ایک نشان قدم وہ ہے جو اللہ کے راستہ میں ہو (جہاد میں) اور دوسرا وہ جو اللہ کے فرائض میں سے کسی ایک فرض کے سلسلہ میں لگے (جیسا کہ نماز کے لئے یا حج کے لئے)۔''

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''اللہ کے ڈر سے رونے والے کا دوزخ میں جانا اسی طرح محال ہے۔ جس طرح دوہے ہوئے دودھ کا تھن میں واپس ہونا اور اللہ کے راستہ کا غبار اور جہنم کا دھواں جمع نہ ہوں گے۔ (بخاری، ریاض الصالحین، باب البکا من خشیۃ اللہ)

اللہ تعالیٰ کی رحمتیں بے پناہ ہیں، وہ اپنے بندوں کو کبھی مایوس نہیں فرماتا، ہر وقت اور ہر لمحہ اس کی رحمتوں کا نزول ہوتا ہے، اس روز جب کہ نفسی نفسی کی پکار ہوگی اور کسی کو سکون اور قرار نہ ہوگا سوائے ان لوگوں کے جن کو وہ اپنے سایہ عرش میں جگہ عطا فرمادے، تو رب کریم ہمیں بھی اپنے سایہ رحمت میں پناہ دے آمین۔

Marfat.com

مسلمانو! وقتِ جہاد ہے آیا

ابوعبدالرحمٰن، عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ کونسا عمل اللہ تعالیٰ کو زیادہ محبوب ہے؟ آپ نے فرمایا ''وقت پر نماز پڑھنا'' میں نے عرض کیا پھر؟ فرمایا ''والدین سے حسن سلوک کرنا'' میں نے عرض کیا پھر؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا ''اللہ کے راستے میں جہاد کرنا'' (ریاض الصالحین۔باب برالوالدین)

آیئے جہاد فی سبیل اللہ پر گفتگو کرتے ہیں کہ یہ بھی پسندیدہ اعمال میں سے ایک عمل ہے جس سے زندگی کی تاریکیوں میں روشنی پھیلتی ہے۔

اَلْجِهَاد والْمُجَاهَدَة ، یہ دشمن کے مقابلے اور مدافعت میں بھرپور طاقت وقوت کا مظاہرہ ہے، اور یہ تین قسم کا ہوتا ہے۔ (1) ظاہری دشمن یعنی کفار ومنافقین سے جہاد کرنا (2) باطنی دشمن یعنی نفس امارہ سے مجاہدہ کرنا اور (3) چھپے ہوئے دشمن یعنی شیطان سے مقابلہ کرنا اور قرآن حکیم کی اس آیت مبارکہ میں ہر قسم کا جہاد آجاتا ہے۔

''وَجَاهِدُوْا فِی اللّٰهِ حَقَّ جِهَادِهٖ '' (الحج۔آیت:۷۸)

''اور اللہ کی راہ میں جہاد کرو جیسا کہ جہاد کرنے کا حق ہے۔''

ایک جگہ اس طرح ارشاد ہوا:

وَجَاهِدُوْا بِاَمْوَالِكُمْ وَاَنْفُسِكُمْ فی سبیل اللّٰه '' (التوبہ:۴۱)

''اور اپنے اموال اور جانوں سے اللہ کی راہ میں جہاد کرو۔''

ایک اور مقام پر ارشاد ہوا:

اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَهَاجَرُوْا وَجَاهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ فِیْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَعْظَمُ دَرَجَةً عِنْدَاللّٰهِ (التوبہ:۲۰)

Marfat.com

''جو لوگ ایمان لائے اور ہجرت کی اور اپنے جان و مال سے اللہ کی راہ میں جہاد کیا، اللہ تعالیٰ کے ہاں ان کا بہت بڑا درجہ ہے۔''

منافقین سے جہاد کا ذکر اس آیت مبارکہ میں آتا ہے:

يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ جَاهِدِ الْكُفَّارَ وَالْمُنٰفِقِيْنَ وَاغْلُظْ عَلَيْهِمْ (التوبہ:۷۳)

''اے نبیؐ! کافروں اور منافقوں کا پوری قوت سے مقابلہ کرو اور ان کے ساتھ سختی سے پیش آؤ۔''

حافظ عتیق الرحمٰن کیلانی لکھتے ہیں۔

''کفار کے ساتھ جہاد بالسیف سہل ہے جبکہ منافقین کلمہ گو ہوتے ہیں اور مسلمانوں میں ملے جلے ہوتے ہیں لہٰذا ان مارِ آستینوں کے ساتھ اس انداز میں جہاد نہیں ہو سکتا، تاہم جہاں جہاں یہ اللہ کے حدود کی نافرمانی کریں، ان پر حدود نافذ کی جائیں گی۔

یہ آیات غزوہ تبوک کے بعد نازل ہوئیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کچھ تو اپنی طبعی نرمی کی بنا پر اور کبھی حکمت کے تقاضوں کے تحت ان سے چشم پوشی کرتے، جب غزوہ تبوک کے بعد اسلامی ریاست مستحکم ہوگئی تو ان سے سختی کرنے کا حکم نازل ہوا، (تیسیر القرآن)

نفس اور خواہشات کے خلاف جنگ کرنے کا حکم اس طرح آتا ہے:

جَاهِدُوا اَهْوَاءَكُمْ كَمَا تُجَاهِدُوْنَ اَعْدَاءَكُمْ

''کہ جس طرح اپنے دشمن سے جہاد کرتے ہو اسی طرح اپنی خواہشات سے بھی جہاد کرو۔''

اور مجاہدہ ہاتھ اور زبان (بلکہ قلم و قرطاس) دونوں کے ساتھ ہوتا ہے۔

چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''جَاهِدِ الْكُفَّارَ بِاَيْدِيْكُمْ وَاَلْسِنَتِكُمْ''

''یعنی کفار سے ہاتھ اور زبان دونوں کے ذریعہ جہاد کرو۔'' (مفردات القران...... راغب اصفہانی)

اللہ تعالیٰ شیطٰن (اور اس کے ساتھیوں سے) حرب و ضرب کا تذکرہ قرآن میں اس طرح کرتا ہے۔

اِنَّ الشَّيْطٰنَ لَكُمْ عَدُوٌّ فَاتَّخِذُوْهُ عَدُوًّا ؕ اِنَّمَا يَدْعُوْا حِزْبَهٗ لِيَكُوْنُوْا مِنْ اَصْحٰبِ

Marfat.com

السَّعِيْرِ ((فاطر:٦)

''شیطان یقیناً، تمہارا دشمن ہے، لہٰذا اسے دشمن ہی سمجھو (اور اس کے ساتھ اور اس کے ساتھیوں کے ساتھ ہر قسم کی جنگ روا رکھو) کیونکہ وہ اپنے پیروکاروں کو صرف اس لئے بلاتا ہے کہ وہ جہنمی بن جائیں۔''

ان آیات واحادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ بندہ مومن رب کائنات کی عطا کردہ زندگی کا حق اس طرح ادا کرتا ہے کہ کہیں وہ اپنے نفس کی غلط اور بے جا خواہشات سے لڑتا ہے، اور کبھی قوم اور قبیلے کے لایعنی رسم ورواج سے نبرد آزما ہوتا ہے، کبھی شیطانی ہتھکنڈوں کا مردانہ وار مقابلہ کرتا ہے اور کبھی امن اور سلامتی بحال کرنے کے لئے اللہ کے باغیوں سے لڑکر اپنی جان تک کا نذرانہ پیش کردیتا ہے، گویا اس کی زندگی اس چومکھی جنگ میں گزر جاتی ہے ۔

کوئی اندازہ کرسکتا ہے اس کے زورِ بازو کا؟
نگاہ مردِ مُومن سے بدل جاتی ہیں تقدیریں

مسلمان اللہ تعالیٰ کی اس زمین پر امن اور سلامتی کا نمائندہ ہے، وہ جہاں بھی رہتا سہتا ہے، اس کے اردگرد کی فضا سکون اور سلامتی سے معمور ہوجاتی ہے، وہ اگر کہیں ظلم وستم ہوتے دیکھتا ہے تو خاموش اور تماشائی بن کر نہیں رہتا ہے بلکہ اسے مٹانے کے لئے ہر تدبیر وقوت کو بروئے کار لاتا ہے، اس کے کانوں میں رب کائنات کا یہ حکم پہنچتا ہے تو وہ بے قرار ہوکر اپنے مظلوم بھائیوں کی مدد کو پہنچتا ہے۔

وَمَا لَكُمْ لَا تُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ وَ الْمُسْتَضْعَفِيْنَ مِنَ الرِّجَالِ وَ النِّسَآءِ وَالْوِلْدَانِ الَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اَخْرِجْنَا مِنْ هٰذِهِ الْقَرْيَةِ الظَّالِمِ اَهْلُهَا ج وَاجْعَلْ لَّنَا مِنْ لَّدُنْكَ وَلِيًّا ج لا وَّاجْعَلْ لَّنَا مِنْ لَّدُنْكَ نَصِيْرًا (النساء:٧٥)

''مسلمانو! تمہیں کیا ہوگیا کہ تم اللہ کی راہ میں جہاد نہیں کرتے، جبکہ کمزور مرد، عورتیں اور بچے ایسے ہیں جو یہ فریاد کرتے ہیں کہ اے ہمارے رب ہمیں اس بستی سے نکال جس کے باشندے ظالم ہیں اور اپنی جناب سے ہمارے لئے کوئی حامی مقرر کردے اور اپنی جناب سے ہی ہمارا کوئی مددگار بھی پیدا فرمادے۔''

اگرچہ اس آیت مبارکہ میں ان کمزور مسلمان بیواؤں بوڑھوں، بچوں اور عورتوں کی طرف

Marfat.com

اشارہ ہے جو مکہ اور اردگرد کے بعض قبائل میں آباد تھے، اسلام قبول کر چکے تھے، ہجرت کی قدرت و طاقت نہ رکھتے تھے اور کفار کے ظلم وستم کا نشانہ بن رہے تھے چنانچہ مدینہ اور اردگرد کے بسنے والے مسلمانوں کو اپنے بھائیوں کی مدد کے لئے چوکس کیا جارہا ہے تاہم یہ آیت ہر دور اور ہر زمانہ کے آزاد اسلامی ریاست میں بسنے والے مسلمانوں کے لئے بھی ہے جو نہ صرف مسلمانوں بلکہ عام انسانوں پر ظلم وستم ٹوٹتا دیکھیں تو قوت وطاقت سے ان کی مدد کو پہنچیں اور ان مظلوموں کو ظالموں کے گھیراؤ سے نکال کر وہاں امن اور سلامتی کی فضا پیدا کریں، اس لئے کہ اللہ کی اس دھرتی پر مسلمانوں ہی پر لازم ہے کہ وہ امن وسکون کی فضا قائم کریں، ہمارے اسلاف نے بحر و بر کو عبور کیا اور جہاں گئے عدل وانصاف کی حکمرانی قائم کی ؂

محفل کون و مکاں سحر و شام پھرے — مئے توحید کو لے کر صفت جام پھرے
کوہ میں، دشت میں لے کر ترا پیغام پھرے — اور معلوم ہے تجھ کو کبھی ناکام پھرے؟
دشت تو دشت ہیں، دریا بھی نہ چھوڑے ہم نے — بحر ظلمات میں دوڑا دیئے گھوڑے ہم نے

یہ حقیقت ہے کہ جب تک مسلمانوں میں جذبہ جہاد بیدار رہا، وہ دنیا میں زبردست قوت (Super Power) تھے، کوئی قوم اور کوئی ملک ان کی طرف ٹیڑھی آنکھ سے دیکھنے کی جرأت نہ کرسکتا تھا، آج مال ودولت کی ریل پیل نے ان میں تن آسانیاں پیدا کردی ہیں۔ وہ بزدلی، خوف، پست ہمتی، مداہنت ایسی بیماریوں کا شکار ہو گئے ہیں ؂

تیرے صوفے ہیں فرنگی تیرے قالین ایرانی
لہو مجھ کو رلاتی ہے جوانوں کی تن آسانی

آج دنیا میں مسلمانوں پر جہاں کہیں ظلم وستم ڈھایا جارہا ہے۔ یورپی ممالک اور بالخصوص امریکہ تماشائی بن کر خوشیاں مناتے ہیں، خیر وہ تو مسلمانوں کے دشمن ٹھہرے، وہ اگر ایسا کرتے ہیں تو یہ ان کی خباثت کا کھلا ثبوت ہے مگر وہ مسلمان حکومتیں اور عامۃ المسلمین کہاں ہیں جنہیں اپنے اسلام پر بڑا ناز ہے، ماضی قریب میں چیچن مسلمانوں پر جو قیامت گزری ہے اور جس بری طرح روسی درندوں نے ان نہتے مسلمان، مردوں، عورتوں، بوڑھوں اور بچوں کی جانوں کے ساتھ راکٹوں اور میزائلوں سے کھیلا ہے یہاں تک کہ ہسپتالوں میں زیر علاج مریضوں کو بھی بھون ڈالا ہے اور وہ تاریخ کا انتہائی کربناک باب رہے گا اور دنیا بھر کے مسلمانوں اور ممالک اسلامیہ کے

Marfat.com

حکمرانوں نے جس بے حسی اور چشم پوشی کا مظاہرہ کیا ہے وہ بھی تاریخ کا انتہائی شرمناک باب رقم کیا جائے گا، اسلامی حمیت وغیرت کا فوری تقاضا تھا کہ تمام اسلامی ملکوں سے فوجی دستے ان مظلوم مسلمانوں کی مدد کو پہنچتے اور دشمن کو نشان عبرتناک بنا دیتے مگر

بجھی عشق کی آگ اندھیر ہے
مسلماں نہیں راکھ کا ڈھیر ہے

اور پھر گزشتہ برسوں میں کوسوا کے مسلمانوں پر جو بیتی اور فلسطینیوں پر مسلسل اور پیہم ظلم وستم ڈھایا جا رہا ہے اور کشمیر کے مسلمان گزشتہ ترپن برس سے جس کرب وابتلا سے گزر رہے ہیں، سینکڑوں نہیں ہزاروں کی تعداد میں جام شہادت نوش کر چکے ہیں، لاتعداد خواتین کی عصمت دری کی جا چکی ہے، بے شمار بچوں اور بوڑھوں کو موت کی ابدی نیند سلا دیا گیا ہے، ان گنت مکانوں کو مکینوں کے ساتھ دھماکہ خیز مواد سے اڑا دیا گیا ہے، یہ سب کچھ مسلمانان عالم کے سامنے ہو رہا ہے، یہ ٹھیک ہے کہ بعض انجمنوں اور جماعتوں کے نوجوان جذبہ جہاد سے سرشار، سربکفن کشمیری مسلمانوں کی مدد کو پہنچ رہے ہیں اور انہوں نے کتنے ہی بھارتی درندوں کو جہنم رسید کیا۔ مگر اس امر کی شدید ضرورت ہے کہ ایک ایسی اسلامی فوج کو ترتیب دیا جائے جس کے دستے تمام اسلامی ملکوں سے لئے گئے ہوں اور وہ جدید ترین اسلحہ سے لیس ہو اور جس کا جرنیل محمد بن قاسم اور صلاح الدین ایوبی ایسا بہادر اور زیرک ہو اور یہ اسلامی فوج (Islamic Force) ہر اس مقام پر پہنچے جہاں مسلمانوں پر ظلم ہو رہا ہو اور انہیں ظالموں کے پنجہ استبداد سے نجات دلا کر ہی دم لے۔

خود ہمارے اس پیارے وطن میں آج تک نظام اسلامی قائم نہ ہو سکا، گزشتہ چھپن برس میں ظلم کی تاریخ رقم کی گئی ہے، اندھیر نگری چوپٹ راج ہے، ہمارے اخبارات ظلم وبربریت کی خبروں سے بھرے ہوتے ہیں، آج تک اس پر منافقین کا ٹولہ حکومت کرتا رہا ہے جو ظاہر میں تو اسلام کا ہر وقت نام لیتے ہیں مگر عملاً اسلامی نظام سے گریزاں ہیں، یوں معلوم ہوتا ہے کہ ان کے مشیر برطانیہ اور امریکہ کے سربراہ ہیں اور ان کے اشاروں پر چلتے ہیں، ذرا بتلائیے کہ آزادی اسی کا نام ہے؟ کیا یہ ملک کے وفادار ہیں؟ یاد رکھئے جو اسلام کے لئے مخلص اور وفادار نہیں ہے وہ کبھی بھی سچا پاکستانی نہیں ہو سکتا ہے اسے اپنے وطن سے قطعی کوئی محبت نہیں ہے، اس لئے کہ پاکستان اسلام اور اسلامی قانون کے نفاذ کے لئے معرض وجود میں آیا تھا، اور اس کے لئے بے شمار جانی و مالی

Marfat.com

قربانیاں دی گئی تھیں، ان شہدا کا لہو فریاد کرتا ہے کہ یہاں نظام اسلام کو قائم کیا جائے تا کہ زندگی امن وسلامتی سے ہمکنار ہو۔

قرآن حکیم نے جہاں کفار سے جہاد کا حکم دیا وہاں منافقین کے لئے بھی یہی حکم ہے تا کہ فتنہ وفساد نابود ہو جائے اور اللہ تعالیٰ کا دین پوری طرح غالب آجائے۔

حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ وَّيَكُوْنَ الدِّيْنُ لِلّٰهِ (البقرہ:۱۹۳)

یہاں تک کہ فتنہ وفساد باقی نہ رہے اور تمام کا تمام دین اللہ ہی کے لئے ہو جائے۔

اس فساد کو مٹانے اور امن کو قائم کرنے کے لئے ابرار وصالحین کا اتفاق و اتحاد انتہائی ضروری ہے، مگر افسوس اور صد افسوس خواہشات اور غرور نے انہیں مختلف ٹولیوں اور جماعتوں میں تقسیم کر رکھا ہے اور ان میں خلوص اور وفاداری قطعی ناپید ہے، یہی وجہ ہے کہ آج تک پاکستان میں نظام اسلامی قائم نہ ہو سکا، قرآن کا قانون اٹل اور دائمی ہے۔

وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَلَا تَنَازَعُوْا فَتَفْشَلُوْا وَتَذْهَبَ رِيْحُكُمْ (الانفال:۴۶) ''اور اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو اور آپس میں جھگڑا نہ کرو ورنہ تم بزدل ہو جاؤ گے اور تمہاری ہوا اکھڑ جائے گی۔''

صرف اور صرف جذبہ جہاد اور اجتماعی قوت سے مسلمان عظمت رفتہ کو بحال کر سکتے ہیں، آپس کے اختلافات کو مٹا کر ہی اندرون ملک اور دنیا بھر میں امن وسلامتی کے جھنڈے گاڑ سکتے ہیں۔ اگر امت مسلمہ کو ایک جسم قرار دیا جائے تو یہ جہاد اس کے جسم کی بقا، نشو ونمو، صحت اور سلامتی کے لئے اتنا ہی ضروری ہے جتنا کہ پودوں کے پھلنے پھولنے کے لئے کھاد اور پانی

من آں علم و فراست با پرِ کاہے نمے گیرم
کہ از تیغ و سپر بیگانہ سازد مرد غازی را

''میں اس علم وعقل کی قدر و قیمت ایک تنکے کے برابر بھی نہیں سمجھتا جو تلوار اور ڈھال سے مسلمانوں کو غافل کر دے۔'' لیکن اس سے پہلے ضروری ہے کہ اس سرکش اور باغی نفس کو زیر اور مطیع کیا جائے کہ حقیقی مجاہد وہ ہے جو سب سے پہلے اسے زیر کرے۔

اَلْمُجَاهِدُ مَنْ جَاهَدَ نَفْسَهٗ (الحدیث) ''مجاہد تو در حقیقت وہ ہے جو اپنے نفس سے جنگ کرتا ہے۔''

Marfat.com

سچ کسی نے کہا ہے ۔

نہنگ و اژدہا و شیر نر مارا تو کیا مارا
بڑے موذی کو مارا نفس امارہ کو گر مارا

آیئے حسد و بغض کے بت جو ہم نے اپنے سینوں میں سجا رکھے ہیں انہیں پاش پاش کر ڈالیں اور مہر و محبت کی فضا قائم کر کے نہ صرف پاکستان میں بلکہ دنیا بھر میں سلامتی اور سکون کا نظام قائم کریں، کہ اسلام کا یہی پیغام ہے۔

اَسۡلِمۡ تُسۡلَمۡ

''اسلام قبول کرو اور سلامتی میں آجاؤ۔''

اس سے دنیا میں مسرت و شادمانی ملے گی اور آخرت میں عزت و سرخروئی حاصل ہوگی۔

Marfat.com

Marfat.com

اسلام کا تبلیغی نظام

عام طور پر تبلیغ کے سلسلہ میں دعوت کا لفظ بھی بولا جاتا ہے، گویا کہ دعوت و تبلیغ کسی مقصد کی طرف بلانے اور پیغام دینے کا نام ہے، دعوت کے لغوی معنی اس طرح ہیں: دعـا ، یـدعـو، دعـواً، و دعوة ، پکارنا، رغبت کرنا، مدد طلب کرنا، دعـاہ الی الدین ،اس نے اس کو دین کی طرف بلایا، داعی الی اللہ، اللہ کی طرف بلانے والا، (المعجم الوسیط) ۔تبلیغ، اس کا مادہ بلغ، کسی جگہ تک پہنچنا، رسائی حاصل کرنا اور بـلّـغ کا معنی پیغام پہنچانے کے ہیں ۔قرآن حکیم میں دونوں الفاظ کا ذکر اس طرح آیا ہے:

قُلْ هٰذِهٖ سَبِيْلِيْٓ اَدْعُوْٓا اِلَى اللّٰهِ ۣ عَلٰي بَصِيْرَةٍ اَنَا وَمَنِ اتَّبَعَنِيْ ''کہہ دیجئے کہ میرا راستہ یہی ہے کہ میں اللہ کی طرف بلاتا ہوں، خود بھی اس راہ کو پوری روشنی میں دیکھ رہا ہوں اور میرے پیروکار بھی''۔

یعنی میں نے اور میرے ساتھیوں نے اللہ تعالیٰ کی بندگی کی راہ کسی دباؤ اور لالچ، کسی تقلید اور رواہ ورسم سے نہیں اختیار کی بلکہ علی وجہ البصیرت اور کامل عقل و شعور سے اس راہ کو اختیار کیا ہے۔سیدنا نوح اپنی قوم سے مخاطب ہوتے ہیں:

اُبَلِّغُكُمْ رِسٰلٰتِ رَبِّيْ وَاَنْصَحُ لَكُمْ (الاعراف:٦٢)

''میں تمہیں اپنے رب کے پیغام پہنچاتا ہوں اور تمہارے لئے خیر خواہ ہوں۔''

دراصل 'الدین' زندگی گزارنے کا وہ مکمل راستہ ہے جو روز اول سے رب کائنات نے انسانوں کو عطا فرمایا ہے، اور وہ اسلام ہے جس کے معنی احکام الٰہی کو دل و جان سے تسلیم کرنا، اس کے آگے جھک جانے اور اس کی اطاعت اور فرمانبرداری کے ہیں۔

اسلام کی طرف بلانے (دعوت) اور اس کا پیغام لوگوں تک پہنچانے (تبلیغ) کا سلسلہ شروع

Marfat.com

سے ہی رہا ہے، سیدنا آدمؑ نے یہ پیغام اپنے اہل وعیال کو پہنچایا، اولاد آدم پھلی پھولی اور رفتہ رفتہ زمین کے مختلف حصوں میں آباد ہوتی گئی، اور بڑھتے بڑھتے دیہات اور شہروں کی بنیاد پڑی، مختلف علاقوں کی آب و ہوا سے رنگ و روپ میں تبدیلی آئی، ضروریات زندگی بدل گئیں، اور تہذیب وتمدن میں فرق پیدا ہوا، انسانوں کے طبائع اور مزاج کے اختلافات سے ان میں حسد و بغض، عداوت اور رقابت جیسی صفات پیدا ہوئیں، پھر طرح طرح کے شیطانی وسواس اور خواہشات نفسانی نے انہیں راہ حق سے دور جا پھینکا۔

انسان جب تک ہدایت ربانی کے پیروکار رہے، دین ان کے لئے باعث رحمت رہا، مگر جب انہوں نے اس سے منہ موڑا، اور تعلیمات الٰہی کو پس پشت ڈالا تو وہ گمراہ ہوگئے اور طرح طرح کے فتنہ وفساد کا شکار ہوگئے، اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی ہدایت اور رہنمائی کے لیے مختلف ادوار اور مختلف زمانوں میں انہی انسانوں میں سے اچھے انسانوں کو رسالت ونبوت سے سرفراز فرماتا رہا، جن کے ذمہ دعوت وتبلیغ کا کام تھا، یوں یہ سلسلہ چلتا رہا اور ہدایت کی یہ روشنی کسی دور اور کسی مقام پر انسانوں کے لئے گم نہ ہوئی، آدمؑ سے لے کر خاتم النبیینؐ تک کم وبیش ایک لاکھ چوبیس ہزار رسول اور نبی تشریف لائے جن میں سے بعض انبیا کا تذکرہ قرآن حکیم میں موجود ہے، سب کی دعوت وتبلیغ کے مرکزی پیغام کا ذکر قرآن اس طرح کرتا ہے۔

وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِي كُلِّ أُمَّةٍ رَّسُولًا أَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَاجْتَنِبُوا الطَّاغُوتَ (النحل:۳۶)

''ہم نے ہر امت میں ایک رسول بھیجا (جو انہیں یہ کہتا) کہ اللہ کی عبادت کرو اور طاغوت سے بچو''۔

طاغوت ہر وہ خواہش اور بات ہے جس میں اللہ تعالیٰ کی نافرمانی ہو، سرکشی اور بغاوت ہو، نیکی اور خیر کے راستے سے دوری ہو،

والطاغوت...... الشیطان ،اور طاغوت شیطان ہے......والطاغوت کل ما عبد من دون اللہ ......اور ہر وہ چیز جس کی اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر اطاعت اور بندگی کی جائے طاغوت کہلائے گی، قرآن حکیم میں دوسرے مقام پر ارشاد ہوا۔

فَمَنْ يَّكْفُرْ بِالطَّاغُوتِ وَيُؤْمِنْ بِاللّٰهِ فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقٰى ۚ لَا انْفِصَامَ لَهَا (البقرہ:۲۵۶)

Marfat.com

"اور جو شخص طاغوت سے کفر کرے اور اللہ پر ایمان لائے تو اس نے ایسے مضبوط حلقہ کو تھام لیا جو کبھی ٹوٹ نہیں سکتا۔"

اس کے علاوہ انبیاء کرام اور ان کے متبعین کی دعوت وتبلیغ کا نمایاں پہلو لوگوں کو ہر خیر اور بھلائی کی طرف بلانا اور ہر شر اور برائی سے روکنا بھی تھا، کہ شرف انسانیت کا تقاضا یہی ہے کہ ہر شعبہ حیات میں حق وصداقت کا نور پھیلتا ہوا نظر آئے، مثلاً انہوں نے اگر لوگوں کو صدق و امانتداری عفت وطہارت، شرم وحیا، عدل وانصاف، تواضع وخاکساری، اعتدال ومیانہ روی، حق گوئی واستقامت ایسے فضائل کو اختیار کرنے کا حکم دیا تو چوری و بے ایمانی، رشوت وسود خوری، بغض وکینہ، ظلم وستم، حسد وتکبر، فحش گوئی اور بے حیائی، خود بینی وخودنمائی ایسے رذائل سے منع بھی فرمایا اور ان نفوس قدسیہ کی اپنی زندگیاں بھی اخلاق حسنہ کی جیتی جاگتی اور چلتی پھرتی تصاویر ہوتی تھیں یہاں تک کہ دعوت وتبلیغ کا یہ چمن پوری طرح سرسبز وشاداب ہوا اور رسالت محمدیؐ کے ساتھ اپنے جوبن پر آ گیا اور یہ اعلان ہوا۔

اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَ اَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ وَ رَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا (المائدہ:۳)

"آج میں نے تمہارے لئے تمہارا دین مکمل کر دیا اور تم پر اپنی نعمت پوری کر دی اور تمہارے لئے بحیثیت دین، اسلام کو پسند کیا۔"

یہ دین اگر نسل انسانیت کے لئے ہے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت بھی بنی نوع انسان کے لئے ہے، ارشاد ہوتا ہے۔

وَمَآ اَرْسَلْنٰکَ اِلَّا کَآفَّةً لِّلنَّاسِ بَشِیْرًا وَّ نَذِیْرًا (سبا:۲۸) "اور ہم نے آپ کو انسانیت کے لئے بشارت دینے والا اور ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے۔"

چونکہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم خاتم النبیین ہیں اور آپؐ کے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا اس لئے دعوت وتبلیغ کی ذمہ داری امت مسلمہ پر ہے۔ قرآن حکیم کی اس آیت مبارک پر غور کیجئے:

کُنْتُمْ خَیْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَ تَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ (ال عمران:۱۱۰)

"(مسلمانو!) تم بہترین امت ہو جنہیں لوگوں (کی اصلاح وہدایت) کے لئے پیدا کیا

Marfat.com

گیا ہے۔تم لوگوں کو بھلے کاموں کا حکم دیتے اور برے کاموں سے روکتے ہو اور اللہ پر ایمان لاتے ہو۔"

یعنی دعوت وارشاد کے کام میں سب سے پہلے داعی کا زیور ایمان سے آراستہ ہونا ضروری ہے۔

ہر شخص انفرادی طور پر اور افراد امت بحیثیت مجموعی لوگوں کی ہدایت ورہنمائی بلکہ اس زمین پر اللہ تعالیٰ کی حاکمیت کو قائم کرنے کے ذمہ دار ہیں، ان کا فرض ہے کہ اس سلسلہ میں ہر مساعی اور کوشش، حکمت وتدبر کو کام میں لائیں بلکہ لوگوں میں سے صاحب علم وبصیرت کی جماعت ہمہ وقت امر بالمعروف اور نہی المنکر کے لئے کمر بستہ رہنی چاہئے جن کی معاشی ضروریات کی کفیل اسلامی حکومت یا پھر معاشرے کے اہل ثروت حضرات ہوں۔

کوئی مسلمان علم کے بغیر عمل کی شاہراہ پر گامزن نہیں ہوسکتا، بغیر علم کے وہ دینی فرائض کو ٹھیک طور پر سرانجام نہیں دے سکتا۔حقوق اللہ اور حقوق العباد کی ٹھیک طور پر ادائیگی نہیں کرسکتا، اس لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے۔

طَلَبُ العِلْمِ فَرِيضَةٌ عَلٰى كُلِّ مُسْلِمٍ

"حصول علم ہر مسلمان (مرد ہو یا عورت) پر فرض ہے"۔

مگر بسلسلہ دعوت وتبلیغ علوم دینیہ میں مہارت اور رسوخ ہر شخص کے لئے ممکن نہیں ہے، اس میں انتخاب (Choice) ضروری ہے ہر بڑے خاندان اور برادری میں کچھ لوگ حصول دین کے لئے اپنا گھر بار چھوڑیں اور علوم ومعارف سے آراستہ ہو کر دعوت وتبلیغ کے فریضہ کو احسن طریق پر سرانجام دیں، انہیں جہاں زبان وبیان پر قدرت ہو وہاں فہم وفراست سے بھی ہمکنار ہوں، قرآن حکیم میں اس کا تذکرہ اس طرح آتا ہے۔

فَلَوْ لَا نَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ طَآئِفَةٌ لِّيَتَفَقَّهُوْا فِي الدِّيْنِ وَلِيُنْذِرُوْا قَوْمَهُمْ اِذَا رَجَعُوْآ اِلَيْهِمْ لَعَلَّهُمْ يَحْذَرُوْنَ (التوبہ:۱۲۲) "پھر ایسا کیوں نہ ہوا کہ ہر گروہ میں سے چند لوگ دین میں سمجھ پیدا کرنے کے لئے نکلتے تاکہ جب وہ ان کی طرف واپس جاتے تو اپنے لوگوں کو (برے انجام سے) ڈراتے اس طرح شائد وہ برے کاموں سے بچتے رہتے"۔

اگرچہ مندرجہ بالا آیت مبارکہ غزوہ تبوک کے متعلق ہے جب اللہ تعالیٰ نے غزوہ تبوک سے پیچھے رہنے والوں پر سختی کی تو مسلمان سرایا میں سارے کے سارے نکلنا شروع ہو گئے اور

Marfat.com

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو مدینہ میں چھوڑ دیا جبکہ معاندین کی سازشوں کے خطرہ کے پیش نظر آپ کے پاس صحابہ کی ایک مضبوط جماعت کا ہونا ضروری تھا تو مندرجہ بالا آیت نازل ہوئی کہ جو لوگ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس رہیں وہ علم دین سے آراستہ ہوں اور جب سرایا والے صحابہ واپس آئیں تو ان سے دین سیکھ لیں تاہم مفسرین نے اسے عام مفہوم میں بھی لیا ہے کیونکہ بیک وقت سب لوگوں کا حصولِ علم کے لئے اپنے آپ کو فارغ کرنا آسان نہیں ہے۔

دعوت و تبلیغ کے اصول

(1) حکمت و موعظت

قرآن حکیم میں بصیرت وحکمت کو اللہ تعالیٰ کا بہت بڑا انعام قرار دیا گیا جس کے سامنے دنیا کے بڑے بڑے خزانے بھی ہیچ ہیں، ارشاد ہوتا ہے۔

يُؤْتِي الْحِكْمَةَ مَنْ يَّشَآءُ ج وَمَنْ يُّؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ اُوْتِيَ خَيْرًا كَثِيْرًا (البقرہ:۲۶۹) ''اللہ تعالیٰ جسے چاہتا ہے دانائی سے نوازتا ہے اور جسے دانائی ملی بلاشبہ اسے بہت بڑی نعمت ملی''۔ دعوت و تبلیغ میں بھی حکمت و بصیرت پیش نظر رہنی چاہئے، ارشاد ہوتا ہے:

اُدْعُ اِلٰى سَبِيْلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ (النحل:۱۲۵) ''(اے پیغمبر!) لوگوں کو دانش اور اچھی نصیحت سے اپنے رب کے راستے کی طرف بلاؤ اور بہت ہی اچھے طریق سے ان سے مناظرہ کرو۔''

لفظ حکمت و موعظت بڑے معنی خیز الفاظ ہیں، اتنے مختصر مگر جامع الفاظ میں دعوت و تبلیغ کے لئے، خوبصورت انداز میں نصیحت کی جارہی ہے، سید مودودیؒ لکھتے ہیں۔

''دعوت میں دو چیزیں ملحوظ رہنی چاہئیں......ایک حکمت دوسرے عمدہ نصیحت۔''

حکمت کا مطلب یہ ہے کہ بے وقوفوں کی طرح اندھا دھند تبلیغ نہ کی جائے، بلکہ دانائی کے ساتھ مخاطب کی ذہنیت، استعداد اور حالات کو سمجھ کر، نیز موقع و محل کو دیکھ کر بات کی جائے، ہر طرح کے لوگوں کو ایک ہی لکڑی سے نہ ہانکا جائے، جس شخص یا گروہ سے سابقہ پیش آئے، پہلے اس کے مرض کی تشخیص کی جائے، پھر ایسے دلائل سے اس کا علاج کیا جائے جو اس کے دل و دماغ کی گہرائیوں سے اس کے مرض کی جڑ نکال سکتے ہوں، عمدہ نصیحت کے دو مطلب ہیں، ایک یہ کہ

Marfat.com

مخاطب کوصرف دلائل ہی سے مطمئن کرنے پر اکتفا نہ کیا جائے بلکہ اس کے جذبات کو بھی اپیل کیا جائے برائیوں اور گمراہیوں کا محض عقلی حیثیت ہی سے ابطال نہ کیا جائے بلکہ انسان کی فطرت میں ان کے لئے جو پیدائشی نفرت پائی جاتی ہے، اسے بھی ابھارا جائے اوران کے برے نتائج کا خوف دلایا جائے، ہدایت اور عمل صالح کی محض صحت اور خوبی ہی عقلاً ثابت نہ کی جائے بلکہ ان کی طرف رغبت اور شوق بھی پیدا کیا جائے، دوسرا مطلب یہ ہے کہ نصیحت ایسے طریقہ سے کی جائے جس سے دلسوزی اور خیر خواہی ٹپکتی ہو، مخاطب یہ نہ سمجھے کہ ناصح اسے حقیر سمجھ رہا ہے اور اپنی بلندی کے احساس سے لذت لے رہا ہے بلکہ اسے یہ محسوس ہو کہ ناصح کے دل میں اس کی اصلاح کے لئے ایک تڑپ موجود ہے اور وہ حقیقت میں اس کی بھلائی چاہتا ہے۔''

(تفہیم القرآن، جلد:2)

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ میں حکمت و بصیرت کا پہلو نمایاں دکھائی دیتا ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی گفتگو مخاطب کے مزاج اور کیفیت کو سامنے رکھ کر ہوتی تھی، مثلاً ایک شخص نے حاضر خدمت ہوکر بار بار پوچھا کہ مجھے کوئی نصیحت فرمایئے، تو آپؐ نے اس کے چہرے مہرے سے اسے پہچانتے ہوئے غصہ نہ کرنے کی وصیت فرمائی اور ہر بار اسی تاکید کو دہرایا، آپؐ نے معلوم کرلیا تھا کہ اگر مخاطب غصہ قابو رکھنے میں کامیاب ہو گیا تو بہت بلند شخصیت کا مالک ہو جائے گا، اسی طرح ایک شخص کو جھوٹ سے بچنے کی نصیحت فرمائی کہ وہ اس سے تمام معاشرتی برائیوں سے چھٹکارا حاصل کرلیتا ہے، کہیں دعوت وتبلیغ کا خاموش پہلو ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق حسنہ کو دیکھ کر نہ معلوم کتنے لوگ دائرہ اسلام میں آئے، فتح مکہ پر آپؐ کے بے مثال عفو درگزر سے لوگ جوق در جوق مسلمان ہوئے قرآن اس کی یوں شہادت دیتا ہے:

''جب اللہ کی مدد اور فتح آپہنچی اور آپ نے دیکھ لیا کہ لوگ جوق در جوق اللہ کے دین میں داخل ہو رہے ہیں، تو (شکرانے کے طور پر) اپنے رب کی حمد و تسبیح کیجئے اور اس سے بخشش طلب کیجئے، یقیناً وہ بڑا توبہ قبول کرنے والا ہے'' (سورہ النصر)

حکمت و بصیرت میں یہ بات بھی آجاتی ہے کہ اس سلسلہ میں کیا طریق کار اور ذرائع اختیار کئے جائیں کہ دعوت وتبلیغ کا کام بہتر اور موثر انداز سے دور ونزدیک سرانجام پاسکے، اس ضمن میں چند امور قابل توجہ ہیں۔

(الف) تعلیم وتربیت کے ذریعہ

نسل نو کی ذہنی وفکری تربیت اور پاکیزہ اور مضبوط تعلیم سے دعوت کا کام بخیر وخوبی سرانجام پا سکتا ہے وہ کام جو اچھے مکاتب اور مدارس، سکولز اور کالجز سے لیا جاسکتا ہے وہ کسی دوسرے ذریعہ سے اتنا اچھا اور موثر نہیں ہوسکتا ہے، بڑوں کے مقابلے میں ننھے منے نونہالوں کے ذہن وفکر پر پاکیزگی اور نیکی کی چھاپ لگانا آسان، سہل اور دوررس نتائج کا حامل ہے۔

(ب) پاکیزہ لٹریچر

دور حاضر میں، صاف ستھرا، دلنشیں انداز میں لٹریچر تعمیر قوم میں بڑا اہم رول ادا کرتا ہے، مصنفین کی ایسی کھیپ تیار ہونی چاہئے جو اپنی مثبت تحریروں اور شاعری کے ذریعہ شاہین بچوں کو پیغام حق سنائے اور دلوں میں نیا جوش اور بلند عزائم پیدا کرے۔

(ج) جدید ذرائع ابلاغ

موجودہ دور میں ریڈیو، ٹیلی ویژن، کیبل اور انٹرنیٹ موثر اور تیز ذرائع ابلاغ ہیں، ان سے بہتر کام لے کر بہتر نتائج اخذ کیے جاسکتے ہیں، عام طور پر ذرائع ابلاغ کے پالیسی میکر (Policy maker) کسی ملک کے حکمران ہوتے ہیں، اس لئے اسے بہتر بنانے کا انحصار ان لوگوں کے رحم وکرم پر ہے، افسوس کہ پاکستان میں دیندار حکمرانوں کا ہمیشہ کال رہا ہے اس لئے یہ نشری ادارے پاکیزگی میں اپنا مقام نہ بناسکے۔

(د) اساتذہ اور نصاب

ہمارے تعلیمی اداروں میں بہتر نصاب اور اس نصاب کو پڑھانے میں صاحب کردار اساتذہ کی ٹیم بڑا اہم رول ادا کرسکتی ہے مگر اس ملک میں ان دونوں باتوں کی کمی شدت سے محسوس کی جارہی ہے۔

(2) دعوت وتبلیغ لوجہ اللہ

دعوت وتبلیغ کے سلسلہ میں دوسری اہم بات یہ ہے کہ اس کام کو سرانجام دینے والے اپنے کام کی اجرت ومزدوری کسی مخلوق سے نہیں چاہتے اس بارے میں ہر نبی اور رسول کی پکار یہ رہی ہے۔

وَمَا اَسْئَلُکُمْ عَلَیْهِ مِنْ اَجْرٍ اِنْ اَجْرِیَ اِلَّا عَلٰی رَبِّ الْعَالَمِیْنَ

Marfat.com

''میں تم سے کسی اجر اور معاوضہ کا طالب نہیں ہوں، میرا اجر تو صرف رب العالمین کے پاس ہے۔''

اس بے لوث اور پرخلوص قربانی اور جدوجہد کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ آوازِ حق داعی کے قلب سے نکلتی ہے اور مخاطب کے ذہن وفکر کو متاثر کرتی ہے اور پھر ایسا داعی راہِ حق اپنی جان کی بازی تک لگا دیتا ہے۔

(3) خیر خواہی کا جذبہ

اَلدِّیْنُ النَّصِیْحَۃُ ...... دین خیر خواہی کا نام ہے، داعی الی الحق کے دل میں جب تک دوسرے انسانوں کے لئے خیر خواہی کا جذبہ نہ ہو، اس کی دعوت موثر نہیں ہو سکتی ہے، انبیا علیھم السلام میں لوگوں کے لئے بھلائی اور خیر خواہی کا جذبہ بتمام وکمال ہوتا ہے حضرت ہود علیہ السلام اپنی امت کو کہتے ہیں

اُبَلِّغُکُمْ رِسٰلٰتِ رَبِّیْ وَ اَنَا لَکُمْ نَاصِحٌ اَمِیْنٌ (الاعراف:٦٨)

''میں اپنے رب کے پیغام تمہیں پہنچاتا ہوں اور تمہارا امین اور خیر خواہ ہوں۔''

حضرت صالح علیہ السلام اپنی امت کو خطاب کر کے فرماتے ہیں:

یٰقَوْمِ لَقَدْ اَبْلَغْتُکُمْ رِسَالَۃَ رَبِّیْ وَ نَصَحْتُ لَکُمْ وَلٰکِنْ لَّا تُحِبُّوْنَ النّٰصِحِیْنَ (الاعراف:٧٩) ''اے قوم! میں نے تمہیں اپنے رب کا پیغام پہنچا دیا تھا اور تمہاری خیر خواہی بھی کی لیکن تم خیر خواہی کرنے والوں کو پسند نہیں کرتے۔''

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تبلیغی مساعی اور کوشش کا ذکر قرآن حکیم کے کئی مقامات میں آیا ہے، ایک جگہ ارشاد ہوا۔

لَعَلَّکَ بَاخِعٌ نَّفْسَکَ اَلَّا یَکُوْنُوْا مُؤْمِنِیْنَ (الشعرا:٣)

''(اے نبیؐ!) اگر یہ ایمان نہیں لاتے تو اس غم میں شاید آپ اپنے آپ کو ہلاک ہی کر ڈالیں گے۔''

ایک دوسرے مقام پر فرمایا:

لَقَدْ جَآءَکُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِکُمْ عَزِیْزٌ عَلَیْہِ مَا عَنِتُّمْ حَرِیْصٌ عَلَیْکُمْ بِالْمُؤْمِنِیْنَ رَءُوْفٌ رَّحِیْمٌ (التوبہ:١٢٩)

''(لوگو!) تمہارے پاس تم ہی سے ایک رسول آیا اگر تمہیں کوئی تکلیف پہنچے تو اسے گراں گذرتی ہے وہ (تمہاری فلاح و بہود کا) حریص ہے، مومنوں پر نہایت ہی مہربان اور شفیق ہے۔''

یہ بات قابل توجہ ہے کہ خیر خواہی کا جذبہ اسی شخص کے دل میں پیدا ہو سکتا ہے جس میں کسی کے لئے دکھ درد کا احساس ہو، اور جو دوسروں کے غم کو اپنا غم خیال کرے اور داعی الی اللہ کے اندر اس وصف کا ہونا ضروری ہے۔

(4) نرمی اور شفقت

دعوت و تبلیغ کے سلسلہ میں چوتھی بات نرمی اور شفقت کا پہلو ہے سیدنا موسیٰ علیہ السلام جلیل القدر پیغمبر تھے، انہیں جب ان کے بھائی ہارون علیہ السلام کے ساتھ دربار فرعون میں دعوت و تبلیغ کے سلسلہ میں جانے کا حکم ہوتا ہے تو رب کریم فرماتے ہیں۔

فَقُولَا لَهُ قَوْلًا لَّيِّنًا (طٰہٰ) ''(دیکھنا) تم دونوں نے فرعون سے نرم گفتگو کرنی ہے۔''

اس کا مطلب یہ ہے کہ حق بات کو بھی نرم لب ولہجہ کے ساتھ اور ناصحانہ انداز میں پہنچانا ہے، جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس نرم خوئی کا ذکر قرآن ان الفاظ میں کرتا ہے۔

فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لِنْتَ لَهُمْ ج وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيْظَ الْقَلْبِ لَا نْفَضُّوْا مِنْ حَوْلِكَ (ال عمران:۱۵۹)

''اللہ کی یہ کتنی بڑی رحمت ہے کہ آپ ان کے حق میں نرم مزاج واقع ہوئے ہیں، اگر آپ تند مزاج اور سنگدل ہوتے تو یہ سب آپؐ کے پاس سے تتر بتر ہو جاتے۔''

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نرمی اور شفقت کا باب اتنا وسیع ہے کہ اس کے لئے کئی صفحات درکار ہیں۔

دین اسلام فطرت کی آواز ہے، یہ فوز و فلاح کی راہ ہے، یہ سلامتی اور سکون کا راستہ ہے، یہ مصائب اور مشکلات سے نکالتا ہے، راحتیں اور آسانیاں پیدا کرتا ہے اور انسانوں پر ناحق بوجھ نہیں ڈالتا ہے کہ وہ اسے اٹھا نہ سکیں، وہ یہ کہتا ہے کہ تم دن میں پانچ بار، اللہ تعالیٰ کے حضور اپنی جبین نیاز کو جھکا دو کہ اس مولا و مالک نے تمہیں زندگی ایسی قیمتی نعمت اور اس کے علاوہ ان گنت انعامات سے نوازا ہے۔

وَاِنْ تَعُدُّوا نِعْمَةَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا

Marfat.com

''اگر رب کریم کے انعامات کو شمار کرنا چاہو تو ہر گز نہیں کر سکتے ہو۔''

اگر بیمار ہو اور نماز کھڑے ہو کر ادا نہیں کر سکتے تو بیٹھ کر ادا کر لو، بیٹھ کر بھی ادا کرنا مشکل ہے تو لیٹ کر اشاروں سے ادا کر لو۔

یرید الله بکم الیسر و لا یرید بکم العسر (البقرہ:۱۰۵)

''اللہ تمہارے ساتھ نرمی کا برتاؤ چاہتا ہے سختی کا نہیں۔''

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب یمن کی طرف دو صحابہ رضی اللہ عنہما کو اسلام کا داعی بنا کر بھیجا تو ان کو چلتے وقت یہ نصیحت فرمائی۔

یَسِّرَا وَلَا تُعَسِّرَا وَ بَشِّرَا وَلَا تُنَفِّرَا (بخاری) ''تم لوگوں کو آسانی کی راہ بتانا اور ان کو مشکلات میں نہ ڈالنا اور انہیں خوشخبری دینا اور نفرت نہ دلانا۔''

ان مختصر، جامع اور معنی خیز کلمات میں داعی الی اللہ کے لئے کس قدر حکمت و بصیرت کے موتی پنہاں ہیں، مگر اس کا یہ مطلب بھی نہیں ہے کہ عقائد و فرائض میں مداہنت اور غفلت برتی جائے، یہ تو کسی حال میں جائز نہیں ہے، بلکہ طریق کار میں سہولت اور نرمی اختیار کی جائے مثلاً بیمار کے لئے رمضان المبارک میں روزوں کی چھوٹ اس معنی میں ہے کہ وہ اس گنتی کو صحت ملنے پر دوسرے دنوں میں پوری کر لے۔

(5) سختی کا جواب نرمی سے

دعوت و تبلیغ کا یہ بڑا سنہری اصول ہے۔ قرآن حکیم میں ارشاد ہوا:

اِدْفَعْ بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ فَاِذَا الَّذِیْ بَیْنَکَ وَبَیْنَهٗ عَدَاوَةٌ کَاَنَّهٗ وَلِیٌّ حَمِیْمٌ (حم السجدہ:۳۴) ''آپ (بدی کا ایسی بات) سے دفاع کیجئے جو اچھی ہو (آپ دیکھیں گے کہ) جس شخص کی آپ کے ساتھ عداوت تھی وہ آپ کا گہرا دوست بن گیا۔''

اسوہ رسولؐ اس کا بہترین نمونہ ہے۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تبلیغ کے لئے طائف تشریف لے گئے تو وہاں کے باشندوں نے آپ کے ساتھ سخت اور ناروا سلوک کیا، اس کے جواب میں آپؐ نے انہیں دعائے خیر سے نوازا، آخر انہی لوگوں کو اللہ تعالیٰ نے نعمت اسلام سے سرفراز کیا، سیرت طیبہ میں بے شمار ایسے واقعات ملتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سختی کا جواب ہمیشہ نرمی سے دیا۔

Marfat.com

اس واقعہ پر غور فرمائیے:

"نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ سوار نجد کی جانب روانہ فرمائے تھے، وہ واپس ہوتے ہوئے ثمامہ بن اثال کو گرفتار کرلائے فوج والوں نے انہیں مسجد نبویؐ کے ستون کے ساتھ لا باندھا تھا، نبی صلی اللہ علیہ وسلم وہاں تشریف لائے تو دریافت کیا "ثمامہ کیا حال ہے؟" ثمامہ نے کہا "محمدؐ، میرا حال اچھا ہے، اگر آپ میرے قتل کا حکم صادر فرمائیں گے تو یہ حکم ایک خونی کے حق میں ہوگا اور اگر آپ انعام فرمائیں گے تو ایک شکرگزار پر رحمت کریں گے اور اگر مال کی ضرورت ہے تو جس قدر چاہئے بتا دیجئے" دوسرے اور تیسرے روز بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ثمامہ سے اسی طرح پوچھتے رہے اور وہ اسی طرح جواب دیتا رہا، تیسرے روز نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ ثمامہ کو چھوڑ دیا جائے، ثمامہ رہائی پا کر ایک کھجور کے باغ میں گیا جو مسجد نبوی کے قریب ہی تھا، وہاں جا کر غسل کیا اور پھر مسجد نبوی میں لوٹ کر آ گیا اور آتے ہی کلمہ پڑھ لیا اور پیارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم (فداہ ابی و امی) سے اس طرح مخاطب ہوا:

"یارسول اللہ! اللہ کی قسم! سارے عالم میں آپ سے زیادہ اور کسی شخص سے مجھے نفرت نہ تھی، لیکن اب تو آپ ہی مجھے دنیا میں سب سے بڑھ کر پیارے معلوم ہوتے ہیں، اللہ کی قسم! آپ کے شہر سے مجھے نفرت تھی، مگر آج تو مجھے وہ سب مقامات سے پسندیدہ تر نظر آتا ہے، اور آپ کے دین سے بڑھ کر مجھے کسی اور دین سے بغض نہ تھا، لیکن آج تو آپ ہی کا دین مجھے محبوب تر ہو گیا ہے۔"

(رحمۃ للعالمین از قاضی سلیمان منصور پوری جلد: 1)

(6) صبر واستقامت

دعوت وتبلیغ میں صبر واستقامت، تحمل و بردباری کا مظاہرہ ضروری ہے، لقمان علیہ السلام اپنے فرزند ارجمند کو نصیحت کرتے ہوئے کہتے ہیں

يٰبُنَيَّ اَقِمِ الصَّلٰوةَ وَ اْمُرْ بِالْمَعْرُوْفِ وَانْهَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَاصْبِرْ عَلٰى مَآ اَصَابَكَ ؕ اِنَّ ذٰلِكَ مِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ (لقمان:۱۷) "پیارے بیٹے! نماز قائم کرو، نیکی کا حکم کرو اور برے کام سے منع کرو (اور ایسا کرتے ہوئے) تجھے کوئی تکلیف پہنچے تو اس پر صبر کرو، بلاشبہ یہ سب بڑی ہمت کے کام ہیں۔"

حقیقت یہ ہے کہ دعوت حق پیش کرنے میں ابتلا و آزمائش کے سخت اور کٹھن مراحل سے

Marfat.com

گزرنا پڑتا ہے، خاص طور پر یہ آزمائش نہی عن المنکر (برائی روکنے) پر بڑی صبر آزما ہوتی ہے۔ اس سلسلہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب رضی اللہ عنہم پر مصائب کے جو پہاڑ ٹوٹے اور انہوں نے جس عزیمت واستقامت کا مظاہرہ کیا ان کے بعد آنے والوں کے لئے روشنی کا سامان بنا، دور حاضر میں اخوان المسلمین (مصر) کے ساتھ دعوت حق کے سلسلہ میں مکی دور کو دہرایا گیا، اللہ جزا دے ان پاکبازوں کو کہ انہوں نے عزیمت واستقامت کا ویسا ہی باب رقم کیا،

مندرجہ بالا آیۃ کریمہ میں اس بات کی طرف بھی اشارہ ملتا ہے کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ سرانجام دیتے ہوئے، صبر وثبات، تحمل اور قوت برداشت اسی میں ہوگی جو نماز کو قائم کرے گا۔

(7) ہمہ گیر اور ہمہ جہت دعوت وتبلیغ:

دین اسلام ہر شعبہ حیات پر محیط ہے عبادت، سیاست، معاشرت اور معیشت غرضیکہ تمام شعبہ جات ایک دوسرے سے مربوط اور منسلک ہیں اور ان میں کسی قسم کی دوئی اور علیحدگی نہیں ہے

جدا ہو دیں سیاست سے تو رہ جاتی ہے چنگیزی

اگر یہ تمام شعبہ جات احکام الٰہی اور اس کی رضا مندی کے مطابق چلیں تو اس کا اجر وثواب عبادت کی طرح ملتا ہے اور اگر عبادت وریاضت میں نمود ونمائش آجائے تو اجر وثواب سے یکسر محرومی ہو جاتی ہے۔

قرآن حکیم اعلان کرتا ہے۔

يَـٰٓأَيُّهَا الَّذِينَ اٰمَنُوا ادْخُلُوْا فِي السِّلْمِ كَآفَّةً، وَلَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ، اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ (البقرہ:۱۰۸) ''اے ایمان والو! اسلام میں پورے کے پورے داخل ہو جاؤ اور شیطان کی اتباع نہ کرو کیونکہ وہ تمہارا کھلا دشمن ہے۔''

سیاست اسلام کے نزدیک شجر ممنوعہ نہیں ہے، بلکہ ظلم وستم کو روکنا اور عدل وانصاف کی حکمرانی قائم کرنا مسلمان کا فریضہ ہے۔

اِنَّآ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ لِتَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ بِمَآ اَرٰىكَ اللّٰهُ (النساء:۱۰۵) ''بلاشبہ ہم نے آپ کی طرف سچی کتاب نازل کی تاکہ اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ بصیرت کے مطابق لوگوں کے درمیان فیصلہ کریں۔''

اس بات میں کوئی کلام نہیں ہے کہ دعوت وتبلیغ میں جہاں حکمت وبصیرت، تدبر اور فراست کو پیش نظر رکھا جاتا ہے وہاں ترتیب اور تدریج کو بھی اپنایا جاتا ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو یمن روانہ فرمایا تو حکم دیا:

''تم ایسے لوگوں میں جارہے ہو جہاں اہل کتاب بھی ہیں، جب تم وہاں پہنچو تو ان کو سب سے پہلے یہ بتاؤ کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے اور یہ کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اللہ کے رسول ہیں، جب وہ مان لیں تو انہیں یہ بتاؤ کہ اللہ تعالیٰ نے ان پر دن میں پانچ وقت کی نمازیں فرض کی ہیں، جب وہ تمہاری یہ بات بھی مان لیں تو انہیں یہ بتاؤ کہ اللہ تعالیٰ نے تم پر زکوٰۃ بھی فرض کی ہے جو دولت مندوں سے لی جائے اور فقراء ومساکین کو دی جائے اور جب وہ اس کو مان لیں تو زکوٰۃ میں چن چن کر ان کے اچھے مال چھانٹ کر نہ لو اور مظلوم کی بددعا سے بچنا کہ اس کے اور اللہ تعالیٰ کے درمیان کوئی چیز حائل نہیں۔''

پھر اس بات کا خیال بھی رکھا جائے گا کہ ترتیب میں پہلے گھر اور افراد خانہ آئیں گے۔ پھر اقربا اور رشتہ دار اور آہستہ آہستہ یہ سلسلہ آگے بڑھتا جائے گا یہاں تک کہ نسل انسانیت تک یہ پیغام حق پہنچایا جائے گا ارشاد ہوتا ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قُوْٓا اَنْفُسَكُمْ وَاَهْلِيْكُمْ نَارًا (التحریم:٦) ''اے ایمان والو! اپنے آپ کو اور اپنے اہل وعیال آتش جہنم سے بچاؤ۔'' دوسرے مقام پر فرمایا۔

وَاَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ الْاَقْرَبِيْنَ (الشعر:٢٢٦)

''اور اپنے کنبہ کے قریبی رشتہ داروں کو ڈراؤ۔''

آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت طیبہ کو غور سے پڑھیے تو یہ ترتیب بڑی واضح معلوم ہوگی۔

Marfat.com

Marfat.com

مسلمان کو گالی دینا اور قتل کرنا!

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا ''مسلمان کو گالی دینا فسق ہے اور قتل کرنا کفر ہے۔'' [متفق علیہ]

یہ متفق علیہ حدیث ہے یعنی امام بخاریؒ اور امام مسلمؒ دونوں نے اپنی اپنی کتاب میں اسے درج کیا ہے اور اس کے ثقہ ہونے میں کوئی کلام نہیں ہے اور اگر دل سلامت ہے اور اس میں ایمان کی تھوڑی سی بھی رمق باقی ہے تو حدیث مبارک کے الفاظ سن کر دل لرز جانا چاہیے۔ فسق اور کفر کے مفہوم و معنی پر غور کر لیجئے!

فسق کے معنی حق و صداقت کے راستے سے ہٹ جانے اور دائرہ اسلام سے نکل جانے کے ہیں، عربی میں محاورہ بولتے ہیں۔

"فسقت الرطبة عن قشرها"

''پکی ہوئی کھجور اپنے چھلکے سے باہر آ گئی''

حقیقت یہ ہے کہ شریعت مطہرہ کی حدود و قیود سے تجاوز کر جانا اور نافرمانی اور بغاوت پر اتر آنا فسق کہلاتا ہے جیسا کہ شیطان (ابلیس) کے بارے میں آتا ہے:

فسجدوا الا ابلیس، کان من الجن ففسق عن امر ربه (الکھف:۵) ''(جب آدم کی تعظیم بجالانے کے لئے فرشتوں کو حکم ہوا) تو ابلیس کے سوا سب نے اسے سجدہ (تعظیمی) کیا۔ وہ جنوں میں سے تھا، اس نے اپنے رب کے حکم سے سرتابی کی۔''

حکم الٰہی توڑنے پر شیطان نے فسق کی راہ اختیار کی اور وہ فاسق کہلایا، اسی طرح کسی مسلمان کو گالی دینا فسق کی راہ ہے اور گالی دینے والا فاسق ہے اور قرآن حکیم میں ہے۔

وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفَاسِقِينَ (التوبہ:۲۴) ''اور اللہ نافرمان لوگوں کو ہدایت

نہیں دیتا۔''

گویا کہ فاسق لوگ زندگی میں کبھی راہ یاب نہیں ہو سکتے۔

کفر کے معنی اصل میں کسی چیز کو چھپانے کے ہیں اور رات چونکہ چیزوں کو چھپالیتی ہے اس لئے اسے بھی اس صفت سے یاد کرتے ہیں، اسی طرح کاشتکار چونکہ زمین کے اندر بیج کو چھپاتا ہے اس لئے اسے بھی کافر کہا جاتا ہے مگر یہ ان کے اصلی نام نہیں ہیں، 'الکافور' اس غلاف کو کہتے ہیں جو پھل کو اپنی آغوش میں چھپائے رکھتا ہے۔

کفر یا کفران نعمت کے معنی نعمت کی ناشکری اور ناقدری کر کے اسے چھپانے کے ہیں، اور سب سے بڑا کفر اللہ تعالیٰ کی وحدانیت یا شریعت مطہرہ یا انبیاء کرامؑ کی نبوت کا انکار ہے 'کفر' کا لفظ انکار دین کے معنی میں اور 'کفور' کا لفظ دونوں قسم کے انکار (یعنی انکار دین، اور نعمتوں کے انکار) پر بولا جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک جہاں فاسقین ناپسندیدہ لوگ ہیں وہاں کفار بھی راہ حق سے دور، ہدایت سے محروم لوگ ہیں، ارشاد ہوتا ہے:

اَنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ الْكَافِرِيْنَ (المائدہ:۶۷) ''بلاشبہ اللہ تعالیٰ کافر قوم کی راہنمائی نہیں فرماتا۔'' [مفردات القرآن۔ راغب اصفہانی]

فاسق ہوں یا کافر، اپنے انجام کے اعتبار سے خسارے اور نقصان میں ہیں۔ اب ذرا حدیث مبارک پر غور کیجئے کہ اگر کسی مسلمان کو گالی دینا فسق ہے تو (ناحق) قتل کرنا کفر ہے، یہ تو مسلمان کا معاملہ ہے، قرآن حکیم کی بلند اخلاقی تعلیمات اس سے بھی آگے عام اِنسانوں کے جان و مال کی حفاظت کا سبق سکھاتی ہیں۔ ارشاد ہوتا ہے:

مَنْ قَتَلَ نَفْسًا م بِغَيْرِ نَفْسٍ اَوْ فَسَادٍ فِي الْاَرْضِ فَكَاَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِيْعًا ط وَمَنْ اَحْيَاهَا فَكَاَنَّمَآ اَحْيَا النَّاسَ جَمِيْعًا (المائدہ:۳۲)

''جو شخص کسی کو (ناحق) قتل کرے گا (یعنی) بغیر اس کے کہ جان کا بدلہ لیا جائے یا ملک میں خرابی کرنے کی سزا دی جائے، اس نے گویا (یہ جرم کر کے) تمام لوگوں کو قتل کیا اور جو اس کی زندگی کا موجب ہوا (یعنی کسی انسانی جان کو بچالیا) تو گویا لوگوں کی زندگی کا موجب ہوا۔''

سید مودودیؒ نے اس آیہ مبارکہ کی تشریح میں بڑی عمدہ بات کہی ہے:

''مطلب یہ ہے کہ دنیا میں نوع انسانی کی زندگی کا بقا منحصر ہے اس پر کہ ہر انسان کے دل

Marfat.com

میں دوسرے انسانوں کی جان کا احترام موجود ہو اور ہر ایک دوسرے کی زندگی کے بقا و تحفظ میں مددگار بننے کا جذبہ رکھتا ہو، جو شخص ناحق کسی کی جان لیتا ہے، وہ صرف ایک ہی فرد پر ظلم نہیں کرتا بلکہ یہ بھی ثابت کرتا ہے کہ اس کا دل حیات انسانی کے احترام سے اور ہمدردی نوع کے جذبہ سے خالی ہے، لہٰذا وہ پوری انسانیت کا دشمن ہے کیونکہ اس کے اندر وہ صفت پائی جاتی ہے جو اگر تمام افراد انسانی میں پائی جائے تو پوری نوع کا خاتمہ ہو جائے، اس کے برعکس جو شخص انسان کی زندگی کے قیام میں مدد کرتا ہے وہ درحقیقت انسانیت کا حامی ہے کیونکہ اس میں وہ صفت پائی جاتی ہے جس میں انسانیت کے بقا کا انحصار ہے۔" [تفہیم القرآن: جلد اول]

ایک اور مقام پر ارشاد ہوتا ہے:

وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِي حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ ط وَمَنْ قُتِلَ مَظْلُوْمًا فَقَدْ جَعَلْنَا لِوَلِيِّهٖ سُلْطٰنًا فَلَا يُسْرِفْ فِّي الْقَتْلِ ط اِنَّهٗ كَانَ مَنْصُوْرًا (بنی اسرائیل:۳۳)

"اور جس جان کو اللہ نے (قتل سے) منع فرما دیا اسے مت مارو مگر جائز طور پر (کہ شرعاً تم مجبور ہو جاؤ کہ وہ قاتل ہو یا مرتد وغیرہ) اور جو کوئی ناحق مارا جائے، تو ہم نے ان کے وارثوں کو حق دیا ہے (کہ قتل کا بدلہ طلب کریں) لیکن قتل کرنے (یعنی قصاص لینے) میں حد سے تجاوز نہ کریں، بے شک اس کو (اللہ اور اس کے نیک بندوں کی) مدد حاصل ہے (اللہ کا حکم ہے کہ قاتل کی حمایت نہ کی جائے لیکن بدلہ لینے میں کوئی زیادتی نہ ہو)۔"

وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِي حَرَّمَ اللّٰهُ "اور قتل نفس کا ارتکاب نہ کرو جسے اللہ نے حرام کیا ہے۔" آیہ مبارکہ کے اس حصہ پر سید مودودیؒ لکھتے ہیں:

"قتل نفس سے مراد صرف دوسرے انسان کا قتل ہی نہیں ہے بلکہ خود اپنے آپ کو قتل کرنا (خودکشی) بھی ہے، اس لئے کہ نفس جس کو اللہ نے ذی حرمت ٹھہرایا ہے، اس کی تعریف میں دوسرے نفوس کی طرح اپنا نفس بھی داخل ہے، لہٰذا جتنا بڑا جرم اور گناہ قتلِ انسان ہے، اتنا بڑا جرم اور گناہ خودکشی بھی، آدمی کی بڑی غلط فہمیوں میں سے ایک یہ ہے کہ وہ اپنے آپ کو اپنی جان کا مالک اور اپنی اس ملکیت کو باختیار خود تلف کر دینے کا مجاز سمجھتا ہے، حالانکہ یہ جان اللہ کی ملکیت ہے اور ہم اس کے اتلاف (ضائع کرنے کے) تو درکنار، اس کے کسی بے جا استعمال کے بھی مجاز نہیں ہیں، دنیا کی اس امتحان گاہ میں اللہ تعالیٰ جس طرح بھی ہمارا امتحان لے، اسی طرح ہمیں آخر وقت

Marfat.com

تک امتحان دیتے رہنا چاہئے، خواہ حالات امتحان اچھے ہوں یا برے اللہ تعالیٰ کے دیے ہوئے وقت کو قصداً ختم کر کے امتحان گاہ سے بھاگ نکلنے کی کوشش بجائے خود غلط ہے۔ کجا کہ یہ فرار بھی ایک ایسے جرم عظیم کے ذریعہ سے کیا جائے جسے اللہ تعالیٰ نے صریح الفاظ میں حرام قرار دیا ہے، اس کے دوسرے معنی یہ ہیں کہ آدمی دنیا کی چھوٹی چھوٹی تکلیفوں، ذلتوں اور رسوائیوں سے بچ کر عظیم تر اور ابدی تکلیف ورسوائی کی طرف بھاگتا ہے۔"

"اِلَّا بِالْحَقِّ" (مگر حق کے ساتھ) اس پر سید مودودیؒ لکھتے ہیں:

"بعد میں اسلامی قانون نے 'قتل بالحق' کو صرف پانچ صورتوں میں محدود کر دیا: ایک قتل عمد کے مجرم سے قصاص، دوسرے دین حق کے راستے میں مزاحمت کرنے والوں سے جنگ، تیسرے اسلامی نظام حکومت کو الٹنے کی سعی کرنے والے کو سزا، چوتھے شادی شدہ مرد یا عورت کو ارتکاب زنا کی سزا اور پانچویں ارتداد کی سزا، صرف یہی پانچ صورتیں ہیں جن میں انسانی جان کی حرمت مرتفع ہو جاتی ہے۔ اور اسے قتل کرنا جائز ہے۔"

"وَمَنْ قُتِلَ مَظْلُوْمًا فَقَدْ جَعَلْنَا لِوَلِيِّهٖ سُلْطٰنًا ......اِنَّهٗ كَانَ مَنْصُوْرًا"۔

اس پر سیدؒ صاحب لکھتے ہیں:

"اصل الفاظ ہیں اس کے ولی کو ہم نے سلطان عطا کیا ہے سلطان سے یہاں مراد، حجت ہے جس کی بنا پر وہ قصاص کا مطالبہ کر سکتا ہے، اس سے اسلامی قانون کا یہ اصول نکلتا ہے کہ قتل کے مقدمے میں اصل مدعی حکومت نہیں بلکہ اولیائے مقتول ہیں اور وہ قاتل کو معاف کرنے اور قصاص کے بجائے خون بہا لینے پر راضی ہو سکتے ہیں۔"

فَلَا يُسْرِفْ فِّي الْقَتْلِ (وہ قتل میں حد سے نہ گزرے) اس کی متعدد صورتیں ہو سکتی ہیں اور وہ سب ممنوع ہیں...... مثلاً جوش انتقام میں مجرم کے علاوہ دوسروں کو قتل کرنا، یا مجرم کو عذاب دے دے کر مارنا، یا مار دینے کے بعد اس کی لاش پر غصہ نکالنا، یا خوں بہا لینے کے بعد پھر اسے قتل کرنا وغیرہ۔

"انہ کان منصورا" یعنی وارثوں کا مجرموں کے ساتھ بدلہ لینے پر زیادتی کرنا مناسب نہیں ہے۔ مظلوموں کو اسلامی حکومت خود ہی عدل فراہم کرتی ہے اور ظالموں کا شرعی حدود کے اندر محاسبہ کرتی ہے۔

سید صاحب لکھتے ہیں: ”چونکہ اس وقت تک اسلامی حکومت قائم نہ ہوئی تھی اس لئے اس بات کو نہیں کھولا گیا کہ اس کی مدد کون کرے گا بعد میں جب اسلامی حکومت قائم ہو گئی تو یہ طے کر دیا گیا کہ اس کی مدد کرنا اس کے قبیلے یا اس کے حلیفوں کا کام نہیں ہے بلکہ اسلامی حکومت اور اس کے نظام عدالت کا کام ہے، کوئی شخص یا گروہ بطور خود قتل کا انتقام لینے کا مجاز نہیں ہے بلکہ یہ منصب اسلامی حکومت کا ہے کہ حصول انصاف کے لئے اس سے مدد مانگی جائے۔“ (تفہیم القرآن جلد: دوئم)

سورۃ بنی اسرائیل کی مندرجہ بالا آیہ مبارکہ کی روشنی میں یہ اصول ہمارے سامنے آتے ہیں:

1- سوائے ان پانچ صورتوں کے جن کا اوپر ذکر ہوا ہے دوسروں کی جان لینا حرام ہے، اور اس کی دنیا وآخرت میں سخت سزا ہے ہر جان واجب الاحترام ہے خواہ وہ غیر مسلم ہی کیوں نہ ہوں۔

2- اسلامی حکومت غیر مسلموں کے جان ومال کی اسی طرح محافظ ہوتی ہے جس طرح مسلمانوں کے جان ومال کی۔

3- عوام کے لئے قانون کو ہاتھ میں لینا کسی طرح بھی جائز اور مناسب نہیں ہے کہ اس سے فتنہ وفساد کی کئی راہیں کھل جاتی ہیں۔

4- ہر حکومت کا اور خاص طور پر اسلام کے نام پر قائم ہونے والی حکومت کا اولین فرض بنتا ہے کہ مظلومین کی مدد کرے اور ظالموں کو شریعت کے مطابق فوری سزا دے، اگر وہ ایسا نہیں کرتی اور اس کے ماتحت قانون نافذ کرنے والے ادارے (پولیس اور عدالتیں) کسی غفلت اور کوتاہی کا شکار ہو کر، مجرموں سے مال کھا کر انہیں چھوڑ دیتے ہیں، یا جرم ثابت ہونے کے بعد بھی سزا دینے میں تاخیر ہو جاتی ہے تو وہاں کا معاشرتی نظام درہم برہم ہو جاتا ہے۔

وہاں سے عدل وانصاف بوریا بستر لپیٹتا ہے اور ہر طرف جنگل کا قانون چل نکلتا ہے، ”جس کی لاٹھی اس کی بھینس“ کا محاورہ صادق آتا ہے۔ زبردست زیردستوں کو دباتے ہیں اور انہیں کوئی پوچھنے والا نہیں ہوتا۔ اس معاشرے میں قتل وغارت، ڈاکہ، اغوا اور اسی قبیل کی بہت سی برائیوں کو معمولی خیال کیا جاتا ہے، جیسا کہ آج کل ہمارے معاشرے میں ہو رہا ہے، روزانہ اخبارات انہی واقعات سے بھرے ہوتے ہیں، جنہیں پڑھ کر حساس لوگ دل تھام کر بیٹھ جاتے ہیں اور سوچنے لگتے ہیں کہ پاکستان اتنی جانی ومالی قربانیوں کے بعد کیا اس لئے بنا تھا کہ آزادی ملنے کے بعد ہر ضابطہ اخلاق کو پس پشت ڈال دیا جائے اور زندگی کا امن وسکون غارت ہو جائے؟

Marfat.com

یہاں پر کتنی حکومتیں بنتی رہیں ...... کبھی سول راج قائم ہوا اور کبھی فوجی انقلاب آیا مگر کسی کو اسلام کا عادلانہ نظام قائم کرنے کی توفیق نہ ملی، حالانکہ کسی بھی حکومت کے قیام کا اولین اور بنیادی مقصد لوگوں کو سستا اور مفت عدل مہیا کرنا، جان و مال کی حفاظت عطا کرنا، تعلیم و تربیت کے مواقع فراہم کرنا اور روٹی، کپڑا، مکان اور علاج معالجے ایسی بنیادی ضروریات بہم پہنچانا ہے، اگر وہ ایسا نہیں کر پاتی تو اس کا وجود بے معنی اور بے مقصد ہے، رب کائنات نے ہمیں قانون اور دستور عطا فرمادیا ہے اور حکم دیا ہے کہ جونہی وہ تمہیں آزادی سے ہمکنار فرمائے اس پر عمل پیرا ہو جاؤ، اس سلسلہ کی جامع آیہ مبارکہ یہ ہے۔

اَلَّذِیْنَ اِنْ مَّكَّنّٰهُمْ فِی الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ وَاَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَ نَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ ؕ وَلِلّٰهِ عَاقِبَةُ الْاُمُوْرِ (الحج:۴۱) ”یہ وہ (نیک لوگ) ہیں کہ اگر ہم انہیں زمین میں اقتدار بخشیں تو نماز قائم کریں، زکوۃ ادا کریں (اس کا باقاعدہ نظام قائم کریں) بھلے کاموں کا حکم دیں اور برے کاموں سے روکیں اور سب کاموں کا انجام تو اللہ کے ہاتھ میں ہے۔“

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرامؓ ہجرت کر کے سرزمین یثرب پہنچے تو تھوڑے ہی عرصہ میں عدل و انصاف کی حکمرانی قائم کردی گئی تھی، پھر انصار و مہاجرین میں 'مواخات' کے ساتھ مہر و محبت کی خوشگوار فضا پیدا کی گئی کہ ان کے درمیان حسد و رقابت جاتی رہی اور اقامت صلوۃ نے انہیں ایک لڑی میں پرو دیا، نیکیوں کو فروغ دینے اور برائیوں کو مٹانے سے ایک صاف ستھرے، مضبوط اور توانا معاشرے کی داغ بیل ڈال دی گئی جہاں ہر طرف اور ہر سو امن و سلامتی کی خوشبو پھیلنے لگی، اس کے لئے کتنا عرصہ لگا؟

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس دنیا سے تشریف لے جانے کے بعد حضرت ابو بکر صدیقؓ (حکومت کا عرصہ سوا دو سال) اور پھر حضرت عمرؓ (حکومت کا عرصہ تقریباً دس سال) نے اسلامی سلطنت کو کہاں تک پھیلا دیا؟ اور کہاں کہاں عدل و انصاف لوگوں کو مہیا کیا؟ نہ صرف اپنوں کو بلکہ غیر مسلموں کو انصاف فراہم کیا گیا ہے، اس کے لئے شبلی نعمانی کی 'الفاروق' پڑھ ڈالئے اگر کسی مسلمان نے کسی ذمی (غیر مسلم) کو بلاوجہ مار ڈالا تو اس مسلمان کو ذمی کے وارثوں کے حوالے کر دیا گیا کہ وہ اس سے انتقام لے لیں۔

Marfat.com

ہم نے پاکستان کے چھپن سال جو یقیناً قوموں کی تعمیر میں سنہری عرصہ ہوتا ہے، سیاسی اکھاڑ پچھاڑ میں ضائع کردیے اور اس عرصہ میں اپنے ملک کا آدھا حصہ بھی کھو بیٹھے، اور جو حصہ بچ گیا ہے اسے بھی لاقانونیت سے فتنہ وفساد کی آماجگاہ بنادیا ہے، لوگوں میں تعلیم وتربیت کا زبردست فقدان ہے...... حقوق وفرائض سے ناآشنا اور الفت ومحبت سے بے خبر ہیں...... معمولی معمولی باتوں پر ایک دوسرے پر گولیوں کی بوچھاڑ کردیتے ہیں یہاں تک کہ مساجد اور عبادت گاہیں بھی محفوظ نہ رہیں، کیا انہیں خبر ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک یہ کتنا بڑا جرم ہے۔

وَمَنْ يَّقْتُلْ مُؤْمِنًا مُّتَعَمِّدًا فَجَزَآءُهٗ جَهَنَّمُ خٰلِدًا فِيْهَا وَغَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِ وَلَعَنَهٗ وَاَعَدَّ لَهٗ عَذَابًا عَظِيْمًا (النساء:۹۳) ''اور جو شخص کسی مسلمان کو قصداً (جان بوجھ کر) مار ڈالے تو اس کی سزا دوزخ ہے جس میں وہ ہمیشہ (جلتا) رہے گا اور اللہ اس پر غضب ناک ہوگا اور ایسے شخص کیلئے اس نے بڑا ہی سخت عذاب تیار کر رکھا ہے۔''

اس آیہ مبارکہ کو بار بار پڑھئے اور انجام کی سنگینی کا جائزہ لیجئے اور جو حکمران اقتدار ملنے کے بعد احکام الٰہی کو نافذ نہیں کرتے ہیں۔ قرآن حکیم ان کے بارے میں اعلان کرتا ہے:

وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ...... الظّٰلِمُوْنَ...... الْفٰسِقُوْنَ (المائدہ:۴۴-۴۵-۴۷) اور جو لوگ اللہ کے نازل کردہ احکام کے مطابق فیصلہ نہ کریں تو وہی لوگ کافر...... ظالم اور فاسق ہیں'' اور ظاہر ہے کہ روز قیامت جو ظالموں کا حشر ہوگا، ان حکمرانوں کا بھی وہی حشر ہوگا۔ [العیاذ باللہ]

Marfat.com

کم گوئی اور نیک خوئی

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوذر رضی اللہ عنہ سے فرمایا ''اے ابوذرؓ! کیا میں تجھے دو خصلتوں کی خبر نہ دوں جن کا بوجھ پیٹھ پر بہت ہلکا اور نامہ اعمال کے ترازو میں بہت بھاری ہوتا ہے، ابوذرؓ نے عرض کیا، ہاں! فرمایئے، تو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا...... ایک خاموشی اور دوسری نیک خوئی (حسن اخلاق) رب کریم کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے، مخلوق نے ان دو خصلتوں سے بہتر کوئی کام نہیں کیا۔ (مشکوۃ - کتاب الآداب)

علم و عمل یا تعلیم و تربیت کا آپس میں چولی دامن کا ساتھ ہے اور دونوں کی اہمیت اپنی اپنی جگہ مسلم ہے، بغیر علم کے عمل نہیں ہوسکتا اور بغیر عمل کے علم پھل پھول نہیں سکتا، علم کو اگر کسی پودے سے تشبیہ دی جائے تو عمل اس کے پھول اور پتیاں ہیں، علم اگر چشمہ ہے تو عمل اس میں رواں دواں پانی ہے، علم اگر کتاب ہے تو عمل کتاب زندگی کا ہر ورق ہے، علم اگر سونا (Gold) ہے تو عمل سونے پر سہاگہ ہے علم اگر روشنی ہے تو اخلاقیات اس روشنی سے پھیلی ہوئی شعاعیں ہیں کیا خوب کسی نے کہا ہے۔

اَلْعِلْمُ بِدُوْنِ الْعَمَلِ وَبَالٌ وَالْعَمَلُ بِدُوْنِ الْعِلْمِ ضَلَالٌ

''علم بغیر عمل کے وبال ہے اور عمل بغیر علم کے ضلالت اور گمراہی ہے۔''

اسلام نے علم و عمل دونوں کی رہنمائی کی ہے، وہ عقیدہ و یقین کو نکھارتا ہے تو فکر و نظر کو سنوارتا ہے، وہ آپس کے معاملات کو سدھارتا ہے تو پاکیزہ اخلاقیات کو ابھارتا ہے۔ قرآن حکیم کی آیات حکمت و بصیرت کا خزانہ ہیں اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ اور آپؐ کے ارشادات عالیہ مسلمانوں کے لئے بیش بہا خزانہ ہیں۔

ذرا اپنی زبان اور اخلاق پر نگاہ ڈالیں، اسلام کی پاکیزہ تعلیمات نے اس زبان کو جھوٹ، غیبت، چغلی اور ایسی بیماریوں سے نجات دے کر اسے حق گوئی، پاکیزگی، راستبازی اور سچائی کا خوگر بنایا اور اس جسم و جان کو بدیوں اور بے حیائیوں سے نکال کر نیکیوں اور اچھائیوں کا عادی بنایا۔

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے:

''جو اللہ اور آخرت پر ایمان رکھتا ہے، اس کو چاہیے کہ وہ نیک بات کہے یا چپ رہے۔''

(مسلم-کتاب الایمان)

یہ حدیث مبارک زبان کو صرف اچھی باتوں کا خوگر بناتی ہے اور قرآن حکیم کی تعلیم بھی کچھ ایسی ہی ہے۔ ارشاد ہوتا ہے:

وَقُولُوا لِلنَّاسِ حُسْنًا (البقرہ:۸۳) ''اور لوگوں سے (جب گفتگو کرو) تو اچھی گفتگو کرو''۔

گفتگو میں حسن پیدا کرنا ایسی خوبی ہے کہ جس میں جمال و کمال پیدا کرنے کے علاوہ صحت اور صفائی بھی ہو، کوئی ناشائستہ اور تہذیب سے گرا ہوا لفظ زبان پر نہ آنے پائے، اگر کوئی شخص اپنے کلام کو اپنی گرفت میں نہیں رکھ سکتا تو اس کی سلامتی اس میں ہے کہ وہ خاموش رہے، اس لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

مَنْ صَمَتَ نَجَا ''جو چپ رہا وہ سکھ پا گیا۔''

ایک اور حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے معاذؓ بن جبل کو بہت سی قیمتی نصائح ارشاد فرمائیں، وہ کہتے ہیں'' کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا، مجھے کوئی ایسا عمل بتا دیجئے جو مجھے جنت میں داخل کر دے اور جہنم سے دور کر دے، آپؐ نے فرمایا: تم نے مجھ سے بہت بڑی چیز دریافت کی ہے لیکن جس کے لئے اللہ تعالیٰ آسانی فرما دے اس کے لئے آسان بھی ہے (تو سنو) اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو اور اس کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ ٹھہراؤ، نماز قائم کرو، زکوٰۃ ادا کرو، رمضان کے روزے رکھو اور حج کرو (اتنی باتیں بتا کر پھر آپؐ نے فرمایا ''کیا بھلائی کے دروازوں کی طرف تیری رہنمائی نہ کروں؟ (تو سنو) روزہ ڈھال ہے (یعنی گناہوں سے بچاتا ہے) اور اللہ کی راہ میں خرچ کرنا (صدقہ و خیرات کرنا) گناہوں کو اس طرح بجھا دیتا ہے جیسے پانی آگ کو، اور پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے رات کے وسطی حصے کی نماز کا ذکر

Marfat.com

فرمایا(کہ فرائض کے بعد وہ کامیابی کی کلید بنتی ہے)اور آپؐ نے یہ آیہ مبارکہ تلاوت فرمائی:

تَتَجَا فٰی جُنُوْبُهُمْ عَنِ الْمَضَاجِعِ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ خَوْفًا وَّ طَمَعًا ز وَّ مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ (١٦) فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّآ اُخْفِيَ لَهُمْ مِّنْ قُرَّةِ اَعْيُنٍ ج جَزَآءًم بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ (١٧)[السجدہ]

''ان کے پہلو خواب گاہوں سے علیحدہ ہوتے ہیں اس طور پر کہ وہ لوگ خوف کھاتے ہوئے اور امید لئے اپنے رب کو پکارتے اور ہماری دی ہوئی چیزوں میں سے اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں، سو کسی کو خبر نہیں جو جو آنکھوں کی ٹھنڈک کا سامان ایسے لوگوں کے لئے خزانہ غیب میں موجود ہے، یہ ان کے اعمال کا صلہ ہے (اور کیا ہی خوب صلہ ہے)''

پھر آپؐ نے فرمایا: ''کیا میں تمہیں پورے کے پورے امر (دین) کا سب سے بڑا عمل اور اس کا ستون اور اس کے کوہان کی بلندی نہ بتادوں؟''

میں نے عرض کیا'' کیوں نہیں! یارسول اللہ (ضرور بتایئے)۔

آپؐ نے ارشاد فرمایا: امر (دین) کا سب سے بڑا عمل اسلام ہے اور اس کا ستون نماز ہے اور اس کے کوہان کی بلندی جہاد ہے۔''

پھر آپؐ نے فرمایا: ''کیا میں تمہیں اس سارے معاملے کا سب سے اہم جز نہ بتادوں''۔

میں نے عرض کیا: کیوں نہیں یارسول اللہؐ (ضرور بتایئے)۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی زبان (مبارک) کو پکڑا اور فرمایا: ''اس کو روکے رکھو''۔ میں نے عرض کیا کہ'' کیا ہم جو کچھ بولتے رہتے ہیں اس پر بھی ہم سے مواخذہ کیا جائے گا۔ آپؐ نے (ازراہ محبت) فرمایا: ''اے معاذ! تیری ماں تجھے روئے (تنبیہہ کے طور پر شفقت کے کلمات ہیں) یہ لوگوں کی زبانوں سے نکلی ہوئی باتیں ہی تو ہیں جو انہیں منہ کے بل دوزخ میں ڈالیں گی۔ (ترمذی)

اس حدیث مبارک کی تشریح میں فاضلہ محترمہ بنت الاسلام لکھتی ہیں'' یہ زبانوں سے نکلی ہوئی باتیں بے شمار اقسام سے تعلق رکھتی ہیں غیبت، چغلی، بہتان، جھوٹ، بدزبانی، بے ہودہ گوئی، عیب جوئی، نکتہ چینی، لتراپن، طعن و تشنیع، غلط سلط افواہیں پھیلانا، لوگوں کا مضحکہ اڑانا، لوگوں کو عار دلانا، لوگوں کی آبروریزی کرنا، خوشامد کرنا، اترانا، لعنتیں بھیجنا، میت پر نوحہ کرنا وغیرہ، یہ

Marfat.com

سب گناہ ایسے ہیں جو زبان چلا کر ہی کیے جاتے ہیں۔ ان کے علاوہ حسد، بغض، کینہ، طیش، تکبر وغیرہ کئی روحانی امراض ایسے ہیں جن کا اظہار کرنے کے لئے زبان ہی کو استعمال کیا جاتا ہے، اگر انسان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد پر عمل کرتے ہوئے صرف زبان کو لگام دے لے، تو ان تمام گناہوں سے بچ جاتا ہے۔ (اسوہ حسنہ)

زندگی امتحان ہے اور یہ دنیا بہت بڑی امتحان گاہ ہے۔ ہمارا ہر عمل اور ہر بول ریکارڈ ہو رہا ہے۔

ارشاد ہوتا ہے: اَلَّذِیْ خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَیٰوۃَ لِیَبْلُوَکُمْ اَیُّکُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا (الملک:۲) ''اللہ تعالیٰ نے موت وحیات کو اس لئے پیدا فرمایا کہ تمہیں آزمائے کہ تم میں سے کون اچھے عمل کرتا ہے''۔

ایک اور مقام پر فرمایا:

مَا یَلْفِظُ مِنْ قَوْلٍ اِلَّا لَدَیْہِ رَقِیْبٌ عَتِیْدٌ (ق:۱۸) ''آدمی کوئی لفظ نہیں بولتا مگر اس کے پاس ایک تیار نگران موجود ہوتا ہے (جو اس کی گفتگو ریکارڈ کرتا ہے)۔''

ٹیپ ریکارڈ نے اس حقیقت کو ثابت کر دیا ہے کہ ہماری گفتگو ریکارڈ کی جا سکتی ہے بلکہ اس میں سانس تک ریکارڈ ہو جاتا ہے۔

ایک بزرگ فرماتے ہیں:

لَو تَشْتَرُوْنَ الْقَرَاطِیْسَ لِلْحَفَظَۃِ لَسَکَتُّمْ عَنْ کَثْرِ الْکَلَامِ

''اگر تمہیں کراماً کاتبین کے لئے کاغذ خریدنا پڑتا تو اس کی قیمت کے بوجھ کی وجہ سے زیادہ بولنے سے رک جاتے۔''

زبان کے بارے میں عربی محاورہ ہے: جِرمُہٗ صَغیرٌ وَ جُرمُہٗ کبیرٌ ...... ''اس کا وجود چھوٹا سا ہے اور اس کے جرم بڑے بڑے ہیں۔''

اس کا عملی طور پر مشاہدہ ہمارے آج کل کے معاشرے میں کیا جا سکتا ہے۔ زبان درازی اور پھر دست درازی کے کتنے خوفناک واقعات لڑائی جھگڑے، دنگہ فساد کے رونما ہو رہے ہیں، آناً فاناً گالی گلوچ سے بات ہاتھاپائی تک پہنچ جاتی ہے اور بسا اوقات ایک دوسرے پر گولیوں کی بوچھاڑ کر دی جاتی ہے، جن سے سیکنڈوں میں قیمتی جانیں ضائع ہو جاتی ہیں۔ پھر ملک میں لا

Marfat.com

قانونیت کی انتہا ہے، مجرموں کو فوری طور پر سزا نہیں ملتی اور وہ دیدہ دلیری سے دندناتے پھرتے ہیں، اخبارات پڑھنے سے یوں معلوم ہوتا ہے کہ ہم کسی مسلم معاشرے میں نہیں رہ رہے ہیں، ہر طرف روگ ہی روگ ہیں اور اسی دکھی معاشرے کو بدلنے والے صالحین بکھرے ہوئے ہیں، وہ روز جزا رب کریم کے حضور کیسے سرخرو ہو سکتے ہیں؟

اے انسان سوچ! اللہ تعالیٰ نے تجھے یہ زبان اظہار مدّعا کے لئے عطا کی ہے، اس لئے ضروری ہے کہ پہلے مدعا یعنی گفتگو کا مقصد اور معنی درست اور صحیح ہوں اور پھر ان کے اظہار کا طریقہ بھی مناسب اور خوبصورت ہو، دانشمندوں نے خوب کہا ہے ''پہلے تو لو اور پھر بولو'' سعدیؒ شیرازی نے خوب کہا ہے

نہ ہر سخن کہ برآید بگوید اہل سخن
بسر شاہ سر خویشتن نباید باخت

اس کا ترجمہ کسی نے کیا خوب اردو شاعری میں کیا ہے:

بات جو سوچی نہیں، اے دوست منہ سے مت نکال
راز شاہ افشا نہ کر اور جاں کو خطرے میں نہ ڈال

کسی دانشمند نے کیا خوب بات کہی ہے: ''تلوار کا زخم مٹ سکتا ہے مگر زبان کا زخم نہیں مٹتا''۔

اور یہ بات بالکل درست ہے، آج کسی کو ناحق زبان کا زخم پہنچانے والے روز قیامت اس کی سزا پائیں گے۔

ذرا ان احادیث پر غور کر لیں تو باشعور انسان کا دل لرز جاتا ہے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ انسان ایسا کلمہ کہہ جاتا ہے جس کے نقصان کو نہیں سمجھتا اور اس کی بنا پر دوزخ میں اس دوری سے زیادہ دور جا گرتا ہے جو مشرق اور مغرب کے درمیان ہے (مسلم- کتاب الزھد)

حضرت ابوھریرہ رضی اللہ عنہ، بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ انسان کوئی بات کہتا ہے (اور اسے اتنا معمولی سمجھتا ہے) کہ اسے کہنے میں اسے کوئی حرج نظر نہیں آتا (مگر درحقیقت وہ اتنی بری ہوتی ہے) کہ اس کے بدلے وہ ستر برس کی راہ تک

آگ میں گرتا جائے گا (ترمذی - ابواب الزھد)

عقلمندی کا تقاضا یہ ہے کہ اس زبان پر اللہ تعالیٰ کا ذکر جاری وساری رہے اور جب کبھی اسے استعمال کیا جائے تو دعوت حق اور کلمہ خیر کے لئے استعمال کیا جائے ورنہ خاموش رہا جائے، اسی میں دنیا اور آخرت کی سلامتی ہے۔

رَبِّ هَبْ لِیْ حُکْمًا وَّاَلْحِقْنِیْ بِالصّٰلِحِیْنَ (۸۳) وَاجْعَلْ لِّیْ لِسَانَ صِدْقٍ فِی الْاٰخِرِیْنَ (۸۴) [الشعرا] ''اے میرے پروردگار مجھے حکمت عطا فرما اور مجھے نیکوکاروں میں شامل رکھ اور میرے بعد آنے والی امتوں میں میرا ذکر خیر جاری رکھ۔'' آمین۔

Marfat.com

انسانیت کے لئے نمونۂ اخلاق

کسی سائل نے ام المومنین بی بی عائشہ سے عرض کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عادات وخصائل کیسے تھے؟ بی بی صاحبہ نے فرمایا: کان خلقہ القرآن "قرآن حکیم ہی آپ کا اخلاق تھا۔" (مسلم)

اس کا مفہوم یہ ہے کہ اللہ نے اپنی کتاب میں جس کام کو جس طرح کرنے کا حکم دیا اور جس بات کو جس طرح کرنے کی ہدایت دی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر اسی طرح عمل کیا، چاہے آپ گھر میں ہوتے یا مسجد میں، بازار میں ہوتے یا میدان جنگ میں، دوست سے بات کرتے یا دشمن سے، اپنوں سے ملتے یا غیروں سے، انفرادی معاملہ ہوتا یا اجتماعی، غرض ہر جگہ اور ہر کام میں قرآنی احکام پیش نظر رہتے۔ آپؐ کی حیات طیبہ قرآن کی جیتی جاگتی تصویر تھی، یہ بات صرف خوشنما الفاظ تک ہی محدود نہیں ہے بلکہ عملی طور پر قرآن کی ہدایات کا عکس آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں نظر آتا ہے۔ ہم گلستانِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے چند پھول پیش کرتے ہیں۔

عہد کی پابندی

معاشرتی زندگی کو مضبوط اور بہتر بنانے کے لئے قرآنِ حکیم کا یہ اصول اخلاق، معاشرت، مذہب اور معاملات پر محیط ہے۔ بندوں کا اللہ تعالیٰ سے وفاداری کا عہد، انسانوں کے درمیان تجارتی اور سیاسی معاہدے یہاں تک کہ نکاح بھی دو خاندانوں کے درمیان معاشرتی معاہدہ ہے جس کی پاسداری اور نگہبانی لازمی امر ہے۔ نیک لوگوں کی صفات میں بتایا گیا ہے۔

وَالْمُوفُونَ بِعَهْدِهِمْ إِذَا عَاهَدُوا (بقرہ) "اور اپنے قول وقرار کو جب وہ کسی کو دیں تو اسے پورا کرنے والے ہیں۔"

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایفائے عہد کا پورا پورا لحاظ رکھتے جس کا اعتراف دوست

Marfat.com

اور دشمن دونوں کو تھا۔ سید سلیمان ندویؒ لکھتے ہیں:

''ایفائے عہد آپؐ کی ایک ایسی عام خصوصیت تھی کہ دشمن بھی اس کا اعتراف کرتے تھے، چنانچہ قیصر (روم کے بادشاہ) نے اپنے دربار میں آپ کے متعلق ابوسفیان سے (جو اس وقت مسلمان نہ ہوئے تھے) جو سوالات کیے ان میں سے ایک یہ بھی تھا کہ کیا کبھی محمدؐ نے بدعہدی بھی کی ہے؟ ابوسفیان کو مجبوراً یہ جواب دینا پڑا کہ نہیں، وحشیؓ نے جنہوں نے حضرت حمزہؓ کو شہید کیا تھا، اسلام کے ڈر سے شہر بہ شہر پھرا کرتے تھے، اہل طائف نے مدینہ بھیجنے کے لئے جو وفد مرتب کیا، اس میں ان کا نام بھی تھا لیکن ان کو ڈر تھا کہ کہیں مجھ سے انتقام نہ لیا جائے، لیکن خود دشمنوں نے ان کو یقین دلایا کہ تم بے خوف و خطر جاؤ، محمدؐ سفراء کو قتل نہیں کرتے، چنانچہ وہ اس اعتماد پر دربار نبوتؐ میں حاضر ہوئے اور آپؐ کے حسن اخلاق سے متاثر ہو کر اسلام لائے۔

ابو رافع ایک غلام تھے، حالتِ کفر میں قریش کی طرف سے سفیر بن کر مدینہ منورہ آئے، روئے اقدس پر نظر پڑی تو بے اختیار اسلام کی صداقت ان کے دل میں جاگزیں ہوگئی۔ عرض کیا یا رسول اللہؐ! اب میں کبھی کافروں کے پاس لوٹ کر نہ جاؤں گا، ارشاد ہوا نہ میں عہد شکنی کر سکتا ہوں اور نہ قاصدوں کو اپنے پاس روک سکتا ہوں، تم اس وقت واپس جاؤ اگر وہاں پہنچ کر بھی تمہارے دل کی یہی کیفیت باقی رہے تو آ جانا، چنانچہ وہ اس وقت واپس گئے پھر اسلام لائے۔''

معرکہ کارزار میں ٹھیک تلواروں کی چھاؤں میں ایفائے عہد کا حال سنیئے:

''غزوہ بدر میں کافروں کے مقابلہ میں مسلمانوں کی تعداد ایک ثلث (تہائی) سے بھی کم تھی، ایسے موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قدرتی خواہش یہ ہونی چاہیے تھی کہ جس قدر آدمی بڑھ سکیں بہتر ہے لیکن آپ اس وقت بھی ہمہ تن وفا تھے۔ حذیفہؓ بن یمان اور ابوحسلؓ دو صحابی مکہ سے آ رہے تھے، راہ میں کفار نے ان کو روکا کہ محمدؐ کے پاس جا رہے ہو، انہوں نے انکار کیا، آخر اس شرط پر ان کو رہائی ملی کہ وہ جنگ میں آپ کا ساتھ نہ دیں گے۔ یہ دونوں صاحب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے تو صورت حال عرض کی، فرمایا: ''تم دونوں واپس جاؤ، ہم ہر حال میں وعدہ وفا کریں گے، ہم کو صرف اللہ تعالیٰ کی مدد درکار ہے۔'' (سیرت النبیؐ جلد دوم)

صلح حدیبیہ تاریخ اسلام میں بہت بڑی اہمیت کی حامل ہے، اسے توڑنے والے بھی مسلمان نہیں بلکہ اہل مکہ تھے اور اس عہد شکنی کی سزا بھی اہل مکہ ہی کو ملی۔

Marfat.com

عفو و حلم

دوسروں کی خطاؤں پر چشم پوشی کرنا اور کشادہ دلی سے انہیں معاف کر دینا بہت بڑی عظمت اور شرف انسانیت کی معراج ہے، اس صفت کا بتمام وکمال ظہور رب العالمین کی شان کریمی میں نظر آتا ہے جو ہمہ وقت لوگوں کو فرماتا رہتا ہے۔

وَهُوَ الَّذِیْ یَقْبَلُ التَّوْبَةَ عَنْ عِبَادِهٖ وَ یَعْفُوْا عَنِ السَّیِّاٰتِ (شوریٰ:۲۵)

''اور وہی تو ہے جو اپنے بندوں کی توبہ قبول کرتا ہے اور ان کی خطاؤں کو معاف فرماتا ہے''۔

اللہ تعالیٰ اس بات کو پسند فرماتا ہے کہ بندے بھی آپس میں عفو و حلم سے کام لیں، فرمایا:

وَلَمَنْ صَبَرَ وَ غَفَرَ اِنَّ ذٰلِکَ لَمِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ (شوریٰ:۴۳)

''البتہ جو شخص صبر کرے اور (دوسرے کی خطا) بخش دے تو بے شک یہ بڑی ہمت کے کام ہیں۔''

یہ بات وعظ و تبلیغ میں تو بڑی روانی اور دلکش پیرائے میں بیان کی جا سکتی ہے مگر جب عملی طور پر اس کا واسطہ پڑتا ہے تو بڑے بڑے واعظ اور باہمت لوگ صبر و ثبات کا دامن چھوڑ دیتے ہیں مگر محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی میں یہ صفت عیاں نظر آتی ہے اور خلق محمدی کا یہ باب اتنا وسیع ہے کہ اسے بیان کرنے کے لئے خاصا وقت درکار ہے اور جہاں ایک عام شخص کا ظرف بے قابو ہو جاتا ہے۔ وہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عالی ظرفی کا مظاہرہ فرماتے ہیں، ذرا اس واقعہ پر غور کیجئے۔

ایک دفعہ ایک بدو خدمت اقدس میں آیا، آپ مسجد میں تشریف فرما تھے، اس کو پیشاب کی حاجت معلوم ہوئی، وہ آداب مسجد سے واقف نہ تھا۔ وہیں کھڑے ہو کر پیشاب کرنے لگا، لوگ ہر طرف سے دوڑ پڑے کہ اس کو سزا دیں، آپ نے فرمایا'' جانے دو، اور پانی کا ایک ڈول لا کر بہا دو، اللہ تعالیٰ نے تمہیں دشواری کے لئے نہیں بلکہ آسانی کے لئے بھیجا ہے''۔ (سیرت النبی جلد دوم)

انسان کے ذخیرہ اخلاق میں سب سے زیادہ کمیاب، نادر الوجود چیز دشمنوں پر رحم اور ان سے عفو و درگزر ہے لیکن حامل وحی و نبوت کی ذاتِ اقدس میں یہ جنس بھی فراواں تھی، دشمن سے انتقام لینا انسان کا قانونی فرض ہے لیکن اخلاق کے دائرہ شریعت میں آ کر یہ فرضیت مکروہ تحریمی بن جاتی ہے، دشمنوں سے انتقام کا سب سے بڑا موقع فتح حرم کا دن تھا جبکہ وہ کینہ جو سامنے آئے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خون کے پیاسے تھے اور جن کے دست ستم سے آپؐ نے طرح

Marfat.com

طرح کی اذیتیں اٹھائی تھیں توان سب کو یہ کہہ کر چھوڑ دیا۔

لَاتَثْرِيْبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ، اِذْهَبُوا فَانْتُمُ الطُّلَقَاءُ "آج کے دن تم پر کوئی ملامت نہیں، جاؤ تم سب آزاد ہو"۔

اور اس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ گرامی میں قرآن حکیم کی پاکیزہ اور بلند تعلیمات کا عکس نظر آتا ہے۔ارشاد ہوتا ہے:

وَالْكٰظِمِيْنَ الْغَيْظَ وَالْعَافِيْنَ عَنِ النَّاسِ ط وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ (ال عمران:۱۳۴)

"اور غصہ کو پی جانیوالے اور لوگوں سے درگزر کرنے والے، تو اللہ تعالیٰ ایسے نیک لوگوں سے محبت رکھتا ہے۔"

صدق وامانت

انسان کے ہر قول اور عمل کی صحت اور سلامتی کی بنیاد یہ ہے کہ اس کا دل اور اس کی زبان ایک دوسرے کے مطابق اور ہم آہنگ ہوں، گویا کہ زبان دِل کی ترجمان ہو اور دِل زبان کی صداقت پر گواہی دے۔اسی کا نام صدق یا سچائی ہے، صدق خالق کائنات کی سب سے بڑی صفت ہے، ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ سے بڑھ کر سچا کون ہوسکتا ہے، ارشاد ہوتا ہے۔

وَمَنْ اَصْدَقُ مِنَ اللّٰهِ حَدِيْثًا (نساء:۸۷) "اور اللہ سے سچی بات اور کس کی ہوسکتی ہے؟"

رب کائنات اپنے بندوں کو اسی صدق وامانت سے آراستہ دیکھنا چاہتا ہے فرمایا:

وَالَّذِىْ جَآءَ بِا لصِّدْقِ وَ صَدَّقَ بِهٖٓ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ (زمر:۳۳)

"اور جو شخص سچی بات لایا اور جس نے اس کی تصدیق کی، تو یہی لوگ متقی ہیں۔"

ظاہر ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پیغام حق قرآن حکیم لے کر نسل انسانیت کے لئے تشریف لائے اور سب سے پہلے آپ ہی نے اس کی تصدیق کی اور پھر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے جن میں سرفہرست جناب ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہیں۔

اس صفحہ ہستی پر جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت وامانت اپنی مثال آپ ہے، مولانا غلام رسول مہر لکھتے ہیں:

"دنیا جانتی ہے کہ جس دور میں سچائی اور دیانت وامانت کی روشنی گل ہوچکی تھی، اس دور میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سیرت طیبہ کی پاکیزگی اور طہارت سے "الصادق اور الامین" کے لقب

Marfat.com

حاصل کیے، جب حرم کعبہ کی تعمیر کے سلسلے میں حجر اسود کو اصل مقام پر نصب کرنے کے متعلق روسائے قبائل کے درمیان کشمکش شروع ہوگئی تو فیصلہ یہ ہوا کہ جو شخص سب سے پہلے حرم میں آئے، اسے ثالث بنالیا جائے، چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سب سے پہلے آئے اور تمام لوگ پکار اٹھے۔

''امین آ گئے، امین آ گئے'' ہمیں ان کا فیصلہ منظور ہے، یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کے متعلق ایسی گواہی تھی جس کی صداقت وحقیقت سے کسی کے لئے بھی اختلاف بجا نہ ہو گا۔'' (رسولِ رحمت)

غور کیجئے کہ قریش مکہ نہ صرف نبوت ملنے سے پہلے بلکہ نبوت ملنے کے بعد بھی اپنی امانتیں آپ ہی کے پاس رکھتے تھے، گو ان میں سے بہت سے لوگوں نے دعوت حق کو قبول نہ کیا مگر پھر بھی انہیں اس بات کا یقین تھا کہ اس شہر مکہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ قابل اعتماد اور کوئی شخصیت نہیں ہے، پھر آپ غور کیجئے کہ ہجرت کے وقت بھی آپ نے لوگوں کی امانتیں تمام کی تمام حضرت علی رضی اللہ عنہ، کے سپرد کیں اور اس بات کی تاکید فرمادی کہ وہ لوگوں کو ان کی امانتیں واپس کر کے مدینہ کی طرف ہجرت کریں۔

عدل وانصاف

کسی بوجھ کو دو برابر حصوں میں اس طرح بانٹ دیا جائے کہ ان دو میں سے کسی میں ذرا بھی کمی یا بیشی نہ ہو تو اسے عربی زبان میں عدل کہتے ہیں۔ (مفردات القرآن)

یا اس بات کو اس طرح سمجھ لیجئے کہ ترازو کے دونوں پلڑے جب بالکل برابر ہو جائیں اور ان میں سے کسی طرف رتی بھر جھکاؤ نہ رہے تو اسے میزان عدل کہیں گے۔

اس صفت عدل کا سرچشمہ رب کریم کی ذات عالی ہے اور ہماری نگاہوں کے سامنے پھیلی ہوئی کائنات اس کی ربوبیت اور عادل ہونے کی شہادت دے رہی ہے جو اپنی بادشاہت پورے انصاف کے ساتھ قائم کیے ہوئے ہے۔ اس کا نظام یوں ہی الل ٹپ نہیں چل رہا ہے اور یہی اس کی وحدانیت کی دلیل ہے۔ ارشاد ہوتا ہے:

شَهِدَ اللّٰهُ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَۙ وَالْمَلٰٓئِكَةُ وَاُولُوا الْعِلْمِ قَآئِمًۢا بِالْقِسْطِ (ال عمران:۱۸) ''اللہ نے اس بات کی گواہی آشکارا کر دی کہ کوئی معبود نہیں ہے، مگر اسی کی ذات یگانہ، عدل کے ساتھ (تمام کارخانۂ ہستی میں) تدبیر وانتظام کرنے والی۔''

Marfat.com

کائنات میں یہ نظم وضبط اور حسن وجمال انسان کو دعوتِ غور وفکر دیتا ہے اور خلافت ارضی کا شرف حاصل کرنے کے بعد اسے بھی اس بات کا حکم دیا جاتا ہے کہ اس روئے زمین پر عدل و انصاف کا سکہ جاری وساری کرے۔

اِنَّ اللّٰہَ یَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ (نحل:۹۰) ''بلاشبہ اللہ تعالیٰ تمہیں عدل اور احسان کرنے کا حکم دیتا ہے۔''

تمہاری پرہیز گاری اور تمہاری تمام تر عظمت عدل وانصاف کرنے میں پنہاں ہے اور دشمن بھی ہو تب بھی ہم نے انصاف کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑنا، قرآن کی عظیم تعلیمات پر غور کیجئے۔

یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ آمَنُوْا کُوْنُوْا قَوّٰمِیْنَ لِلّٰہِ شُھَدَآءَ بِالْقِسْطِ ز وَ لَا یَجْرِمَنَّکُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰٓی اَلَّا تَعْدِلُوْا ط اِعْدِلُوْا قف ھُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰی (المائدہ:۸)

''مسلمانو! ایسے ہو جاؤ کہ اللہ (کی سچائی) کیلئے مضبوطی سے قائم رہنے والے اور انصاف کے لئے گواہی دینے والے ہو، اور (دیکھو) ایسا کبھی نہ ہو کہ کسی گروہ کی دشمنی تمہیں اس بات کے لئے ابھار دے کہ (اس کے ساتھ) انصاف نہ کرو، (ہر حال میں) انصاف کرو کہ یہی تقویٰ سے لگتی ہوئی بات ہے۔''

عدل وانصاف کے سلسلہ میں سب سے مشکل اور کٹھن وہ مرحلہ ہوتا ہے جس کی زد میں انسان خود گرفتار ہوتا ہے یا عزیز واقارب پر کوئی حرف آتا ہے، رب قدیر نے اس بارے میں بھی بے لاگ فیصلہ دے دیا ہے اور اسلام کی حقانیت اور صداقت کی یہ روشن دلیل ہے۔

یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا کُوْنُوْا قَوّٰمِیْنَ بِالْقِسْطِ شُھَدَآءَ لِلّٰہِ وَلَوْ عَلٰٓی اَنْفُسِکُمْ اَوِ الْوَالِدَیْنِ وَالْاَقْرَبِیْنَ ج اِنْ یَّکُنْ غَنِیًّا اَوْ فَقِیْرًا فَاللّٰہُ اَوْلٰی بِھِمَا قف فَلَا تَتَّبِعُوا الْھَوٰٓی اَنْ تَعْدِلُوْا ج وَ اِنْ تَلْوٗٓا اَوْ تُعْرِضُوْا فَاِنَّ اللّٰہَ کَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِیْرًا (نساء:۱۳۵)

''اے ایمان والو! اللہ کی خاطر انصاف پر قائم رہتے ہوئے گواہی دیا کرو، خواہ وہ گواہی تمہارے اپنے یا تمہارے والدین یا قریبی عزیزوں کے خلاف ہی ہو، اگر کوئی فریق امیر ہے یا فقیر، بہر صورت اللہ ہی ان دونوں کا تم سے زیادہ خیر خواہ ہے، لہٰذا اپنی خواہش نفس کے پیچھے عدل و انصاف کو نہ چھوڑو اور اگر گول مول بات کرو یا سچائی سے کتراؤ (تو جان لو کہ) جو تم کرتے ہو اللہ اس سے باخبر ہے۔''

انبیاء کرام کی بعثت کا مقصد جہاں لوگوں کو اللہ کی بندگی کی طرف بلانا، انہیں کتاب وحکمت کی تعلیم دینا، ان کا تزکیہ نفس کرنا اور اخلاق وآداب سے آراستہ کرنا ہوتا ہے وہاں اللہ کی زمین پر خلافت الٰہی کا قیام اور لوگوں کے درمیان عدل وانصاف بحال کرنا بھی ہوتا ہے۔ اس آیہ مبارکہ پر غور کیجئے:

یٰدَاوٗدُ اِنَّا جَعَلْنٰکَ خَلِیْفَۃً فِی الْاَرْضِ فَاحْکُمْ بَیْنَ النَّاسِ بِالْحَقِّ (صٓ:۲۶)

''اے داؤد! ہم نے تمہیں زمین میں نائب بنایا ہے، لہٰذا لوگوں میں انصاف سے فیصلہ کرنا۔''

یاد رکھیے! عدل وانصاف ہی کسی ملک اور سلطنت کی قیام وبقا کی بنیاد اور اساس ہے، جہاں انصاف نہیں وہ ملک جلد یا بدیر ٹوٹنے والا ہوتا ہے۔ مسلمانوں کو جہاں بھی آزادی کی نعمت میسر آئے وہ خلافت الٰہی کا نظام قائم کریں۔ ارشاد ہوتا ہے:

اَلَّذِیْنَ اِنْ مَّکَّنّٰھُمْ فِی الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوۃَ وَاٰتَوُا الزَّکٰوۃَ وَاَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَ نَھَوْا عَنِ الْمُنْکَرِ (الحج: ۴۱) ''یہ وہ لوگ ہیں کہ اگر ہم ان کو زمین میں اقتدار بخشیں تو صلوٰۃ وزکوٰۃ قائم کریں معروف کا حکم دیں اور منکر سے روکیں۔''

لفظ معروف ومنکر اتنے معنی خیز ہیں کہ معروف میں معاشرتی فلاح وبہبود کے تمام کام اور منکر میں ان تمام برائیوں کی بیخ کنی جاتی ہے جن سے معاشرتی زندگی میں خرابی واقع ہوتی ہو۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، صحابہ کرام رضی اللہ عنھم کے ساتھ ہجرت کر کے جب مدینہ منورہ تشریف لائے تو اسلامی فلاحی معاشرے کی داغ بیل ڈال دی گئی، مسلمانوں میں اجتماعیت پیدا کرنے کے لئے سب سے پہلے مسجد کی تعمیر کی گئی، جس سے اہل ایمان کو دن میں پانچ بار ایک دوسرے سے ملنے کا موقع ملتا جہاں ان کی نہ صرف تعلیم وتربیت ہوتی بلکہ کئی سماجی اور معاشرتی مسائل بھی طے پاتے اور عدالتی امور کے فیصلے بھی ہوتے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی عدل وانصاف کا سراپا نمونہ تھی، آپ کے فیصلے بے لاگ اور انصاف پر مبنی ہوتے یہاں تک کہ یہود جنہیں اگرچہ مسلمانوں سے دشمنی تھی مگر انہیں بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے فیصلوں پر ہی اطمینان ہوتا تھا۔ سید سلیمان ندوی لکھتے ہیں:

''اس عدل وانصاف کا یہ اثر تھا کہ مسلمان تو ایک طرف، یہود بھی جو آپؐ کے شدید ترین دشمن تھے اپنے مقدمات اس بارگاہ میں لاتے تھے۔'' (سیرت النبی جلد دوم)

Marfat.com

عدل وانصاف کا سب سے نازک پہلو یہ ہے کہ خود اپنے مقابلے میں بھی حق کا رشتہ چھوٹنے نہ پائے، ذرا خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنے بارے میں عدل کا واقعہ پڑھیے:

''ایک بار آپؐ مال غنیمت تقسیم فرمارہے تھے، گرد وپیش لوگوں کا ہجوم تھا ایک شخص آ کر منہ کے بل آپؐ پر لد گیا، دست مبارک میں پتلی سی لکڑی تھی۔ آپ نے اس سے اس کو ٹھوکا دیا، اتفاق سے لکڑی کا سرا اس کے منہ سے لگ گیا اور خراش آ گئی، فرمایا مجھ سے انتقام لے لو، اس نے عرض کیا۔ یارسول اللہ! میں نے معاف کر دیا۔ (سیرت النبی جلد دوئم)

خواتین سے حسن سلوک

تاریخ انسانیت میں خواتین کا طبقہ ہمیشہ مظلوم رہا ہے اس صنف نازک پر ظالم مرد نے جو ستم ڈھائے وہ تاریخ انسانیت کا کربناک باب ہے، خود ظہور اسلام سے قبل عورت بے کسی اور بے بسی کی زندگی گزار رہی تھی، شادی بیاہ، خلع وطلاق کا کوئی قانون نہ تھا...... وہ تو آج کی تہذیب یافتہ کہلانے والی یورپی دنیا میں بھی اسی لاقانونیت کا شکار ہے اور وہاں کا ماحول عرب کے دور جاہلیت کو بھی مات کر رہا ہے، افسوس کہ ہم بھی آہستہ آہستہ ان کی نقالی کر رہے ہیں۔ اے مشرق میں بسنے والو! تمہاری تہذیب یورپ سے کہیں ارفع واعلیٰ ہے۔

اسلام نے پہلی بار عورت کو عزت وعظمت کی چادر پہنائی، اس نے ماں، بیٹی، بہن اور بیوی کو قدر ومنزلت کی بلندیوں تک پہنچا دیا اور ان کی خدمت کرنے والوں کو جنت کی نوید سنائی اور یہ اعلان کیا۔

وَعَاشِرُوْهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ (النساء:۱۹)

''ان کے ساتھ بھلے طریقے سے زندگی گزارو۔''

عربی زبان کے لفظ ''معروف'' میں نہ معلوم کتنے احسانات، کتنی مروتیں، کتنی شفقتیں اور کتنی مہربانیاں پوشیدہ ہیں، کاش کہ ہم عربی زبان سیکھنے اور قرآن کو سمجھنے کی کوشش کریں۔

اس روئے زمین پر اور نیلگوں آسماں کے نیچے سب سے عظیم انسان محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن حکیم کی اس آیہ مبارکہ کو سمجھا اور فی الحقیقت اس پر عمل کر کے دکھایا اور لسان نبوت سے یوں ارشاد ہوا:

خَيْرُكُمْ خَيْرُكُمْ لِاَهْلِهٖ وَ اَنَا خَيْرُكُمْ لِاَهْلِي (نضرۃ النور۔ مصطفیٰ محمد عمارہ)

Marfat.com

''تم میں سے بہتر وہی لوگ جن کے برتاؤ اپنی بیویوں کے ساتھ بہتر ہوں اور میں اپنے اہل خانہ کے ساتھ نیک برتاؤ میں تم سب سے بہتر ہوں۔''

یہ نصیحت صرف زبان مبارک تک محدود نہ تھی بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس اس کا عملی نمونہ تھی، اس کو سیرت کی کتابوں میں پڑھ جایئے۔ چھوٹا سا اقتباس پیش خدمت ہے۔

''آپ صلی اللہ علیہ وسلم گھر تشریف لاتے تو اہل خانہ کے ساتھ گھر کے کام کاج میں ان کی مدد کرتے، کبھی آٹا گوندھ دیتے، کبھی جھاڑو دے دیتے، کبھی چولہا سلگا دیتے، ازواج مطہرات اگر کچھ ادھر ادھر کے قصے یا گزرے ہوئے واقعات بیان کرتیں تو آپ برابر سنتے رہتے اور خود بھی کچھ اپنے گزشتہ واقعات بیان فرماتے۔ سیدہ عائشہ فرماتی ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہم میں اس طرح ہنستے بولتے بیٹھے رہتے کہ معلوم ہی نہ ہوتا کہ کوئی اولوالعزم نبی ہیں لیکن جب کوئی دینی بات ہوتی یا نماز کا وقت آجاتا تو رخ انور فوراً ادھر متوجہ ہو جاتا (اسوہ حسنہ۔ صفوۃ الرحمٰن صابر)

یہ ٹھیک ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دنیا کے بادشاہوں کی طرح شان وشکوہ اور کروفر سے زندگی نہیں گزاری بلکہ سادگی اور قناعت پسندی کو ترجیح دی اور اہل خانہ کو بھی یہ نصیحت فرمائی، اس کے باوجود خندہ جبینی، خوش خلقی اور احسان ومروت کا دامن کبھی ہاتھ سے نہ چھوڑا اور یہ وہ سدا بہار پھول ہیں جن سے گھروں میں الفت ومحبت کی مہک قائم ودائم رہتی ہے اور اگر عالیشان محلات میں یہ چیز غائب ہو جائے تو مال ودولت کے انبار ہونے کے باوجود زندگی اجیرن اور دکھی بن کر رہ جاتی ہے جبکہ ٹوٹی پھوٹی جھونپڑی میں الفت ومحبت کے کھلتے ہوئے پھول زندگی کو مسرت وشادمانی سے ہمکنار کرتے ہیں، طمانیت قلب مال سے نہیں بلکہ اللہ کی یاد سے پیدا ہوتی ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا بیوی بچوں کے ساتھ حسن سلوک، مروت واحسان اور شگفتہ مزاجی ہی بہترین اسوہ ہے۔

حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ حضرت فاطمہؓ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوتیں تو آپ کھڑے ہو جاتے، فاطمہؓ کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیتے، ان کی پیشانی پر بوسہ دیتے اور اپنی جگہ پر بٹھا دیتے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب بی بی فاطمہؓ کے ہاں تشریف لے جاتے تو فاطمہؓ کھڑی ہو جاتیں، آپ کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیتیں اور آپؐ کے ہاتھوں پر بوسہ دیتیں اور اپنی جگہ پر بیٹھا لیتیں۔ (ابوداؤد)

Marfat.com

بیٹی کی پیدائش کو زمانہ جاہلیت میں ننگ و عار سمجھا جاتا تھا اور لوگ شرم کے مارے منہ چھپاتے پھرتے تھے اور جہالت کی انتہا یہاں تک پہنچی کہ پیدا ہوتے ہی زمین میں گاڑ دیا جاتا تھا۔ جس کا قرآن اس طرح ذکر کرتا ہے:

وَإِذَا الْمَوْءُدَةُ سُئِلَتْ (٨) بِأَيِّ ذَنْبٍ قُتِلَتْ (٩) [التکویر]

''اور زندہ درگور لڑکی سے پوچھا جائے گا کہ وہ کس جرم میں ماری گئی تھی۔''

اسلام نے آکر پھر سے اسے عزت و عظمت کا مقام عطا کیا۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''جس کے لڑکی ہو اور وہ اسے زندہ رہنے دے اور اس کی بے توقیری نہ کرے (بلکہ اچھی تعلیم و تربیت کرے) اور نہ اس پر لڑکے کو ترجیح دے، اللہ تعالیٰ اسے جنت میں داخل کرے گا۔''

(ابوداؤد)

مزید بشارت اور خوشخبری اس طرح سنائی:

''جو شخص دو لڑکیوں کی پرورش کرے (اس کی بہتر تعلیم و تربیت کرے) حتی کہ وہ جوان ہو جائیں تو قیامت میں میرا اور اس کا مرتبہ (دو انگلیاں اٹھا کر فرمایا) یوں برابر ہوگا۔'' (مسلم)

یہی خوشخبری اس شخص کو بھی دی گئی ہے کہ جس کی دو سے اوپر بیٹیاں ہوں۔

اللہ اکبر! اس سے بڑھ کر عزت و تکریم کیا ہو سکتی ہے کہ روز جزا سید الانبیا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی رفاقت نصیب ہو!

افسوس کہ ہمارے یہاں بعض جاہل گھرانوں میں بیٹی کی پیدائش کو ابھی تک نحوست خیال کیا جاتا ہے اور یہ بات بھی سننے میں آئی ہے کہ بعض احمق جن عورتوں کے ہاں بیٹیاں پیدا ہوں، کو طلاق دے ڈالتے ہیں وہ سوائے گناہ اور عذاب کے اپنے سر اور کچھ نہیں لیتے، اور یہ سراسر قرآن اور سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے منافی ہے، آپؐ کے بیٹے تو بچپن میں ہی فوت ہو گئے اور آپؐ نے اپنی بیٹیوں اور ازواج مطہرات کے ساتھ جو حسن سلوک کیا سیرت طیبہ کا وہ درخشاں پہلو ہے اور مسلمانوں کے لئے بہترین اسوہ اور قرآن حکیم کی تعلیمات کا ٹھیک ٹھیک نمونہ!

اور ''خلقہ القرآن'' کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ تعلیمات قرآنی کی جیتی جاگتی تصویر تھی اور اس کی شہادت رب کریم نے اپنی کتاب مبین میں دی ہے اور اس سے بڑھ کر اور کس

کی شہادت ہو سکتی ہے، ارشاد ہوتا ہے۔

وَ اِنَّکَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیْمٍ ''بلاشبہ آپؐ اخلاق کی بلندیوں پر فائز ہیں۔''

ربیع الاول کا ماہ مقدس سید الانبیا، خاتم النبیین، محسن انسانیت صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت باسعادت کی یاد دلاتا ہے اور ہم ان کی یاد میں عقیدت ومحبت کے پھول برساتے ہیں۔ یقیناً یہ مستحسن بات ہے، مگر ذرا ٹھنڈے دل ودماغ سے غور کریں تو ان کے اسوہ حسنہ کو اپنانے میں ہمارے اعمال میں خلا ہی خلا نظر آئے گا، ہم اس خوشی میں چراغاں کرتے ہیں وہ تو خود ''سراج منیر'' ہے جس کے خلق عظیم کی روشنی چار دانگ عالم میں پھیلی ہوئی ہے، ہم ان کی یاد میں میلاد کی محفلوں کا اہتمام کرتے ہیں اور ان کو عارضی پھولوں کی خوشبو سے معطر کرتے ہیں مگر ہماری زندگیاں اخلاق محمدی کے دائمی پھولوں سے محروم ہیں۔ ہمارے سربراہ سیرت کانفرنسیں منعقد کراتے ہیں اور اخلاق حسنہ کے مختلف پہلوؤں پر مقالہ نگار خوب خوب روشنی بھی ڈالتے ہیں جس پر انہیں انعامات بھی پیش کیے جاتے ہیں حسن وکمال کی یہ تمام باتیں ہال کی چار دیواری تک محدود رہتی ہیں مگر اس کے اثرات ملک کے طول وعرض میں کہیں نظر نہیں آتے ہیں، ہماری معاشی اور معاشرتی زندگی، ہماری سیاسی اور سماجی زندگی اسوۂ سیرت طیبہ سے یکسر خالی نظر آتی ہے حالانکہ رب کریم کا یہ اعلان ہے۔

فَلَا وَ رَبِّکَ لَا یُؤْمِنُوْنَ حَتّٰی یُحَکِّمُوْکَ فِیْمَا شَجَرَ بَیْنَھُمْ ثُمَّ لَا یَجِدُوْا فِیْ اَنْفُسِھِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَیْتَ وَیُسَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا (النسا:٦٥)

''تمہارے رب کی قسم! یہ لوگ اس وقت تک مومن نہیں ہو سکتے جب تک اپنے تنازعات میں آپؐ کو حکم تسلیم نہ کریں، پھر آپؐ جو فیصلہ کریں اس کے متعلق اپنے دلوں میں گھٹن بھی محسوس نہ کریں اور اس فیصلہ پر پوری طرح سر تسلیم خم نہ کر دیں۔''

Marfat.com

تزکیۂ نفس

آپ نے دیکھا ہوگا کہ کسی گلستان کا مالی ایک مخصوص خطہ زمین کو جھاڑ جھنکاڑ سے صاف کرتا ہے، وہاں خوب صورت کیاریاں بناتا ہے اوران میں رنگ برنگ پھولوں کے بیج بوتا ہے، پھر باقاعدگی اور پابندی سے انہیں پانی دیتا ہے اوررب کائنات کے فضل وکرم پر نظر رکھتا ہے ادھر خالق کائنات کی قدرت سے پودوں کی ننھی ننھی کونپلیں ظاہر ہوتی ہیں، ادھراس کے دل کا کنول کھل جاتا ہے، اس کی دلچسپیاں اور بڑھ جاتی ہیں، وہ زیادہ شوق اور لگن سے ان کی حفاظت کرتا ہے۔ جوں جوں پودے بڑھتے اور پھلتے ہیں توں توں اس کی خوشیوں میں اضافہ ہوتا جاتا ہے وہ اپنی سرگرمیوں کو مزید تیز کردیتا ہے، وہ ان کی آبیاری اور نلائی کرتا ہے۔ انہیں شدید سردی اور گرمی سے بچاتا ہے اوران کی ایسے ہی حفاظت کرتا ہے جیسے ننھے ننھے پھول سے بچوں کی حفاظت کی جاتی ہے یہاں تک کہ اللہ کی رحمت سے ان پودوں پر پھولوں کے شگوفے پھوٹنے لگتے ہیں، اب اس کا دل بلیوں اچھلنے لگتا ہے کہ اس کی محنت بارآور ہوئی، اس کی اچھی دیکھ بھال اور کارکردگی پر اس کی ملازمت میں ترقی کے امکانات روشن ہوجاتے ہیں۔

کچھ ایسا ہی حال انسان کی تربیت وتزکیہ کا ہے وہ بھی اس دنیا میں فکر وعقل کی سلامتی لے کر پیدا ہوتا ہے، رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

كُلُّ مَوْلُودٍ يُولَدُ عَلَى الْفِطْرَةِ فَأَبَوَاهُ يُهَوِّدَانِهِ أَوْ يُنَصِّرَانِهِ أَوْ يُمَجِّسَانِهِ (نضرة النور۔ مصطفیٰ محمد عمارہ) ''ہر پیدا ہونے والا بچہ فطرت سلیم (یعنی فطرت اسلام) پر پیدا ہوتا ہے تو اس کے والدین اسے یہودی یا نصرانی یا مجوسی بنالیتے ہیں۔''

اس سے یہ بات استنباط کی جاسکتی ہے کہ وہ جس ماحول میں رہتا سہتا ہے اور جیسی بودوباش اختیار کرتا ہے اور جس تہذیب وثقافت میں پروان چڑھتا یا جیسی سوسائٹی اور مجلس کا اس

Marfat.com

پر رنگ چڑھتا ہے اسی کی چھاپ اس کے ذہن وفکر پر لگ جاتی ہے، اور وہ انہی افکار و خیالات کو اپنا لیتا ہے۔

اب ضروری ہوا کہ پیدا ہونے والے بچے کو غلط اور برے ماحول سے بچایا جائے تو دوسری طرف اس کی صحیح خطوط پر تعلیم و تربیت ہے، اس کے اخلاق و عادات کی کڑی نگہداشت، پاکیزہ ماحول فراہم کرنا، صالح اور نفع بخش علم سے سینہ منور ہونا ایسے لازمی امور ہیں تب کہیں اس کا نخل حیات ٹھیک پھل پھول سکتا ہے اور وہ زندگی کے میدان میں اللہ تعالیٰ کا پسندیدہ بندہ بن کر عملی زندگی میں قدم رکھ سکتا ہے۔ مگر جب ایسا نہیں ہوتا تو...... اس کے گھر کا ماحول خراب ہو، گلی کوچے کا ماحول فاسد ہو، سکول و کالج کی فضا پراگندہ ہو، میڈیا اور معاشرے کی فضا ناگفتہ بہ ہو تو وہ بچہ جاہلی عادات و اخلاق کا خوگر ہو جاتا ہے اور زندگی کی تاریکیاں اسے قعر مذلت میں پھینک دیتی ہیں۔

غور کیجئے تو معلوم ہوگا کہ انبیاء کرام کی تشریف آوری کے اولین مقاصد میں نفوس انسانی کا تزکیہ بھی شامل ہوتا ہے، ان کی تعلیم و تربیت کا سر و سامان رب کریم کی طرف سے ہوتا ہے، اور ان کی زندگیاں لوگوں کے لئے بہترین نمونہ بنتی ہیں اور وہ تقویٰ و طہارت کی شاہراہ پر گامزن ہوتے ہیں، سردار انبیاء حضرت محمد ﷺ کے بارے میں ارشاد ہوتا ہے۔

هُوَ الَّذِیْ بَعَثَ فِی الْاُمِّیّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ یَتْلُوْا عَلَیْهِمْ اٰیٰتِهٖ وَ یُزَكِّیْهِمْ وَ یُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَ الْحِكْمَةَ وَ اِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ (الجمعة :۲)

''وہی تو ہے جس نے امیوں (بنی اسماعیل) کے اندر ایک رسول خود انہی میں سے اٹھایا، جو انہیں اس کی آیات سناتا ہے، ان کا تزکیہ فرماتا ہے اور انہیں کتاب و حکمت کی تعلیم دیتا ہے۔''

اس آیت کریمہ میں رسول اللہ ﷺ کی چار ذمہ داریاں سامنے آتی ہیں:

(۱)۔ تلاوت آیات۔ (۲)۔ تزکیہ نفوس۔ (۳) تعلیم کتاب۔ (۴)۔ تعلیم حکمت

ان چار الفاظ کی ترتیب کہیں بدلی بھی گئی ہے مگر نفس مضمون ایک رہا ہے۔

تلاوت آیات اور کتاب و حکمت کی تعلیم کا مقصد بھی دراصل تزکیہ نفس کی طرف ہی بڑھنا ہے اس لئے کہ صحیح علم و دانش سے ہی انسان کو طہارت فکر میسر ہوتی ہے، اور اس کے اخلاق سدھرتے اور سنورتے ہیں، وگرنہ محض علم و دانش سے بہرہ ور ہونا اور حسن علم سے محروم رہنا کوئی خوبی کی بات نہیں ہے، انسان کا تمام تر حسن و جمال اس کے اخلاق و اعمال میں نمایاں ہوتا ہے اور

Marfat.com

اخلاق، اعمال صرف تزکیہ نفس سے سنورتے اور نکھرتے ہیں۔

مولانا خلیل الرحمٰن چشتی لکھتے ہیں:

''مندرجہ بالا آیت کریمہ پر غور کیجئے کہ اس میں تلاوت آیات، تعلیم کتاب، اور تعلیم حکمت کی حیثیت، ذرائع (means) کی ہے اور آخری بات (تزکیہ نفس) کی حیثیت مقصد (aim) کی ہے، اس سے خود بخود یہ بات ثابت ہو جاتی ہے کہ تزکیہ کے عظیم مقصد کو ان تین ذریعوں کی مدد سے ہی حاصل کیا جا سکتا ہے یہ سارا عمل، آیات کی تلاوت اور کتاب وحکمت (کی تعلیم میں) محصور ومقید کر دیا گیا ہے، چنانچہ عقائد کے ذریعہ ذہن وفکر کا تزکیہ، احکام کے ذریعہ اخلاق واعمال کا تزکیہ اور حکمت ونصیحت کے ذریعہ اعضا وجوارح (جس کا مرکز دل ہے) کا تزکیہ شامل ہے، تزکیہ نفس کا تعلق باطن کی صفائی، ریاکاری سے اجتناب اور نیت کے اخلاص سے ہے۔''

(تزکیہ نفس۔ مطبوعہ الفوز اکیڈمی)

کتاب کے ساتھ جو حکمت کا لفظ لایا گیا ہے اس کے متعلق اکثر مفسرین نے سنت اور سیرت رسول اللہ ﷺ کو لیا ہے اور ظاہر ہے کہ دین سیرت مطہرہ کے بغیر پورا ہو ہی نہیں سکتا یہ قرآن رسول اللہ ﷺ پر نازل ہوا اور آپؐ ہی اس کے مفاہیم ومطالب کو سمجھانے والے ہیں اور اس کی تعلیمات کا عملی نمونہ ہیں۔ 'كَانَ خُلُقُهُ الْقُرْاٰن'۔'' کہ آپؐ کی حیات طیبہ قرآن حکیم کی جیتی جاگتی تصویر ہے۔''

امام راغب اصفہانی تزکیہ نفس پر لکھتے ہیں:

''تزکیہ نفس سے ہی انسان دنیا میں اوصاف حمیدہ کا مستحق ہوتا ہے۔ اور آخرت میں اجر و ثواب بھی اسی کی بدولت حاصل ہوگا اور تزکیہ نفس کا طریق یہ ہے کہ انسان ان باتوں کی کوشش میں لگ جائے جن سے طہارت نفس حاصل ہوتی ہے، (یہ بات جان لیجئے) کہ فعل تزکیہ کی نسبت کبھی تو انسان کی طرف کی جاتی ہے کیونکہ وہ اس کا اکتساب کرتا ہے جب کہ فرمایا:

قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰهَا (الشمس:۹) ''جس نے اپنی روح کو پاک کر لیا (وہ ضرور) اپنی مراد کو پہنچا''۔ اور کبھی یہ اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب ہوتا ہے، کیونکہ فی الحقیقت وہی اس کا فاعل ہے، ارشاد ہوتا ہے:

بَلِ اللّٰهُ يُزَكِّيْ مَنْ يَّشَآءُ (النساء:۴۹) ''بلکہ اللہ تعالیٰ جسے چاہتا ہے پاک کر دیتا

Marfat.com

ہے۔"

اور کبھی اس کی نسبت نبی کی طرف ہوتی ہے کیونکہ وہ لوگوں کو تزکیہ وطہارت کی تعلیم دیتا ہے۔ فرمایا:

خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّيْهِمْ بِهَا (التوبہ:۱۰۳)

"ان کے مال میں سے زکوٰۃ لیجئے کہ اس سے آپ ان کو پاک اور صاف فرمائیں۔"

اور کبھی اس کی نسبت عبادت وریاضت کی طرف ہوتی ہے کیونکہ انسان کو اس سے پاکیزگی حاصل ہوتی ہے۔

سیدنا یحییٰ علیہ السلام کے متعلق ارشاد ہوا:

وَحَنَانًا مِنْ لَدُنَّا وَزَكٰوةً "اور ہم نے اپنے پاس سے شفقت اور پاکیزگی عطا کی۔" یعنی اللہ تعالیٰ نے انہیں نرم خوئی اور عمل صالح کی توفیق عطا فرمائی (مفردات القرآن)

تزکیۂ نفس کے طریقے

1- طہارت نفس:

نفس کو ہر قسم کے شرک وریا کفر ونفاق، حسد وبغض، غرور وتکبر ایسے تمام رذائل سے پاک و صاف کر کے اس میں توحید اور اخلاص، مروت واحسان، تواضع وخاکساری، حلم وبردباری ایسی صفات حسنہ پیدا کرنا ضروری ہے، اور ان صفات کے بغیر تزکیہ نفس کا حصول مشکل ہی نہیں ناممکن ہے، اور نماز ایسی قیمتی چیز ہے جس میں بندہ اپنے رب تعالیٰ سے ہم کلام ہوتا ہے۔ یہ بھی صفات حسنہ کے بغیر سود مند نہیں ہے، ارشاد ہوتا ہے:

قَدْ اَفْلَحَ مَنْ تَزَكّٰى (۱۴) وَذَكَرَ اسْمَ رَبِّهٖ فَصَلّٰى (۱۵) [الاعلیٰ] "بلاشبہ وہی بامراد ہوا جس نے اپنے آپ کو پاک کر لیا۔ اور اپنے رب کا نام لیتا رہا اور نماز پڑھتا رہا۔"

2- جذبہ احسان:

حدیث میں آتا ہے:

اَلاِحْسَانُ اَنْ تَعْبُدَ اللّٰهَ كَاَنَّكَ تَرَاهُ فَاِنْ لَّمْ تَكُنْ تَرَاهُ فَاِنَّهٗ يَرَاكَ (معارف الحدیث۔ جلد:۱)

Marfat.com

مولانا محمد منظورؒ نعمانی اس کی تشریح میں لکھتے ہیں:

''حدیث کے ان الفاظ کی تشریح بہت سے حضرات اس طرح کرتے ہیں کہ گویا اس کا تعلق خاص 'نماز' ہی سے ہے اور گویا اس کا مطلب بس یہ ہے کہ نماز پورے خضوع و خشوع سے پڑھی جائے۔ حالانکہ حدیث کے الفاظ میں اس خصوصیت کے لئے کوئی قرینہ موجود نہیں ہے۔ حدیث میں تو 'تعبد' کا لفظ ہے، جس کے معنی مطلق عبادت اور بندگی کے ہیں، لہٰذا نماز کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کو مخصوص کرنے کی کوئی وجہ نہیں ہے، بلکہ اسی حدیث کی ایک اور روایت میں بجائے 'تعبدَ' کے 'تخشیٰ' کا لفظ بھی آیا ہے۔ یعنی اَلاِحْسَانُ أَنْ تَخْشَی اللّٰهَ كَأَنَّكَ تَرَاهُ 'احسان' یہ ہے کہ تم اللہ سے اس طرح ڈرو کہ گویا اس کو دیکھ رہے ہو اور اس طرح یہ الفاظ بھی آئے ہیں 'اَلاِحْسَانُ اَنْ تَعْمَلَ لِلّٰهِ كَاَنَّكَ تَرَاهُ' جس کا ترجمہ یہ ہوگا کہ احسان اس کا نام ہے کہ تم ہر کام اللہ کے لئے اس طرح کرو کہ گویا تم اس کو دیکھ رہے ہو...... ان دونوں روایتوں سے یہ بات اور زیادہ واضح ہو جاتی ہے کہ 'احسان' کا تعلق صرف 'نماز' ہی سے نہیں بلکہ انسان کی پوری زندگی سے ہے اور اس کی حقیقت یہ ہے کہ اللہ کی ہر عبادت و بندگی اور اس کے ہر حکم کی اطاعت و فرمانبرداری اس طرح کی جائے اور اس کے مواخذہ سے اس طرح ڈرا جائے کہ گویا وہ ہمارے سامنے ہے اور ہماری ہر حرکت و سکون کو دیکھ رہا ہے۔ (معارف الحدیث۔ جلد:۱)۔

3- غض بصر

قرآن حکیم میں ارشاد ہوا:

قُلْ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ يَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِهِمْ وَ يَحْفَظُوْا فُرُوْجَهُمْ ط ذٰلِكَ اَزْكٰى لَهُمْ (النور:۳۰)

''(اے نبیؐ) مومن مردوں سے کہو کہ اپنی نظریں بچا کر رکھیں اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کریں یہ ان کے لئے زیادہ پاکیزہ طریقہ ہے۔'' اگلی آیۃ مبارکہ میں یہی حکم عورتوں کے لئے بھی ہے۔

سید مودودیؒ لکھتے ہیں:

''غض کے معنی کسی چیز کو کم کرنے، گھٹانے اور پست کرنے کے ہیں، غض بصر کا ترجمہ عام طور پر نگاہ نیچی کرنا یا رکھنا کیا جاتا ہے لیکن دراصل اس حکم کا مطلب ہر وقت نیچے ہی دیکھتے رہنا نہیں

ہے، بلکہ پوری طرح نگاہ بھر کر نہ دیکھنا اور نگاہوں کو دیکھنے کے لئے بالکل آزاد نہ چھوڑ دینا ہے۔ یہ مفہوم 'نظر بچانے' سے ٹھیک ادا ہوتا ہے، یعنی جس چیز کو دیکھنا مناسب نہ ہو اس سے نظر ہٹالی جائے، قطع نظر اس سے کہ آدمی نگاہ نیچی کرے یا کسی اور طرف اسے بچالے جائے، من ابصارھم میں من تبعیض کے لئے ہے یعنی حکم تمام نظروں کو بچانے کا نہیں ہے بلکہ بعض نظروں کو بچانے کا ہے بالفاظ دیگر اللہ تعالیٰ کا منشا یہ نہیں ہے کہ کسی چیز کو بھی نگاہ بھر کر نہ دیکھا جائے بلکہ وہ صرف ایک مخصوص دائرے میں نگاہ پر یہ پابندی عائد کرنا چاہتا ہے اب یہ بات سیاق وسباق سے معلوم ہوتی ہے کہ یہ پابندی جس چیز پر عائد کی گئی ہے وہ ہے مردوں کا عورتوں کو دیکھنا یا دوسرے لوگوں کے ستر پر نگاہ ڈالنا، یا فحش مناظر پر نگاہ جمانا (تفہیم القرآن۔ جلد:۳)

قرآن حکیم میں ایک دوسرے مقام پر ارشاد ہوا۔

وَاِذَا مَرُّوا بِاللَّغْوِ مَرُّوا كِرَامًا (الفرقان:۷۲) "اور رحمان کے حقیقی معنوں میں بندے وہ ہیں) کہ جب وہ لغویات سے گزرتے ہیں تو شریفانہ انداز سے گزر جاتے ہیں (ادھر نظر اٹھا کر بھی نہیں دیکھتے)۔"

سورہ مومنون میں اس بات کو اس طرح سمجھایا گیا ہے۔

وَالَّذِيْنَ هُمْ عَنِ اللَّغْوِ مُعْرِضُوْنَ (المومنون:۳) "اور جو بیکار (بے ہودہ) پر (ذرا بھی) دھیان نہیں کرتے (ان سے منہ موڑتے اور کنارہ کش رہتے ہیں)۔"

سورہ القصص میں ارشاد ہوا:

وَاِذَا سَمِعُوا اللَّغْوَ اَعْرَضُوْا عَنْهُ (القصص:۵۵) "اور (یہ وہ لوگ ہیں) کہ جب کسی سے بے ہودہ باتیں سنتے ہیں تو اس سے منہ پھیر لیتے ہیں۔" 'غض بصر' کو مندرجہ بالا آیات سے بہت اچھی طرح سمجھا جا سکتا ہے۔

ذرا ٹھنڈے دل و دماغ سے سوچئے کہ آج کل ٹی وی، کیبل، ڈش انٹینا اور پھر انٹرنیٹ پروگراموں میں ان آیات پر کتنے لوگ عمل کرتے ہیں؟ اور جب ان پر عمل نہیں ہوتا تو پھر تزکیہ نفس کیسے ہو سکتا ہے، اس کی فکر نہ حکومت کو ہے اور نہ والدین کو، نہ سیاسی جماعتوں کو سمجھ آتی ہے اور نہ ہی دین دار لوگوں کو عقل۔ تباہی کے اس سیلاب میں شعوری اور غیر شعوری طور پر سب بہتے جا رہے ہیں، اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ ۔

Marfat.com

4- نیک مجالس:

حصول تزکیہ کے لئے نیک مجالس میں بیٹھنا بہت مفید ثابت ہوتا ہے، اس سلسلہ میں مجھے سعدی شیرازی کا شعر یاد آرہا ہے:

گلے خوشبوئے در حمام روزے — رسیداز دست محبوبے بدستم
بدو گفتم کہ مشکی یا عبیری — کہ از بوے دلاویز تو مستم
بگفتا من گلے ناچیز بودم — ولیکن مدتے با گل نشستم
جمال ہمنشیں در من اثر کردم — وگرنہ من ہماں خاکم کہ ہستم

اس کا اردو اشعار میں کسی نے کیا ہی خوب ترجمہ کر دیا ہے:

اک مہربان سے خاک معطر ملی مجھے — اک روز جب حمام میں تھا، نہا رہا
پوچھا جو میں نے اس سے، تو ہے مشک یا عبیر — تیری مہک نے آج مجھے مست کر دیا
بولی کہ، میں تو مٹی ہی ناچیز تھی، مگر — پھولوں کی ہم نیشنی کا موقع مجھے ملا
یہ سب اثر ہے پھول کی صحبت کا اے ندیم — ورنہ خاک ہوں، مجھے خوشبو سے واسطا

اس بات کو حدیث مبارک میں اس طرح بیان کیا گیا ہے:

''حضرت ابوموسیٰؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اچھے ساتھی کی مثال کی خوشبو والے جیسی ہے کہ اگر تجھ کو اس سے کچھ نہ ملے تب بھی اس کی خوشبو بہر حال پہنچ جائے گی، اور برے ساتھی کی مثال لوہار خانے جیسی ہے کہ اگر اس کی سیاہی نہ بھی لگے جب بھی اس کا دھواں بہر حال تجھ کو پہنچ جائے گا۔'' (ابوداؤد)

آج کالجوں اور یونیورسٹیوں کا ماحول جس سرعت کے ساتھ بگڑ رہا ہے اور نوجوان نسل گمراہی کی جانب جس تیزی سے بڑھ رہی ہے اس پر حساس دل تڑپ کے رہ جاتے ہیں، مجھے شاعر مشرق کے اشعار یاد آرہے ہیں۔ جو انہوں نے اپنے فرزند جاوید کے نام لکھے تھے مگر ان کے مخاطب قوم کے تمام نوجوان بھی تھے۔

ہوئی نہ زاغ میں پیدا بلند پروازی — خراب کر گئی شاہیں بچے کو صحبت زاغ
حیا نہیں ہے زمانے کی آنکھ میں باقی — خدا کرے کہ جوانی تری رہے بے داغ

کوا اور شاہین مل جل کر رہنے سہنے لگے، اس سے کوے میں تو شاہین کی طرح اونچا اڑنے کی

Marfat.com

ہمت پیدا نہ ہو سکی مگر کوّے کی صحبت نے شاہین کی عادتیں بگاڑ دیں، مطلب یہ ہے کہ خراب اور غلط مجلس یا سوسائٹی میں بیٹھنا اچھے نتائج پیدا نہیں کرتا، ایسی صحبت سے ہمیشہ بچنا چاہیے وقت ایسا آ گیا ہے کہ لوگ حیا سے تہی دامن ہو رہے ہیں۔ اور پیارے رسول اللہ ﷺ کے ارشاد کے مطابق حیا جزو ایمان ہے۔ میری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ تعالیٰ تیری جوانی کے دامن کو برائی کے ہر داغ سے پاک رکھے یعنی تو نیک اور صالح جوان بنے اور یہی دعا ملت کے ہر نونہال کے لئے ہے۔

سیدنا یوسف علیہ السلام نیک لوگوں کی رفاقت کے لئے دعا کرتے تھے:

فَاطِرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ قف اَنْتَ وَلِيّٖ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ج تَوَفَّنِيْ مُسْلِمًا وَّاَلْحِقْنِيْ بِالصّٰلِحِيْنَ (یوسف:۱۰۱) "اے آسمانوں اور زمین کے پیدا کرنے والے! تو ہی دنیا اور آخرت میں میرا کارساز ہے۔ میرا خاتمہ بالخیر (اسلام پر) فرما اور (مجھے آخرت میں بھی) صالحین کے زمرہ میں شامل کرنا۔"

5- ہمہ وقت اللہ کے فضل کی تلاش:

قرآن حکیم میں رب کریم کا ارشاد ہے:

وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ مَا زَكٰى مِنْكُمْ مِّنْ اَحَدٍ اَبَدًا لا وَّ لٰكِنَّ اللّٰهَ يُزَكِّيْ مَنْ يَّشَآءُ ط وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ (النور:۲۱)

"اگر اللہ کا فضل اور اس کا رحم و کرم تم پر نہ ہوتا، تو تم میں سے کوئی شخص پاک نہ ہو سکتا، مگر اللہ جسے چاہتا ہے پاک کر دیتا ہے اور اللہ سننے والا اور جاننے والا ہے۔"

سید مودودیؒ اس آیت مبارکہ کی تشریح میں لکھتے ہیں:

"یعنی شیطان تو تمہیں برائی کی نجاستوں میں آلودہ کرنے کے لئے اس طرح تلا بیٹھا ہے کہ اگر اللہ اپنے فضل و کرم سے تم کو نیک و بد کی تمیز نہ سمجھائے اور تم کو اصلاح کی تعلیم و توفیق سے نہ نوازے تو تم میں سے کوئی شخص بھی اپنے بل بوتے پر پاک نہ ہو سکے۔" (تفہیم القرآن جلد:۳)۔

قرآن و حدیث کی بہت سی دعائیں تزکیہ نفس کے حصول کے لئے نفع بخش ہو سکتی ہیں جن کا ورد فرض نمازوں کے بعد، اٹھتے بیٹھتے، چلتے پھرتے، سوتے جاگتے جاری رہنا چاہیے۔

رَبَّنَآ اٰتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّفِي الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ (البقرہ:۲۰)

"اے ہمارے رب! ہمیں دنیا میں بھی اچھائی اور بھلائی عطا فرما اور آخرت میں بھی اچھائی

اور بھلائی سے نواز اور ہمیں آگ کے عذاب سے بچالے۔"

اَنْتَ وَلِيُّنَا فَاغْفِرْلَنَا وَارْحَمْنَا وَاَنْتَ خَيْرُ الْغٰفِرِيْنَ وَاكْتُبْ لَنَا فِي هٰذِهِ الدُّنْيَا حَسَنَةً وَفِي الْاٰخِرَةِ اِنَّا هُدْنَا اِلَيْكَ (الاعراف:١٥٥)

"(اے پروردگار!) تو ہی ہمارا سرپرست ہے، سوہمیں بخش دے اور ہم پر رحم فرما، اور اس دنیا میں بھی ہمارے لئے بھلائی لکھ دے اور آخرت میں بھی بھلائی کو ہمارے مقدر میں کر، ہم نے تیری ہی طرف رجوع کیا۔"

رَّبِّ اَعُوْذُبِكَ مِنْ هَمَزٰتِ الشَّيٰطِيْنِ (٩٧) وَاَعُوْذُ بِكَ رَبِّ اَنْ يَّحْضُرُوْنِ (٩٨)[مومنون]

اے میرے رب میں شیطانوں کے وسوسوں سے تیری پناہ چاہتا ہوں اور میرے رب میں اس سے بھی تیری پناہ چاہتا ہوں کہ وہ میرے پاس آئیں' اور پھر قرآن کی آخری دو سورتیں کثرت سے پڑھی جائیں۔ اسی طرح حدیث مبارکہ کی چند دعائیں بھی تزکیہ نفس کے لئے مفید اور اکسیر ثابت ہوئی ہیں۔

اللهم ات نفسي تقواها وزكها انت خير من زكاها انت وليها ومولاها.

"اے اللہ! میرے نفس کو تقویٰ (پرہیزگاری) سے بہرہ ور فرما اور میرا تزکیہ فرما دے تو ہی اس کا بہترین تزکیہ کرنے والا ہے تو اس نفس کا سرپرست اور تو ہی اس کا مالک ہے۔"

اللهم رحمتك ارجو فلا تكلني الى نفسي طرفة عين واصلح لي شاني كله، لا اله الا انت "اے اللہ! میں تیری رحمت کا طلبگار ہوں، مجھے میرے نفس کے سپرد پل بھر کے لئے بھی نہ کر اور میرے تمام احوال کی اصلاح فرما دے (اس لئے کہ) تیرے سوا میرا کوئی مشکل کشا اور حاجت روا نہیں ہے۔"

يا مقلب القلوب ثبت قلبي على دينك. "اے دلوں کو پلٹ دینے والے، تو میرے دل کو اپنے دین پر ثابت قدم رکھ۔"

اللهم اجعل سريرتي خيرا من علانيتي واجعل علانيتي صالحا. "اے اللہ! میرے باطن کو میرے ظاہر سے بہتر بنا دے اور میرا ظاہر بھی اچھا کر دے۔"

اللهم اجعلني صبورا، واجعلني شكوراً، واجعلني في عيني صغيرا وفي اعين

Marfat.com

الناس کبیرا.

''اے اللہ! مجھے بہت زیادہ صابر اور بہت زیادہ شاکر بنادے تو مجھے میری اپنی نظر میں تو چھوٹا (مگر) لوگوں کی نظر میں بڑا بنادے۔''

اللھم انی اعوذبک من علم لاینفع ومن قلب لایخشع ومن نفس لاتشبع ومن دعوة لا یستجاب له.

''اے اللہ! میں تیری پناہ مانگتا ہوں، اس علم سے جو فائدہ بخش نہ ہو، اور اس دل سے جو خشوع اور عاجزی کرنے والا نہ ہو اور ایسے نفس سے جو کبھی سیراب نہ ہوتا ہو اور ایسی دعا سے جو قبول نہ کی جاتی ہو۔'' (حزب المقبول، پیارے رسولؐ کی پیاری دعائیں)۔

تزکیہ نفس کا مضمون طویل ہوتا جارہا ہے، بات کو سمیٹتے ہوئے یہ کہا جاسکتا ہے کہ جس طرح وہ زمین جو خودرو جھاڑیوں سے اٹی پڑی ہو، جب تک اسے صاف کر کے ستھرانہ بنالیا جائے وہ کاشت کے قابل نہیں ہوسکتی ہے اسی طرح جس دل کو تمام روحانی غلاظتوں سے صاف نہ کرلیا جائے شرف انسانیت کی اعلیٰ اقدار کو حاصل نہیں کیا جاسکتا ہے۔

اللہ کا پسندیدہ اور مقرب بندہ بننے کے لئے، تزکیہ نفس بہت ضروری ہے، اس کے لئے مندرجہ بالا باتوں کے علاوہ رزق حلال اور صدق مقال، خدمت خلق اور خاص طور پر یتامیٰ اور بیوگان کی سرپرستی (کہ اس سے قلب میں نرمی پیدا ہوتی ہے) اپنے گناہوں پر ندامت اور توبہ و استغفار، عبادات کی پابندی بہت ضروری ہے۔

اس وقت ضرورت ہے کہ اس عظیم نعمت کے حصول کے لئے طلب وجستجو کی جائے اس لئے کہ امت مسلمہ بحیثیت مجموعی اور پاکستانی قوم بالخصوص روحانی امراض کا شکار ہے، ان امراض کا پتہ کرنا ہوتو روزانہ کے اخبارات پڑھ لیجئے اور اگر پہلو میں دردمند دل ہے تو اسے تھام کر بیٹھ جایئے۔

جہانبانی سے ہے دشوار تر کار جہاں بینی
جگر خوں ہو تو چشم دل میں ہوتی ہے نظر پیدا

آخرت

کسان بڑی محنت و مشقت سے اپنے کھیت میں ہل چلاتا ہے، بیج بوتا ہے، پانی سے اسے سیراب کرتا ہے، صبح و شام اس کی نگرانی کرتا ہے، پھر باران رحمت پر بھی نظر رکھتا ہے، رب کریم کے فضل سے اس کی محنت رنگ لاتی ہے اور کھیت سرسبز و شاداب ہو جاتا ہے اور کسان اس کے ثمرات سے فیضیاب ہو جاتا ہے۔ اس کی محنت و جانفشانی کے نتائج یقیناً سامنے آنے چاہئیں تھے، اگر ایسا نہ ہوتا تو اس کی محنت رائیگاں اور اکارت جاتی اور وہ صدمات اور تفکرات سے دوچار ہو جاتا، کچھ ایسا ہی حال انسان کا ہے، اللہ تعالیٰ نے اسے جسم و جان اور عقل و شعور کا عطیہ دیا ہے، ان گنت انعامات سے نوازا ہے، سب سے بڑا انعام یہ ہے کہ اس دنیا میں اسے اپنا نائب اور خلیفہ بنایا ہے تاکہ اس کرہ ارض پر حاکمیت الٰہی کا اعلان کرے، اس کے لئے اس نے اسے نور علم سے بہرہ ور فرمایا تاکہ اس سے آراستہ ہو کر اعمال حسنہ سے اسے مزین کرے، ارشاد ہوتا ہے۔

الَّذِیْ خَلَقَ الْمَوْتَ وَ الْحَیٰوةَ لِیَبْلُوَکُمْ اَیُّکُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا (الملک:۲)

”(اللہ وہ ہے) جس نے موت و حیات کو اس لئے پیدا کیا کہ تمہیں آزمائے کہ تم میں سے کون اچھے عمل کرتا ہے۔“

یہاں پر لفظ ’موت‘ کو حیات سے پہلے لانا اس امر کی جانب اشارہ ہے کہ انسان پیدا ہوا ہی مرنے کے لئے ہے اور یہ حیات مستعار چند روزہ ہے اور زندگی کے ان مختصر لمحات میں خالق و مالک کی رضا مندی حاصل کرنا ہی سعادت مندی ہے اور جونہی اس کی طرف سے بلاوا آجائے تو اس دنیا سے ہنسی خوشی رخصت ہونا ہی کامیابی کا مژدہ ہے۔

موت ایک ایسی اٹل حقیقت ہے کہ جس سے انکار کسی طرح ممکن نہیں ہے، جب موت کی حقیقت واضح ہے تو آخرت بھی یقینی امر ہے، قرآن یہ کہتا ہے کہ موت تمہیں ہر حال میں آکر رہے

گی۔خواہ تم شاندار مضبوط قلعوں میں ہی کیوں نہ ہو۔

اَیۡنَ مَا تَکُوۡنُوۡا یُدۡرِکۡکُّمُ الۡمَوۡتُ وَلَوۡ کُنۡتُمۡ فِیۡ بُرُوۡجٍ مُّشَیَّدَۃٍ (النساء:۷۸)

''تم کہیں رہو، موت تو تمہیں آ کر رہے گی خواہ بڑے بڑے مضبوط قلعوں میں محفوظ ہو جاؤ۔''

اس حقیقت کو ہم روزانہ دیکھتے بھالتے ہیں کہ حکام محلات میں مرتے ہیں تو محکوم جھونپڑیوں اور مکانوں میں دم توڑتے ہیں، یہاں تک کہ بہتر سے بہتر علاج معالجے کی سہولتیں میسر آنے کے باوجود ہم مرنے والے کو موت کے منہ سے نہیں بچا سکتے ہیں، قرآن اس کا اعلان کرتا ہے۔

اِذَا جَآءَ اَجَلُهُمۡ فَلَا یَسۡتَاۡخِرُوۡنَ سَاعَةً وَّلَا یَسۡتَقۡدِمُوۡنَ (یونس:49)

''جب موت کا وقت آ جاتا ہے تو ایک لحہ کی بھی تقدیم و تاخیر نہیں ہو سکتی ہے۔''

شاعر اس حقیقت کو اس طرح بیان کرتا ہے۔

کلبۂ افلاس میں ، دولت کے کاشانے میں موت
دشت و در میں، شہر میں، گلشن میں، ویرانے میں موت
موت ہے ہنگامہ آرا قلزم خاموش میں
ڈوب جاتے ہیں سفینے موج کی آغوش میں
نے مجالِ شکوہ ہے، نے طاقت گفتار ہے
زندگی کیا ہے، ایک طوق گلو افشار ہے

جب موت یقینی ہے تو آخرت بھی یقینی ہے اور یہ زندگی اور اس کا ہر ہر لحہ امتحان ہے، اس لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اَلدُّنۡیَا سِجۡنُ الۡمُؤۡمِنِ، وَجَنَّةُ الۡکَافِرِ (نضرۃ النور۔ مصطفیٰ محمد عمارہ)

''دنیا مومن کے لئے قید خانہ اور کافر کیلئے جنت ہے۔''

جس طرح قید خانہ میں مصائب اور مشکلات، پابندیاں اور مجبوریاں ہوتی ہیں اس طرح بندہ مومن بھی شرعی حدود و قیود میں زندگی گزارتا ہے جبکہ کافر کیلئے حلال و حرام کی کوئی تمیز نہیں ہے، اور وہ عیش و عشرت کے مزے لوٹتا ہے۔ دنیا دارالامتحان ہے اور یہاں پر عارضی فائدہ ہے جبکہ آخرت دارالجزاء اور ابدی راحت کا گھر ہے، قرآن بیان کرتا ہے۔

بَلۡ تُؤۡثِرُوۡنَ الۡحَیٰوةَ الدُّنۡیَا (۱۶) وَالۡاٰخِرَةُ خَیۡرٌ وَّ اَبۡقٰی (۱۷) [الاعلیٰ]

Marfat.com

''تم دنیا کی زندگی کو ترجیح دیتے ہو (وہ تو عارضی ہے) حالانکہ آخرت بہتر اور ابدی ہے۔''

ہمارا ہر ہر عمل اچھا یا برا، چھوٹا یا بڑا لکھا جاتا ہے، بلکہ ذرہ بھر نیکی اور ذرہ بھر بدی تک لکھی جاتی ہے، ذرہ کی حقیقت کیا ہے؟ کسی کمرے میں سے سورج کی شعاع گزر رہی ہو تو اس میں ننھے ننھے ذرے تیرتے نظر آئیں گے، اللہ کا بنایا ہوا ترازو اتنا حساس ہے کہ اس میں ذرات تک تُل جاتے ہیں، ارشاد ہوتا ہے۔

فَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَّرَهٗ (۷) وَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَّرَهٗ (۸) [الزلزال] ''چنانچہ جس نے ذرہ بھر نیکی کی ہوگی وہ اسے دیکھ لے گا اور جس نے ذرہ بھر بدی کی ہو گی وہ بھی اس کے سامنے آجائے گی۔''

اور اس ترازو کا حال سنیے جس میں نیکی اور بدی کے اعمال تولے جائیں گے۔

فَاَمَّا مَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِيْنُهٗ (۶) فَهُوَ فِيْ عِيْشَةٍ رَّاضِيَةٍ (۷) وَاَمَّا مَنْ خَفَّتْ مَوَازِيْنُهٗ (۸) فَاُمُّهٗ هَاوِيَةٌ (۹) [القارعہ]

''پھر جس کے (نیک اعمال کے) پلڑے بھاری ہوئے وہ تو دل پسند عیش میں ہوگا اور جس کے پلڑے ہلکے ہوئے تو اس کا ٹھکانہ گہری کھائی (جہنم) ہوگا۔''

آخرت کا دن (قیامت) اتنا سخت، دشوار، ہولناک اور خوفناک ہوگا کہ دنیا کے قریب ترین رشتے چھوٹ جائیں گے، ارشاد ہوتا ہے۔

يَوْمَ يَفِرُّ الْمَرْءُ مِنْ اَخِيْهِ (۳۴) وَاُمِّهٖ وَ اَبِيْهِ (۳۵) وَصَاحِبَتِهٖ وَبَنِيْهِ (۳۶) لِكُلِّ امْرِئٍ مِّنْهُمْ يَوْمَئِذٍ شَاْنٌ يُّغْنِيْهِ (۳۷) [عبس]

''(میدان حشر میں) آدمی اپنے بھائی سے بھاگے گا، اور اپنی ماں اور باپ سے، اور اپنی بیوی اور بیٹوں سے (بھی بھاگے گا) اس دن ہر شخص کی ایسی حالت ہوگی جو (اسے دوسروں سے) بے پروا بنا دے گی۔'' (یوں کہیئے کہ نفسی نفسی کا عالم ہوگا)۔

وہ دن ایسا ہوگا کہ جس میں زور وزر، طاقت اور گھمنڈ، سفارش اور تعاون سب بیکار اور بے اثر ہو جائیں گے۔

وَاتَّقُوْا يَوْمًا لَّا تَجْزِيْ نَفْسٌ عَنْ نَّفْسٍ شَيْئًا وَّ لَا يُقْبَلُ مِنْهَا شَفَاعَةٌ وَّلَا يُؤْخَذُ مِنْهَا عَدْلٌ وَّ لَا هُمْ يُنْصَرُوْنَ (البقرہ:۴۸)

Marfat.com

''اور اس دن سے ڈرتے رہو جب نہ تو کوئی کسی دوسرے کے کام آسکے گا، نہ اس کے حق میں سفارش قبول کی جائے گی اور اس سے کوئی معاوضہ لیا جائے گا اور نہ ہی انہیں کہیں سے کوئی مدد ہی پہنچ سکے گی۔''

اس سے بڑھ کر اور کیا ہو سکتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی لخت جگر بی بی فاطمہ رضی اللہ عنہا کو فرماتے ہیں۔ ''فاطمہ عمل کرلے، عمل کرلے، تیرے اعمال حسنہ ہی تیرے کام آئیں گے۔''

''اِنقِذِی نَفسَکِ مِنَ النَّارِ''

''اپنے آپ کو دوزخ کی آگ سے بچا لے۔''

آخرت کو سنوارنے یا بگاڑنے میں اس دنیا میں انسان کے اعمال کا بڑا دخل ہے۔

عمل سے زندگی بنتی ہے جنت بھی جہنم بھی

یہ خاکی اپنی فطرت میں نہ نوری ہے نہ ناری ہے

اسلام کا نظریہ آخرت فرد اور معاشرے دونوں کی اصلاح کے معاملے میں جڑ اور بنیاد کی حیثیت رکھتا ہے، جب انسان کے دل میں یہ بات نقش ہو جاتی ہے کہ اسے اپنے اعمال کے لئے اپنے خالق و مالک کے حضور جوابدہ ہونا ہے اور اس کے اعمال اسے ابدی راحت بھی دے سکتے ہیں اور دائمی عذاب بھی تو پھر اس کے دل میں خود بخود ہی یہ تمنا اور تڑپ پیدا ہوتی ہے کہ وہ کیا طرز عمل اختیار کرے کہ جس سے دائمی عذاب سے بچ کر ابدی راحت سے ہمکنار ہو جائے۔ یہی وہ جذبہ ہے جو اسے اللہ کا فرمانبردار بندہ بنا دیتا ہے۔ وہ اسوہ رسول کو اپنے لئے مشعل راہ بناتا ہے، دوسروں کے حقوق کی پاسبانی اس کا وطیرہ بن جاتا ہے، گویا کہ وہ حقوق اللہ اور حقوق العباد کا پوری طرح نگہبان ہو جاتا ہے، قرآن حکیم ایسے لوگوں کا تذکرہ ان الفاظ میں کرتا ہے۔

اَلَّذِیۡنَ یَخۡشَوۡنَ رَبَّہُمۡ بِالۡغَیۡبِ وَ ہُمۡ مِّنَ السَّاعَۃِ مُشۡفِقُوۡنَ (الانبیا:۴۹)

''(وہ لوگ) جو اپنے رب سے بن دیکھے ڈرتے ہیں اور وہ قیامت کے روز جواب دہی سے بھی خائف رہتے ہیں۔''

پھر غور کیجئے تو آپ کا دل اس بات کی گواہی دے گا کہ کسی عدالت عالیہ میں جوابدہی ضرور ہونی چاہئے جہاں بے لاگ فیصلے سنا دیے جائیں، کیونکہ کسی شخص کو بھی اس دنیا میں نہ تو اس کی

Marfat.com

نیکیوں کا پورا پورا صلہ ہی ملتا ہے اور نہ ہی کسی کو اس کی خطاؤں کی پوری پوری سزا، کتنے مجرم قانون کی زد سے بچ نکلتے ہیں یا زد میں آکر بھی زور وزر سے بچ نکلتے ہیں، یہاں کی عدالتیں صحت وسقم کی ٹھیک ٹھیک چھان پھٹک نہیں کر پاتیں، صرف اور صرف اللہ تعالیٰ عادل کی بارگاہ ایسی ہے جہاں ہر بات (ذرہ برابر بھی ہو) کا ٹھیک ٹھیک انصاف کر دیا جائے گا اور کسی پر رائی برابر بھی ظلم نہ ہوگا۔

ارشاد ہوتا ہے۔

قُلْ مَتَاعُ الدُّنْيَا قَلِيلٌ ج وَالْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لِّمَنِ اتَّقٰى قف وَلَا تُظْلَمُوْنَ فَتِيْلًا (النساء:۷۷) ''آپ ان سے کہئے کہ دنیا کا آرام تو چند روزہ ہے اور ایک متقی کیلئے آخرت ہی بہتر ہے اور ان پر رائی برابر بھی ظلم نہ کیا جائے گا۔''

آخرت میں کامیابی کے لئے صرف اللہ تعالیٰ کے حقوق ادا کرنے ہی کافی نہیں ہیں کہ بس صوم وصلوٰۃ کی پابندی کر لی، یا فریضہ زکوٰۃ سے سبکدوش ہو گئے، تمام بندوں کے حقوق بھی رب کریم کی رضا کے لئے پورے کرنے ضروری ہیں۔ والدین کے ساتھ حسن سلوک ہے تو پڑوسیوں کے ساتھ مروت ہے، بیماروں کی تیمارداری ہے تو بیواؤں اور یتامیٰ کی سرپرستی ہے، اپنے مسلمان بھائیوں کے ساتھ ہمدردی ہے، عام انسانوں کے ساتھ بھی خیر خواہی ہے وغیرہ وغیرہ پھر شرم وحیا، امانت ودیانتداری، تواضع وخاکساری، صبر وشکر ایسی صفات اپنانا بھی ضروری ہے اور سب سے بڑھ کر اللہ کی زمین پر اسی کا نظام پوری ہمت اور کوشش سے نافذ کرنا بھی ایسا ہی ضروری ہے، اس روایت پر غور کر لیجئے:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ، سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (صحابہؓ) سے پوچھا ''جانتے ہو مفلس کون ہے؟'' انہوں نے عرض کیا ''ہم میں سے مفلس وہ سمجھا جاتا ہے جس کے پاس روپیہ پیسہ اور ساز وسامان نہ ہو'' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ''میری امت میں مفلس وہ ہے جو قیامت کے دن نماز، روزہ اور زکوٰۃ جیسے اہم اعمال لئے ہوئے رب کے حضور آئے گا لیکن اس کے ساتھ یہ علتیں بھی ہوں گی کہ فلاں کو گالی دی ہے، فلاں پر تہمت لگائی ہے، فلاں کا مال کھایا ہے، فلاں کا خون بہایا ہے اور فلاں کو مارا ہے، پس اس کی بعض نیکیاں فلاں کو اور بعض نیکیاں فلاں کو دے دی جائیں گے، اب اگر اس کی سب نیکیاں ختم ہو گئیں اور ادائیگی باقی رہی تو پھر ان سب کی برائیاں اس پر ڈال دی جائیں گی (اس طرح اس کا بینک بیلنس صفر ہو گیا)

Marfat.com

پھر وہ آگ میں جھونک دیا جائے گا (العیاذ باللہ) (ریاض الصالحین باب تحریم الظلم)

حضرت عبداللہ بن مبارکؒ ایک دفعہ حج کو جا رہے تھے دوران سفر ایک مقام پر ایک لڑکی کو دیکھا کہ گھورے پر سے کچھ اٹھا رہی تھی آپ قریب گئے تو کیا دیکھتے ہیں کہ وہ ایک مری ہوئی مرغی کو جلدی جلدی ایک چیتھڑے میں لپیٹ رہی ہے، حضرت نے اس غریب بچی سے پوچھا بیٹی! تم اس مردار مرغی کا کیا کرو گی؟ لڑکی کی آنکھوں میں آنسو آ گئے رندھی ہوئی آواز میں بولی، چچا میاں! ہمارے ابا کو کچھ ظالم لوگوں نے قتل کر دیا، ہمارا سب مال چھین لیا اور ساری جائیداد ہتھیا لی، اب میں ہوں اور میرا ایک بھائی، اللہ تعالیٰ کے سوا ہمارا کوئی سہارا نہیں.......... ہمارے پاس نہ کھانے کے لئے کچھ ہے اور نہ پہننے کے لئے، کئی کئی وقت ہم پر ایسے ہی گزر جاتے ہیں، اس وقت بھی ہم فاقے سے ہیں، بھیا گھر میں بھوک سے نڈھال پڑا ہے، میں باہر نکلی ہوں کہ شاید کچھ مل جائے، یہاں آئی تو یہ مردار مرغی پڑی ملی اور میں نے اس کو اٹھا لیا، یہ کہتے ہوئے فاقوں کی ماری بچی پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

بچی کی باتیں سن کر حضرت کا دل بھر آیا، بچی کے سر پر ہاتھ رکھا اور خود بھی رونے لگے، خزانچی سے پوچھا ''اس وقت تمہارے پاس کتنی رقم ہے؟'' خزانچی نے جواب دیا ''ایک ہزار اشرفیاں ہیں'' حضرت نے فرمایا ''میرے خیال میں گھر واپس پہنچنے کے لئے بیس اشرفیاں کافی ہوں گی؟'' جی ہاں! بیس اشرفیاں گھر تک پہنچنے کے لئے کافی ہیں''

آپ نے فرمایا ''بیس اشرفیاں رکھ لو اور باقی ساری رقم اس لڑکی کے حوالے کر دو۔ اس سال ہم حج کو نہیں جائیں گے'' خزانچی نے رقم لڑکی کے حوالے کر دی، فاقوں سے کملایا ہوا چہرہ ایک دم کھل اٹھا اور لڑکی کی آنکھوں میں خوشی کے آنسو تیرنے لگے اور وہ تیز تیز قدم اٹھاتی ہوئی، گھر کی طرف روانہ ہو گئی، حضرت نے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا اور خزانچی سے فرمایا ''چلو اب یہیں سے گھر واپس چلیں'' سچ ہے ۔

دل بدست آور کہ حج اکبر است

(اسلامی معاشرہ، صفحہ:65)

اے لمبی چوڑی عمارتیں بنانے والو! اور نئے نئے ماڈل کی کاریں خریدنے والو! تمہیں خبر بھی ہے کہ تمہارے پاس پڑوس میں کچھ لوگ ٹوٹی پھوٹی جھونپڑیوں میں آباد ہیں، شاید ان فاقہ مستوں

Marfat.com

کی آہ و بکا تمہارے کانوں تک نہیں پہنچی، انواع واقسام کے کھانوں سے صبح وشام تمہاری زبانیں آشنا ہیں جبکہ وہ مساکین نان جویں کے لئے ترس رہے ہیں، تمہارے پاس یہ مال تمہارا نہیں ہے، یہ اللہ غنی نے تمہیں عطا کیا ہے تاکہ اسی کی راہ میں دے کر آخرت کا گھر بنالو۔

اسلام نے ہمیں یہ بتایا ہے کہ بندہ مومن کے لئے دنیا اور آخرت دونوں خیر و برکت کا باعث ہیں، وہ جیتا ہے تو احکام الٰہی کی اطاعت وفرمانبرداری کرتے ہوئے اور اس کی مخلوق کے ساتھ ہمدردی وغمخواری اس کی زندگی کا نصب العین ٹھہرتا ہے، وہ جب دنیا سے رخصت ہوتا ہے تو فرحاں وشاداں جبکہ زمین وآسمان کی ہر چیز اور لوگ اس کی جدائی میں آنسو بہاتے ہیں، اس کے برعکس ظالم وفاجر انسان کا وجود لوگوں کے لئے دکھ اور مصیبت کا باعث ہوتا ہے اور جب وہ دنیا سے رخصت ہوتا ہے تو انتہائی تکلیف اور پریشانی کی حالت میں جبکہ مخلوق.......... کیا لوگ اور کیا چرند پرند، شجر وحجر، زمین وآسمان بھی راحت واطمینان کا سانس لیتے ہیں کہ وہ اس ظالم کے ظلم وستم سے نجات پاگئے۔

فَمَا بَكَتْ عَلَيْهِمُ السَّمَاءُ وَالْأَرْضُ وَمَا كَانُوا مُنظَرِينَ (الدخان:۲۹)

''پھر نہ آسمان ان پر رویا اور نہ زمین اور نہ ہی انہیں کچھ مہلت دی گئی۔''

ابوقتادہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سے ایک جنازہ گزرا، تو آپؐ نے فرمایا: ''مُسْتَرِيحٌ اَوْ مُسْتَرَاحٌ''

یہ شخص آرام پا گیا یا اس سے آرام پایا گیا...... صحابہ کرامؓ نے جب اس بات کی وضاحت چاہی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''بندہ مومن دنیا کے رنج والم سے نجات پاکر اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ سکینت ورحمت سے بہرہ ور ہوتا ہے اور گناہگار، ظالم انسان سے اللہ کی مخلوق، بستیاں اور آبادیاں، درخت وحیوانات تک نجات پاکر راحت وآرام پاجاتے ہیں'' (متفق علیہ)

اب ذرا اپنے پیارے وطن پر نگاہ ڈالیے.......... کیا عوام اور کیا حکمران دونوں بے حس ہو چکے ہیں.......... اخلاق سے تہی دامن اور شرافت سے محروم، نہ اللہ تعالیٰ سے کوئی خوف اور نہ لوگوں سے شرم وحیا کا کوئی پاس۔ ایک واقعہ پڑھیے:

''وہاڑی میں چار بچیاں (جن میں سے ایک ان کی سہیلی تھی) مل کر اپنے گھر میں سکول کا

Marfat.com

کام کر رہی تھیں (بچیوں کے والدین غالباً ڈاکٹر کے پاس گئے تھے)، ڈاکو دیوار پھلانگ کر اندر آئے، بچیوں کے شور وغل پر چاقوؤں اور چھریوں سے انہیں قصائیوں کی طرح ذبح کیا کہ خون کتابوں پر بکھر گیا اور وہ سامان لوٹ کر فرار ہو گئے۔''

اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ

اب ذرا بتلایئے کہ لوگوں میں آخرت میں جوابدہی کا خوف نہ رہا تو کوئی حکومت بھی آج تک (پاکستان بنے چھپن برس ہونے کو ہیں) تعزیرات اسلامی کا نفاذ نہ کر سکی، جس کے نتیجہ میں پورے ملک میں جنگل کا قانون چل نکلا ہے کسی کی جان و مال محفوظ نہیں ہے، چور اور ڈاکو دن دیہاڑے دندناتے پھرتے ہیں اور کوئی انہیں پوچھنے والا نہیں ہے۔ میں یہ بات علی وجہ البصیرت کہتا ہوں کہ روز قیامت جہاں ان مجرموں کو سزا کے کٹہرے میں کھڑا کیا جائے گا۔ وہاں افراد حکومت کو بھی بلایا جائے گا اور پوچھا جائے گا کہ انہوں نے اسلامی قانون کے نفاذ میں غفلت کیوں کی؟ پھر سب اپنی اپنی سزا پائیں گے۔

دنیا

جدھر دیکھئے ہر کوئی دنیا کو بسانے کی فکر میں مگن ہے۔ کیا امیر اور کیا غریب سب کو دھن دولت سمیٹنے کی تمنا اور آرزو ہے سوائے ان چند اللہ والوں کے جنہوں نے اس دنیا کی بے ثباتی کو جانا اور پہچانا ہے، وہ ضروریات زندگی کا واجبی طور پر ساز وسامان کیے ہوئے ہیں اور زندگی کے ارفع واعلیٰ مقاصد سے باخبر ہو کر دعوتِ حق کی اشاعت اور اقامت دین کے لئے کوشاں ہیں، انہیں معلوم ہے کہ اس چند روزہ حیاتِ مستعار کو اعمال حسنہ سے ہی قیمتی بنایا جا سکتا ہے اور بالآخر اس دنیا کو چھوڑ کر خالق کائنات کے حضور تمام کے تمام اعمال زندگی کے لئے جوابدہ ہونا ہے۔ ایسے ہی لوگوں کا اجر اللہ تعالیٰ کے یہاں ثبت ہو جاتا ہے۔

فَاٰتٰهُمُ اللّٰهُ ثَوَابَ الدُّنْيَا وَحُسْنَ ثَوَابِ الْاٰخِرَةِ ط وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ (ال عمران:۱۴۸) ''تو اللہ نے انہیں دنیا کا بدلہ بھی دیا اور آخرت کا ثواب تو بہت ہی خوب ہے اور اللہ ایسے ہی نیک عمل کرنے والوں کو محبوب رکھتا ہے۔''

اسلام دنیا سے بے تعلق ہو جانے کا سبق نہیں دیتا کہ راہبوں کی طرح بستیوں اور شہروں کو چھوڑ کر پہاڑوں اور غاروں کی راہ لو کہ ان جگہوں میں بندگی سے رب ملتا ہے۔

لَا رَهْبَانِيَّةَ فِي الْإِسْلَامِ

''اسلام میں راہبانیت (دنیا اور آسائش دنیا سے بے تعلق ہو جانا) نہیں ہے۔''

وہ یہ کہتا ہے کہ اس دنیا کی چہل پہل میں رہتے ہوئے بھی اس میں اتنے زیادہ محو اور منہمک نہ ہو جاؤ کہ فکر آخرت سے غافل اور آزاد پھرو، بلکہ اپنی اور معاشرے میں بسنے والے لوگوں کی صلاح وفلاح تمہاری زندگی کا منشور لازم ہے کہ اپنا رخت سفر باندھ کر اچھی طرح سمیٹ لے کہ گاڑی کا وقت ہوا چاہتا ہے، اگر اس نے لیت ولعل میں وقت ضائع کر دیا تو گاڑی بروقت نہ

پکڑنے پر اسے کف افسوس ملنا پڑے گی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بات کو اس طرح ارشاد فرمایا ہے۔

عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرا شانہ پکڑ کر فرمایا "کُنْ فِی الدُّنْیَا کَأَنَّکَ غَرِیْبٌ اَوْ عَابِرُ سَبِیْلٍ" دنیا میں اس طرح رہو جیسے ایک مسافر یا راہ گیر"، اور حضرت ابن عمرؓ اکثر فرماتے کہ "اِذَا اَمْسَیْتَ فَلَا تَنْتَظِرِ الصَّبَاحَ وَ اِذَا اَصْبَحْتَ فَلَا تَنْتَظِرِ الْمَسَاءَ وَ خُذْ مِنْ صِحَّتِکَ لِمَرَضِکَ وَ مِنْ حَیَاتِکَ لِمَوْتِکَ" کہ شام ہو تو صبح کا انتظار نہ کرو، صبح ہو تو شام کا انتظار نہ کرو، مرض سے پہلے صحت کو اور موت سے پہلے زندگی کو غنیمت جانو (ریاض الصالحین، باب فضل الزہد)

اس حدیث مبارک کے مفہوم کو کچھ اس طرح بھی سمجھایا جا سکتا ہے کہ جس طرح اپنے وطن سے دور کسی شخص کو واپس آنے کی فکر ہوتی ہے اسی طرح بندہ مومن کو جلدی سے نیک اعمال سرانجام دیکر آخرت کی طرف جانے کی فکر ہونی چاہیئے اور کبھی اس ادھیڑ بن میں نہ رہنا چاہیئے کہ ابھی خاصا وقت پڑا ہے، کل کو دیکھا جائیگا، نہ معلوم زندگی کے کتنے لمحات بقیہ ہیں ۔

سامان سو برس کا پل کی خبر نہیں!

ایک اور حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس دنیا اور زندگی سے بھرپور فائدہ اٹھانے کیلیئے ارشاد فرمایا:

"اِغْتَنِمْ خَمْسًا قَبْلَ خَمْسٍ، شَبَابَکَ قَبْلَ هَرَمِکَ وَ صِحَّتَکَ قَبْلَ سُقْمِکَ، وَ غِنَاکَ قَبْلَ فَقْرِکَ وَ فَرَاغَکَ قَبْلَ شُغْلِکَ وَ حَیَاتَکَ قَبْلَ مَوْتِکَ" (مشکوۃ۔ کتاب الرقاق)

اس حدیث کی شاعر نے بہت خوبصورت انداز میں ترجمانی کی ہے

غنیمت ہے صحت علالت سے پہلے
فراغت مشاغل کی کثرت سے پہلے
جوانی بڑھاپے کی زحمت سے پہلے
اقامت مسافر کی رحلت سے پہلے
فقیری سے پہلے غنیمت ہے دولت
جو کرنا ہے کرلو کہ تھوڑی ہے مہلت

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام کی پاکیزہ زندگیاں دنیا سے بے رغبتی اور فکر آخرت کا عملی نمونہ تھیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رب کریم کے حضور اس طرح گویا ہوئے:

Marfat.com

"یَا رَبِّ اَجُوعُ یَوماً وَ اَشبَعُ یَوماً، فَاَمَّا الیَومُ الَّذِی اَجُوعُ فِیہِ فَاَتَضَرَّعُ اِلَیکَ وَ اَدعُوکَ وَ اَمَّا الیَومُ الَّذِی اَشبَعُ فِیہِ فَاَحمَدُکَ وَاُثنِی عَلَیکَ"

"الٰہی! ایک دن بھوکا رہوں، ایک دن کھانے کو ملے، بھوک میں تیرے سامنے گڑگڑایا کروں، تجھ سے مانگا کروں، اور کھا کر تیری حمد وثنا کیا کروں"۔

(رحمۃ للعالمین، جلداول قاضی سلمان منصور پوری)

صدیقہ عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں، ایک ایک مہینہ برابر ہمارے چولھے میں آگ نہ جلتی۔ حضرت کا کنبہ پانی اور کھجور پر گزارا کرتا۔ آپ ہی فرماتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ آ کر تین دن تک برابر گیہوں کی روٹی نہیں کھائی۔ (حوالہ ایضاً)

۹ ھجری میں جبکہ یمن سے شام تک صرف اسلامی حکومت تھی فرمانروائے اسلام کے گھر صرف ایک کھری چارپائی اور چمڑے کا سوکھا ہوا مشکیزہ تھا، حضرت عائشہؓ بیان کرتی ہیں کہ جب آپ نے وفات پائی تو تھوڑے سے جو کے سوا گھر میں کھانے کو کچھ نہ تھا، صحابہؓ سے فرمایا کرتے تھے کہ دنیا میں انسان کے لئے اتنا کافی ہے جتنا ایک مسافر کو زادراہ کے لئے، (سیرت النبیؐ شبلی نعمانی)

ایک دفعہ ایک بوریے پر آرام فرما رہے تھے، اٹھے تو لوگوں نے دیکھا کہ پہلوے مبارک پر نشان پڑ گئے ہیں، عرض کیا یا رسول اللہ! کیا ہم لوگ کوئی گدا بنوا کر حاضر کریں، ارشاد ہوا کہ مجھ کو دنیا سے کیا غرض؟ مجھ کو دنیا سے اس قدر تعلق ہے جس قدر اس سوار کو جو تھوڑی دیر کیلئے راہ میں کسی درخت کے سایہ میں بیٹھ جاتا ہے، پھر اس کو چھوڑ کر آگے بڑھ جاتا ہے (حوالہ ایضاً)

یہ بات یاد رکھنی چاہئے کہ زہد کی یہ تمام صورتیں اختیاری تھیں، لاچاری کچھ نہ تھی، جو مال و دولت آپ کے پاس تھا یا غزوات سے واپسی پر مجاہدین مال غنیمت لے کر آتے وہ سب کا سب اللہ کی راہ میں دے ڈالتے اور خود فقر و فاقہ کی زندگی کو ترجیح دیتے۔

قرآن حکیم میں کئی مقامات پر انسانوں کو اس طرف توجہ دلائی گئی ہے کہ یہ دنیاوی زندگی عارضی اور فانی ہے جبکہ اخروی زندگی ابدی اور لازوال ہے لہٰذا فوری طور پر اس سے فائدہ اٹھالو وگرنہ آخرت میں پچھتاوے کے سوا اور کچھ ہاتھ نہ آئیگا، مندرجہ ذیل آیات کے ترجمہ پر غور کیجئے۔

(لوگو!) اس بہترین (کتاب) کی پیروی کرو، جو تمہاری طرف تمہارے رب کی طرف سے اتاری گئی، قبل اس کے کہ تم پر اچانک آفت آ جائے اور تم کو خبر بھی نہ ہو، (کہ مصیبت کہاں

سے آ گئی) [اور لوگوں کو عذاب سے اس لئے باخبر کیا جاتا ہے کہ] کہیں کوئی متنفس یہ نہ کہنے لگے کہ افسوس ہے اس کوتاہی پر جو میں اللہ کے بارے میں کرتا رہا اور میں تو صرف (دین کی ہر بات کی) ہنسی ہی اڑاتا رہا (رسول کے فرمان پر یقین نہ کیا آخرت کو مذاق سمجھا، آخر یہ حشر ہوا، اگر مجھے علم ہوتا تو ایسا نہ کرتا) یا کوئی کہنے لگے کہ اگر اللہ مجھ کو راہ حق دکھاتا تو میں بھی پرہیزگاروں میں ہوتا (اور انعام پاتا) یا عذاب کو دیکھ کر یہ کہنے لگے کہ کاش مجھے (دنیا میں) پھر ایک بار واپس جانا ہو تو میں (بڑے) نیک کام کرنے والوں میں ہو جاؤں۔ (لیکن اس وقت حسرت اور افسوس سے کچھ حاصل نہ ہوگا)''

پس آخرت کی ندامت اور پشیمانی سے بچنے کیلئے آج اس دنیا میں اعمال حسنہ سے آراستہ ہونے کی ضرورت ہے

کچھ خبر بھی ہے تجھے اے تشنہ کام زندگی
ہو چکا پر اب چھلکنے کو ہے جامِ زندگی
جو تجھے کرنا ہے کر لے آخری سانسیں ہیں اب
بھیس میں اس صبح پیری کے ہے شامِ زندگی

قرآن حکیم میں دنیا کی عارضی زندگی کو ایک مقام پر محض دھوکے اور فریب کی پونجی قرار دیا گیا ہے، ارشاد ہوتا ہے۔

وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ اِلَّا مَتَاعُ الْغُرُوْرِ (ال عمران:۱۸۵)

''اور حیات دنیا تو دھوکے کے سامان ہیں''۔

مولانا عبدالحی فاروقی اس آیہ مبارکہ کی تشریح میں لکھتے ہیں ''دنیا کی عارضی بہار اور عیش و عشرت بہت دھوکہ میں ڈالنے والی چیز ہے بہت سے جاہل انسان اس کی ظاہری ٹیپ ٹاپ اور خوش نمائی سے مرعوب ہو کر عاقبت بھلا بیٹھتے ہیں اور دنیا کو ہی اپنا مقصد حیات بنا لیتے ہیں، وہ لوگ دنیا میں ہر جائز اور ناجائز طریقے سے مال و متاع حاصل کرنا چاہتے ہیں، لالچ، خودغرضی اور نفس پرستی ان کا شیوہ ہوتا ہے، وہ سمجھتے ہیں کہ شاید دنیا کی کامیابی اصل کامیابی ہے، حالانکہ انسان کی اصل کامیابی عذاب الٰہی سے بچنے اور جنت کو حاصل کرنے میں ہے، کوئی کامیابی جنت سے باہر رہ کر حاصل نہیں ہو سکتی ہے، نیک عملی، اللہ تعالیٰ سے لو لگانا اور ایثار و قربانی ہی انسان کو جنت کا مستحق

Marfat.com

بناتی ہے۔(درس قرآن جلد اول)

سید قطب شہید لکھتے ہیں:

''حیات دنیا متاع تو ہے مگر حقیقتاً متاع نہیں، نہ یہ عالم بیداری کا ساز و سامان ہے، یہ متاع غرور (جھوٹا ساز و سامان) ہے انسان اس سے فریب میں مبتلا ہوتا ہے اور اسے سامان خیال کرنے لگتا ہے یا یہ سرو سامان غرور اور فریب کو جنم دیتا ہے، اس کے برعکس حقیقی متاع جو سعی و جہد کی سزاوار ہے وہ ہے نار دوزخ سے بچائے جانے کے بعد جنت کا حصول!

ارشاد ہوتا ہے:

فَمَنْ زُحْزِحَ عَنِ النَّارِ وَ اُدْخِلَ الْجَنَّةَ فَقَدْ فَازَ (ال عمران:۱۸۵) پھر جسے آتش دوزخ سے دور رکھا گیا اور جنت میں داخل کیا گیا، وہی بامراد ہوا۔''(فی ظلال القرآن جلد اول)

پس عقلمند وہی ہے جو اس دنیا پر نہیں بلکہ آخرت پر نظر رکھتا ہے کہ وہی اس کی اصل منزل ہے

منزل ہے بعید باندھ لو زاد سفر
مواج ہے بحر رکھو کشتی کی خبر
گاہک چوکس ہے لے چلو مال کھرا
ہلکا کرو بوجھ، ہے کٹھن رہگزر

Marfat.com

Marfat.com

تکبر وغرور سے بچیے!

حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ایک شخص اپنے بائیں ہاتھ سے کھا رہا تھا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سیدھے ہاتھ سے کھاؤ، وہ بولا نہیں کھا سکتا، آپ نے فرمایا نہ کھا سکو! اس نے فخر وغرور ہی سے ایسا کیا تھا، پھر وہ اپنا سیدھا ہاتھ منہ کی طرف کبھی نہ اٹھا سکا۔ (ریاض الصالحین۔باب تحریم الکبر)

انسان دو چیزوں سے مرکب ہے...... جسم اور روح اور دونوں کا آپس میں تعلق چولی دامن کا سا ہے، روح کے بغیر جسم سلامت نہیں رہتا اور جسم کے بغیر روح بالیدگی حاصل نہیں کرتی، جسم، خوراک سے پھلتا پھولتا ہے تو روح حقیقی علم سے نشو ونما پاتی ہے، جسمانی طاقت کے ذریعہ ظاہری دشمن پر غلبہ پایا جاتا ہے تو روحانی طاقت سے چھپے ہوئے دشمن (شیطن) پر برتری حاصل کی جاتی ہے، جسمانی بیماریوں میں بخار، نزلہ، سر درد، پیٹ درد وغیرہ ہیں تو روحانی بیماریوں میں، حسد، بغض، خوشامد، تکبر، غصہ اور اسی قسم کی دوسری بیماریاں ہیں، روح پر جسم حاوی ہو جائے تو شر اور فساد کی چنگاریاں سلگتی ہیں اور معاشرتی زندگی تہ وبالا ہو جاتی ہے اور اگر جسم پر روح غلبہ پالے تو الفت ومحبت کے پھول کھلتے ہیں اور معاشرتی زندگی امن وسکون سے ہمکنار ہو جاتی ہے۔

اسلام ایسا دین کامل ہے کہ وہ جسم اور روح دونوں کو تندرست وتوانا رکھنے کے احکامات جاری کرتا ہے بلکہ روح کو اس قدر مضبوط بنا دیتا ہے کہ اس سے بہت سے جسمانی امراض کا علاج بھی ہو جاتا ہے، جب انسان ذہنی اور فکری طور پر سکون اور عافیت پالیتا ہے تو اس کا کھانا پینا تن پیٹ لگتا ہے جس سے صالح خون پیدا ہوتا ہے جو اس کی صحت کا ضامن بنتا ہے، اطبا کا کہنا ہے کہ غم اور غصے، حسد اور نفرت سے بھرا انسان سونا کھاتا ہے تو وہ مٹی ہو جاتا ہے اور خوش باش، مطمئن اور پرسکون انسان

Marfat.com

روکھی سوکھی کھا کر بھی تنومند اور چاق و چوبند رہتا ہے، زندگی اس کے لئے خوشگوار بن جاتی ہے۔

کیا خوب کسی نے کہا ہے

اگر روح انساں کی آزاد ہے
مصائب میں رہ کر بھی دل شاد ہے

روحانی بیماریوں میں تکبر و غرور بہت بری بیماری ہے جو کسی شخص کو اوج ثریا سے قعر مذلت میں گرا دیتی ہے، تکبر کا مطلب یہ ہے کہ اپنے آپ کو لوگوں سے بلند سمجھنا اور ان کو حقارت کی نگاہ سے دیکھنا یا کسی سچائی اور راستبازی کو ٹھکرا دینا اور اپنے پندار میں رہنا یا بود و باش اور چال ڈھال میں فخر و غرور سے نمود و نمائش کرنا یا طاقت اور قوت کے گھمنڈ میں کسی کمزور اور ناتواں پر ظلم و ستم ڈھانا اور زور و زر سے دوسروں کو ناحق دبانا۔ متکبر شخص کا بالآخر انجام ذلت و رسوائی ہے، اگر وہ دنیا کی رسوائی سے بچ بھی نکلے تو آخرت کے انجام سے چھٹکارا ہرگز ہرگز نہیں پا سکتا ہے۔

تکبر کی واضح مثال ابلیس کی ہے، جب اللہ تعالیٰ نے فرشتوں سے کہا کہ میں نے اپنی بہترین مخلوق انسان کو پیدا کیا ہے، تم اس کی عزت و تکریم بجالانا تو سب نے اطاعت و فرمانبرداری کی مگر ابلیس جو کمال عبادت و ریاضت کی وجہ سے فرشتوں کی صف میں شامل ہو چکا تھا غرور و تکبر کی بنا پر اکڑ بیٹھا اور اس نے برملا انکار کر دیا۔

اَبٰی وَاسْتَکْبَرَ ق وَکَانَ مِنَ الْکَافِرِیْنَ (بقرہ:34)

''اس نے انکار کیا اور اس کا انجام کفار میں ہوا۔''

اسی تکبر کی بنا پر وہ بارگاہ الٰہی سے دھتکار دیا گیا اور ہمیشہ کے لئے ملعون قرار پایا۔

تکبر عزازیل را خوار کرد
بزندانِ لعنت گرفتار کرد

تکبر نے شیطان کو ذلیل و خوار کر دیا اور لعنت کے پھندے میں گرفتار کر دیا۔

آدم اور حوا علیہما السلام ابلیس کے بہکاوے میں آئے مگر انہیں اپنی بھول اور لغزش کا احساس ہوا اور شرمسار و نادم ہو کر خالق و مالک کے حضور گڑگڑائے اور اپنے گناہوں کی معافی چاہی، اللہ تعالیٰ نے انہیں معاف فرما دیا۔

فَتَابَ عَلَیْهِ ط اِنَّهٗ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِیْمُ (بقرہ:۳۷)

Marfat.com

''تو اللہ نے توبہ قبول کرلی، بلاشبہ وہ توبہ قبول کرنے والا اور رحیم ہے''۔

اسلام میں توبہ کا تصور یہ ہے کہ ایک شخص اپنی خطاؤں اور گناہوں پر دل سے نادم و شرمسار ہوکر رب کریم کے حضور گڑگڑائے تو اس کے گناہ دھل جاتے ہیں اور وہ صاف ستھرا بن جاتا ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اَلتَّائِبُ مِنْ ذَنْبِهٖ كَمَنْ لَا ذَنْبَ لَهٗ ''گناہوں سے توبہ کرنے والا اس شخص کی طرح ہے کہ جس کا کوئی گناہ نہ ہو۔''

آدم اور حوا کو انکساری و خاکساری کی بنا پر عزت و عظمت سے نوازا گیا جبکہ ابلیس کو ڈھٹائی اور غرور نے ذلیل و خوار کیا۔

سیدنا موسیٰ علیہ السلام کے وقت کے فرعون اور قارون بھی بڑے متکبر اور مغرور تھے، فرعون کو اپنی طاقت اور قوت پر بڑا ناز تھا اور کہا کرتا تھا۔ ''اَنَا رَبُّكُمُ الْاَعْلٰی '' کہ تمہارا رب اعلیٰ تو میں ہی ہوں، اس نے موسیٰ علیہ السلام اور آپ کی قوم کو ختم کرنا چاہا مگر خود عذاب الٰہی کا شکار ہوا اور وہ پھر اپنی فوج اور لاؤ لشکر سمیت بنی اسرائیل کی آنکھوں کے سامنے غرق کر دیا گیا۔

وَاَغْرَقْنَا اٰلَ فِرْعَوْنَ وَاَنْتُمْ تَنْظُرُوْنَ (سورۃ البقرہ)

''اور ہم نے غرق کیا، فرعون کو لاؤ لشکر سمیت اور تم دیکھ رہے تھے''۔

قارون کو اپنے مال و دولت پر گھمنڈ اور غرور تھا وہ یہ بات بھول گیا تھا کہ وہ سب کچھ جو اس کے پاس ہے اللہ تعالیٰ کی عطا اور بخشش ہے، وہ غرباء اور مساکین کو نفرت سے دیکھتا اور انہیں اس مال میں سے قطعی کچھ دینے کے لئے تیار نہ تھا، اللہ کا عذاب آیا تو اسے مال و دولت سمیت زمین میں دھنسا دیا گیا۔

ارشاد ربانی ہے: فَخَسَفْنَا بِهٖ وَ بِدَارِهِ الْاَرْضَ (القصص:۸۱) ''ہم نے قارون اور اس کے سرمایہ کدہ کو زمین میں دھنسا دیا۔''

اور بنی اسرائیل کی آنکھوں دیکھے نہ اس کا غرور باقی رہا اور نہ سامان غرور، سب کو زمین نے نگل کر عبرت کا سامان بنا دیا۔

قریش مکہ نے بھی فخر و غرور اور آباؤ و اجداد کی اندھی تقلید کی بنا پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت حق کا انکار کیا تھا اور مسلمانوں پر ظلم و ستم کی انتہا کر دی کہ بیچارے کبھی تو حبشہ کی طرف ہجرت پر مجبور ہوئے اور کبھی شعب ابی طالب میں محصور ہوئے اور بالآخر انہیں سرزمین مکہ کو چھوڑ کر یثرب

Marfat.com

جانا پڑا، وہاں بھی انہیں اطمینان وسکون سے نہ رہنے دیا، اور پوری جمعیت وقوت کے ساتھ ان پر حملہ آور ہوئے، اللہ تعالیٰ کی نصرت اور مدد مسلمانوں کے شامل حال ہوئی اور نحیف ونزار مسلمانوں کے ہاتھوں میدان بدر میں انہیں شکست وہزیمت اٹھانا پڑی اور اللہ تعالیٰ کا فیصلہ ہے کہ وہ سچے مسلمانوں کی ہمیشہ مدد کرے گا۔

وَكَانَ حَقًّا عَلَيْنَا نَصْرُ الْمُؤْمِنِينَ (الروم:47)

''اور اہل ایمان کی مدد کرنا ہم پر لازم ہے''۔

فخر وغرور کے ساتھ رہنا سہنا، لوگوں سے بے رخی اختیار کرنا اور کسی کو خاطر میں نہ لانا، زمین پر اتراتے ہوئے چلنا، اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب ناپسندیدہ کام ہیں، حکیم لقمان اپنے بیٹے کو نصیحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

وَلَا تُصَعِّرْ خَدَّكَ لِلنَّاسِ وَلَا تَمْشِ فِي الْأَرْضِ مَرَحًا ؕ إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ كُلَّ مُخْتَالٍ فَخُورٍ (لقمان:۱۸)

''لوگوں کے سامنے اپنے رخسار نہ پھلا اور زمین پر اتراتے ہوئے نہ چل، کسی تکبر کرنے والے شیخی خورے کو اللہ تعالیٰ پسند نہیں فرماتا''

البتہ اچھا لباس پہننا اور اچھی خوراک کھانا، اور بود وباش اور رہنے سہنے میں نفاست اور صفائی کا خیال رکھنا تکبر کی علامت نہیں ہے بشرطیکہ دل میں ریاکاری اور غرور پیدا نہ ہو بلکہ اللہ تعالیٰ کے انعامات واحسانات سے دل شکر کے جذبات سے لبریز ہو جائے اور سچائی کی راہ اختیار کرنے کے لئے وہ ہمیشہ اور ہمہ وقت تیار رہے، اس حدیث مبارک پر غور کیجئے۔

''حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس شخص کے دل میں رائی برابر بھی تکبر ہوگا وہ جنت میں داخل نہ ہوگا، کسی نے کہا'' آدمی اچھے کپڑے اور اچھے جوتے پسند کرتا ہے'' فرمایا: اللہ تعالیٰ نفاست اور صفائی کو پسند کرتا ہے تکبر تو حق بات نہ ماننا اور لوگوں کو حقیر خیال کرنا ہے۔'' (ریاض الصالحین)

ہاں طاقت اور قوت کے بل بوتے پر اللہ تعالیٰ کی اس زمین پر فتنہ وفساد پھیلانا، لوگوں کے حقوق غصب کرنا، زور وزر سے دوسروں کو دبانا، حق وصداقت کا ساتھ نہ دینا، یہ تمام تکبر کی باتیں ہیں اور ابرار وصالحین ان باتوں سے الگ تھلگ رہتے ہیں، ارشاد ہوتا ہے۔

Marfat.com

تِلْكَ الدَّارُ الْاٰخِرَةُ نَجْعَلُهَا لِلَّذِيْنَ لَا يُرِيْدُوْنَ عُلُوًّا فِي الْاَرْضِ وَلَا فَسَادًا ط وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِيْنَ (قصص:۸۳) ”یہ دار آخرت (جنت) ہم ان لوگوں کے لئے خاص کرتے ہیں جو دنیا میں نہ بڑا بننا چاہتے ہیں اور نہ ہی فتنہ وفساد پھیلانا (ان کی عادت ہے) اور نیک نتیجہ تو بس پرہیزگاروں کو ہی ملتا ہے۔“

آج ہم بکھرے ہوئے ہیں اور نظام حق کو برپا کرنے کے لئے اکٹھے نہیں ہوتے ہیں، تو کیا یہ تکبر نہیں ہے؟ اس تکبر کی وجہ سے ہمیں کس قدر ذلت وخواری اٹھانا پڑی ہے۔ ہر شخص پریشان نظر آتا ہے، ہماری معاشرتی زندگی ظلم وستم سے تہ وبالا ہو چکی ہے، ملک میں جنگل کا قانون ہے، ظالم ہر طرف دندناتے پھرتے ہیں۔ اور انہیں قانون اپنی گرفت میں نہیں لیتا ہے، شرفاء کی عزتیں لٹتی ہیں۔ معصوم بچے اغواء ہوتے ہیں، دن کی روشنی میں ڈاکو گھروں میں داخل ہوتے ہیں اور اہل خانہ کو موت کے گھاٹ اتار کر قیمتی سامان باندھ کر اطمینان سے رخصت ہو جاتے ہیں، روزانہ اخبارات میں یہ دلدوز واقعات پڑھتے ہیں مگر ہماری غیرت وحمیت بیدار نہیں ہوتی، ہم نے صرف یہ سمجھ رکھا ہے کہ صوم وصلوٰۃ کی پابندی کر رہے ہیں اور یہی بات آخرت میں نجات کے لئے کافی ہے!

نہیں نہیں، ہماری یہ سوچ وفکر درست نہیں ہے ہمارے ایمان کی تکمیل اس وقت تک نہیں ہو سکتی ہے جب تک کہ ہم اپنی توانائیاں اور صلاحیتیں، اپنی جانیں اور اپنے مال، اللہ تعالیٰ کے دین کو قائم کرنے کے لئے وقف نہ کر دیں۔

اَنْ اَقِيْمُوا الدِّيْنَ وَلَا تَتَفَرَّقُوْا فِيْهِ (الشوریٰ:۱۳)

”(اور دیکھو) دین کو قائم رکھو اور اس میں تفریق نہ ڈالو“

میرے بھائی! یہ دنیا عارضی ہے اور یہ حیات، حیات مستعار ہے جو اللہ تعالیٰ نے امتحان کے لئے عطا کی ہے اور یہ پانی پر بلبلے سے بھی کم پائیدار اور غیر یقینی ہے،، اسے بیہودہ مشاغل اور تکبر وغرور کا شکار کیوں ہونے دیا جائے؟ فخر وغرور سے حقیقی منزل اوجھل ہو جاتی ہے اور انسان صراط مستقیم سے کہیں دور جا گرتا ہے، اس سرکش نفس کے زور کو توڑنا ہی زندگی کا کمال ہے اور عاجزی وخاکساری میں ہی انسان کی شان ہے۔

Marfat.com

Marfat.com

اسلامی حکومت اور انصاف

شرح السنہ میں یہ روایت بیان ہوئی ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے عبداللہ بن مسعودؓ کو زمین کا ایک قطعہ مدینہ منورہ میں عنایت فرمایا۔ یہ قطعہ زمین انصار کے باغات اور مکانات کے درمیان واقع تھا، اس پر قبیلہ بنی زھرۃ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کی کہ ابن ام عبد (یہ عبداللہ بن مسعودؓ کی کنیت تھی) کو ہمارے مکانات سے کہیں علیحدہ زمین عطا فرمائیں، (اس بات پر) جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ''اگر میں ایسا کروں تو اللہ تعالیٰ نے مجھے رسول بنا کر آخر کس مقصد کے لئے بھیجا ہے؟ یاد رکھو! اللہ تعالیٰ کسی جماعت کو اس وقت تک پاک نہیں کرتا جب تک کہ ان میں کمزور کا جو حق ہے وہ اس کو نہ دلوا دیا جائے۔'' اِنَّ اللّٰہَ لَا یُقَدِّسُ اُمَّۃً لَا یُؤْخَذُ لِلضَّعِیْفِ فِیْھِمْ حَقُّہٗ' [مشکوٰۃ]

جس طرح باڑ باغیچہ کی حفاظت کرتی ہے اسی طرح حکومت رعایا کی نگہبانی اور حفاظت کرتی ہے، اسلام نے ایک ایسی مثالی اور اچھی حکومت کا نمونہ پیش کیا ہے کہ جس کے زیر سایہ لوگوں کو اطمینان وسکون نصیب ہوا، ان کے جان و مال اور عزت و آبرو محفوظ ہوئے، ظالموں کو ان کے ظلم کی سزا اور مظلوموں کی دادرسی کی گئی، کمزوروں اور بیکسوں نے اپنے حقوق حاصل کئے، عدل وانصاف کا سکہ رواں دواں ہوا اور احکام الٰہی کو بالادستی حاصل ہوئی، اس مثالی حکومت کی بنیاد جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ منورہ میں رکھی اور پھر اسے خلفاء راشدینؓ نے پروان چڑھایا، اس لئے کہ حکومت کے قیام کا اولین مقصد ہی لوگوں میں عدل وانصاف مہیا کرنا ہے۔

وَاِذَا حَکَمْتُمْ بَیْنَ النَّاسِ اَنْ تَحْکُمُوْا بِالْعَدْلِ (النساء:۵۸)

''اور جب لوگوں میں فیصلہ کرنے لگو تو انصاف سے فیصلہ کرو۔''

اس آیہ مبارکہ سے یہ بات واضح ہے کہ جب تمہاری حکومت قائم ہو جائے تو تمہاری عدلیہ

Marfat.com

اس قدر مضبوط ہو جائے کہ لوگ بے لاگ انصاف پائیں۔

سیدنا داؤد علیہ السلام کو زمین پر خلافت عطا کی گئی تو حکم ہوا:

يٰدَاوٗدُ اِنَّا جَعَلْنٰكَ خَلِيْفَةً فِي الْاَرْضِ فَاحْكُمْ بَيْنَ النَّاسِ بِالْحَقِّ (صٓ۔۲۶)

''اے داؤدؑ! ہم نے تمہیں زمین میں نائب بنایا ہے، لہٰذا لوگوں میں انصاف سے فیصلہ کرنا۔''

انصاف کب رخصت ہوتا ہے؟ جب ہدایت الٰہی کو پس پشت ڈال دیا جاتا ہے اور جب خواہشات نفس کی پیروی کی جاتی ہے۔ قرآن حکیم نے اس حقیقت کو بھی کھول دیا ہے۔

وَلَا تَتَّبِعِ الْهَوٰى فَيُضِلَّكَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ. (صٓ:۲۶)

''اور (دیکھنا) خواہش نفس کی اتباع نہ کرنا ورنہ یہ بات تمہیں اللہ کی راہ سے بہکا دے گی۔''

جب اسلامی حکومت کو اختیارات مل جاتے ہیں اور جب مسلمان آزادی کی فضا میں سانس لیتے ہیں تو اس سرزمین میں ناانصافی ایک منٹ بلکہ اس سے بھی کم تر وقت کے لئے برداشت نہیں کی جا سکتی۔

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے:

اَقِيْمُوْا حُدُوْدَ اللّٰهِ فِي الْقَرِيْبِ وَالْبَعِيْدِ وَلَا يَأْخُذْكُمْ فِي اللّٰهِ لَوْمَةَ لَائِمٍ

(مشکوٰۃ۔ باب الحدود) ''اللہ کی حدیں (بلا تاخیر) اور بلا تمیز، دور و نزدیک سب پر جاری کرو اور اس سلسلہ میں تم کسی ملامت کرنے والے کی پروا مت کرو۔''

اللہ تعالیٰ دانا اور حکیم ہے اور اس کا عطا کردہ نظام حیات بھی حکمت و تدبر پر مبنی ہے، ہمیں طعنہ دیا جاتا ہے کہ چوروں اور ڈاکوؤں کے ہاتھ پاؤں کاٹنے سے لولوں اور لنگڑوں کا ملک بنانا چاہتے ہو مگر ان طعنہ دینے والوں کو یہ نہیں معلوم کہ ایسا نہ کرنے سے نہ معلوم کتنے گھرانے تباہ و برباد، ویران اور اجڑ جاتے ہیں اور دس بیس کو سزا ملنے سے معاشرے میں کتنا امن و سکون پیدا ہو جاتا ہے، اسلامی تعزیرات کے ثمرات و برکات کا اندازہ لگانا ہو تو سعودی عرب میں دیکھ لیجئے، وہاں کسی کو کسی کے جان و مال اور عزت و آبرو پر ڈاکہ ڈالنے کی جرأت نہیں ہے۔

قرآن حکیم نے عدل و انصاف کو تقویٰ اور پرہیزگاری کی علامت قرار دیا ہے یہاں تک کہ نہ صرف اپنوں اور دوستوں میں، بلکہ غیروں اور دشمنوں میں اسے قائم کرنے کی ترغیب دی ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِيْنَ لِلّٰهِ شُهَدَآءَ بِالْقِسْطِ ز وَ لَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰٓى اَلَّا تَعْدِلُوْا ط اِعْدِلُوْا قف هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى (المائدہ:۸)

''اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ کی خاطر قائم رہنے والے اور انصاف کے ساتھ گواہی دینے والے بنو، کسی قوم کی دشمنی تمہیں اس بات پر مشتعل نہ کردے کہ تم عدل کو چھوڑ دو، عدل کیا کرو، یہی بات تقویٰ کے قریب تر ہے۔ (تمہاری نیکی اور پرہیز گاری کا ثبوت تمہارے عدل و انصاف کرنے میں ملے گا)

اور انصاف قائم کرنے کے لئے اپنے نفس کے خلاف، اپنے والدین اور رشتہ داروں کے خلاف بھی گواہی دینی پڑے تو بھی کسی طرح پہلوتہی کرنے کا حکم نہیں ہے، اور یہ وہ مقام ہے جہاں اسلام کی تعلیمات اپنی شان کی بلندیوں پر چمکتی نظر آتی ہیں اور بلا مبالغہ کہا جاسکتا ہے کہ ایسا مضبوط اور عادلانہ نظام دنیا میں کہیں بھی نہیں مل سکتا ہے۔

ارشاد ہوتا ہے:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِيْنَ بِالْقِسْطِ شُهَدَآءَ لِلّٰهِ وَلَوْ عَلٰٓى اَنْفُسِكُمْ اَوِ الْوَالِدَيْنِ وَالْاَقْرَبِيْنَ ج اِنْ يَّكُنْ غَنِيًّا اَوْ فَقِيْرًا فَاللّٰهُ اَوْلٰى بِهِمَا قف فَلَا تَتَّبِعُوا الْهَوٰٓى اَنْ تَعْدِلُوْا ج وَ اِنْ تَلْوٗٓا اَوْ تُعْرِضُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرًا (النساء:۱۳۵)

''اے ایمان والو! اللہ کی خاطر انصاف پر قائم رہتے ہوئے گواہی دیا کرو، خواہ وہ گواہی تمہارے اپنے (نفس) یا تمہارے والدین یا قریبی رشتہ داروں کے خلاف ہی ہو، اگر کوئی فریق امیر ہے یا فقیر بہر صورت اللہ ہی ان دونوں کا تم سے زیادہ خیر خواہ ہے لہٰذا اپنی خواہش نفس کے پیچھے عدل کو نہ چھوڑو اور (یاد رکھو) اگر گول مول بات کرو یا سچائی سے کتراؤ تو جو کچھ بھی تم کرتے ہو اللہ اس سے باخبر ہے۔''

انصاف پر ابھارنے کے لئے آپؐ نے ججوں اور منصفوں کا مرتبہ اس طرح بیان فرمایا:

يَوْمُ اِمَامٍ عَادِلٍ اَفْضَلُ مِنْ عِبَادَةِ سِتِّيْنَ سَنَةٍ (کتاب القضا لابن حجر)

''عادل امام کا ایک دن ساٹھ سال کی عبادت سے افضل ہے۔''

ایک روایت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ابو ہریرہؓ سے خطاب کرکے فرماتے ہیں:

يَا اَبَا هُرَيْرَةَ! عَدْلُ سَاعَةٍ خَيْرٌ مِنْ عِبَادَةِ سِتِّيْنَ سَنَةٍ قِيَامُ لَيْلِهَا وَ صِيَامُ

Marfat.com

نَھارِھَا (حوالہ: ایضاً)

''اے ابوہریرہ! ایک ساعت کا انصاف اس ساٹھ سال کی عبادت سے بہتر ہے جن کی راتیں شب بیداری اور دن روزے کے ساتھ گزرے۔''

اس کے ساتھ ساتھ ظالم ججوں اور منصفوں کو یہ وعید بھی سنادی گئی:

یَااَبَا هُرَیْرَةَ! جورُ سَاعَةٍ فِی حُکْمٍ اَشَدُّ وَاَعْظَمُ عِنْدَ اللّٰهِ مِنْ مَعَاصِی سِتِّیْنَ سَنَةٍ. (حوالہ۔ایضا) ''اے ابوہریرہ! ایک ساعت کا ظلم اللہ تعالیٰ کے نزدیک ساٹھ سال کی معصیت سے ہے۔''

قاضی اور جج جب تک انصاف کرنے کا عزم اور پختہ ارادہ نہ کرلے وہ کبھی حق کا فیصلہ دینے میں کامیاب نہیں ہوسکتا، اللہ تعالیٰ کی مدد ان لوگوں کے شامل حال ہوتی ہے جو نیک راہ پر چلنے کا پختہ ارادہ کرلیتے ہیں۔

ارشاد ہوتا ہے: وَالَّذِیْنَ جَاهَدُوْا فِیْنَا لَنَهْدِیَنَّهُمْ سُبُلَنَا. (العنکبوت:٦٩)

''اور جو لوگ ہماری راہ میں جدوجہد کرتے ہیں ہم یقیناً انہیں اپنی راہ دکھلاتے ہیں۔''

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اشاد گرامی ہے:

اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الْقَاضِی مَالَمْ یَجُرْ، فَاِذَا جَارَ تَخَلّٰی عَنْهُ وَلَزِمَهُ الشَّیْطَانُ. (رواہ الترمذی، مشکوٰۃ باب القضا) ''جب تک قاضی (جج) ظلم نہیں کرتا، اللہ تعالیٰ اس کا ساتھ دیتا ہے لیکن جب وہ ظلم پر اتر آتا ہے اور انصاف کا دامن ہاتھ سے چھوڑ دیتا ہے تو اللہ کی رحمت اس سے دور ہوجاتی ہے اور شیطان اس سے چپک جاتا ہے۔''

اس لئے قاضی یا جج کے لئے جہاں دینی اور دنیاوی علوم میں مہارت اور درک رکھنا ضروری ہے وہاں حکمت وبصیرت کے ساتھ ساتھ اخلاص، شجاعت وبسالت، دلیری و پامردی، نڈر اور بے باک ہونا بھی ایسا ہی لازمی ہے، ظاہر ہے کہ اس انتخاب میں بڑی ہوشمندی کی ضرورت ہے اور یہ ذمہ داری حکومت وقت پر عائد ہوتی ہے، ملک کا صدر یا وزیر اعظم جہاں خامی اور خرابی دیکھے اسے دور کرنے کی کوشش کرے، جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مدینہ منورہ تشریف آوری کے ساتھ ہی اسلامی حکومت کی داغ بیل ڈال دی گئی اور اسلامی ریاست پر آغاز ہی سے عدل و انصاف کا پرچم لہرانے لگا اور آفتاب نبوت کی ضیاپاشیوں سے زندگی نے نئی کروٹ لی، اس

Marfat.com

میں حسن اور نکھار پیدا ہوا، جہالت کی رسموں کو توڑ دیا گیا، بدیوں کو پاؤں تلے روند ڈالا گیا، بیکسوں اور بیواؤں کو سہارا دیا گیا، مظلوموں کی فریاد سنی گئی، زیر دستوں کو زبردستوں کے چنگل سے آزاد کرایا گیا۔ ہر شخص اطمینان اور سکون سے زندگی گزارنے لگا، یہ تھی اسلامی نظام کی برکات۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرت کرنے والے ایک صحابی عبداللہؓ بن مسعود کو ایک قطعہ زمین ایسی جگہ الاٹ فرمایا کہ اردگرد انصار کے مکانات تھے، ابھی انصار و مہاجرین میں سلسلہ مواخات کی ابتدا تھی اور بھائی چارہ کا رشتہ مستحکم نہیں ہوا تھا، انصار کو بس یونہی خیال آیا کہ عبداللہ بن مسعودؓ کو کوئی الگ جگہ دے دی جائے، انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کی درخواست کی، چونکہ اس عرضداشت سے قبل آپ وہ قطعہ زمین مہاجر صحابیؓ کو دے چکے تھے اور اس معزز مسلمان کے نو وارد ہونے کی وجہ سے طاقتور انصاریوں کی رائے پر چلنا حکومت اسلامی کے اصولوں کے خلاف تھا اس لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی کی دلجوئی یا ناراضی کی پروا کئے بغیر انصار کی درخواست مسترد کر دی اور ارشاد فرمایا:

''اگر میں طاقتوروں کے مقابلہ میں ضعیفوں کا حق دلوانے میں پس و پیش کروں تو پھر میری بعثت کا جو اہم مقصد ہے وہی فوت ہو جاتا ہے۔'' غور کیجئے کہ اگر جلیل القدر صحابیؓ کو اس جگہ سے ہٹ کر کوئی ویسا ہی یا اس سے وسیع تر قطعہ زمین دے دیا جاتا تو کوئی مضائقہ نہ تھا مگر اس سے غلط مثال قائم ہو جاتی اور پھر کمزوروں کو دبانے کا سلسلہ چل نکلتا، یہ حقیقت ہے کہ تھوڑا سا بھی ظلم اور ناانصافی بڑے بڑے ظلم اور ناانصافیوں کے دروازے کھول دیتا ہے، سعدیؒ شیرازی گلستان میں بڑی عجیب و غریب حکایت نقل کرتے ہیں۔ کہتے ہیں کہ نوشیرواں بادشاہ کے لئے کسی شکار گاہ میں ایک شکار سے کباب بنائے جا رہے تھے اور نمک موجود نہ تھا، بادشاہ نے اپنے کسی نوکر کو قریب ترین گاؤں کی طرف دوڑایا تاکہ نمک لے آئے اور اسے تاکید کی کہ معمولی نمک بھی قیمتاً لائے اس لئے کہ مفت کے حصول کی رسم بد نہ چل پڑے اور اس طرح وہ گاؤں ویران ہوتا رہے، لوگوں نے کہا بھلا اس قدر کم مقدار سے کیا خلل پیدا ہوگا، نوشیرواں نے جواباً کیا ہی جملہ کہا ''بنیاد ظلم اندر جہان اول اندک بودہ است و ہر کس کہ آمد بر آن مزید کرد تا بدیں غایت رسید'' اس دنیا میں ظلم کی بنیاد ابتدا میں معمولی سی تھی اور ہر آنے والے (ظالم) نے اس میں اضافہ ہی کیا اور وہ بڑھ کر کہاں سے کہاں پہنچ گیا۔

Marfat.com

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس دنیا سے تشریف لے جانے کے بعد امیر المومنین حضرت عمرؓ کا دور خلافت اپنی مثال آپ تھا، ان کے عہد حکومت کا ہر شعبہ اتنا مضبوط اور منظم ہوا کہ نہ صرف مسلمانوں کو امن اور چین نصیب ہوا بلکہ غیر مسلموں نے بھی اطمینان اور سکون کا سانس لیا، شبلی نعمانی 'الفاروق' میں لکھتے ہیں:

''عدالت وانصاف کا ایک بڑا لازمہ عام مساوات کا لحاظ ہے یعنی دیوان عدالت میں شاہ و گدا، امیر وغریب، شریف ورذیل سب ہم رتبہ سمجھے جائیں، حضرت عمرؓ کو اس قدر اہتمام تھا کہ اس کے تجربہ اور اہتمام کے لئے متعدد دفعہ خود عدالت میں فریق مقدمہ بن کر گئے۔ ایک دفعہ ان میں اور ابی بن کعبؓ میں کچھ نزاع تھی، ابیؓ نے زیدؓ بن ثابت کے ہاں مقدمہ دائر کیا، حضرت عمرؓ مدعا علیہ کی حیثیت سے حاضر ہوئے، زیدؓ نے (امیر المومنین) ہونے کی وجہ سے تعظیم دی۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا ''یہ تمہارا پہلا ظلم ہے'' یہ کہہ کر ابیؓ کے برابر بیٹھ گئے ابیؓ کے پاس کوئی ثبوت نہ تھا اور حضرت عمرؓ کو دعویٰ سے انکار تھا۔ ابیؓ نے قاعدے کے موافق حضرت عمرؓ سے قسم لینی چاہی، لیکن زیدؓ (قاضی) نے ان کے رتبے کا پاس کر کے ابیؓ سے درخواست کی کہ امیر المومنین کو قسم سے معاف رکھو، حضرت عمرؓ اس طرف داری پر نہایت رنجیدہ ہوئے، زیدؓ کی طرف مخاطب ہو کر کہا کہ جب تک تمہارے نزدیک ایک عام آدمی اور عمرؓ دونوں برابر نہ ہوں تم منصب قضا کے قابل نہیں سمجھے جا سکتے، قضاۃ اور ان کی کارروائیوں کے متعلق حضرت عمرؓ نے جس قسم کے اصول اختیار کئے، اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ان کے عہد خلافت میں بلکہ بنوامیہ کے دور تک عموماً قضاۃ ظلم وناانصافی کے الزام سے پاک رہے۔ (الفاروق حصہ دوم)

آج سے کوئی 56 برس قبل اللہ تعالیٰ نے ہمیں آزادی کی نعمت سے بہرہ ور فرمایا تھا اور ہم نے اس مالک الملک سے عہد کیا تھا کہ اس خطہ زمین پر اسی کا نظام حق جاری کریں گے مگر افسوس کہ ہم آزادی کی قدر وقیمت کو نہ پہچانا اور اپنے عہد کو پس پشت ڈال دیا، زندگی کو شتر بے مہار کی طرح گزارا، ظلم وستم، قتل وغارت ایسی برائیاں اور بے حیائیاں آکاس بیل کی طرح پھیلتی گئیں...... سود، رشوت، چوری، ڈکیتی، جھوٹ، مکر وفریب، اقربا پروری اور کون سی ایسی برائی تھی جسے یہاں فروغ نہ ہوا...... اور ہمارے سیاست دان خزانہ عامرہ کا بے دریغ استعمال کرتے گئے اور سود در سود پر مزید قرض اٹھاتے رہے، یہاں تک کہ ملک میں بسنے والے ہر فرد کو بلکہ ہر نومولود کا بال بال قرضوں میں

جکڑ کر رکھ دیا گویا ملک اقتصادی اور اخلاقی دونوں طرح سے دیوالیہ ہو چکا ہے۔اب حال یہ ہے کہ دن کی چکا چوند روشنی میں لوگ اغوا ہوتے ہیں اور ڈاکو بھاری رقوم کا مطالبہ کرتے ہیں ورنہ جان لینے کا الٹی میٹم دے دیتے ہیں جس سے افراد خانہ کرب واذیت میں مبتلا ہو جاتے ہیں، سکول جاتے بچے اغوا ہو جاتے ہیں جن سے وحشیانہ سلوک کیا جاتا ہے، والدین دماغی توازن کھو بیٹھتے ہیں، روزانہ اخبارات ایسی خبروں سے بھرے ہوتے ہیں۔اور کتنی ایسی خبریں ہیں جو اخبارات تک پہنچ نہیں پاتی، ایسے خوفناک حالات تو دور غلامی میں بھی نہ تھے، آج بھی کئی بزرگ موجود ہیں جنہوں نے قیام پاکستان سے قبل کا زمانہ دیکھا ہے وہ آزادی کے ان حالات کو دیکھ کر کانوں کو ہاتھ لگاتے ہیں۔

حکومت کے قیام کا آخر کیا مقصد ہوتا ہے؟ یہی نا کہ وہ لوگوں کے جان ومال، عزت وآبرو، تعلیم وتربیت، علاج ومعالجے اور باعزت روزگار کا بندوبست کرے، اگر وہ ایسا نہ کر پائے تو پھر اس کا وجود بے معنی اور بے مقصد ہو کر رہ جاتا ہے۔

میرے اس چمن کو غریبوں نے لاتعداد قربانیاں دے کر اپنے خون سے سینچا تھا، مگر افسوس کہ وڈیروں اور جاگیرداروں نے عیش وعشرت سے اسے خاکستر کر دیا ہے، انہوں نے اسے باپ دادا کی چھوڑی جاگیر کی بھی حیثیت نہ دی۔

اسلام کے عادلانہ نظام کو دیکھنے کے لئے آنکھیں ترس گئی ہیں، صرف اور صرف یہی نظام سب کے لئے ابر رحمت بن سکتا ہے، یاد رکھئے کہ جنہیں اسلام سے محبت نہیں ہے، انہیں پاکستان سے کیا لگاؤ ہو سکتا ہے؟

ادھر دین دار لوگ دھڑے بندیوں کا شکار ہیں، وہ صرف صوم وصلوٰۃ کی پابندی ہی اپنی نجات کے لئے کافی سمجھتے ہیں۔حالانکہ قرآن پکار لگا رہا ہے: وَقَاتِلُوهُمْ حَتّٰى لَا تَكُونَ فِتْنَةٌ وَّيَكُونَ الدِّينُ كُلُّهُ لِلّٰهِ. (الانفال:۳۹) ”تم (بغاوت کرنے والوں سے) جہاد کرتے رہو حتی کہ فتنہ وفساد نابود ہو جائے اور دین پورے کا پورا اللہ کے لئے ہو جائے۔“

جب تک اللہ کا دین غالب نہ آ جائے ہماری نجات مشکل ہے۔آیئے تمام دھڑے بندیوں کو خیر باد کہہ کر ایک پلیٹ فارم پر اکٹھے ہو جائیں۔

Marfat.com

Marfat.com

صالح قیادت کی برکات

حضرت امیر معاویہؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے ام المومنین حضرت عائشہؓ کی خدمت میں یہ درخواست پیش کی کہ آپؓ مجھے کوئی نصیحت لکھ کر بھیج دیں جو مختصر ہو اور زیادہ طویل نہ ہو، انہوں نے سلام مسنون کے بعد یہ کلمات لکھ کر بھیج دیے، "حمد وصلوٰۃ کے بعد...... میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا ہے کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کی رضامندی کی طلب میں لوگوں کی ناراضی سے بے فکر ہو کر (ملک وملت) کی خدمت میں لگا رہا تو اللہ تعالیٰ لوگوں کی خوشنودی کی فکر سے اسے بے غم فرمادے گا اور جو شخص اللہ تعالیٰ کی ناراضی سے بے فکر ہو کر لوگوں کی خوشی میں پڑا رہا تو اللہ تعالیٰ اسے لوگوں کے حوالے کردے گا اور پھر وہ اس سے کبھی خوش نہ ہوگا۔" والسلام"! (ترمذی)

دین کی بنیاد ہی اخلاص پر ہے اور اخلاص کے معنی رب کی رضامندی کے ہیں، جب زندگی کے ہر معاملہ میں اللہ ہی کی رضا طلب کی جائے تو اس میں ذاتی خواہشات اور معاملات، حرص و ہوس کا عمل دخل جاتا رہے گا، اپنی پسند اور ناپسند کی تمنا ختم ہو جائے گی، پھر بندہ ہر وہ کام کرے گا جس میں مولا و مالک کی خوشنودی ہو اور ہر اس کام سے دور رہے گا جس میں اس کی ناراضی ہو، اسے لوگوں کی خوشی یا ناخوشی سے کوئی سروکار نہیں ہوگا، وہ حاکم ہو یا محکوم، آمر ہو یا مامور صرف احکام الٰہی اس کے پیش نظر رہیں گے، ارشاد ہوتا ہے:

ذٰلِکَ خَیْرٌ لِّلَّذِیْنَ یُرِیْدُوْنَ وَجْهَ اللّٰهِ وَاُولٰٓئِکَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ (الروم:۳۸)

"یہ بات ان لوگوں کے لئے بہتر ہے جو اللہ کی رضا چاہتے ہیں اور یہی لوگ (آخرت میں) کامیاب ہوں گے۔"

معاشرتی زندگی میں آپس کے تمام معاملات کو ٹھیک ادا کرنا امانت داری کا تقاضا ہے۔ اگر کسی ذمہ داری کو اچھی طرح نبھانا امانت کا حق ادا کرنا ہے تو ایسے ہی کسی حق دار کو اس کے سپرد

Marfat.com

کوئی ذمہ داری سونپنا بھی دیانت داری ہے کہ وہ عدل وانصاف کے تقاضوں کو بخیر وخوبی سرانجام دے سکے، قرآن اعلان کرتا ہے:

إِنَّ اللّٰهَ يَأْمُرُكُمْ أَنْ تُؤَدُّوا الْأَمٰنٰتِ إِلَىٰ أَهْلِهَا ۙ وَإِذَا حَكَمْتُمْ بَيْنَ النَّاسِ أَنْ تَحْكُمُوا بِالْعَدْلِ (النساء:۵۸)

''بے شک اللہ تمہیں حکم دیتا ہے کہ امانتوں کو اس کے اہل تک پہنچا دو اور جب لوگوں کے درمیان فیصلہ کرو تو عدل وانصاف کے ساتھ فیصلہ کرو۔''

اس آیہ کریمہ کے ذیل میں حضرت زیدؓ بن اسلم فرماتے ہیں:

''ان ھذا الحدیث لولاۃ الامر ان یقوموا برعایۃ الرعیہ وحملھم علی موجب الدین والشریعۃ وعدوا من ذلک تولیۃ المناصب مستحقیھا'' (اسلام کا زرعی نظام: ندوۃ المصنفین دہلی)

''مندرجہ بالا آیت کریمہ میں حاکموں کو خطاب ہے کہ وہ رعایا کا مکمل بندوبست کریں، دین وشریعت کا ان کو پابند بنائیں، ''امانات'' کی ادائیگی میں یہ بھی شمار ہے کہ عہدے صرف ان کے مستحقین کو دیے جائیں۔''

سورۃ النساء کی یہ آیت نہ صرف منصب امارت وصداقت سنبھالنے والوں کے لئے بلکہ عوام الناس کے لئے بھی جو ان لوگوں کا انتخاب کرتے ہیں، روشنی کا سامان مہیا کرتی ہے۔ قرآن کریم کا یہ معجزہ ہے کہ مختصر جملوں میں وہ سب کچھ سمجھا دیتا ہے جسے اگر پھیلا دیا جائے تو اس کے لئے بڑے دفتر درکار ہوں گے، لوگوں کو یہ بات ذہن نشین کرائی گئی ہے کہ اگر امور سلطنت کے اہل اور حق دار لوگوں کو ہی امانت سونپی گئی یعنی ایسے لوگ جو علم اور بصیرت، فہم ودانش، تقویٰ وطہارت اور نیکی و پارسائی میں اپنے معاشرے میں قدر ومنزلت کی نگاہ سے دیکھے جاتے ہیں، تو اس کے نتائج یہ برآمد ہوں گے کہ وہ اللہ سے ڈرتے ہوئے عدل وانصاف کی راہ اختیار کریں گے، عوام کی فلاح و بہبود ان کا مطمح نظر ہوگا، تعمیر وترقی کی جانب قدم بڑھیں گے، ملک سیاسی اور معاشی طور پر مضبوط و مستحکم ہوگا۔ ہر شخص اطمینان وسکون کا سانس لے گا، یہ ایسی مثالی اور فلاحی ریاست ہوگی جس کا قرآن حکیم نے اس طرح نقشہ کھینچا ہے:

كُلُوا مِنْ رِّزْقِ رَبِّكُمْ وَاشْكُرُوا لَهٗ ۭ بَلْدَةٌ طَيِّبَةٌ وَّرَبٌّ غَفُوْرٌ (سبا:۱۵)

Marfat.com

''اپنے رب کا رزق کھاؤ اور اس کا شکر ادا کرو، ملک ہے عمدہ و پاکیزہ اور پروردگار ہے بخشش فرمانے والا۔''

ہمارے اسلاف نے ایسی مثالی ریاست کو قائم کر کے تاریخ کو زندہ و تابندہ کیا، عوام پر حکومت کرنا نہیں بلکہ ان کی خدمت کرنا ان کا منشور تھا، وہ خود مصائب اور تکالیف اٹھا کر بھی ان کی راحت اور آرام کا خیال رکھتے تھے، قوم پر آزمائش کی گھڑیوں میں انہیں کسی کروٹ چین نصیب نہیں ہوتا تھا، جب تک لوگوں کو امن نصیب نہ ہو جاتا، انہیں دن کا سکون حاصل ہوتا نہ رات کو آرام ملتا، ان کا عدل بے لاگ اور ان کا احسان بے مثال تھا۔

دم تقریر تھی مسلم کی صداقت بے باک
عدل اس کا تھا قوی، لوث مراعات سے پاک
شجر فطرت مسلم تھا حیا سے نمناک
تھا شجاعت میں وہ اک ہستی فوق الادراک

شبلی نعمانی 'الفاروق' میں لکھتے ہیں:

''سب سے بڑی چیز جس نے حضرت عمرؓ کی حکومت کو مقبول عام بنا دیا اور جس کی وجہ سے، اہل عرب ان کے سخت احکام کو بھی گوارا کر لیتے تھے، یہ تھی کہ ان کا عدل و انصاف ہمیشہ بے لاگ رہا جس میں دوست دشمن کی کچھ تمیز نہ تھی، ممکن تھا کہ لوگ اس بات سے ناراض ہوتے کہ وہ جرائم کی پاداش میں کسی عظمت و شان کا مطلق پاس نہیں کرتے لیکن جب وہ لوگ یہ دیکھتے تھے کہ خاص آل و اولاد اور عزیز و اقارب کے ساتھ بھی ان کا یہی برتاؤ ہے تو لوگوں کو صبر آ جاتا تھا۔ ان کے بیٹے ابوشحمہ نے جب شراب پی تو خود اپنے ہاتھ سے 80 کوڑے مارے اور اسی صدمہ سے وہ بیچارے قضا کر گئے۔ قدامہؓ بن مظعون جو ان کے سالے اور بڑے رتبہ کے صحابی تھے، جب اسی جرم میں ماخوذ ہوئے تو علانیہ 80 درے لگوائے۔''

اسلم حضرت عمرؓ کا غلام تھا، اس کا بیان ہے کہ ایک دفعہ حضرت عمرؓ رات کو گشت کے لئے نکلے، مدینہ سے تین میل پر صرار ایک مقام ہے، وہاں پہنچے تو دیکھا کہ ایک عورت کچھ پکا رہی ہے اور دو تین بچے رو رہے ہیں، پاس جا کر حقیقت دریافت کی، اس نے کہا کہ کئی وقتوں سے بچوں کو کھانا نہیں ملا ہے، ان کو بہلانے کے لئے خالی ہانڈی میں پانی ڈال کر چڑھا دی ہے۔ حضرت عمرؓ اسی

Marfat.com

وقت اٹھے، مدینہ میں آ کر بیت المال سے آٹا، گوشت، گھی اور کھجوریں لیں اور اسلم سے کہا کہ میری پیٹھ کر رکھ دو، اسلم نے کہا میں لئے چلتا ہوں، فرمایا، ٹھیک ہے! لیکن قیامت میں میرا بار تم نہیں اٹھاؤ گے، غرض سب چیزیں خود لاد کر لائے اور عورت کے آگے رکھ دیں، اس نے آٹا گوندھا، ہانڈی چڑھائی، حضرت عمرؓ خود چولھا پھونکتے جاتے تھے، کھانا تیار ہوا تو بچوں نے خوب سیر ہو کر کھایا اور اچھلنے کودنے لگے، حضرت عمرؓ دیکھتے تھے اور خوش ہوتے تھے، عورت نے کہا ''اللہ تم کو جزائے خیر دے، سچ یہ ہے کہ امیر المومنین ہونے کے قابل تم ہو نہ کہ عمرؓ۔''

ایک دفعہ لوگوں کو کھانا کھلا رہے تھے، ایک شخص کو دیکھا کہ بائیں ہاتھ سے کھاتا ہے، پاس جا کر کہا کہ ''داہنے ہاتھ سے کھاؤ'' اس نے کہا جنگ موتہ میں میرا دایاں ہاتھ جاتا رہا، حضرت عمرؓ کو رقت ہوئی، اس کے برابر بیٹھ گئے اور رو کر کہنے لگے کہ افسوس تم کو وضو کون کراتا ہوگا؟ سر کون دھلاتا ہوگا؟ کپڑے کون پہناتا ہوگا؟ پھر ایک نوکر مقرر کر دیا اور اس کے لئے تمام ضروری چیزیں خود مہیا کر دیں۔

جس سال عرب میں قحط پڑا، ان کی عجیب حالت ہوئی۔ جب تک قحط رہا، گوشت، گھی، مچھلی، غرض کوئی لذیذ چیز نہ کھائی، نہایت خضوع سے دعائیں مانگتے تھے کہ ''اے اللہ! محمد کی امت کو میری شامت اعمال سے تباہ نہ کرنا، اسلم ان کے غلام کا بیان ہے کہ قحط کے زمانہ میں حضرت عمرؓ کو جو فکر و تردد رہتا تھا اس سے قیاس کیا جاتا تھا کہ اگر قحط رفع نہ ہوگا تو وہ اسی غم میں تباہ ہو جائیں گے۔

یہ ہیں صالح قیادت کے فیوض و برکات کہ اس سے انسانوں کے دنیا اور آخرت کے معاملات سدھرتے اور سنورتے ہیں، اللہ تعالیٰ چاہتا ہے کہ اس زمین پر نیکی پھلے پھولے، انسان جسے اشرف المخلوقات بنایا گیا ہے، اس کی شرافت و صداقت کی خوشبو ہر سو پھیلے، ہر طرف عدل و انصاف کا سکہ رواں دواں ہو، مہر و محبت کے پھول کھلیں۔ غور کیجئے کہ سیدنا داؤد علیہ السلام کو تاج خلافت بخشا تو ساتھ یہ نصیحت بھی فرمادی:

يٰدَاوٗدُ اِنَّا جَعَلْنٰكَ خَلِيْفَةً فِى الْاَرْضِ فَاحْكُمْ بَيْنَ النَّاسِ بِالْحَقِّ وَلَا تَتَّبِعِ الْهَوٰى فَيُضِلَّكَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ (ص:۲۶)

''اے داؤد! ہم نے تجھے ملک میں خلیفہ بنایا ہے، پس تم لوگوں میں انصاف کے ساتھ حکومت کرنا اور اپنی خواہش پر نہ چلنا۔ کہیں وہ تجھے اللہ کی راہ سے نہ بھٹکا دے۔''

Marfat.com

اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ حاکم کے لئے راہ صواب صرف رضائے الٰہی میں ہے اور خواہشات کی پیروی میں گمراہی وضلالت ہے اور پھر اس کے نتیجہ میں ظلم وستم دھوکہ اور فریب، قومی خزانہ میں خیانت، کنبہ پروری اور اسی قبیل کی نہ معلوم کتنی برائیاں پیدا ہو جاتی ہیں۔

یہ بات تو ظاہر ہو گئی ہے کہ صالح قیادت ہی سے نظام حق قائم کیا جا سکتا ہے اور عدل وانصاف کی صرف اسی نظام میں توقع کی جا سکتی ہے۔ اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ صالح قیادت کیسے آئے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ صالح قیادت کا انحصار نظر انتخاب پر ہے، اگر حکومت کے نمائندوں کا نیکی اور صالحیت کی بنیاد پر چناؤ ہوتا ہے تو صالح قیادت کی توقع کی جا سکتی ہے اور اگر دھونس دھاندلی اور دھن دولت انتخاب کی بنیاد بنتے ہیں اور نیکی وراست بازی کو نظر انداز کر دیا جاتا ہے تو پھر حکومت بھی ایسی ویسی ہی قائم ہوگی جس سے خیر کی توقع کم ہی کی جا سکتی ہے۔

انتخابات کی ایک شکل وصورت تو وہ ہوتی ہے جیسا کہ خلفائے راشدین کے انتخابات میں اصحاب علم وفضیلت نے اپنی رائے دی اور پوری قوم اتفاق کر گئی یا پھر افراد قوم اپنی رائے کو استعمال کرتے ہیں جس کو دور حاضر میں جمہوری نظام حکومت کا نام دیا جاتا ہے کہ اس میں ہر قانون اور ہر ملکی معاملہ اکثریت سے طے پاتا ہے خواہ یہ اکثریت کسی غلط بات کی پیروی ہی کیوں نہ کر رہی ہو بقول علامہ اقبالؒ:

جمہوریت اک طرز حکومت ہے کہ جس میں
بندوں کو گنا کرتے ہیں تولا نہیں کرتے

یہ تحفہ ہمیں مغرب نے عطا کیا ہے، ہم نے اندھا دھندکئی باتوں میں مغرب کی تقلید کی ہے، اس طرز انتخاب میں لوگوں کے اندر اس قدر علم اور شعور ہونا چاہئے کہ وہ نیک اور بد میں، اچھے اور برے میں، کھرے اور کھوٹے میں تمیز کر سکیں اور پھر عقل سلیم سے مضبوط قوت ارادی کے ساتھ صحیح راہ اختیار کر سکیں...... اور ایسے نظام کیلئے لوگوں کو نہ صرف اچھی تعلیم کی بلکہ سالہا سال سے مضبوط تربیت کی بھی ضرورت ہے۔ جس قوم کو شاہراہوں پر چلنے کے آداب نہیں آتے اور اکثر حادثات کی شاید بڑی وجہ یہی ہے۔ اس سے کیسے توقع رکھی جا سکتی ہے کہ وہ سلامتی عقل سے درست نمائندے اپنے لئے چنیں۔

پاکستان میں اس قسم کے جمہوری انتخابات کئی بار ہو چکے ہیں مگر افسوس کہ ملک کو آج تک

Marfat.com

صالح قیادت نصیب نہ ہوسکی، برسراقتدار آنے والی ہر حکومت خائن اور مفاد پرست رہی ہے، اس کی وجہ یہی ہے کہ عوام کی اکثریت بے شعور اور بے ذوق ہے، سوچ اور سمجھ سے کم ہی فائدہ اٹھایا جاتا ہے، یہاں پر ایک شخص کی رائے اتنی سستی اور بے قیمت ہے کہ چائے کا ایک کپ یا سوڈا واٹر کی بوتل پلا دیجئے اور اس سے کسی کے حق میں ووٹ لے لیجئے، لوگوں کا حال یہ ہے کہ اگر ایک سمت پانچ آدمی بھاگتے ہیں تو چھٹا بھی ان کو دیکھ کر اسی طرف بھاگ نکلے گا، وہ اپنی بصیرت سے کم ہی کام لے گا کہ آیا ادھر بھاگنا مفید ہے یا نہیں۔

مایوسی کی اس فضا میں اب علمائے کرام پر زبردست ذمہ داری عاید ہوتی ہے کہ وہ اٹھیں اور راہ اتفاق پیدا کر کے بھٹکی ہوئی قوم کی تعلیم و تربیت کریں۔

ذرا نم ہو تو یہ مٹی بڑی زرخیز ہے ساقی

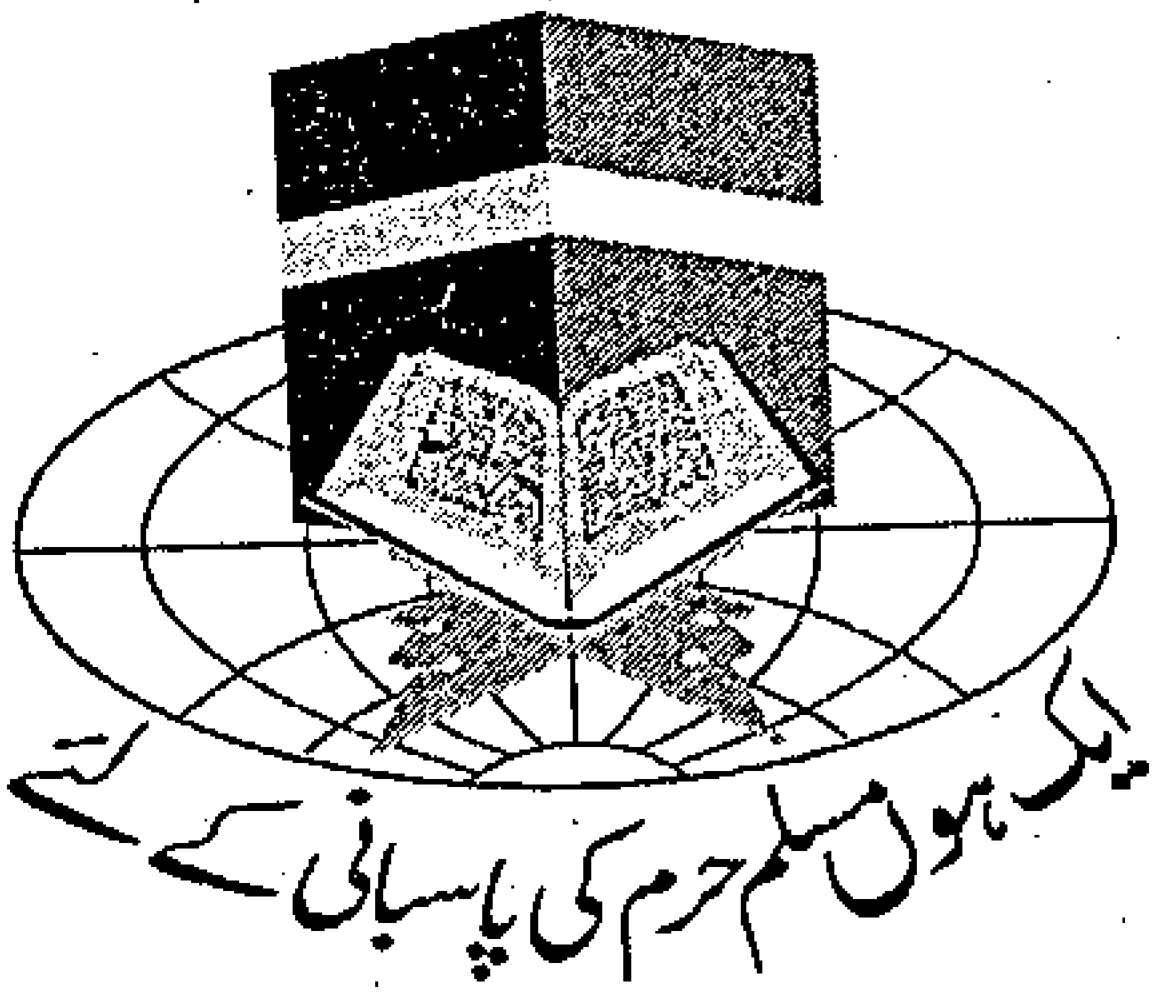

Marfat.com

کیا موجودہ طرز انتخابات کے ذریعے تبدیلی ممکن ہے؟

ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ''مسلمان بھائی بھائی ہیں، مسلمان نہ اپنے بھائی کی خیانت کرے، نہ اس سے جھوٹ بولے اور نہ ہی اسے بے یار و مددگار چھوڑے، ہر مسلمان پر مسلمان کا خون، اس کا مال اور اس کی عزت و آبرو حرام ہے، آپؐ نے فرمایا ''تقویٰ یہاں ہے'' (یعنی خوف الٰہی کا اصل مقام دل ہے) اور انسان کیلئے اتنی ہی برائی کافی ہے کہ وہ اپنے مسلمان بھائی کو حقیر سمجھے'' (ریاض الصالحین: باب تعظیم حرمت المسلمین)

دین اسلام اپنوں ہی کیلئے نہیں، دنیائے انسانیت کیلئے رحمت و سلامتی کا پیغام ہے، لفظ 'اسلام' سے ہی امن اور سلامتی کی مہک اٹھتی ہے اور اپنے اردگرد کے ماحول کو معطر کرتی چلی جاتی ہے، اسلام یہ کہتا ہے کہ اے انسانو! اللہ تعالیٰ نے تمہیں اشرف المخلوقات بنایا ہے، لہٰذا تم اپنے پروردگار کی بندگی بجا لاؤ اور اس کے شکر گزار بندے بنو اور آپس میں ایک دوسرے کی عزت و آبرو اور جان و مال کی حفاظت کرو، احسان و مروت کا سلوک کرو، دکھ درد میں کام آؤ کہ یہی مقصد حیات ہے اور اسی میں شرف انسانیت ہے، ارشاد ہوتا ہے:

''(مسلمانو!) نیکی یہ نہیں ہے کہ تم نے (عبادت کے وقت) اپنے چہرے مشرق یا مغرب کی طرف کر لئے بلکہ نیکی پر تو وہ لوگ ہیں جو اللہ پر، روز آخرت پر، فرشتوں پر، آسمانی کتابوں اور پیغمبروں پر ایمان لائے اور اللہ تعالیٰ کی محبت میں اپنا مال رشتہ داروں، یتیموں، مسکینوں، مسافروں اور سائلوں کو دیا اور پھر غلاموں کی رہائی پر خرچ کیا اور (زندگی بھر) نماز قائم کرتے اور زکوٰۃ دیتے رہے اور جب کوئی قول و قرار کیا تو اس پر پورے اترے (اس کے علاوہ) تنگی ترشی میں اور (حق و باطل) کی جنگ کے موقع پر صبر و ثبات کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑا، یہی لوگ ہیں (جو دعوائے اسلام) میں سچے نکلے اور یہی درحقیقت متقی اور پرہیزگار

Marfat.com

ہیں۔" (البقرہ: آیت ۱۷۷)

مندرجہ بالا آیہ مبارکہ کے متن کو پھر غور سے پڑھئے اور اس کے مفہوم ومعنی پر غور کیجئے اور دیکھئے کہ اسلام معاشرتی زندگی کو کس رفعت و جمال سے ہمکنار کرتا ہے، اس کے برعکس دوسروں کے جان و مال پر ڈاکے ڈالنا، انہیں مکر وفریب سے لوٹنا، ذلیل ورسوا کرنا اوران کی عزت کے درپے آزار ہونا، شان بندگی نہیں علامت درندگی ہے۔

یاد رکھئے کہ انبیاء علیہم السلام انسانوں کو اللہ کی بندگی، نیکی اور راستی، شرم وحیا، امانت و دیانت داری ایسی صفات سے آراستہ کرنے کیلئے تشریف لاتے رہے اوران کی اپنی زندگیاں بھی عبادت وریاضت، صدق وصفا، جود وسخا اور عدل وانصاف میں دوسروں کیلئے عمدہ نمونہ ہیں۔ خاتم النبیین جناب محمد ﷺ کی حیات طیبہ تو ہمارے لئے زندگی کی تاریکیوں میں روشنی کا سامان فراہم کرتی ہے۔

ہم نے یہ خطہ زمین پاکستان اللہ تعالیٰ سے اس لئے مانگا تھا کہ ہم آزادی سے اسلام کی زریں تعلیمات کے مطابق زندگی گزار سکیں۔ ہماری تہذیب وثقافت، ہمارا علم وادب، ہماری معاشرت اور معیشت، ہماری حکومت وسیاست غرضیکہ زندگی کا ہر شعبہ اسلامی روایات کا مظہر بن سکے۔

مگر افسوس اور صد افسوس کہ آزادی کی قدر وقیمت کو ہم نے مطلق نہیں پہچانا، انگریز کی غلامی سے نجات پانے کے بعد ہم اس سے بدتر غلامی یعنی خواہشات نفس کی غلامی میں گرفتار ہو گئے ہیں، اخلاقی اقدار کو پامال اور سچائی کے اصولوں سے انحراف کیا ہے، نتیجتاً ہمارا ہر شعبہ زندگی انحطاط کا شکار ہے، لوٹ کھسوٹ ہمارا شعار اور دھوکہ فریب ہماری عادت بن چکی ہے۔

ہماری سیاست بھی مکر وفریب کا شیطانی جال ہے۔ ہمارے سیاست دانوں کو اسلام سے محبت اور قومی خدمت کا خیال بھلا کہاں ہے؟ وہ تو محض اپنے نفس اور خواہشات کے پجاری ہیں، اقتدار اور کرسی کے بھوکے ہیں، الا ماشاء اللہ۔ برسر اقتدار آنے کے بعد ان کے تمام عہد و پیمان سراب کی طرح بے حقیقت نظر آتے ہیں، گزشتہ 56 برس سے قوم اسلامی عدل وانصاف سے محروم ہے، غریب عوام ظلم وستم کی چکی میں پس رہے ہیں۔

ذرا غور کیجئے ہمارے یہاں انتخابات کے مواقع پر...... وہ قومی انتخابات ہوں یا صوبائی اور بلدیاتی انتخابات...... کس طوفان بدتمیزی کا مظاہرہ ہوتا ہے، انتخابات سے قبل پبلسٹی پر

Marfat.com

اربوں روپیہ ضائع ہو جاتا ہے۔ اس غریب قوم کا روپیہ پیسہ کہ جس کا ہر چھوٹا بڑا، بوڑھا بچہ غیر ملکی قرضوں کے نیچے دبا ہوا ہے اور جسے اصل زر کے علاوہ سود بھی ادا کرنا ہے۔ اور سودی رقم سے ہمارے لئے خیر و برکت کی تمام راہیں مسدود ہو چکی ہیں پھر غور کیجئے کہ اشتہارات اور پوسٹروں پر ضائع ہونے والے اربوں روپے کیا علمی و ادبی کتابیں شائع ہونے پر صرف نہیں ہو سکتے کہ جس سے غریب قوم کے ہونہار بچوں کو تعلیم دلائی جا سکے اور کیا بینرز پر ضائع ہونے والے لاکھوں روپے کا کپڑا بیوگان و یتامیٰ کا پہناوا نہیں بن سکتا؟ آہ جن کے بوسیدہ لباس اہل شعور کو احساس دلا رہے ہیں کہ ان کی مدد کی جائے اور وہ باعزت زندگی گزار سکیں۔ پھر الیکشن کے شور و شغب اور غل غپاڑے میں جو قیمتی وقت ضائع ہو جاتا ہے اس کا اندازہ کون لگا سکتا ہے؟ اور سب سے خطرناک پہلو آپس کے لڑائی جھگڑوں، عداوتوں اور دشمنیوں کا ہے، حالیہ مرحلہ وار بلدیاتی انتخابات میں کئی قیمتی جانیں ضائع ہو چکی ہیں۔ درجنوں زخمی اور ناکارہ ہو چکے ہیں، ذرا ٹھنڈے دل و دماغ سے سوچئے کہ جن انتخابات کی بنیاد ہی فتنہ و فساد پر ہو، اس میں خیر و برکت کیسے ہو سکتی ہے؟

آپ کے خیال میں شاید یہ معمولی نقصان ہو مگر قرآن و حدیث کی روشنی میں ناحق کسی جان کا ضائع ہونا بہت بڑا نقصان ہے، قرآن اعلان کرتا ہے:

كَتَبْنَا عَلٰى بَنِيْٓ اِسْرَآئِيْلَ اَنَّهٗ مَنْ قَتَلَ نَفْسًا بِغَيْرِ نَفْسٍ اَوْ فَسَادٍ فِي الْاَرْضِ فَكَاَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِيْعًا ط وَمَنْ اَحْيَاهَا فَكَاَنَّمَا اَحْيَا النَّاسَ جَمِيْعًا. (المائدہ:۳۲)

''ہم نے بنی اسرائیل پر یہ حکم نازل کیا کہ جو شخص کسی کو (ناحق) قتل کرے گا (یعنی بغیر اس کے کہ جان کا بدلہ لیا جائے یا ملک میں خرابی کرنے کی سزا دی جائے) اس نے گویا نسل انسانی کو قتل کیا اور جو اس کی زندگی کا موجب ہوا تو گویا نسل انسانی کی زندگی کا موجب ہوا۔''

انتخابات میں کتنے خاندان اجڑ جاتے ہیں، کتنی خواتین بیوہ ہو جاتی ہیں، کتنی ماؤں کے لخت جگر انہیں مستقل داغ مفارقت دے جاتے ہیں، کتنی بہنیں اپنے بھائیوں کی جدائی سے نڈھال ہو جاتی ہیں اور پھر کتنے خاندانوں کے درمیان دشمنیوں اور رنجشوں کا لامتناہی سلسلہ شروع ہو جاتا ہے، کیا جمہوریت اسے کہتے ہیں، کیا انتخابات کا یہ اسلامی طریق کار ہے؟ حکومت یہ سب کچھ دیکھتی ہے مگر اس غیر شرعی نظام کو تبدیل کرنے کیلئے تیار نہیں ہے علمائے کرام

یہ فسادات رونما ہوتے ہوئے اپنی آنکھوں سے دیکھتے ہیں مگر سر جوڑ کر نظام باطل کو بدلنے کیلئے تیار نہیں ہوتے ہیں۔

اسلام ایک مکمل نظام حیات ہے۔ اور وہ زندگی کے ہر شعبہ میں مکمل رہنمائی فراہم کرتا ہے، رب کی اس دھرتی میں رب کا نظام ہی قائم کرنے کا حکم دیتا ہے۔

اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ. (یوسف:۴۰)

''اللہ تعالیٰ کے سوا یہاں کسی کی فرماں روائی نہیں ہوسکتی۔''

اس کے نزدیک جمہوریت کوئی شئے نہیں ہے کیونکہ اکثریت عقل وشعور سے عاری اور فارغ ہے۔

وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ (یوسف:۲۱)

''مگر لوگوں کی اکثریت حقیقت کو نہیں جانتی''

وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَشْكُرُوْنَ. (یوسف:۳۸)

''مگر لوگوں کی اکثریت شکر گزار نہیں ہے۔''

حق وصداقت کا راستہ ہی اس کے نزدیک صحیح اور درست راستہ ہے اور اس راہ پر کم ہی لوگ چلنے والے ہیں۔

وَقَلِيْلٌ مِّنْ عِبَادِيَ الشَّكُوْرُ (سبا:۱۳)

''اور میرے بندوں میں کم ہی شکر گزار ہیں۔''

سیدنا ابراہیم علیہ السلام کا ذکر خیر قرآن حکیم میں کئی مقامات پر آیا ہے، ان کی للّٰہیت، راہ حق میں ان کی خدمات، قربانیاں اور جاں نثاری اپنی مثال آپ ہے، پوری قوم میں توحید پرست تھے جب کہ ان کا گھرانہ اور افراد قوم شرک وبت پرستی میں مبتلا تھے اور پوری قوم سے ٹکرا کر ان کے بت پاش پاش کر دیے اور اللہ تعالیٰ کے نام کو بلند کیا، جس کے صلے میں انہیں ''امت قانتہ'' یعنی فرمانبردار امت کا تمغہ عطا ہوا۔

اِنَّ اِبْرٰهِيْمَ كَانَ اُمَّةً قَانِتًا لِّلّٰهِ حَنِيْفًا ط وَلَمْ يَكُ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ (النحل:۱۲۰)

''بلاشبہ ابراہیم (اپنی ذات میں) ایک امت تھے، اللہ کے فرمانبردار اور یکسو (خالص اپنے رب کی رضا کیلئے) زندگی گزارنے والے تھے، وہ ہرگز مشرک نہ تھے۔''

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے تنہا ہونے کے باوجود اسلام نے ان کو امت بھی کہا ہے اور

ان کا پلڑا ابھی بھاری قرار دیا ہے۔ضروری نہیں ہے کہ حکومتی امور کو نپٹانے اور معاشرتی معاملات کو سلجھانے کے لئے جمہوریت کا راستہ ہی اختیار کیا جائے بلکہ اسلام نے معاشرتی معاملات کو سلجھانے کیلئے مجلس شوریٰ کے قیام کو ضروری قرار دیا ہے، ارشاد ہوتا ہے:

وَاَمۡرُهُمۡ شُوۡرٰى بَيۡنَهُمۡ (الشوریٰ:۳۸)

''اوران کے معاملات باہمی مشورے سے طے پاتے ہیں۔''

یہ علماء وفضلاء کی وہ مجلس ہے جنہیں پوری طرح دینی بصیرت حاصل ہو بلکہ دنیاوی امور پر کڑی نگاہ ہو، اور یہ مجلس مختلف علاقوں اور آبادیوں سے اہل کمال اور سمجھدار لوگوں کا انتخاب کرے خواہ وہ غریب اور مسکین ہی کیوں نہ ہوں۔جیسا کہ بنی اسرائیل نے ایک وقت حضرت سموئیل علیہ السلام (جو اس وقت نبی تھے) سے مطالبہ کیا کہ ان کیلئے کوئی بادشاہ مقرر کردیں جس کی قیادت میں وہ جہاد کریں، تو حضرت سموئیل علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کے حکم سے طالوت کو یہ خدمات سونپ دیں جس پر افراد قوم چیں بجبیں ہوئے اور کہنے لگے:

اَنّٰى يَكُوۡنُ لَهُ الۡمُلۡكُ عَلَيۡنَا وَ نَحۡنُ اَحَقُّ بِالۡمُلۡكِ مِنۡهُ وَلَمۡ يُؤۡتَ سَعَةً مِّنَ الۡمَالِ (البقرہ:۲۴۷) ''بھلا ہم پر حکومت کا حق دار وہ کیسے بن گیا، اس سے زیادہ ہم خود حکومت کے حقدار ہیں اور اس کے پاس تو کچھ مال و دولت بھی نہیں۔''

اس پر حضرت سموئیل علیہ السلام نے فرمایا:

اَنَّ اللّٰهَ اصۡطَفٰهُ عَلَيۡكُمۡ وَزَادَهٗ بَسۡطَةً فِى الۡعِلۡمِ وَالۡجِسۡمِ‌ؕ وَاللّٰهُ يُؤۡتِىۡ مُلۡكَهٗ مَنۡ يَّشَآءُ‌ؕ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيۡمٌ (البقرہ:۲۴۷)

''اللہ تعالیٰ نے تم پر اسے منتخب کیا ہے کہ علمی اور جسمانی اہلیت اسے تم سے زیادہ دی ہے اور اللہ جسے چاہے اپنی حکومت دیتا ہے اور اللہ بڑی وسعت والا اور جاننے والا ہے۔''

اس آیہ مبارکہ نے قیادت کے حق دار لوگوں کی صفت کو واضح کردیا ہے، کہ یہ انتخاب مال و دولت کی بنیاد پر نہیں بلکہ علمی اور جسمانی وجاہت پر ہوگا خواہ وہ شخص کتنا ہی غریب اور مسکین کیوں نہ ہو، قرآن نے ایک اور مقام پر فرمایا:

اِنَّ اللّٰهَ يَاۡمُرُكُمۡ اَنۡ تُؤَدُّوا الۡاَمٰنٰتِ اِلٰٓى اَهۡلِهَا ۙ وَاِذَا حَكَمۡتُمۡ بَيۡنَ النَّاسِ اَنۡ تَحۡكُمُوۡا بِالۡعَدۡلِ (النساء:۵۸) ''بے شک اللہ تمہیں حکم دیتا ہے کہ امانتوں کو ان کے اہل تک

Marfat.com

پہنچادو اور جب لوگوں کے درمیان فیصلہ کرو تو عدل وانصاف کے ساتھ فیصلہ کرو۔"

اس آیت کے ذیل میں حضرت زیدؓ بن اسلم فرماتے ہیں "اس آیہ مبارکہ میں حاکموں کو خطاب ہے کہ وہ رعایا کا مکمل بندوبست کریں، دین وشریعت کے مقتضیات کا ان کو پابند بنائیں "امانات" کی ادائیگی میں یہ بھی شمار ہے کہ عہدے ان کے مستحقین کو دیے جائیں۔" (اسلام کا زرعی نظام: ندوۃ المصنفین۔ دہلی)

قرآن حکیم کا یہ معجزہ ہے کہ مختصر جملوں میں وہ سب کچھ سمجھا دیتا ہے جسے اگر پھیلا دیا جائے تو بڑے بڑے دفتر درکار ہوں گے، لوگوں کو یہ بات ذہن نشین کرائی گئی ہے کہ اگر امور سلطنت کے اہل اور حق دار لوگوں کو ہی امانت سونپی گئی یعنی ایسے لوگ جو علم وبصیرت میں، فہم ودانش میں، تقویٰ وطہارت میں، نیکی اور پارسائی میں معاشرے میں قدر ومنزلت کی نگاہ سے دیکھے جاتے ہیں تو اس کے نتائج بھی بہتر اور مفید برآمد ہوں گے کہ وہ اللہ تعالیٰ سے ڈرتے ہوئے عدل وانصاف کی راہ اختیار کریں گے، علوم کی فلاح وبہبود ان کا مطمح نظر ہوگا، تعمیر وترقی کی جانب قدم بڑھیں گے، ملک سیاسی اور معاشی طور پر مضبوط اور مستحکم ہوگا، ہر شخص اطمینان وسکون کا سانس لے گا، یہ مثالی اور رفاہی ریاست کہلائے گی جس کا نقشہ قرآن نے اس طرح کھینچا ہے۔

كُلُوا مِن رِّزْقِ رَبِّكُمْ وَاشْكُرُوا لَهُ ط بَلْدَةٌ طَيِّبَةٌ وَّرَبٌّ غَفُورٌ (سبا:۱۵) "اپنے پروردگار کا رزق کھاؤ اور اس کا شکر ادا کرو (یہاں تمہارے رہنے کو) پاکیزہ شہر ہے (اور وہاں بخشنے) کو رب غفار ہے۔"

یہ ہیں صالح قیادت کے فیوض وبرکات کہ اس سے انسانوں کے دنیا اور آخرت کے معاملات سدھرتے اور سنورتے ہیں، اللہ تعالیٰ چاہتا ہے کہ اس کی زمین پر نیکی پھلے پھولے، لوگوں کے درمیان عدل وانصاف کو قائم کیا جائے، غور کیجئے کہ سیدنا داؤد علیہ السلام کو تاج خلافت بخشا تو ساتھ نصیحت فرمادی: يٰدَاوٗدُ اِنَّا جَعَلْنٰكَ خَلِيْفَةً فِي الْاَرْضِ فَاحْكُمْ بَيْنَ النَّاسِ بِالْحَقِّ وَلَا تَتَّبِعِ الْهَوٰى فَيُضِلَّكَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ (ص:۲۶) "اے داؤد ہم نے تجھے ملک میں خلیفہ بنایا ہے، سو تم لوگوں میں انصاف کے ساتھ حکومت کرنا اور اپنی خواہش پر نہ چلنا کہیں وہ تجھے اللہ کی راہ سے نہ بھٹکا دے۔"

اس آیہ کریمہ سے معلوم ہوا کہ حاکم کیلئے راہ صواب صرف رضائے الٰہی میں ہے اور

Marfat.com

خواہشات کی پیروی میں گمراہی اور ضلالت ہے اور پھر اس کے نتیجہ میں ظلم وستم دھوکہ اور فریب، قومی خزانہ میں خیانت، کنبہ پروری اور اسی قبیل کی نہ معلوم کتنی برائیاں پیدا ہوتی ہیں۔

ہم نے اندھا دھند مغرب کی تقلید کی ہے، جمہوریت کا نعرہ الاپتے ہوئے تمام اخلاقی اقدار کو پامال کر دیا ہے یہاں تک کہ خواتین کو بھی چادر اور چاردیواری سے باہر لا کھڑا کر دیا ہے حالانکہ عورت کیلئے بہترین جگہ گھر ہے اور وہ گھر کی ملکہ ہے، اسلام نے حکومت کی ذمہ داری صرف مرد پر ڈالی ہے، عورت کیلئے اگر باہر کام کرنے کی گنجائش نکل سکتی ہے تو وہ صرف طالبات کے تعلیمی ادارے یا خواتین کے ہسپتال میں۔ حکومت کیلئے بھاگ دوڑ اور ہوس اقتدار کو تو اسلام نے کبھی پسند نہیں کیا ہے، اس حدیث مبارک پر غور کیجئے:

ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا، میرے ساتھ میرے دو چچا زاد بھائی بھی تھے، ان میں سے ایک نے عرض کی "یا رسول اللہ! اللہ تعالیٰ نے آپ کو حکمران بنایا ہے، اس کے کسی حصہ پر ہمیں بھی حاکم بنا دیجئے اور دوسرے نے بھی اسی طرح کی درخواست کی تو اس پر جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (ناگواری سے) فرمایا "اللہ کی قسم! جو شخص بھی ہم سے حکومت کا طلبگار ہوگا یا اس پر حریص نظر آئے گا، ہم اسے ہرگز حاکم نہیں بنائیں گے اور ایک روایت میں اس طرح ہے "جو شخص خود کارندہ بننے کا طالب ہو، ہم اس کو اپنا کارندہ مقرر نہیں کریں گے۔" (متفق علیہ)

عاجز نے طالب علم کی حیثیت سے یہ معروضات قلمبند کی ہیں۔ دل میں دکھ اور درد ہے کہ آج پاکستان کو معرض وجود میں آئے 56 سال بیت چکے ہیں اور نظام جاہلیت ہمارے اوپر مسلط ہے، کیا اس کو بیخ وبن سے اکھاڑنے کیلئے ہم اپنی صفوں میں اتحاد پیدا نہیں کر سکتے ہیں؟ وہ تمام سیاسی جماعتیں اور دینی وحدتیں جو ملک وملت کی فلاح واصلاح کا دعویٰ کرتی ہیں، اور اسی نام پر عوام سے ووٹ مانگتی ہیں، اگر ان سب میں سے ہر کوئی گہرے غور وفکر کے بعد اس مہم جوئی سے حاصل ہونے والے نتائج کا جائزہ لے تو کیا وہ یہی نتیجہ نہیں نکالے گا کہ ہمارے مسائل اس نظام کے تحت آج تک تو حل نہیں ہو سکے اور نہ ہم حل کر سکے ہیں! لہٰذا ایسے دردمند سیاستدان اور دین پسند عناصر اور جماعتوں کو مستقبل کی اپنی حکمت عملی کو نئے خطوط پر استوار کرنے کی فکر کرنی چاہئے، وہ خطوط کیا ہیں، اس بارے میں دین و دنیا کے مسائل پر نظر رکھنے والے اہل دانش وبینش خوب

رہنمائی کر سکتے ہیں، اور یہ ساری رہنمائی مصادر شریعت اور تاریخ اسلامی میں موجود ہے، ضرورت ہے تو ہمارے دلوں کی صفائی اور مقصد کی یکتائی کی ضرورت ہے، اگر ہم یک مقصد ہیں تو ہمیں یکجا ویکجان ہونے میں کیوں تامل ہے؟ اگر ہم خواہش نفس کے بندے نہیں ہیں تو ہمیں اہل تر افراد کی رہنمائی وسیادت کو قبول کرنے میں کون سی چیز مانع ہے؟ سوچئے! کہ یہ سوچنے کا مقام ہے اس لئے کہ ہم نصف صدی سے بھی زائد عرصہ سے محو سفر ہیں لیکن ہنوز منزل آنکھوں سے اوجھل ہے!

Marfat.com

گناہ کے اثرات

حضرت ابو ہریرۃؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ''بے شک بندۂ مومن جب کوئی گناہ کرتا ہے تو اس کے دل پر سیاہ نقطہ پڑ جاتا ہے، اگر وہ توبہ واستغفار کرلے تو اس کے دل کو صاف وشفاف کر دیا جاتا ہے، اور اگر وہ گناہ کرتا چلا جائے (توبہ استغفار نہ کرے) تو سیاہ دھبہ پورے دل پر چھا جاتا ہے، یہی وہ زنگ ہے جس کا ذکر اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

كَلَّا بَلْ رَانَ عَلٰى قُلُوبِهِمْ مَا كَانُوا يَكْسِبُونَ. ''بلکہ (بات یہ ہے کہ) ان کے دلوں پر ان کے کرتوتوں کا (زنگ) بیٹھ گیا ہے۔'' [مشکوٰۃ باب الاستغفار والتوبہ]

گناہ کیا ہے؟ مذہبی احکام کے خلاف عمل، عصیان، جرم، خطا، قصور اور پاپ (فیروز اللغات)

گویا کہ قرآن وسنت کے خلاف جو بھی عمل ہوگا وہ گناہ اور بدی کہلائے گا اس کے برعکس قرآن وسنت کے مطابق جو عمل ہوگا وہ ثواب کہلائے گا۔

گناہ کے لئے قرآن حکیم میں مختلف الفاظ استعمال ہوئے ہیں جو اپنے مفہوم ومعنی میں تھوڑا، تھوڑا فرق رکھتے ہیں:

1- ذنب:— عام لفظ ہے ہر چھوٹے بڑے گناہ کے لئے استعمال ہوتا ہے۔

2- خطا:— ایسا گناہ جو بلا ارادہ سرزد ہو۔

3- حودب:— عائلی معاملات سے تعلق رکھنے والے بڑے گناہ۔

4- حنث:— قسم توڑنا، عہد وپیمان سے تعلق رکھنے والے بڑے گناہ۔

5- اثم:— گناہ کی طرف طبیعت کا آمادہ رہنا اور وقت آنے پر ارتکاب سے نہ چوکنا۔

6- اجرام:— بڑے گناہ کا وبال۔

7- جناح:— گناہ کی طرف میلان۔

Marfat.com

8- لمم:- صغیرہ گناہ جو کسی بڑے گناہ کی طرف لے جاتے ہیں۔

9- سَیِّاٰت:- چھوٹی چھوٹی خطائیں۔ (مترادفات القرآن)

گناہ کی پہچان اس طرح بھی ہوتی ہے کہ اس سے انقباض نفس اور نیکی سے انشراح صدر کی کیفیت پیدا ہوتی ہے۔

امام راغب اصفہانی لکھتے ہیں:

اثم (گناہ) کا لفظ بر (نیکی) کے بالمقابل استعمال ہوتا ہے چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اَلْبِرُّ مَا اطْمَأَنَّتْ اِلَیْهِ النَّفْسُ وَالْاِثْمُ مَا حَاکَ فِی صَدْرِکَ ''کہ نیکی وہ ہے جس پر طبیعت مطمئن ہو اور گناہ وہ ہے جس کے متعلق دل میں تردد ہو۔'' (مفردات القران)

مولانا محمد حنیفؒ ندوی لکھتے ہیں:

''اسلام چونکہ ان تمام اقدارِ حیات کو اپنے دامنِ دعوت میں سمیٹے ہوئے ہے جن سے انسان کی روحانی، اخلاقی اور اجتماعی صلاحیتوں کی پرورش ہوتی ہے، اس لئے گناہ کا اطلاق ہر اس اقدام پر ہوگا جو اس سلسلے میں رکاوٹ کا باعث ثابت ہو یعنی ہر وہ فعل، اثم اور گناہ متصور ہوگا جس سے قلب وباطن کے لطائف مجروح ہوں، فکر وتدبر کے داعیے مضمحل ہوں اخلاق وعادات میں بگاڑ پیدا ہو اور ان اجتماعی تصورات کو نقصان پہنچے جو انسانیت کے ارتقا کے لئے بے حد ضروری ہیں۔'' (لسان القرآن: جلد 1)

بڑے بڑے گناہ کون سے ہیں؟ اس کے متعلق قطر کے عالم وفاضل اور محکمہ شرعیہ کے معروف قاضی شیخ احمد بن حجر آل بوطامی نے اپنی مشہور کتاب 'تطہیر الجتمات' میں انہیں درج کر کے ان کی تشریح وتوضیح بھی کر دی ہے، ان کا اجمالی ذکر کچھ اس طرح ہے۔ اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کرنا، جادو سیکھنا اور کرنا، اللہ تعالیٰ کے نازل کردہ حکم کے خلاف فیصلہ کرنا، کافروں، مشرکوں، یہودیوں، عیسائیوں اور ملحدوں سے دوستی گانٹھنا (انہیں ہم راز بنانا) اور جو لوگ اللہ کی پرستش کے ساتھ ساتھ انبیاء کرام اور صالحین کی پرستش کر کے شرک کرتے ہیں ان کی ہمنوائی کرنا، بدفالی اور بدشگونی لینا شرک، قبروں کو سجدہ کرنا، ان پر چراغ جلانا، اللہ کو چھوڑ کر مزاروں کو بت بنا کر انہیں پکڑے رہنا، ان کے گرد پھیرے لگانا، ان کو چومنا چاٹنا، ان کی طرف رخ کر کے نماز پڑھنا، غیر اللہ کی قسم کھانا، جان بوجھ کر نماز چھوڑنا، بلا عذر نماز کو وقت ٹال کر پڑھنا، بلا عذر جمعۃ المبارک کی

Marfat.com

نماز ترک کر دینا، زکوٰۃ (صاحب حیثیت ہوتے ہوئے) روک لینا، (بلا عذر) ماہ رمضان المبارک میں روزہ ترک کر دینا، طاقت رکھنے کے باوجود حج نہ کرنا، مقابلہ کے دن دشمن کے سامنے راہ فرار اختیار کرنا، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فیرضہ ادا نہ کرنا، ترک سنت اور اس پر مصر رہنا، بدعت اور برائی کی بنیاد رکھنا، پیشاب کرتے وقت پردہ نہ کرنا اور پیشاب سے نہ بچنا، ناحق کسی کو قتل کرنا، خودکشی کرنا، قتل کرنا اور نسل کشی کرنا، بے حیائی (زنا کاری) کا مرتکب ہونا، اغلام بازی (قوم لوط کا فعل)، نشہ آور چیزوں کا استعمال (شراب، افیون وغیرہ)، جواء کھیلنا، چوری اور ڈکیتی، ایمان دار و پاکدامن عورتوں پر تہمت لگانا، جان بوجھ کر جھوٹی قسم کھانا، حرام مال کھانا (رشوت، جھوٹ سے)، سودی مال کھانا، یتیم کا مال کھانا، مزدور کو مزدوری نہ دینا، ورثاء کو ستانا (ان کا حق ادا نہ کرنا)، سودا سلف میں دھوکہ دہی، ناپ تول اور پیمائش میں کمی کرنا، ظلم وستم کرنا (لوگوں کے جان و مال پر ڈاکے ڈالنا اور انہیں ہڑپ کر جانا)، حق کے حصول یا کسی باطل کے دفعیہ کے لئے رشوت کا لین دین کرنا، جھوٹی گواہی دینا، والدین کی نافرمانی کرنا، والدین کو گالی دینا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یا آپ کی آل واصحاب کی تصویر کشی کرنا (فلمانا) نیز صحابہ کرامؓ کی زندگی کو اسٹیج کرنا (ڈرامہ کی شکل میں)، کسی جاندار، جیسے انسان، چرند، پرند کی تصویر بنانا اور انہیں گھروں یا دکانوں میں لٹکانا، امانت پر خیانت اور اس سلسلہ میں جھوٹ بولنا، عہد کو توڑنا اور لڑائی جھگڑے پر فسق و فجور، گفتگو کرتے وقت جھوٹ بولنا، غداری اور وعدہ خلافی، خصومت میں جھوٹ بولنا (مباحثہ اور تکرار کے وقت) مذاق اور ٹھٹھہ کرنا، عیب جوئی کرنا، طعنہ دینا اور غیبت کرنا، چغل خوری کرنا، عجب اور تکبر کرنا، پڑوسی کو ستانا، صحابہ کرامؓ سے بغض وحسد رکھنا اور سب وشتم کرنا، مسلمان کو گالی دینا اور اس کی عزت وآبرو پر دست درازی کرنا، مسلمان کو لعن طعن کرنا، کسی کے والدین کو گالی دینا (جو خود اپنے والدین کو پہنچتی ہے)، دورخا ہونا (کسی سے کچھ بات کرنا، اور کسی دوسرے سے کچھ بات کرنا، حقیقت کو چھپانا) علم کا چھپانا، قطع رحمی کرنا (رشتہ داروں سے تعلق توڑنا) اپنے ماں باپ یا قبیلہ کے علاوہ کسی اور کی طرف خود کو منسوب کرنا (اپنا نسب نامہ بدل لینا)، کفار کی پیروی کرنا (تہذیب و اخلاق میں)، مردوں کا عورتوں کی اور عورتوں کا مردوں کی مشابہت کرنا (لباس اور تراش خراش میں)، عورتوں کا بے پردہ اور بن سنور کر نکلنا (پارکوں اور میدانوں، مارکیٹوں اور بازاروں میں، کالجوں اور یونیورسٹیوں میں)، بالوں کو جوڑنا (مصنوعی بال لگانا)، جسموں کو گودنا (خوبصورتی کے

Marfat.com

لئے تصاویر وغیرہ بنانا)، دانتوں کو الگ الگ کرنا (دوری پیدا کرنا تا کہ وہ خلا سے خوب صورت نظر آئیں)، بھوؤں کو نوچنا (کہ تراش خراش سے بھلے معلوم ہوں)، غیر محرم کو بری نظر سے دیکھنا، غیر محرم کے ساتھ خلوت میں ہونا (کہ اس سے فتنہ کا اندیشہ ہے) بیوی کا اپنے شوہر کی نافرمانی کرنا، شوہر کا بیوی کے حقوق تلف کرنا، شوہر کے خلاف بیوی کو بھڑکانا، کبیرہ گناہوں سے متعلق یہ اجمالی فہرست ہے۔ قرآن حکیم نے بتایا ہے کہ اگر کبیرہ گناہوں سے بچا جائے تو صغیرہ گناہوں کو اللہ تعالیٰ معاف فرماتا رہتا ہے، ارشاد ہوتا ہے:

اِنْ تَجْتَنِبُوْا كَبَآئِرَ مَا تُنْهَوْنَ عَنْهُ نُكَفِّرْ عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ وَ نُدْخِلْكُمْ مُّدْ خَلًا كَرِيْمًا (نساء:۳۱)

"تم اگر بڑے بڑے گناہوں سے بچتے رہے تو ہم تمہاری چھوٹی چھوٹی برائیوں (سیات) کو نظر انداز کر دیں گے۔"

ایک اور مقام پر اس طرح فرمایا:

اَلَّذِيْنَ يَجْتَنِبُوْنَ كَبٰٓئِرَ الْاِثْمِ وَالْفَوَاحِشَ اِلَّا اللَّمَمَ ط اِنَّ رَبَّكَ وَاسِعُ الْمَغْفِرَةِ. (النجم:۳۲)

"(وہ لوگ) جو کبیرہ گناہوں اور بے حیائی کے کاموں سے بچتے ہیں مگر چھوٹے گناہوں سے (نہیں بچتے کہ وہ بتقاضائے بشریت سرزد ہو جاتے ہیں) بلاشبہ آپ کے رب کی مغفرت بہت وسیع ہے۔"

صغیرہ گناہوں کا تو ذکر ہی کیا، بڑے بڑے گناہوں سے بچنے کی ہمیں کوئی پروا نہیں ہے، مندرجہ بالا فہرست پر نظر ڈالئے تو معلوم ہوگا کہ حاکم اور محکوم سب کے سب ان میں ملوث دکھائی دیں گے۔ گناہوں کے اثرات مختلف صورتوں اور شکلوں میں نظر آتے ہیں۔

شیخ الاسلام امام ابن قیمؒ نے گناہوں کے اثرات پر اپنی کتاب "الجواب الکافی لمن سال عن الدواء الشافی" میں خاصا لکھا ہے جن میں چند باتوں کا ذکر اس طرح کیا جاتا ہے:

☆ ...... دنیا اور آخرت کے تمام مصائب کی جڑ گناہ ہیں۔

☆ ...... گناہوں سے عقل وفکر کا نور زائل ہو جاتا ہے۔

☆ ...... گناہوں سے پانی، ہوا، زراعت، پھلوں اور گھروں پر آفت آتی ہے۔

Marfat.com

☆......گناہوں سے شرم وحیا کا جوہر فنا ہوجاتا ہے۔

☆......گناہ قلب کے اندر خوف وہراس، دہشت اور وحشت پیدا کردیتے ہیں۔

☆......گناہوں سے رب العالمین کی عظمت وجلالت رخصت ہوجاتی ہے۔

☆......گناہ سے انسان ذلیل وخوار ہوجاتا ہے۔

آج ہمارے گھروں میں پریشانیاں ہیں، آپس میں تفرقہ بازیاں اور خاندانوں کے درمیان جھگڑے ہیں، فتنہ وفساد کے شرارے ہیں، بچوں کی نافرمانیاں ہیں، ظالم حکمران ہیں، عدالتوں میں ناانصافیاں ہیں، مہنگائی اور بے روزگاری ہے، ڈاکے اور ڈکیتیاں ہیں، قتل وغارت عام ہے بلکہ امت مسلمہ پر نکبت وادبار کی گھٹائیں چھارہی ہیں۔ اخبارات کے صفحات ایسی باتوں سے رنگین ہوتے ہیں، اس کی وجہ صرف اور صرف یہی ہے کہ احکام الٰہی کو ہم پس پشت ڈال چکے ہیں اور خواہشات نفسانی کا شکار ہیں، ان ناگفتہ بہ حالات میں رب کریم کی کتاب پھر بشارت دیتی اور ڈھارس بندھاتی ہے:

قُلْ یٰعِبَادِیَ الَّذِیْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰٓی اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ یَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِیْعًا ؕ اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِیْمُ (الزمر:۵۳)

"آپ لوگوں سے کہہ دیجئے،" اے میرے بندو! جنہوں نے اپنی جانوں پر زیادتی کی ہے، اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہونا، اللہ یقیناً سارے ہی گناہ معاف کردیتا ہے کیونکہ وہ غفور رحیم ہے۔"

Marfat.com

Marfat.com

گناہوں کا وبال اور اس کا علاج

ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
''بندہ مومن جب گناہ کرتا ہے تو اس کے دل پر ایک سیاہ نقطہ پڑ جاتا ہے۔ اگر وہ توبہ کر لیتا ہے اور گناہ چھوڑ دیتا ہے تو وہ سیاہ نقطہ صاف ہو جاتا ہے اگر وہ زیادہ گناہ کرتا ہے (توبہ کر کے انہیں نہیں مٹاتا) تو زیادہ سیاہ نقطے پڑ جاتے ہیں تا آنکہ اس کا دل خاک سیاہ ہو جاتا ہے اور یہی وہ سیاہی ہے جس کے متعلق اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:
''نہیں بلکہ بات یہ ہے کہ ان کے دلوں پر انہی کے اعمال کے زنگ پھیل گئے۔'' (سورۃ المطففین:۱۴) [مشکوٰۃ باب الاستغفار]۔

یہ روزمرہ کے مشاہدہ کی بات ہے کہ اجلے سفید لباس پر کوئی داغ دھبہ پڑ جائے تو کیسا بدنما معلوم ہوتا ہے، اسے صابون اور پانی سے صاف کیجئے تو لباس پھر سے خوشنما ہو جاتا ہے، اگر پروا نہ کریں اور داغ پڑنے دیں تو پھر ایسا وقت بھی آتا ہے کہ مذکورہ لباس اپنی شناخت تک کھو بیٹھتا ہے کہ آیا وہ سفید تھا یا کسی اور رنگ کا۔ کچھ ایسی ہی کیفیت بندۂ مومن کی ہے، اس کا دل بھی مثل آئینہ کے روشن وشفاف ہوتا ہے۔ جونہی اس سے کوئی خطا ہو جائے۔ کسی کے ساتھ زبان درازی یا دست درازی کر بیٹھے تو اس کے آئینہ دل پر داغ پڑ جاتا ہے جس کا اسے فوراً احساس ہوتا ہے اور اس کا ضمیر اسے جھنجوڑتا ہے۔ وہ اپنے رب کی طرف رجوع کرتا اور اس بھائی اور بہن سے جس کے ساتھ زیادتی کی ہے انتہائی نرمی اور خاکساری سے معذرت خواہ ہوتا ہے اور پھر رب کے حضور بھی توبہ اور ندامت کے آنسو بہہ نکلتے ہیں تو رحمت الٰہی سے وہ نکھر کر صاف ستھرا ہو جاتا ہے، ارشاد ہوتا ہے:

وَمَنْ يَّعْمَلْ سُوْٓءًا اَوْ يَظْلِمْ نَفْسَهٗ ثُمَّ يَسْتَغْفِرِ اللّٰهَ يَجِدِ اللّٰهَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا

(النساء:۱۱۰) ''اور جو شخص کسی گناہ کا مرتکب ہو یا اپنے آپ پر ظلم کرے پھر اللہ تعالیٰ سے بخشش طلب کرے تو وہ اللہ تعالیٰ کو بخشنے والا اور رحم کرنے والا پائے گا۔''

اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سچے دل سے توبہ کرنے والے کو یہ خوشخبری بھی سنائی ہے۔ 'اَلتَّائِبُ مِنْ ذَنْبِهٖ كَمَنْ لَا ذَنْبَ لَهٗ ''گناہوں سے توبہ کرنے والا ایسا ہے گویا کہ کبھی اس نے گناہ کیا ہی نہ ہو۔''

یہ ان لوگوں کی حالت ہے جو گناہوں کو جمع ہونے کا موقع ہی نہیں دیتے ہیں بلکہ اپنے رب تعالیٰ سے معافی مانگتے رہتے ہیں، اس طرح ان کی خطائیں جھڑتی رہتی ہیں، اس کے برعکس وہ لوگ جو گناہ پر گناہ کئے جاتے ہیں اور نہ تو اپنے کئے پر انہیں کوئی ندامت اور شرمساری ہوتی ہے اور نہ ہی توبہ وانابت کی طرف ان کا قدم بڑھتا ہے تو ایسے لوگوں کے دل گناہوں کے بوجھ تلے دب جاتے ہیں اور اس کے ساتھ ساتھ ان کا فہم وشعور اور عقل وفکر بھی رخصت ہو جاتی ہے اور قرآن حکیم کے مطابق ان کے دلوں پر ان کے اعمال ہی کا زنگ پھیل جاتا ہے، جب اس زنگ کی تہہ بڑھتی ہے تو انسان میں کھرے اور کھوٹے کی تمیز رخصت ہو جاتی ہے اور سچ اور جھوٹ کا فرق جاتا رہتا ہے، وہ ظاہری بصارت رکھنے کے باوجود بصیرت سے تہی دامن ہو جاتا ہے، وہ برائی کرتا ہے مگر اسے اس کا کوئی رنج اور ملال نہیں ہوتا بلکہ مزید دیدہ دلیری سے برائیوں میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ شرم وحیا اس سے رخصت ہو جاتی ہے اور یہ محرومی بہت بڑے نقصان کا پتہ دیتی ہے، اسے قرآن کی اصطلاح میں دل کا اندھا پن کہتے ہیں۔

ارشاد ہوتا ہے:

فَاِنَّهَا لَا تَعْمَى الْاَبْصَارُ وَلٰكِنْ تَعْمَى الْقُلُوْبُ الَّتِىْ فِى الصُّدُوْرِ (الحج:۴۶)

''بات یہ ہے کہ آنکھیں اندھی نہیں ہوتیں بلکہ دل جو سینوں میں ہیں وہ اندھے ہوتے ہیں۔''

افراد اور اقوام گناہوں کے سبب نہ صرف عقل وبصیرت سے محروم ہو جاتے ہیں بلکہ فقر وفاقہ بھی انہیں گھیرتا ہے، حدیث میں آتا ہے:

اِنَّ الرَّجُلَ يُحْرَمُ الرِّزْقَ بِالذَّنْبِ يُصِيْبُهٗ ''آدمی اپنے گناہوں کے سبب رزق سے محروم ہو جاتا ہے۔'' (المسند بحوالہ الجواب الکافی ابن قیم) فقر وفاقہ کے ساتھ کم ہمتی اور بزدلی بھی در آتی ہے اور دشمن للچائی نظروں کے ساتھ ان کی طرف بڑھنے لگتا ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا

Marfat.com

ارشاد گرامی ہے:

يُوشِكُ اَنْ تَدَاعَى عَلَيْكُمُ الْاُمَمُ مِنْ كُلِّ كَمَا تَدَاعَى الاَكَلَةُ عَلٰى قَصْعَتِهَا، قُلْنَا: يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَمِنْ قِلَّةٍ بِنَا يَوْمَئِذٍ؟ قَالَ اَنْتُمْ يَوْمَئِذٍ كَثِيْرٌ وَ لٰكِنَّكُمْ غُثَاءٌ كَغُثَاءِ السَّيْلِ، تَنْزِعُ الْمَهَابَةَ مِنْ قُلُوْبِ عَدُوِّكُمْ وَتَجْعَلُ فِي قُلُوْبِكُمُ الْوَهْنَ، قَالُوا، وَمَا الْوَهْنُ؟ قَالَ "حُبُّ الْحَيَاةِ وَ كَرَاهَةُ الْمَوْتِ. (المسند بحوالہ الجواب الکافی ابن قیم)

''ڈر ہے کہ دنیا کی قومیں تم پر ہر طرف سے ٹوٹ پڑیں گی جس طرح کہ بھوکے کھانے کے تھال پر ٹوٹ پڑتے ہیں، صحابہ کرامؓ نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسولؐ! کیا اس وقت ہماری تعداد کم ہوگی؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نہیں بلکہ اس وقت تمہاری کثرت ہوگی مگر تمہاری حالت سیلاب کے خس وخاشاک جیسی ہوگی، تمہارے دشمنوں کے دلوں سے تمہارا رعب اٹھ جائے گا اور تمہارے دلوں میں بزدلی پیدا ہو جائے گی۔ صحابہ کرامؓ نے عرض کیا کہ بزدلی کیا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ زندگی سے محبت اور موت کا ڈر۔''

آج امت مسلمہ کی حالت زار انتہائی قابل رحم ہے۔ اس کا فہم وشعور رخصت ہو چکا ہے، اس وقت افراد اور اقوام سب معصیت کا شکار ہیں، اس وقت دنیا میں کتنی اسلامی ریاستیں ہیں اور کہاں کہاں شریعت اسلامیہ کا نفاذ ہے؟ دشمنوں کی یلغار سے روزانہ ہمارا ناقابل تلافی نقصان ہو رہا ہے، اندرون ملک ہمارا اخلاقی گراف کس قدر پست ہو رہا ہے؟ اس نقصان اور خسارے کے باوجود ہمارے دل اس قدر سخت ہو چکے ہیں کہ اس کے حضور توبہ وانابت کے ساتھ نہیں جھکتے اور نہ ہی قرآن وسنت کی طرف رجوع کرتے ہیں۔

قرآن اعلان کرتا ہے:

اَلَمْ يَاْنِ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْ تَخْشَعَ قُلُوْبُهُمْ لِذِكْرِ اللّٰهِ وَ مَا نَزَلَ مِنَ الْحَقِّ لا وَ لَا يَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلُ فَطَالَ عَلَيْهِمُ الْاَمَدُ فَقَسَتْ قُلُوْبُهُمْ ط وَكَثِيْرٌ مِّنْهُمْ فٰسِقُوْنَ (الحدید:۱۶) ''جو لوگ ایمان لائے ہیں کیا ان کے لئے وقت نہیں آیا کہ اللہ کے ذکر سے اور جو حق نازل ہوا ہے اس سے ان کے دل پسیج جائیں اور ان لوگوں کی طرح نہ ہو جائیں جنہیں اس سے پہلے کتاب دی گئی تھی پھر ان پر ایک طویل مدت گزر گئی تو ان کے دل سخت ہو گئے اور (آج) ان میں سے اکثر فاسق ہیں۔''

Marfat.com

آج امت مسلمہ کی حالت بالعموم اور پاکستانیوں کی حالت بالخصوص قابل رحم ہے، گزشتہ چھپن برس ہم نے کیسے گزار دیے ہیں؟ قوموں کی تعمیر و ترقی میں ہر منٹ اور ہر لمحہ بڑا قیمتی اور اہم ہوتا ہے مگر ہمارے یہاں وقت کی کوئی قدر و قیمت نہیں ہے۔ ہمارے ساتھ جن ملکوں نے آزادی حاصل کی وہ کہاں سے کہاں پہنچ گئے ہیں؟ اور ہم کہاں کھڑے ہیں، ہماری غفلت سے ملک کا آدھا حصہ ہم سے کٹ گیا ہے اور بقیہ ڈانواں ڈول ہے ہم لسانی اور علاقائی تعصّبات کے عفریت میں گھرے ہوئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی بے مثال شریعت سے ہم نے منہ موڑ رکھا ہے۔ ہماری مثال اس بیوقوف انسان کی ہے کہ جس کے گھر میں مال و دولت کے انبار ہیں مگر وہ لوگوں کے سامنے دست سوال دراز کیے رہتا ہے، دین اسلام ہمارے دین اور دنیا دونوں کو سنوارتا ہے، اور ہماری عظمت رفتہ کا راز صرف اس کے زریں اصولوں کی پیروی میں ہے۔

مسلمان، اتفاق، جہاد اور کامیابی

نعمان بن بشیرؓ کہتے ہیں کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے کہ "مومن آپس کے لطف و کرم، رحمت و شفقت اور احسان و مروت میں اس جسم کی مانند ہیں کہ اس کے اگر ایک حصے میں تکلیف ہو تو پورا جسم بیداری اور بے قراری کے سبب بخار میں مبتلا ہو جاتا ہے۔"

[ریاض الصالحین باب تعظیم حرمات المسلمین]

مسلمانوں کے باہمی اتحاد کی یہ نہایت عمدہ، خوب صورت اور عام فہم مثال لسان نبوت سے بیان ہوئی ہے۔ غور کیجئے، کہ آنکھ میں چھوٹا سا ذرہ پڑ جائے تو جسم کو کسی کروٹ چین نصیب نہیں ہوتا، ذرہ نکلتے ہی سارا جسم سکون و راحت سے آسودہ ہو جاتا ہے، کان میں درد کی شکایت ہو تو کسی پہلو یکسوئی اور اطمینان نہیں ہوتا بلکہ تکلیف کی زیادتی سے بخار بھی آ جاتا ہے مگر جونہی تکلیف رفع ہوئی جسم آرام پا جاتا ہے۔

اسلام یہ چاہتا ہے کہ ایسا ہی حال مسلمانوں کا آپس میں ہونا چاہئے، ایک مسلمان کو کوئی پریشانی اور تکلیف ہو تو اس بستی اور علاقہ کے تمام مسلمان اس کے دکھ درد کو محسوس کریں اور جب تک ان کا بھائی اس پریشانی اور تکلیف سے چھٹکارا حاصل نہ کر لے، انہیں بھی کسی طرح کا سکون اور اطمینان میسر نہ آئے اور وہ اپنے بھائی کو اس پریشانی سے نجات دلانے کے لئے جان و مال کی ہر قوت کو استعمال میں لائیں، ایسے ہی دنیا کے کسی ملک میں بسنے والے مسلمان، ظالموں کے ظلم و ستم کا نشانہ بن رہے ہیں تو دنیا میں جہاں کہیں مسلمان آباد ہیں، ایمان کا لازمی تقاضا ہے کہ ان کے سینوں میں ان کے دکھ درد کی ٹیسیں اٹھیں اور جب تک وہ اپنے مظلوم بھائیوں کو ظالموں کے پنجۂ استبداد سے چھڑا نہ لیں ان کا اپنا جینا مشکل ہو جائے، رب کریم کا حکم ہوتا ہے کہ تم ان لوگوں کی مدد کو پوری طرح لیس ہو کر پہنچو،

Marfat.com

وَمَا لَكُمْ لَا تُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَ الْمُسْتَضْعَفِيْنَ مِنَ الرِّجَالِ وَ النِّسَآءِ وَالْوِلْدَانِ الَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اَخْرِجْنَا مِنْ هٰذِهِ الْقَرْيَةِ الظَّالِمِ اَهْلُهَا ج وَاجْعَلْ لَّنَا مِنْ لَّدُنْكَ وَلِيًّا ج لا وَّاجْعَلْ لَّنَا مِنْ لَّدُنْكَ نَصِيْرًا (النساء:۷۵) ''(مسلمانو!) تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ تم اللہ کی راہ میں جہاد نہیں کرتے جب کہ کئی کمزور اور ضعیف مرد، عورتیں اور بچے ایسے ہیں جو یہ فریاد کرتے ہیں کہ اے ہمارے رب! ہمیں اس بستی سے نکال جس کے باشندے ظالم ہیں اور اپنی جناب سے ہمارے لئے کوئی حامی مقرر کر دے اور اپنی جناب سے ہی کوئی مددگار پیدا فرما دے۔''

حکم ہوتا ہے کہ جب تمہارے بھائی بند ظلم وستم کا نشانہ بن رہے ہوں تو ان کی مدد کے لئے ہر حال میں نکلو خواہ تم پر آسانی اور راحت کا وقت ہو یا تنگی ترشی کا زمانہ ہو، مظلومین کی مدد بہر حال تمہارا فرض اولین ہے۔

اِنْفِرُوْا خِفَافًا وَّثِقَالًا وَّجَاهِدُوْا بِاَمْوَالِكُمْ وَ اَنْفُسِكُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ط ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ (التوبہ:۴۱) ''ہلکے بھی نکلو اور بوجھل بھی (بآسانی یا بدقت) اور اپنے اموال اور جانوں سے اللہ کی راہ میں جہاد کرو، یہی بات تمہارے حق میں بہتر ہے، کاش (اس بات) کو تم جانتے ہوتے۔''

اس آیہ مبارکہ پر غور وفکر کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ مظلوموں کی مدد کو پہنچنا اور فساد مٹانا زندگی کا ارفع واعلیٰ مقصد ہے اور اگر افراد اور قومیں اس سے پہلو تہی کریں اس خیال سے کہ جہاد میں جانے سے ان کے اموال واولاد یا عزیز واقارب ان سے چھوٹ جائیں گے یا ہو سکتا ہے کہ وہ خود بھی زندگی ایسی قیمتی متاع سے ہاتھ دھو بیٹھیں، تو ارشاد ہوتا ہے:

قُلْ اِنْ كَانَ اٰبَآؤُكُمْ وَاَبْنَآؤُكُمْ وَ اِخْوَانُكُمْ وَاَزْوَاجُكُمْ وَعَشِيْرَتُكُمْ وَاَمْوَالُ نِ اقْتَرَفْتُمُوْهَا وَتِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا وَمَسٰكِنُ تَرْضَوْنَهَآ اَحَبَّ اِلَيْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَجِهَادٍ فِيْ سَبِيْلِهٖ فَتَرَبَّصُوْا حَتّٰى يَاْتِيَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ ط وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ (التوبہ:۲۴) ''[اے نبیؐ! مسلمانوں سے فرما دیجئے] کہ اگر تمہیں اپنے باپ، اپنے بیٹے، اپنے بھائی، اپنی بیویاں، اپنے کنبے والے اور اموال جو تم نے کمائے ہیں اور تجارت جس کے مندا پڑنے سے تم ڈرتے ہو اور تمہارے مکان جو تمہیں پسند ہیں، اللہ اس کے رسول اور اس کی راہ میں جہاد کرنے سے زیادہ محبوب ہیں تو انتظار کرو، یہاں تک اللہ اپنا حکم لے آئے اور اللہ نافرمان

Marfat.com

لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا۔“

اس آیہ مبارکہ میں اس بات کی زبردست تنبیہ ہے کہ ہر چیز کی قربانی دے کر بھی جہاد کرو تا کہ اللہ کی زمین ظلم وفساد سے پاک ہو جائے اور یہی دردناک عذاب سے بچنے کا سودمند سودا ہے، ارشاد ہوتا ہے:

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا هَلْ اَدُلُّكُمْ عَلٰى تِجَارَةٍ تُنْجِیْكُمْ مِّنْ عَذَابٍ اَلِیْمٍ (۱۰) تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَتُجَاهِدُوْنَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ بِاَمْوَالِكُمْ وَاَنْفُسِكُمْ ؕ ذٰلِكُمْ خَیْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ (۱۱) (الصّف) ”اے ایمان والو! کیا میں تمہیں ایسی تجارت بتلاؤں جو تمہیں المناک عذاب سے بچالے، تم اللہ پر اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ اور اللہ کی راہ میں اپنے اموال اور جانوں سے جہاد کرو، یہی تمہارے لئے بہتر ہے، اگر تم جان لو۔“

پھر اس وقت جہاد فرض عین ہو جاتا ہے جب مسلمانوں پر ظلم وستم ڈھایا جارہا ہو، اس لئے ان کی مدد کو پہنچنا تکمیل ایمان کی نشانی ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے۔

لَا یُؤْمِنُ اَحَدُكُمْ حَتّٰى یُحِبَّ لِاَخِیْهِ مَا یُحِبُّ لِنَفْسِهٖ (ریاض الصالحین باب النصیحہ) ”تم میں سے اس وقت تک کوئی مومن نہیں ہوسکتا جب تک کہ وہ اپنے بھائی کے لئے وہی چیز پسند نہ کرے جو وہ اپنے لئے پسند کرتا ہے۔“

ظاہر ہے کہ جب ہمیں کوئی دکھ یا پریشانی لاحق ہو تو ہماری یہ خواہش اور آرزو ہوتی ہے کہ دوسرے لوگ ہمارے دکھ اور پریشانی میں شریک ہو کر ہمارے ہمدرد اور خیر خواہ بنیں تو لازماً ہمیں بھی دوسروں کے بارے میں یہی سوچ اور فکر رکھنی چاہیے، ہمارے اسلاف نے اسی اتحاد سے مشرق اور مغرب میں نیکی اور راستی کے جھنڈے گاڑے تھے۔ وہ اپنے دکھی اور مظلوم بھائیوں کی مدد کے لئے سمندر کا سینہ چیرتے ہوئے بھی ان کے پاس پہنچے تھے، محمد بن قاسمؒ اور صلاح الدین ایوبیؒ کے کارنامے ہماری تاریخ کے انمٹ نقوش ہیں، شاہ اسماعیل شہیدؒ اور سید احمد شہیدؒ کی بہادری اور جوانمردی نے لازوال تاریخ رقم کی ہے، وہ جذبہ جہاد سے سرشار تھے، وہ تعداد میں کم ہونے کے باوجود ایک زبردست قوت تھے، وہ سیل رواں تھے جن کے آگے کوئی چیز نہ ٹھہرتی تھی۔

اب تک یاد ہے قوموں کو حکایت ان کی
نقش ہے صفحہ ہستی پہ صداقت ان کی

Marfat.com

حسد و بغض، دشمنیاں اور ناانصافیاں تو جہالت اور کفر کی باتیں تھیں۔ اسلام آیا تو اپنے ساتھ رحمت و برکت کا پیغام لایا اور مسلمانوں میں الفت و محبت، اتفاق و اتحاد کی فضا قائم ہوگئی، رب کریم اپنے بندوں پر اس احسان عظیم کا اس طرح ذکر فرماتا ہے:

وَاذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ كُنْتُمْ اَعْدَآءً فَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِكُمْ فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهٖٓ اِخْوَانًا (آل عمران:۱۰۳) ''(اے مسلمانو!) تم اپنے اوپر اللہ کے احسان کو یاد کرو کہ تم دشمن تھے، تو اللہ نے تمہارے دلوں کو جوڑ دیا۔ پھر تم اس کی رحمت سے بھائی بھائی بن گئے۔''

اس کا مشاہدہ انصار و مہاجرین کے درمیان مہر و محبت اور احسان و مروت سے کیا گیا، مہاجرین اپنا گھر بار، ساز و سامان چھوڑ کر خالی ہاتھ مدینہ منورہ آئے تھے مگر انصار نے ان غمزدہ بھائیوں کا پرتپاک خیر مقدم کیا اور انہیں وطن کی جدائی کا کسی طرح بھی احساس نہ ہونے دیا، اور تھوڑے ہی عرصہ میں وہ اس معاشرے میں گھل مل گئے اور حقیقت یہ ہے کہ کسی ماحول میں الفت و محبت کی فضا کا قائم ہونا اللہ تعالیٰ کا اتنا بڑا انعام ہے جو سیم و زر کے ڈھیر لٹانے سے بھی نہیں مل سکتا ہے۔

وَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِهِمْ ط لَوْ اَنْفَقْتَ مَا فِى الْاَرْضِ جَمِيْعًا مَّآ اَلَّفْتَ بَيْنَ قُلُوْبِهِمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ اَلَّفَ بَيْنَهُمْ ط اِنَّهٗ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ (انفال:۶۳) ''اور اللہ نے مسلمانوں کے دل ملا دیے، اگر آپ زمین میں جو کچھ ہے سب خرچ کر دیتے، تب بھی آپ ان کے دلوں کو ملا نہ سکتے، لیکن اللہ نے انہیں آپس میں ملا دیا، بے شک وہ (ہر مشکل پر) غالب آنے والا اور مصلحت جاننے والا ہے۔''

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری کے بعد مدینہ منورہ اس نیلگون آسمان کے نیچے اور اس دھرتی پر وہ پہلی اسلامی ریاست تھی جس کے باسی آپس میں شیر و شکر، ایک دوسرے کے دست و بازو، معاون اور مددگار تھے، وہ تعداد میں تھوڑے مگر اتفاق و اتحاد کی قوت سے دشمن کے مقابلے میں سیسہ پلائی دیوار تھے۔ قرآن اس کا ذکر کرتا ہے:

مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ ط وَالَّذِيْنَ مَعَهٗٓ اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ (الفتح:۲۹) ''محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں اور جو لوگ آپؐ کے ساتھ ہیں وہ کفار پر سخت (مگر) آپس میں رحم دل ہیں۔''

وجہ یہ ہے کہ ان کی صفوں میں کہیں رخنہ اور انتشار نہیں ہے اور وہ دشمن کے مقابلے میں جان

Marfat.com

کی بازی لگا دیتے ہیں۔

اَنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ الَّذِیْنَ یُقَاتِلُوْنَ فِیْ سَبِیْلِہٖ صَفًّا کَاَنَّھُمْ بُنْیَانٌ مَّرْصُوْصٌ

(الصف:۴) ”اللہ یقیناً ان لوگوں کو پسند کرتا ہے جو اس کی راہ میں صف بستہ ہو کر لڑتے ہیں جیسے کہ وہ ایک سیسہ پلائی ہوئی دیوار ہیں۔“

ٹل نہ سکتے تھے، اگر جنگ میں اڑ جاتے تھے
پاؤں شیروں کے بھی میداں سے اکھڑ جاتے تھے
تجھ سے سرکش ہوا کوئی، تو بگڑ جاتے تھے
تیغ کیا چیز ہے؟ ہم توپ سے لڑ جاتے تھے

پھر دنیا نے دیکھا کہ ایمان کے متوالے، جن کی پیشانیاں نور اسلام سے جگمگاتی تھیں، اسلام کا پیغام لے کر کس کس خطہ زمین پر پہنچے اور جہاں گئے امن وسلامتی کے جھنڈے گاڑے اور چند ہی سالوں میں وہ دنیا کی برتر قوت بن گئے، سچ ہے ؎

افراد کے ہاتھوں میں ہے اقوام کی تقدیر
ہر فرد ہے ملت کے مقدر کا ستارا

جو رشتہ دینی اور جذبۂ اخوت اسلام نے مسلمانوں کے درمیان قائم کیا تھا اور جس کی وجہ سے انہیں دنیا میں کامیابیاں حاصل ہوئی تھیں، افسوس کہ دور حاضر کے مسلمانوں نے محض ضد اور ہٹ دھرمی، مال ودولت کے نخوت وغرور سے، اسے یکسر فراموش کر دیا ہے جس سے نہ صرف ان کی عزت وشوکت کو دھچکا لگا ہے بلکہ ان کی قوت وطاقت بھی کمزور پڑ چکی ہے، اس سے بڑھ کر ان میں خوف اور بزدلی بھی پیدا ہو چکی ہے، کبھی روم وفارس ایسی (جو کہ اپنے وقت کی زبردست حکومتیں تھیں) ان سے لرزاں وترساں تھیں جیسا کہ آج وہ امریکہ وبرطانیہ سے خائف وپریشان ہیں اور آزادی حاصل ہونے کے باوجود ہم بدتر ذہنی غلامی میں ہیں۔

دیں ہاتھ سے دے کر اگر آزاد ہو ملت
ہے ایسی تجارت میں مسلماں کا خسارا

قرآن حکیم نے صدیوں پہلے یہ بات واشگاف الفاظ میں بتلادی تھی:

ولا تنازعوا فتفشلوا وتذھب ریحکم. (الانفال:۔۴۲) ”اور (دیکھو) آپس میں

Marfat.com

جھگڑا نہ کرنا (ایسا کرو گے تو) تم بزدل ہو جاؤ گے اور تمہارا اقبال جاتا رہا ہے۔''

آج نہ صرف مسلمان ریاستوں میں بلکہ اطراف عالم میں ظلم وفساد کی چنگاریاں سلگ رہی ہیں اور ہر طرف سرکش ظالموں کی حکمرانی ہے، اللہ تعالیٰ کا وعدہ تو نیک لوگوں سے یہ ہے:

اِنَّ الْاَرْضَ یَرِثُهَا عِبَادِیَ الصّٰلِحُوْنَ (الانبیا:۱۰۵)

''بلاشبہ میرے نیکوکار بندے اس زمین کے وارث ہوں گے۔''

مگر کیا کیجئے نیکی کے دعویدار آپس میں ناراض اور بکھرے ہوئے ہیں، اسی لئے ان میں نظام حق کو برپا کرنے کی قوت پیدا نہیں ہو رہی ہے جب کہ ہمارے اسلاف نے اتفاق ومحبت سے کلمۂ حق کو غالب کیا تھا

تم ہو آپس میں غضبناک، وہ آپس میں رحیم
تم خطا کار و خطا بیں، وہ خطا پوش و کریم
چاہتے سب ہیں کہ ہوں اوج ثریا پہ مقیم
پہلے ویسا کوئی پیدا تو کرے قلب سلیم

آج ہنود و یہود، اکٹھے ہو کر مسلمانوں کو دبانے اور کچلنے کے درپے ہیں۔ امریکہ کے شہر نیویارک اور واشنگٹن میں جو المیہ ہوا اس پر انتہائی رنج اور افسوس ہے مگر اس کے پس پردہ فتنہ پرداز کون لوگ ہیں؟ ہوسکتا ہے کہ اس تباہی میں امریکہ کا اپنا ہی رچایا ہوا ڈرامہ ہو یا اسرائیل اس سازش میں ملوث ہو کیونکہ یہودیوں کی سازشیں عہد رسالت سے ہی مسلمانوں کے خلاف رہی ہے مگر امریکہ اور مغربی دنیا کا تمام تر وبال افغانستان کی حکومت طالبان اور وہاں مقیم عرب نژاد مجاہد ''اسامہ بن لادن'' پر گرایا گیا۔

اگر اسامہ بن لادن اور اس کے رفقاء بغیر تحقیق کے دشت گرد قرار دیے گئے ہیں تو امریکہ اور اس کے رفقا نے کھلم کھلا مسلمانوں کے خلاف دہشت گردوں کی پشت پناہی کی ہے، فلپائن، انڈونیشیا، اریٹریا اور کشمیر سے لے کر چیچنیا، بوسنیا، کسووا، سوڈان، الجزائر اور فلسطین تک کون ساخطہ ہے جہاں امریکہ اور اس کے ہمنوا ظلم اور ظالموں کی پشت پناہی نہ کرتے رہے ہوں۔ روزانہ کتنے مرد، خواتین، بچے اور بوڑھے فلسطین اور کشمیر میں جام شہادت نوش کرتے ہیں؟ اسرائیل کی دہشت گردی پر کون واویلا کرتا ہے؟ ہندوؤں کے ظلم وستم پر کون نوحہ خواں ہوتا ہے؟

Marfat.com

خاکسار کیلئے یہ بات سب سے تشویش ناک اور افسوس ناک بات یہ ہے کہ اسلامی ملکوں میں رہبران خاموش بیٹھے ہیں، ان کی رگ حمیت کیوں نہیں پھڑکتی؟ جذبہ اخوت جوش کیوں نہیں مارتا؟ غیرت ایمانی حرکت میں کیوں نہیں آتی؟ ہمارے پاس کس چیز کی کمی ہے؟ عرب ریاستیں سونا اگلتی ہیں، وہ پوری دنیا کو خرید سکتی ہیں! کیا عالم اسلام کے رہبران ایک جگہ جمع ہو کر فیصلہ کن بات نہیں کر سکتے؟

دنیا کو ہے پھر معرکۂ روح و بدن پیش
تہذیب نے پھر اپنے درندوں کو ابھارا
اللہ کو پامردی مومن پہ بھروسا
ابلیس کو یورپ کی مشینوں کا سہارا

Marfat.com

Marfat.com

دعا مومن کا ہتھیار ہے!

آج امت مسلمہ پر ہر طرف سے نکبت وادبار کی گھٹائیں چھارہی ہیں اس وقت یہود وہنود بلکہ تمام غیر مسلم اقوام جمع ہو کر مسلمانوں کے خلاف صف آرا ہو چکی ہیں، مگر افسوس کہ مسلمان حکومتیں آپس میں کٹی پھٹی ہیں خاص طور پر مسلم ریاستوں کے اکثر حکمران ضمیر فروش ہیں اور اپنے ملک وملت سے بے وفائی کا ثبوت دے رہے ہیں۔

11 ستمبر 2000ء کو امریکہ میں دہشت گردی سے جو جانی ومالی نقصان ہوا اس پر ہر حساس اور ذی شعور انسان نوحہ خواں ہوا، مسلمان کے نزدیک کسی کو بلا جواز نقصان پہنچانا جرم عظیم ہے، چاہئے تو یہ تھا کہ اس واقعہ کی عالمی سطح پر تحقیق کی جاتی اور مجرمین کو سخت سے سخت سزا دی جاتی مگر امریکی حکومت کا تمام تر نزلہ افغانستان میں مقیم سعودی نژاد مجاہد اسامہ بن لادن پر گرا اور اسے جواز بنا کر اس نے سات اکتوبر کی شب کو افغانستان پر ہوائی حملے شروع کردیے۔ زیادہ تر نزار، بے بس اور نہتے شہریوں کو نشانہ بنایا گیا ہے، اوران پر وزنی راکٹ اور بم برسائے گئے ہیں جس سے بہت سا جانی اور مالی نقصان ہو چکا ہے یہ بھی دہشت گردی کی بدترین مثال ہے۔ ادھر فلسطین اور کشمیر میں روزانہ درجنوں مسلمان جام شہادت نوش کر رہے ہیں، اور اس سے پہلے چیچنیا اور کوسووا میں مسلمانوں پر جو ظلم وستم ڈھایا گیا وہ تاریخ کا المناک باب ہے۔ اور اس دہشت گردی پر مغربی ممالک نے احتجاج نہیں کیا۔ مسلمانوں پر ہر طرف سے دشمنوں کی یلغار ہے۔ اس وقت ضرورت ہے کہ مسلمان آپس میں متحد ہو جائیں، قرآن حکیم کی تعلیمات اور اسوہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حرز جاں بنائیں، اپنی غلطیوں اور کوتاہیوں پر نادم وشرمسار ہو کر توبہ واستغفار کریں اور اس کے ساتھ ساتھ رب کریم کے حضور گریہ وزاری کرتے ہوئے اس کی مدد اور قوت کا سہارا لیں، وہ ذات جس کی طاقت اور قوت سب پر حاوی ہے۔ حقیقت میں وہی برتر قوت ہے، اس کا وعدہ ہے۔

Marfat.com

ان ینصرکم اللہ فلا غالب لکم، وان یخذلکم فمن ذا الذی ینصرکم من بعدہ وعلی اللہ فلیتوکل المومنون. (آلِ عمران:۱۶۰) ''اگر اللہ تمہاری مدد کرے تو تم پر کوئی غالب نہیں آسکتا اور اگر وہ تمہیں چھوڑ دے تو پھر کون ہے اس کے بعد جو تمہاری مدد کر سکے، لہٰذا مومنوں کو اللہ ہی پر بھروسہ کرنا چاہیئے۔''

کامیابی کے لئے ایمان ہی وہ شاہ کلید ہے جو ہر رنج اور دکھ کا مداوا ہے، اور ایمان کا لازمی تقاضا ہے کہ دشمن کے مقابلے میں مسلمان چاق و چوبند رہتا ہے اور کسی غفلت اور سستی کا شکار نہیں ہوتا، کامیابی اسی کا مقدر ٹھہرتی ہے۔

وَلَا تَهِنُوا وَلَا تَحْزَنُوا وَ اَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ (آلِ عمران:۱۳۹)
''(مسلمانو!) نہ تم سستی دکھانا اور نہ ہی غمزدہ ہونا اگر فی الواقع تم مومن ہو تو تم ہی غالب رہو گے۔''

یہ غفلت اور جمود کب زائل ہوتا ہے جب مسلمانوں میں صبر و ثبات، ہمدردی، غمخواری کے جذبات بیدار ہوتے ہیں اور وہ سب مل کر اپنے مقاصد کو حاصل کرتے ہیں۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اصْبِرُوْا وَصَابِرُوْا وَرَابِطُوْا قف وَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ (آلِ عمران:۲۰۰) ''اے ایمان والو! صبر کرو اور (زندگی کی جدوجہد میں محض جسمانی طور پر نہیں بلکہ قلب کو بھی مضبوط رکھو اور ہر حال میں) ثابت قدم رہو اور آپس (میں مل جل کر رہو ربط باہمی کے ساتھ دل و جان سے حصول مقاصد کے لئے) مستعد رہو اور (پھر ایمان، استقامت، دنیاوی تعلقات، باہمی ہمدردی اور اخوت کے ساتھ اس تعلق اور ربط کو جو خالق ارض و سما سے ہے، نہ بھولو) اور ہر حال میں اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو (کہ دنیا و آخرت میں کامیابی کا راز اس میں مضمر ہے)۔''

ایسے ہی متقین اور صالحین کو اللہ تعالیٰ کی مدد پہنچتی ہے وہ تعداد میں خواہ تھوڑے ہی کیوں نہ ہوں دشمن پر حاوی ہو جاتے ہیں۔

كَمْ مِّنْ فِئَةٍ قَلِيْلَةٍ غَلَبَتْ فِئَةً كَثِيْرَةً ۢ بِاِذْنِ اللّٰهِ ط وَاللّٰهُ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ (البقرہ:۲۴۹) ''کئی بار تھوڑی جماعت اللہ کے حکم سے بڑی جماعت پر غالب رہی اور اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔''

اس وقت مجموعی طور پر مسلمانوں کے پاس جنگی ساز و سامان کی قلت ہے اور دشمن پوری

Marfat.com

طرح مسلح ہے ہم اس بے سروسامانی کی حالت میں رب قدیر سے مدد طلب کریں۔آیئے اس کے حضور اٹھتے بیٹھتے، چلتے پھرتے، سوتے جاگتے اور سجدوں میں گریہ وزاری کریں، اس لئے کہ دعا ہی مومن کا ہتھیار ہے جس سے وہ اپنے دشمن پر فتح پاتا ہے۔(الحدیث) چند دعائیں پیش خدمت ہیں:

رَبَّنَآ اَفْرِغْ عَلَيْنَا صَبْرًا وَّ ثَبِّتْ اَقْدَامَنَا وَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ (لبقرہ:۲۵۰) ''اے ہمارے رب! ہم پر صبر کا فیضان کر اور ہمیں ثابت قدم رکھ اور کفار کے مقابلہ میں ہماری مدد فرما۔''

رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَآ اِنْ نَّسِيْنَآ اَوْ اَخْطَاْنَا ج رَبَّنَا وَلَا تَحْمِلْ عَلَيْنَآ اِصْرًا كَمَا حَمَلْتَهٗ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِنَا ج رَبَّنَا وَلَا تُحَمِّلْنَا مَا لَا طَاقَةَ لَنَا بِهٖ ج وَاعْفُ عَنَّا وقفہ وَ اغْفِرْ لَنَا وقفہ وَارْحَمْنَا وقفہ اَنْتَ مَوْلٰنَا فَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ (البقرہ:۲۸۶) ''اے ہمارے رب! اگر ہم سے بھول چوک ہو جائے تو اس پر ہماری گرفت نہ فرما، اے ہمارے رب! ہم پر اتنا بھاری بوجھ نہ ڈال جتنا تو نے ہم سے پہلے لوگوں پر ڈالا تھا، اے ہمارے رب! جس بوجھ کو اٹھانے کی ہم میں طاقت نہیں وہ ہم پر نہ ڈال، ہم سے درگزر فرما ہمیں بخش دے اور ہم پر رحم فرما، تو ہی ہمارا مددگار ہے تو کفار کے مقابلے میں ہماری مدد فرما۔''

رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا وَاِسْرَافَنَا فِيْٓ اَمْرِنَا وَثَبِّتْ اَقْدَامَنَا وَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ (آل عمران:۱۴۷) ''اے ہمارے رب! ہمارے گناہ معاف فرما اور ہمارے کام میں جو زیادتی ہوگئی ہو اسے بھی معاف فرما، ہمیں ثابت قدم رکھ اور کفار کے مقابلہ میں ہماری مدد فرما۔''

رَبَّنَا افْتَحْ بَيْنَنَا وَبَيْنَ قَوْمِنَا بِالْحَقِّ وَاَنْتَ خَيْرُ الْفٰتِحِيْنَ (الاعراف:۸۹) ''اے ہمارے رب! ہمارے اور ہماری قوم کے درمیان انصاف سے فیصلہ فرما اور تو بہترین فیصلہ فرمانے والا ہے۔''

رَبَّنَا لَا تَجْعَلْنَا فِتْنَةً لِّلْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ (۸۵) وَ نَجِّنَا بِرَحْمَتِكَ مِنَ الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ (۸۶) [یونس] ''اے ہمارے رب! ہمیں ان ظالموں کا تختہ مشق نہ بنا اور اپنی رحمت سے ہمیں ان کفار سے بچا لے۔''

رَّبِّ اَعُوْذُ بِكَ مِنْ هَمَزٰتِ الشَّيٰطِيْنِ (۹۷) وَاَعُوْذُ بِكَ رَبِّ اَنْ يَّحْضُرُوْنِ (۹۸) [مومنون] ''اے میرے رب! پناہ مانگتا ہوں، میں تیری، شیطانوں کی اکساہٹوں سے اور

Marfat.com

اے میرے رب! پناہ مانگتا ہوں میں تیری، اس سے کہ شیطان میرے پاس آئیں۔"

لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحٰنَكَ ۖ اِنِّیْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِیْنَ (الانبیا:۸۷) "اے اللہ! تیرے سوا میرا کوئی معبود نہیں، تو پاک ہے، میں ہی قصور وار ہوں۔"

غموں اور دکھوں پر اس آیہ مبارکہ کا ورد کرنا اکسیر ہے کیونکہ یونس علیہ السلام نے اس کا ورد مچھلی کے پیٹ میں کیا، تو اللہ تعالیٰ نے انہیں نجات دی اس کے بعد رب کریم نے فرمایا:

فَاسْتَجَبْنَا لَهٗ ۙ وَنَجَّیْنٰهُ مِنَ الْغَمِّ ؕ وَ كَذٰلِكَ نُـْۨجِی الْمُؤْمِنِیْنَ (الانبیا:۸۸) "تب ہم نے ان کی دعا کو قبول کیا اور انہیں اس غم سے نجات دی اور ہم اسی طرح مومنین کو نجات دیا کرتے ہیں۔"

یہاں پر بھی مومنین کو نجات کا مژدہ سنایا گیا ہے ظاہر ہے کہ مومن وہ شخص ہو سکتا ہے جو شریعت پر پوری طرح عمل پیرا ہوا۔

رَّبِّ اغْفِرْ وَارْحَمْ وَاَنْتَ خَیْرُ الرّٰحِمِیْنَ (مومنون:۱۱۸) "اے میرے رب! مجھے بخش دے اور رحم فرما اور تو ہی سب سے بڑھ کر رحم کرنے والا ہے۔"

حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِیْلُ (آل عمران:۱۷۳) "ہمیں تو اللہ ہی کافی ہے اور وہ بہت اچھا کارساز ہے۔"

اس آیہ مبارکہ کا کثرت سے ورد کیا جائے، آپ سائیکل، سکوٹر، بس، ویگن اور پیدل جا رہے ہوں تو زبان پر یہ ہلکا پھلکا جملہ جاری وساری رہے۔

وَمَكَرُوْا وَ مَكَرَ اللّٰهُ ؕ وَاللّٰهُ خَیْرُ الْمٰكِرِیْنَ (آل عمران:۵۴) "اور وہ (کفار) خفیہ تدبیر کرنے لگے، اللہ نے تدبیر انہی پر لوٹا دی اور اللہ بہترین تدبیر کرنے والا ہے۔"

فرائض نمازوں اور نوافل میں نیز اٹھتے بیٹھے سورۃ الفیل، سورۃ النصر، سورۃ القدر، سورۃ الکوثر، سورۃ الکفرون، سورۃ الاخلاص، سورۃ الفلق اور سورۃ الناس پڑھتے رہیے، اور ان کے معنوں پر اچھی طرح غور کیجیے۔

جب مسلمانوں پر کہیں مظالم ہو رہے ہوں یا دشمنان اسلام کا خوف ہو تو وتروں میں، یا صبح کی نماز میں یا سب نمازوں میں جیسے حالات ہوں، رکوع کے بعد یہ دعائے قنوت پڑھنی چاہیے، بہتر ہے کہ امام بلند آواز میں پڑھے اور مقتدی آمین کہتے جائیں۔

Marfat.com

اللھم اغفرلنا وللمومنین والمومنات والمسلمین والمسلمات والف بین قلوبھم واصلح ذات بینھم وانصرھم علی عدوک وعدوھم اللھم العن الکفرۃ الذین یصدون عن سبیلک ویکذبون رسلک ویقاتلون اولیاء ک، اللھم خالف بین کلمتھم وزلزل اقدامھم وانزل بھم باسک الذی لا تردہ عن القوم المجرمین. (پیارے رسول کی پیاری دعائیں)

''اے اللہ! بخشش فرما ہماری اور سب مومنوں کی، مسلمان مردوں کی اور مسلمان عورتوں کی، اور ان کے دلوں کے درمیان الفت ومحبت ڈال دے اور ان کی اصلاح فرمادے، اور ان کی مدد فرما اپنے اور ان کے دشمنوں پر۔ اے اللہ! لعنت کر کافروں پر جو روکتے ہیں آپ کے راستے سے اور جھٹلاتے ہیں آپ کے رسولوں کو اور لڑائی کرتے ہیں آپ کے دوستوں سے، یا اللہ! ان کے درمیان اختلاف ڈال دے اور ان کے قدموں کو ڈگمگا دے، اور ان پر ایسا عذاب نازل فرما جو تو مجرموں کی قوم سے نہیں پھیرتا۔''

نماز سے فارغ ہو کر کثرت سے استغفار کے کلمات پڑھیں جائیں جو مصائب ومشکلات سے نکلنے کا بہترین ذریعہ ہیں اور دشمن کے مکروفریب سے بچنے کے لئے یہ دعا بھی بہت زیادہ مانگی جائے۔

اَللّٰھُمَّ اِنَّا نَجۡعَلُکَ فِی نُحُورِھِمۡ وَنَعُوذُبِکَ مِنۡ شُرُوۡرِھِمۡ. (ابوداؤد) ''اے اللہ ہم تجھ کو ان دشمنوں کے مقابلہ میں پیش کرتے ہیں اور ان کی برائی سے پناہ چاہتے ہیں۔''

بے چینی اور اضطراب میں اس دعا کا پڑھنا بہت زیادہ مفید ہے۔

یَاحَیُّ یَاقَیُّوۡمُ بِرَحۡمَتِکَ اَسۡتَغِیۡثُ (ترمذی) ''اے زندہ جاوید ہستی! اے کائنات کے مدبر ومنتظم! میں تیری رحمت کے وسیلہ سے فریاد کرتا ہوں۔''

حقیقت یہ ہے کہ اگر ہمارے اندر خلوص اور للّٰہیت پیدا ہو جائے اور ہم اس کے وفادار بندے بن جائیں تو یقیناً اس کی طرف سے مدد آئے گی اور کامیابی ہمارا مقدر بن ٹھہرے گی۔ وما النصر الا من عند اللہ.

Marfat.com

حقوق کی پاسبانی کا ذمہ دار کون؟

ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ''آپس میں ایک دوسرے پر حسد نہ کرو، ایک دوسرے سے جھگڑا نہ کرو، ایک دوسرے سے کینہ نہ رکھو اور نہ ایک دوسرے سے منہ پھیرو (حقارت اور نفرت سے) اور سب مل کر اللہ کے بندے بھائی بھائی بن جاؤ۔'' [مسلم شریف]

کوئی جھگڑا اور فساد دو آدمیوں کے درمیان ہو یا دو قوموں کے درمیان اس کا محرک آپس میں حسد و بغض، اپنی شوکت و عظمت کا لوہا منوانا، دوسروں کو نیچا دکھانا، ایک دوسرے کے حقوق تلف اور غصب کرنا ہوتا ہے۔ اس سے فریقین کے درمیان رنجش اور نفرت کے جذبات ابھرتے ہیں اور جب ان میں تیزی آتی ہے تو پھر ہاتھا پائی اور دنگہ فساد کی آگ بھڑک اٹھتی ہے لڑائی کے ان شعلوں میں افراد اور قومیں عقل و فکر اور دانش و بینش سے عاری ہو جاتی ہیں، انہیں نہ تو انجام کی فکر رہتی ہے اور نہ اپنے نقصانات ہی کی پروا۔ جب یہ جنگ قوموں اور ملکوں کے درمیان چھڑتی ہے تو بیشمار قیمتی جانیں ضائع ہو جاتی ہیں، ان گنت انسان زخمی اور ناکارہ ہو جاتے ہیں اور ان کے علاج معالجے کے لئے ہسپتالوں میں جگہ بھی ناکافی رہتی ہے اور بعض اوقات دشمن کی اندھا دھند بمباری سے ہسپتال بھی مسمار ہو جاتے ہیں جو زیر علاج مریضوں کو بھی ابدی نیند سلا دیتے ہیں۔ عورتیں بیوہ اور بچے یتیم ہو جاتے ہیں، بھائی بہنوں کو داغ مفارقت دے جاتے ہیں، اور بہنیں بھائیوں کو صدمات میں چھوڑ جاتی ہیں۔ دور حاضر میں تو انسانوں نے اپنی ہلاکت و بربادی کے لئے ایسے ایسے مہلک ہتھیار تیار کر لئے ہیں کہ جن سے ہنستی کھیلتی بارونق آبادیاں گھنٹوں اور منٹوں میں ویرانوں میں تبدیل ہو جاتی ہیں۔ یہ نتیجہ ہے اس بات کا کہ انسان بحیثیت مجموعی اپنے خالق و مالک سے بیگانہ اور اپنے مقام و مرتبہ کو فراموش کر چکا ہے۔ اور مسلمان تو اس دنیا میں

Marfat.com

سلامتی کا سفیر اور نقیب ہے وہ بھی اپنی مسلمانی کو خیر باد کہہ چکا ہے پھر مجموعی طور پر سب کی حالت ایسی ہے کہ جس کا نقشہ قرآن نے یوں کھینچا ہے۔

لَهُمْ قُلُوبٌ لَّا يَفْقَهُونَ بِهَا ز وَلَهُمْ اَعْيُنٌ لَّا يُبْصِرُوْنَ بِهَا ز وَلَهُمْ اٰذَانٌ لَّا يَسْمَعُوْنَ بِهَا ط اُولٰٓئِكَ كَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ ط اُولٰٓئِكَ هُمُ الْغٰفِلُوْنَ (الاعراف:۱۷۹) ''ان کے پاس عقل ہے مگر اس سے سمجھ بوجھ کا کام نہیں لیتے، (ظاہری) بصارت ہے مگر بصیرت سے محروم ہیں، کان ہیں مگر (بات) سننے سے تہی دامن ہیں، یہ لوگ (ظاہری طور پر انسان ہونے کے باوجود) چوپایوں کی طرح ہیں بلکہ یہ ان سے بھی زیادہ گمراہ ہیں۔''

حافظ صلاح الدین یوسف اس پر لکھتے ہیں:

''دل، آنکھ، کان یہ چیزیں اللہ نے اس لئے دی ہیں کہ انسان ان سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اپنے پروردگار کو سمجھے، اس کی آیات کا مشاہدہ کرے اور حق بات کو غور سے سنے، لیکن جو شخص ان مشاعر سے کام نہیں لیتا، وہ گویا ان سے فائدہ نہ اٹھانے میں چوپایوں کی طرح بلکہ ان سے بھی زیادہ گمراہ ہے اس لئے کہ چوپائے تو پھر بھی اپنے نفع ونقصان کا کچھ شعور رکھتے ہیں اور نفع والی چیزوں سے نفع اٹھاتے ہیں اور نقصان والی چیزوں سے بچ کر رہتے ہیں لیکن اللہ تعالیٰ کی ہدایت سے اعراض کرنے والے شخص کے اندر تو یہ تمیز کرنے کی صلاحیت ہی ختم ہو جاتی ہے کہ اس کے لئے مفید چیز کون سی ہے اور مضر کون سی؟ ایسے افراد غافل (کج فہم) کہلاتے ہیں۔'' [تفسیر احسن البیان]

اسلام مسلمانوں کو نہ صرف زیور علم سے آراستہ کرتا ہے بلکہ ان کی تہذیب نفس بھی کرتا ہے، مسرت وشادمانی کی کیفیت ہو یا غیظ وغضب کی حالت، وہ بندۂ مومن کو اللہ تعالیٰ کی رضا کا طالب بناتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ میرے رب نے مجھے حکم دیا ہے کہ:

خَشْيَةَ اللّٰهِ فِي السِّرِّ وَ الْعَلَانِيَةِ وَ كَلِمَةَ الْعَدْلِ فِي الْغَضَبِ و الرِّضٰى

''کہ میں ظاہر اور چھپے ہوئے (ہر حال میں) اللہ تعالیٰ سے ڈرتا رہوں اور غصہ کی حالت میں ہوں یا خوشی کی کیفیت میں عدل وانصاف کی ہی بات کہوں۔''

یہی نہیں بلکہ اسلام کی نظر میں حقیقی معنوں میں دلیر اور بہادر اسے مانا گیا ہے جو غم وغصہ کی

Marfat.com

حالت میں بھی نفس کا محکوم نہیں بلکہ اس پر حاکم بن جائے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں:

لَيْسَ الشَّدِيْدُ بِالصُّرْعَةِ، إِنَّمَا الشَّدِيْدُ الَّذِیْ يَمْلِکُ نَفْسَهُ عِنْدَ الْغَضَبِ [ریاض الصالحین۔ باب الصبر] ''بہادر وہ نہیں ہے جو کسی کو پچھاڑ دے بلکہ حقیقی بہادر وہ ہے جو غصہ کے وقت اپنے نفس کو قابو میں رکھے۔''

اس پر بھی بڑھ کر خوبی کی بات یہ ہے کہ اشتعال اور غصہ کے وقت نہ صرف صبر وتحمل کا مظاہرہ کرنے بلکہ دوسروں کو معاف کر دینے کی تربیت کی گئی ہے۔''

وَالَّذِيْنَ يَجْتَنِبُوْنَ كَبٰٓئِرَ الْاِثْمِ وَالْفَوَاحِشَ وَ اِذَا مَا غَضِبُوْا هُمْ يَغْفِرُوْنَ (الشوریٰ: ۳۷)

''[ابرار وصالحین وہ ہیں] جو کبیرہ گناہوں اور بے حیائیوں سے بچتے رہتے ہیں اور جب انہیں غصہ آتا ہے تو معاف کر دیتے ہیں۔''

آتش غیظ وغضب ہی بالآخر افراد اور اقوام کے درمیان جنگ کا باعث بنتی ہے اور اسلام اس پر کنٹرول کرنا سکھاتا ہے اس کے علاوہ کسی کے جاہ وجلال اور مال ومنال کو دیکھ کر حسد ورقابت کے جذبات کا ابھرنا اور اس بنا پر اس کے خلاف نفرت وعداوت کے شدید جذبات کا پیدا ہونا بھی اسلام کی نظر میں پسندیدہ بات نہیں ہے، اس نے بتایا ہے کہ جو تمہیں اللہ تعالیٰ نے دے رکھا ہے اسی پر قانع وشاکر رہو، اس سے تمہیں دلی سکون واطمینان نصیب ہوگا۔

وَلَا تَتَمَنَّوْا مَا فَضَّلَ اللّٰهُ بِهٖ بَعْضَكُمْ عَلٰى بَعْضٍ (النساء: ۳۲) ''اور (دیکھو) اللہ نے تم میں سے بعض کو بعض کے مقابلے میں جو کچھ دے رکھا ہے اس کی تمنا نہ کرو (کہ کاش ہمیں یہ ملا ہوتا)۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے:

اُنْظُرُوا اِلَى مَنْ هُوَ اَسْفَلُ مِنْكُمْ وَلَا تَنْظُرُوْا اِلَى مَنْ هُوَ فَوقَكُم، فَهُوَ اَجْدَرُ اَنْ لَا تَزْدَرَ نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ. (متفق علیہ۔ ریاض الصالحین باب فضل الزھد)

''اپنے سے کم درجہ والوں کو دیکھو، بڑے درجہ والوں کو نہ دیکھو، اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ تم اللہ کی نعمت کو حقیر نہ سمجھوگے۔''

گلستان سعدی میں کچھ ایسا واقعہ درج ہے کہ شیخ سعدیؒ سیر وسفر میں تھے کہ جوتا ٹوٹ گیا اور وہ برہنہ پا ہوگئے، آزردہ خاطر ہوئے اور شکوہ شکایت کی کیفیت پیدا ہوئی، چند قدم پر کیا دیکھتے ہیں کہ

Marfat.com

ایک شخص پاؤں سے محروم ہے اور وہ چلنے پھرنے سے بھی عاجز ہے۔ شیخ صاحب اللہ تعالیٰ کے حضور سجدہ شکر بجالائے اور دل کو سمجھایا کہ اگر جوتا نہیں تو کیا ہوا! چلنے پھرنے کے لئے پاؤں تو سلامت ہیں۔

یہ بات یقین اور وثوق سے کہی جا سکتی ہے کہ اگر حسد ورقابت اور غم وغصہ ایسے سفلی جذبات کو قابو میں رکھا جائے تو انسانوں کے درمیان ایک دوسرے پر زیادتیاں اور آپس کی حق تلفیاں ختم ہو جائیں اور یہ دنیا امن کا گہوارہ بن جائے۔

افسوس کہ مسلمان جو امن اور سلامتی کا سفیر تھے، خود انتشار اور افتراق کا شکار ہو چکے ہیں، مسلمان کی تعریف حدیث کے الفاظ میں اس طرح آئی ہے۔

اَلْمُسْلِمُ مَنْ سَلِمَ الْمُسْلِمُونَ مِنْ لِسَانِهِ وَيَدِهِ. (ترمذی)

''مسلمان وہ ہے جس کی زبان درازیوں اور دست درازیوں سے دوسرے مسلمان محفوظ رہیں۔''

اس حدیث میں صرف زبان اور ہاتھ سے ایذا رسانی کا ذکر اس لئے فرمایا گیا ہے کہ بیشتر ایذاؤں کا تعلق ان ہی دو اعضا سے ہوتا ہے اکثر زبان درازی سے دست درازی کی طرف قدم بڑھتا ہے، حقیقت میں مسلمان کی شان یہ ہے کہ لوگوں کو اس سے کسی قسم کی تکلیف نہ پہنچے۔ اپنے اور غیر دونوں اس میں شامل ہیں، مندرجہ بالا حدیث میں مسلمانوں کی سلامتی کا ذکر ہے، ایک اور روایت کے الفاظ اس طرح آئے ہیں۔

اَلْمُسْلِمُ مَنْ سَلِمَ النَّاسُ مِنْ لِسَانِهِ وَيَدِهِ.

''یعنی مسلمان وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھ سے تمام انسان محفوظ رہیں۔''

کھرے اور سچے مومن کی تعریف اس طرح آئی ہے۔

اَلْمُؤْمِنُ مَنْ اَمِنَهُ النَّاسُ عَلٰى دِمَائِهِمْ وَاَمْوَالِهِمْ. (ترمذی، نسائی) ''مومن وہ ہے جس کی طرف سے اپنی جانوں اور مالوں کے بارے میں لوگوں کو کوئی خوف وخطرہ نہ ہو۔''

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری سے قبل اس کرہ ارض پر فتنہ وفساد پھیلا ہوا تھا اور امن وسلامتی کا کہیں نام ونشان نہ تھا۔

قرآن اس کا ذکر اس طرح کرتا ہے:

ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ بِمَا كَسَبَتْ اَيْدِي النَّاسِ (الروم:۴۱)

Marfat.com

''لوگوں کے کمائے ہوئے اعمال کے باعث بحر و بر میں فساد رونما ہوا۔''

اس جہاں کے لئے اسلام ابر رحمت بن کر برسا اور زندگی نے نئی کروٹ لی، اس کی خوشخبری اس طرح دی گئی۔

وَاذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ كُنْتُمْ اَعْدَآءً فَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِكُمْ فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهٖٓ اِخْوَانًا (آل عمران:۱۰۳)

''اور یاد کرو اللہ کی نعمت کو جو اس نے تم پر کی جب تم (ایک دوسرے کے) دشمن تھے پھر اللہ نے تمہارے دلوں میں الفت ڈال دی پھر تم اس (رحمٰن، رحیم) کی مہربانی سے بھائی بن گئے۔''

مسلمانوں کا وجود دنیا میں سلامتی کا نشان تھا وہ جہاں کہیں بھی گئے رحمت اور سلامتی کا پیغام لے کر گئے، انہیں قرآن کی پاکیزہ تعلیمات کا گہرا شعور اور سیرت طیبہ کا پختہ ادراک تھا اور ان کی اپنی زندگیاں اسی سانچے پر ڈھلی ہوئی تھیں۔

دم تقریر تھی مسلم کی صداقت بیباک
عدل اس کا تھا قوی، لوث مراعات سے پاک
شجر فطرتِ مسلم تھا حیا سے نمناک
تھا شجاعت میں وہ اک ہستی فوق الادراک

وہ اگر ظلم اور کفر کے خلاف سیسہ پلائی دیوار تھے تو آپس کی الفت و محبت میں بے مثال بھی تھے، قرآن اس کی شہادت تھا:

مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ ؕ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗٓ اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ (الفتح:۲۹) ''محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں اور جو لوگ آپ کے ساتھ ہیں وہ کفار پر سخت مگر آپس میں رحم دل ہیں۔''

افسوس کہ ہم نے اسلام کی صاف ستھری تعلیمات کو فراموش کر دیا، دنیا اور اس میں مال و دولت کی حرص نے ہمیں راہ حق سے دور جا پھینکا ہے، ہم شیاطین کی نت نئی چالوں میں گرفتار ہو کر صراط مستقیم سے بھٹک گئے ہیں، دنیا میں کبھی ہمارا وجود غیروں کو امن اور سکون عطا کرتا تھا اب اپنوں کے لئے تکلیف اور اذیت کا باعث ہے، ہماری آپس کی نااتفاقیوں نے ہمیں قعر مذلت میں

Marfat.com

دھکیل دیا ہے، ہماری غیرتِ ایمانی کہاں رخصت ہوگئی، ہماری حیا نے ہمارا ساتھ کیوں چھوڑ دیا ہے؟ ہمیں اپنے اسلاف سے کیونکر نسبت ہوسکتی ہے

تم آپس میں غضبناک، وہ آپس میں رحیم
تم خطاکار و خطابیں، وہ خطاپوش و کریم
چاہتے سب ہیں کہ ہوں اوجِ ثریا پہ مقیم
پہلے ویسا کوئی پیدا تو کرے قلبِ سلیم

Marfat.com

زندگی کے دو رُخ

ذرا اس شہر کے رہنے والوں کو دیکھئے جنہوں نے اپنی رہائش کے لئے سنگ وخشت سے شاندار اور سر بفلک محلات کھڑے کر دیے ہیں، مگر حال ان کا یہ ہے کہ نخوت وغرور کا شکار ہیں اور حرص وطمع ان کا مقصد حیات ہے، ظلم وستم کرنا ان کی عادت ہے اور مکر وفریب ان کی طینت ہے، ایمان واخلاق سے خالی تو شرم وحیا سے تہی دامن ہیں، ایسے لوگوں کی زندگی حیوانات سے بدتر ہے۔ ان پر اللہ تعالیٰ کا غضب نازل ہوتا ہے اور بالآخر تباہی وبربادی ان کا مقدر ٹھہرتا ہے، قرآن اس طرح ان کا نقشہ کھینچتا ہے۔

اَلَمْ تَرَ كَيْفَ فَعَلَ رَبُّكَ بِعَادٍ (٦) اِرَمَ ذَاتِ الْعِمَادِ (٧) الَّتِيْ لَمْ يُخْلَقْ مِثْلُهَا فِي الْبِلَادِ (٨) وَثَمُوْدَ الَّذِيْنَ جَابُوا الصَّخْرَ بِالْوَادِ (٩) وَ فِرْعَوْنَ ذِي الْاَوْتَادِ (١٠) الَّذِيْنَ طَغَوْا فِي الْبِلَادِ (١١) فَاَكْثَرُوْا فِيْهَا الْفَسَادَ (١٢) فَصَبَّ عَلَيْهِمْ رَبُّكَ سَوْطَ عَذَابٍ (١٣) [الفجر]

"(اے پیغمبر) کیا آپ نے نہیں دیکھا کہ آپ کے رب نے کیا برتاؤ کیا اونچے ستونوں والی (قوم) عاد ارم کے ساتھ جس کے مانند (کوئی قوم دنیا کے) ملکوں میں پیدا نہیں کی گئی تھی؟ اور ثمود کے ساتھ جنہوں نے وادی میں چٹانیں (محلات تعمیر کرنے کے لئے) تراشی تھیں اور میخوں والے (زبردست قوت والے) فرعون کے ساتھ؟ یہ وہ لوگ تھے جنہوں نے دنیا کے ملکوں میں بڑی سرکشی کی تھی اور ان میں بہت فساد پھیلا رکھا تھا، آخر کار تمہارے رب نے (ان سب پر) عذاب کا کوڑا برسایا (اور انہیں صفحہ ہستی سے نیست ونابود کر دیا)۔"

ان آیات سے واضح ہوتا ہے کہ دنیا میں فساد اور سرکشی پھیلانے والے اپنے تمام تر شان وشکوہ اور کروفر کے باوجود اپنے انجام بد کو جلد یا بدیر پہنچ کر رہتے ہیں۔

اس کے برعکس ایسی بستی کے مکینوں کو بھی دیکھئے جنہوں نے گو اپنے رہنے سہنے کیلئے کچے مکانات بنائے ہیں مگر ان کی زندگیاں ایمان واخلاق سے آراستہ ہیں، وہ رب کائنات کے مطیع و فرمانبردار بندے ہیں اور اس کی مخلوق کے ساتھ شفیق اور مہربان ہیں، عجز وخاکساری کا نمونہ اور عدل وانصاف کا پیکر ہیں، دراصل یہی وہ لوگ ہیں جن کی زندگیوں پر فرشتوں کو بھی رشک آتا ہے اور رحمٰن ورحیم کے لازوال انعامات سے نوازے جاتے ہیں، یہ ہیں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے پیارے ساتھی رضی اللہ عنھم اور بعد میں آنے والے وہ نفوس قدسیہ جو ان کے نقش قدم پر چلے، جن کے بارے میں قرآن گواہی دیتا ہے۔

وَالسّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهٰجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ وَالَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ رَّضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ وَاَعَدَّ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ تَحْتَهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ (التوبہ:۱۰۰)

''اور وہ مہاجرین وانصار جنہوں نے (آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ) اسلام قبول کرنے میں سبقت کی اور وہ لوگ بھی جنہوں نے نیک کرداری میں ان کی پیروی کی، اللہ ان سے راضی ہوا اور وہ اللہ سے راضی ہوئے اور اللہ نے ان کیلئے ایسے باغ تیار کر رکھے ہیں جن کے نیچے نہریں رواں دواں ہیں اور یہی بڑی کامیابی ہے۔''

یہی وہ پاکباز تھے جنہوں نے دکھی انسانیت کے زخموں پر امن وسکون کا مرہم رکھا اور دنیا میں ظلم وفساد کو مٹایا، کفر اور باطل سے ٹکرا گئے اور حق کا بول بالا کیا۔

خدا اور نبیؐ کے وفادار بندے
یتیموں کے، بیواؤں کے غم خوار بندے
رہ کفر و باطل سے بیزار سارے
نشے میں مے حق کے سرشار سارے

قرآن حکیم ان کی تیامیٰ اور مساکین پروری کا تذکرہ یوں کرتا ہے۔

وَيُطْعِمُوْنَ الطَّعَامَ عَلٰى حُبِّهٖ مِسْكِيْنًا وَّيَتِيْمًا وَّاَسِيْرًا (۸) اِنَّمَا نُطْعِمُكُمْ لِوَجْهِ اللّٰهِ لَا نُرِيْدُ مِنْكُمْ جَزَآءً وَّلَا شُكُوْرًا (۹) [الدھر]

''وہ اللہ کی رضا کے لئے مسکین، یتیم اور قیدی کو کھانا کھلاتے ہیں (اور انہیں خلوص دل سے

Marfat.com

کہتے ہیں) ہم تمہیں صرف اللہ کی رضا کے لئے کھلاتے ہیں، تم سے نہ کوئی بدلہ چاہئے اور نہ شکریہ وہ دنیا میں ظالم اور باطل قوتوں سے نبرد آزما رہے اور انسانوں کو ان کے پنجہ استبداد سے نجات دلائی۔

صفحۂ دہر سے باطل کو مٹایا ہم نے
نوع انساں کو غلامی سے چھڑایا ہم نے

ان کی تمام دوڑ دھوپ اور تگ و دو ذاتی نفع و نقصان کے لئے نہ تھی بلکہ یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے تھا اور صرف اسی کی ذات پر بھروسہ تھا۔

ہر مسلماں رگِ باطل کے لئے نشتر تھا
اس کے آئینۂ ہستی میں عملِ جوہر تھا
جو بھروسا تھا اسے قوتِ بازو پر تھا
ہے تمہیں موت کا ڈر، اس کو خدا کا ڈر تھا

اگر انہیں حکومت کی باگ ڈور سنبھالنے کا موقع ملا تو حاکم بن کر نہیں بلکہ خادم بن کر یہ وقت محتاط طریقے سے گزارا، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ، خلیفہ بنے تو ایک بھولی بھالی لڑکی نے کہا:

''اب آپ خلیفہ ہو گئے، اب ہماری بکریوں کا دودھ کون دوہے گا؟ حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا ''خدا کی قسم! میں اب بھی بکریاں دوہوں گا۔ خلافت مجھ کو خدمت خلق سے باز نہ رکھ سکے گی۔''
(صدیق اکبرؓ۔سعید احمد اکبر آبادی)

حضرت عمرؓ نے عاملوں (گورنروں) کو تاکید کر رکھی تھی کہ بیماروں کی عیادت کرنا، مرنے والوں کے جنازے میں شریک ہونا اور ہر وقت اپنا دروازہ کھلا رکھنا کہ جس وقت کسی کو کوئی کام ہو آکر مل سکے، ایک دفعہ ایک گورنر کو لکھا کہ عام مسلمانوں سے پوشاک وخوراک اور سواری میں امتیاز حیرت انگیز بات ہے، یہ چوپائے کا کام ہے کہ جہاں اس نے شاداب وادی میں قدم رکھا، پھر اس کو سوائے پیٹ بھرنے کے کوئی فکر نہیں رہتی اور بالآخر یہی پیٹ اس کی موت کا سبب ہے۔ (اسلام کا نظام امن......دارالمصنفین۔دہلی)

اس تعلیم وتربیت کے اثرات تھے کہ حضرت ابوعبیدہؓ جو کہ حضرت عمرؓ کے دورِ خلافت میں گورنر تھے، انتہائی سادگی سے زندگی گزارتے تھے، ایک دفعہ حضرت عمرؓ ان کے گھر تشریف لے

Marfat.com

گئے دیکھا تو سارا مکان خالی پڑا تھا، لے دے کر کل سرمایہ یہ تھا، ایک تلوار اور ایک ڈھال، حضرت عمرؓ نے یہ حال دیکھ کر فرمایا "کچھ سامان بنوا لیا ہوتا، ابو عبیدہؓ نے جواب دیا "یہی سامان ہمیں خوابگاہ (قبر) تک پہنچانے میں کافی ہے۔

ہر عامل (گورنر) سے عہد لیا جاتا تھا کہ ترکی گھوڑے پر سوار نہ ہوگا، باریک کپڑے نہ پہنے گا، چھنا ہوا آٹا نہ کھائے گا، دروازے پر دربان نہ رکھے گا، اہل حاجت کے لئے دروازہ ہمیشہ کے لئے کھلا رکھے گا، یہ شرطیں اکثر پروانہ تقرری میں درج کی جاتی تھیں، اور ان کو مجمع عام میں پڑھ کر سنایا جاتا تھا نیز جس وقت کوئی عامل مقرر ہوتا تھا، اس کے پاس جس قدر مال اور اسباب ہوتا تھا۔ اس کی مفصل فہرست تیار کرا کر محفوظ رکھی جاتی تھی اور اگر عامل کی مالی حالت میں غیر معمولی ترقی ہوتی تو اس سے مواخذہ کیا جاتا تھا۔

تمام عمال کو حکم تھا کہ ہر سال حج کے زمانے میں حاضر ہوں، حج کی تقریب میں تمام اطراف کے لوگ موجود ہوتے تھے، حضرت عمرؓ کھڑے ہو کر باعلان کہتے تھے کہ جس کسی کو کسی عامل سے کچھ شکایت ہو پیش کرے، چنانچہ ذرا ذرا سی شکایتیں پیش ہوتی تھیں اور تحقیقات ہو کر اس کا تدارک کیا جاتا تھا (الفاروق۔۔شبلی نعمانی)

عدل وانصاف کا یہ عالم تھا کہ ذمیوں (غیر مسلموں) کے جان ومال اور عزت وآبرو پوری طرح محفوظ تھیں اور انہیں مذہبی امور سرانجام دینے کی مکمل آزادی تھی، ان کے بے بس اور بے سہارا لوگوں کی بیت المال سے خدمت بھی کی جاتی تھی تاکہ وہ عزت وآبرو سے زندگی گزار سکیں۔ (حوالہ۔ایضاً)

ہمارے اسلاف نے زندگی کا پاکیزہ رخ اختیار کیا، کیا حکام اور کیا محکوم دونوں میں اللہ تعالیٰ کا خوف، اس کی بندگی کا شوق اور اس کے بندوں کی خدمت کا جذبہ موجزن تھا۔ اس لئے انہیں دنیا میں ہی "رضی اللہ عنهم ورضوا عنه" کا مژدہ جانفزا سنا دیا گیا۔

مگر دنیا کی محبت ہم پر ایسے غالب آئی کہ تمام اسلامی اقدار کو فراموش کر دیا۔ اب ہمارا حال کیا ہے۔

عظمت رفتہ کو حاصل کرنے کا صرف اور صرف ایک ہی راستہ ہے کہ ہم قرآن حکیم اور سیرت طیبہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حرز جاں بنالیں۔

زبان کی لغزشیں

ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''ہر صبح انسان کے تمام اعضا زبان کے آگے عجز و نیاز مندی سے کہتے ہیں، ہمارے بارے میں اللہ سے ڈرو، (اے زبان) اگر تو سیدھی رہے تو ہم بھی سیدھے رہیں گے، اگر تو ٹیڑھی رہے تو ہم بھی ٹیڑھے رہیں گے۔''

زبان کہنے کو تو منہ کے دو جبڑوں کے درمیان گوشت کا ایک چھوٹا سا لوتھڑا ہے مگر مافی الضمیر ادا کرنے کیلئے انسان کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے بہت بڑا انعام ہے، اسی کے ذریعہ انسان حیوان سے قوت گویائی میں ممتاز ہوتا ہے۔

اَلرَّحْمٰنُ (۱) عَلَّمَ الْقُرْآنَ (۲) خَلَقَ الْاِنْسَانَ (۳) عَلَّمَهُ الْبَيَانَ (۴) [الرحمٰن]

''(وہ اللہ) نہایت مہربان ہے (جس نے) قرآن سکھلایا، انسان کو پیدا کیا پھر اسے (زبان سے) اظہار مطلب سکھایا''۔

رب کریم کی ربوبیت اور رحمت کی کرشمہ سازیاں ہیں کہ جس نے ہمیں قرآن ایسی عظیم کتاب سے نوازا، انسان کو اشرف المخلوقات بنایا اور زبان کے ذریعہ بولنے کی قوت عطا کی۔

زبان دل کی ترجمان ہوتی ہے، دل میں جو خیالات اور جذبات ہوتے ہیں اس کا اظہار زبان سے ہوتا ہے، کسی کے لئے دل میں مٹھاس اور محبت ہو تو منہ سے پھول جھڑتے ہیں اور بسا اوقات دشمن بھی دوست بن جاتا ہے اور جب کسی کے لئے عداوت اور دشمنی ہو تو زبان تلخ اور کڑوی ہو جاتی ہے اور اس تیزی و تندی سے بسا اوقات دوست بھی دشمن بن جاتے ہیں، کیا خوب کسی نے کہا ہے ۔

زبان شیریں ملک گیری زبان ٹیڑھی ملک بانکا

ایک صحابی عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ ان کی نجات کیسے ممکن ہے۔ ارشاد ہوا:

اَمْسِکْ عَلَیْکَ لِسَانَکَ وَیَسَعْکَ بَیْتُکَ، وَابْکِ عَلٰی خَطِیْئَتِکَ (رواہ ترمذی، ریاض الصالحین باب تحریم الغیبۃ) ''اپنی زبان کو روکو، اور گھر تمہارے لئے کافی ہو اور اپنی خطاؤں پر رویا کرو۔''

اور ''گھر تمہارے لئے کافی ہو'' کا مطلب یہی ہے کہ جس قدر لوگوں کی ہمنشینی ہوگی ان کے ساتھ ادھر ادھر کی گفتگو ہوگی اور زبان کی خوامخواہ لغزشیں ہوں گی جو گناہوں میں اضافہ کریں گی اور جن پر گرفت ہوسکتی ہے۔

عربی زبان کا محاورہ ہے: اِنَّ اللِّسَانَ صَغِیْرٌ وَ جُرْمُہٗ کَبِیْرٌ ''یعنی زبان (حجم میں) چھوٹی سی ہے مگر (بے اعتدالی سے) اس کا جرم بہت بڑا ہوسکتا ہے'' روزمرہ مشاہدے کی بات ہے کہ دو افراد کے درمیان کوئی گفتگو شروع ہوئی، اس میں تیزی بڑھی اور زبان درازی سے دست درازی تک نوبت پہنچی پھر بعض اوقات ایک دوسرے کو نقصان پہنچانے میں کوئی کسر روا نہ رکھی گئی، معاشرتی زندگی کے اس نقصان سے بچنے کیلئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمان کی تعریف اس طرح بیان فرمائی۔

اَلْمُسْلِمُ مَنْ سَلِمَ الْمُسْلِمُوْنَ مِنْ لِّسَانِہٖ وَ یَدِہٖ (ترمذی، والنسائی۔ بحوالہ معارف الحدیث جلد اول) مسلم وہ ہے جس کی زبان درازیوں اور دست درازیوں سے مسلمان محفوظ رہیں''۔ جبکہ اچھے مومن کی تعریف یوں آتی ہے۔

وَالْمُؤْمِنُ مَنْ آمَنَہُ النَّاسُ عَلٰی دِمَائِھِمْ وَ اَمْوَالِھِمْ (حوالہ ایضاً) ''اور مومن وہ ہے جس کی طرف سے اپنی جانوں اور مالوں کے بارے میں لوگوں کو کوئی خوف وخطر نہ ہو''۔

کہا جاتا ہے کہ تلوار کا زخم مٹ جاتا ہے مگر زبان کا زخم نہیں مٹتا ہے، یہ حقیقت بھی ہے۔ زبان سے کسی کو گالی گلوچ دینا، طعنہ زنی کرنا، غیبت کرنا، چغلی کھانا، جھوٹ بولنا ایسی برائیاں ہیں جن کے اثرات نہ صرف اس دنیا میں رہتے ہیں بلکہ ایسے مجرمین کو اخروی عذاب سے بھی واسطہ پڑتا ہے۔ غیبت جسے عام طور پر معمولی خیال کیا جاتا ہے، بہت بڑا جرم ہے۔

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم جانتے ہو غیبت

کیا چیز ہے؟ صحابہ کرام نے عرض کیا اللہ اور اس کے رسول جانتے ہیں، آپ نے فرمایا تم اپنے بھائی کے متعلق ایسی بات کہو جو اسے ناپسند ہو۔ کسی نے عرض کیا: اگر میں نے وہی بات کہی جو میرے بھائی میں موجود ہے، آپؐ نے فرمایا: ''یہی غیبت ہے، اگر وہ بات نہیں ہے جو تم کہتے ہو تو یہ بہتان ہوگا۔'' (مسلم۔ ریاض الصالحین باب تحریم الغیبۃ)

قرآن حکیم میں غیبت کرنا ایسی ناپسندیدہ بات ہے گویا کہ اس کا مرتکب کوئی اپنے مردہ بھائی کا گوشت نوچ نوچ کر کھاتا ہے، ظاہر ہے کوئی عقلمند شخص ایسی حرکت کیلئے تیار نہ ہوگا۔

وَلَا يَغْتَبْ بَّعْضُكُمْ بَعْضًا ط اَيُحِبُّ اَحَدُكُمْ اَنْ يَّاْكُلَ لَحْمَ اَخِيْهِ مَيْتًا فَكَرِهْتُمُوْهُ (الحجرات:۱۲) ''نہ ہی تم میں سے کوئی کسی کی غیبت کرے، کیا تم میں سے کوئی پسند کرتا ہے کہ اپنے مردہ بھائی کا گوشت کھائے، تم یقیناً اس کام کو ناپسند کرتے ہو۔''

غیبت کرنے والے کو آخرت کی سزا کچھ ایسی ہی تمثیل سے سمجھائی گئی ہے۔

''حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''جب میں معراج کو گیا تو ایک ایسی قوم پر گزر ہوا جس کے ناخن تانبے کے تھے، وہ ناخن سے منہ اور سینوں کو کھرچتے تھے، میں نے کہا اے جبریلؑ! یہ کون ہیں؟ کیا یہ وہ لوگ ہیں جو لوگوں کا گوشت کھایا کرتے (یعنی غیبت سے ان کی آبروریزی کرتے تھے)۔'' (ابوداؤد۔ ریاض الصالحین حوالہ ایضاً)

یہی زبان کبھی کبھار طعنہ زنی کیلئے استعمال ہو جاتی ہے۔ عربی زبان میں طعن نیزہ مارنے کو کہا جاتا ہے، طعنے کو طعنہ اسی لئے کہا جاتا ہے کہ اسے سن کر دل کو ویسی ہی تکلیف ہوتی ہے جیسی نیزہ لگنے سے جسم کو ہوتی ہے، کیونکہ طعنے میں کسی شخص کو اس کی کسی کمزوری یا محرومی کا احساس دلایا جاتا ہے جس سے اس کی دل شکنی ہوتی ہے اور وہ احساس کمتری میں مبتلا ہو جاتا ہے، مثلاً کسی کوتاہ قامت انسان کو ٹھگنا کہہ کر پکارنا، یا کسی نابینا شخص کو ''اوندھے کہہ کر مخاطب کرنا'' یا کسی کو برے نام سے پکارنا جیسا کہ ذلیل، کمینہ وغیرہ

حضرت عبداللہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مومن نہ طعنے دینے والا ہوتا ہے اور نہ (دوسروں پر) لعنتیں بھیجنے والا، نہ فحش بکنے والا اور نہ ہی زبان درازی کرنے والا (ترمذی۔ حوالہ اسوہ حسنہ، بنت الاسلام)

قرآن حکیم میں ارشاد ہوا:

Marfat.com

وَلَا تَلْمِزُوْٓا اَنْفُسَكُمْ وَلَا تَنَابَزُوْا بِالْاَلْقَابِ ط بِئْسَ الِاسْمُ الْفُسُوْقُ بَعْدَ الْاِيْمَانِ (الحجرات:۱۱) "(مسلمانو!) ایک دوسرے پر طعنہ زنی نہ کرو اور نہ ہی ایک دوسرے کے برے نام رکھو، ایمان کے بعد فسق میں نام پیدا کرنا بہت بری بات ہے۔"

قرآن حکیم نے ایک دوسرے مقام پر طعنہ زنی کرنے والے، عیب جو کے لئے ہلاکت و بربادی کی خبر دی ہے:

وَيْلٌ لِّكُلِّ هُمَزَةٍ لُّمَزَةٍ (الھمزہ:۱) ہر طعنہ زن اور عیب نکالنے والے کے لئے ہلاکت ہے۔

ہمز، ہاتھ یا آنکھوں کے اشاروں یا زبان سے طعن و تشنیع کو کہتے ہیں جبکہ لمز، عیب جوئی یا غیبت کرنے میں استعمال ہوتا ہے۔

زبان کی لغزشوں میں سے "بسیار گوئی" بھی ہے یونہی بے مقصد "ٹر، ٹر" کرتے رہنا اور فائدے سے خالی گفتگو کرنا، اس سے نہ صرف انسان کا وقار مجروح ہوتا ہے اور قیمتی وقت بھی ضائع ہوتا ہے بلکہ اس سے نقصان پہنچنے کا اندیشہ بھی رہتا ہے کیونکہ انسانی اعمال میں اس کی گفتگو کا ریکارڈ بھی محفوظ کیا جاتا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے:

مَا يَلْفِظُ مِنْ قَوْلٍ اِلَّا لَدَيْهِ رَقِيْبٌ عَتِيْدٌ (ق:۱۸) "وہ کوئی بات منہ سے نہیں نکالتا مگر اس کے پاس ایک تیار نگران موجود ہوتا ہے (جو اسے قلمبند کر لیتا ہے)۔"

اسی لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نصیحت فرمائی: مَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ فَلْيَقُلْ خَيْرًا اَوْ لِيَصْمُتْ (ریاض الصالحین۔باب ایضاً) "جو اللہ اور روز آخرت پر ایمان رکھتا ہو اُسے چاہیے کہ بات کہے تو بہتر کہے ورنہ خاموش رہے۔"

ہر بات کو بولنے سے پہلے تولنا اچھے انسان کی خوبی ہے، اس سے سب مشکلات سے چھٹکارا مل جاتا ہے بلکہ آخرت کی ندامت اور پشیمانی سے نجات مل جاتی ہے، اس کے برعکس زبان کو بے سوچے سمجھے یونہی حرکت میں لے آنا اور جو منہ میں آئے اسے اگل دینا دنیاوی مصائب کے علاوہ اخروی عذاب کا سامان بن جاتا ہے، اس حدیث پر غور کیجئے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بندہ کوئی بات کہتا ہے اور اس کو اس کا خیال بھی نہیں ہوتا کہ اس بات کے ذریعہ وہ آگ میں مشرق و

Marfat.com

مغرب کی مسافت سے زیادہ گر جاتا ہے (متفق علیہ۔ ریاض الصالحین، باب تحریم الغیبۃ)

زبان کی لغزشوں میں سے دوسروں کو گالی گلوچ دینا بھی ہے اور یہ مسلمان کی شان کیخلاف ہے کہ کسی سے اختلاف اور جھگڑے کے موقع پر وہ زبان درازی پر اتر آئے، قرآن حکیم کی بلند تعلیمات میں سے یہ بھی ہے کہ کسی سے بحث مباحثہ کرتے وقت بھی خوبصورت انداز اختیار کرنا چاہئے، ارشاد ہوتا ہے۔

وَجَادِلْهُم بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ (النحل:۱۲۵) ''(دعوت حق پیش کرتے وقت) ان سے ایسے طریقے سے مباحثہ کیجئے جو بہترین ہو۔''

سیدنا موسیٰ اور ہارون علیہما السلام کو اپنے دور کے فرعون کو دعوت حق پیش کرنے کا حکم ہوتا اور تاکیداً کہا جاتا ہے کہ فَقُولَا لَهُ قَوْلًا لَّيِّنًا ''دیکھنا کہ تم اس سے سچی بات بھی نرم لب ولہجہ میں کرنا''۔

گالی گلوچ کی قباحتوں کا اس حدیث مبارک سے اندازہ لگایئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے ''یہ بہت بڑا گناہ ہے کہ آدمی اپنے ماں باپ کو گالی دے''، لوگوں نے دریافت کیا: اے اللہ کے رسولؐ! اپنے ماں باپ کو بھی کوئی گالی دے گا؟ آپؐ نے فرمایا: ''ہاں! کوئی شخص کسی کے باپ کو گالی دے گا (تو جواب میں) وہ اس کے باپ کو گالی دے گا، اسی طرح کوئی شخص کسی کی ماں کو گالی دے گا تو (جواب میں) وہ اس کی ماں کو گالی دے گا (اس طرح اس نے اپنے والدین کو گالی دی)'' (بخاری بحوالہ اسلامی تعلیم، مولانا عبدالسلام بستوی)

اور مسلمان کو گالی دینے والا اور جنگ وجدل کرنے والا کس انجام کو پہنچتا ہے؟ لسان نبوتؐ سے سنیئے:

سِبَابُ الْمُسْلِمِ فُسُوقٌ وَقِتَالُهُ كُفْرٌ (بخاری، بحوالہ اسلامی تعلیم) ''مسلمان کو گالی دینا بہت بڑا گناہ ہے اور اس سے جنگ کرنا (اور اسے نعمت زندگی سے محروم کر دینا) کفر ہے۔''

جب میں یہ حدیث مبارکہ لکھ رہا ہوں مجھے گزشتہ روز ''شب برات'' (۱۵ شعبان، ۱۴۲۲ ھجری) قوم کے بچوں کی فضول خرچیاں اور شوخیاں یاد آ رہی ہیں۔ یہ قوم اربوں ڈالر کی مقروض ہے اس کے شاہین بچوں نے کس طوفان بدتمیزی سے آتشبازی اور پٹاخوں سے کھیلا ہے کہ ابرار و صالحین کی عبادت وریاضت میں خلل پڑا، طلباء کے لئے مطالعہ کرنا مشکل ہو گیا، مریض بے حال

Marfat.com

ہوئے اور لوگوں کے لئے سونا حرام ہو گیا، اخبار کی رپورٹ کے مطابق متعدد بچے اور جوان جھلس گئے، آنکھوں ایسی عظیم نعمت سے محروم ہو گئے اور ایک نوجوان لڑکی زخموں کی تاب نہ لا کر چل بسی، یہ تو ایک مقدس رات کا واقعہ ہے یہاں تو ہر سال پتنگ بازی میں سینکڑوں جانیں ضائع ہو جاتی ہیں اور گالی گلوچ، لڑائیاں اور جھگڑے پھر قتل و غارت روز مرہ کا معمول ہیں اور یہ سارے گناہ معمولی خیال کئے جاتے ہیں آج تک کسی حکومت کو اسلام کا عادلانہ نظام جاری و ساری کرنے کی توفیق نہ ملی، نتیجہ میں ملک اخلاقی و مالی دونوں طرح دیوالیہ ہو چکا ہے، ہر سال پتنگ بازی اور آتشبازی سے اربوں روپے برباد کر کے ہمارے حکمران کشکول اٹھائے دوسرے ملکوں سے بھیک مانگتے پھرتے ہیں، حماقت اور نادانی کی انتہا ہے! یہ تو وہی بات ہوئی کہ گھر پھونک تماشا دیکھ!

زبان کی بے اعتدالیوں اور خرابیوں میں 'جھوٹ' سب سے زیادہ بری اور مذموم عادت ہے۔ جھوٹ خواہ زبان سے بولا جائے یا عمل سے ظاہر کیا جائے، وہ ہر حال میں معاشرتی زندگی میں فساد اور بگاڑ پیدا کرتا ہے..... قرآن حکیم کے کئی مقامات پر اس کی مذمت کی گئی ہے، ایک جگہ ارشاد ہوا:

اِنَّ اللّٰہَ لَا یَھْدِیْ مَنْ ھُوَ کٰذِبٌ کَفَّارٌ (زمر:۳) ''اللہ تعالیٰ ایسے شخص کو ہدایت نہیں دیتا جو جھوٹا اور منکر حق ہو ایک اور مقام پر اس طرح آیا ہے۔''

اِنَّ اللّٰہَ لَا یَھْدِیْ مَنْ ھُوَ مُسْرِفٌ کَذَّابٌ (المومن:۲۸) ''اللہ یقیناً ایسے شخص کو راہ پر نہیں لاتا جو حد سے بڑھنے والا اور جھوٹا ہو''

سید سلیمانؒ ندوی لکھتے ہیں:

''اللہ تعالیٰ کی رحمت کا دائرہ بہت وسیع ہے، وہ دنیا کے ذرہ ذرہ کو گھیرے ہوئے ہے، اس کی رحمت کی چھاؤں میں ساری کائنات آرام کر رہی ہے مگر رحمت الٰہی کے اس گھنے سایہ سے وہ باہر ہے، جس کا منہ جھوٹ کی باد سموم سے جھلس رہا ہے۔ (سیرت النبی جلد ششم)

ذرا اس روایت پر غور کیجئے:

ایک شخص نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جنت میں لیجانے والا کام کیا ہے، فرمایا سچ بولنا، جب بندہ سچ بولتا ہے تو نیکی کا کام کرتا ہے اور جو نیکی کا کام کرتا ہے وہ ایمان سے بھرپور ہوتا ہے اور جو ایمان سے بھرپور ہوا وہ جنت میں داخل

Marfat.com

ہوا۔اس نے پوچھا کہ یارسول اللہ! دوزخ میں لے جانے والا کام کیا ہے فرمایا جھوٹ بولنا، جب بندہ جھوٹ بولے گا، تو گناہ کے کام کرے گا اور جب گناہ کے کام کرے گا تو کفر کرے گا تو اور کفر کرے گا دوزخ میں جائے گا۔(مسند احمد۔حوالہ سیرت النبیؐ)

مختصر یہ کہ زبان کی لغزشیں اور اس کے نقصانات بہت زیادہ ہیں اور بے احتیاطی سے انسان بہت سی سعادتوں سے محروم ہو جاتا ہے،اس کے لئے محتاط اور چوکس رہنے کی ضرورت ہے،اس کی خرابیوں سے بچنے کا طریقہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی یاد اور اس کے ذکر سے اسے آباد اور تروتازہ رکھا جائے،اٹھتے بیٹھے، چلتے پھرتے،سبحان اللہ، الحمدللہ، لا الہ الا اللہ و اللہ اکبر کثرت سے پڑھا جائے اس سلسلہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس دعا کو بھی یاد کر لیجئے:

اَللّٰھُمَّ طَھِرْ قَلْبِی مِنَ النِّفَاقِ وَ عَمَلِیْ مِنَ الرِّیَاءِ وَ لِسَانِیْ مِنَ الْکَذِبِ وَ عَیْنِیْ مِنَ الْخِیَانَۃِ فَاِنَّکَ تَعْلَمُ خَائِنَۃَ الْاَعْیُنِ وَ مَا تُخْفِی الصُّدُوْرِ (حصن حصین)

''اے اللہ میرے دل کو نفاق سے،اور میرے عملوں کو ریاکاری سے اور میری زبان کو جھوٹ سے اور میری آنکھ کو خیانت سے پاک فرما دے کیونکہ تو ہی آنکھوں کی خیانت اور دلوں کے راز جانتا ہے''۔

سچ کسی نے کہا ہے ؎

جس کے سینے میں دِل آگاہ ہے
اس کے لب پر اللہ ہی اللہ ہے
سنت و قرآن سے آتی ہے صدا
جو نہیں ہے قبلہ رو گمراہ ہے

Marfat.com

Marfat.com

مسلمانو بیدار ہو جاؤ!

حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مسلمانوں کی مثال ان کی آپس کی محبت، رحمدلی اور مہربانی میں جسم کی طرح ہے، جب اس جسم کے ایک حصہ میں تکلیف ہوتی ہے تو سارا جسم جاگتا ہے اور وہ بخار میں مبتلا ہو جاتا ہے۔
(بخاری، مسلم)

مسلمانو! کبھی تم بھٹکی ہوئی نسل انسانی کی ہدایت و رہنمائی کے لئے روشن ستارہ تھے اور اب خود تاریکیوں میں گم گشتہ راہ ہو۔ کبھی تو چار دانگ عالم میں عدل و انصاف کا پھریرا لہرانے والے تھے مگر آج تمہارے اپنے ہاتھوں تمہارے ہی بھائی بند ظلم و ستم کا نشانہ بن رہے ہیں۔ کبھی تم غیروں کی عزت و آبرو کے رکھوالے تھے مگر آج تمہارے اپنے ہاتھوں اپنوں ہی کی عزتیں لٹ رہی ہیں، کبھی تمہارے نام سے ہی قیصر و کسریٰ کے درباروں میں رعب و ہیبت طاری ہو جاتا تھا اور اب تم خود اغیار سے ڈرتے اور سہمتے پھرتے ہو، کبھی تم نے افریقہ کے تپتے ہوئے صحراؤں اور یورپ کے دور دراز علاقوں میں سچائی کا ڈنکا بجایا اور لوگوں کو مژدہ امن و سلامتی سنایا تھا ؎

دیں اذانیں کبھی یورپ کے کلیساؤں میں
کبھی افریقہ کے تپتے ہوئے صحراؤں میں

مگر آج تمہاری اپنی زمینوں پر ہی غیر قبضہ جمائے بیٹھے ہیں اور تمہیں ان سے اپنے علاقے چھڑانے کی ہمت نہیں پڑتی، آہ ؎

لطف مرنے میں ہے، باقی نہ مزا جینے میں
کچھ مزا ہے تو یہی خون جگر پینے میں

مسلمانوں کی ترقی و تنزلی کو سید سلیمان ندویؒ اس طرح بیان کرتے ہیں: "حق کے داعیوں

Marfat.com

کا قافلہ آگے بڑھا، عرب کے ریگستانوں سے نکل کر عراق کی نہروں اور شام کے گلستانوں میں پہنچا، پھر آگے بڑھا اور ایران کے مرغزاروں اور مصر کی وادیوں میں آ کر ٹھہرا، اس سے آگے بڑھا، تو ایک طرف خراسان وترکستان سے ہو کر ہندوستان کے پہاڑوں اور ساحلوں پر اس کا جلوہ نظر آیا اور دوسری طرف افریقہ کے صحراؤں کو طے کر کے اس کا نور بحر ظلمات کے کنارے چمکا۔

اب آہستہ آہستہ قافلے کے لوگ چھٹنے لگے، تماشائی تماشا کرتے دور نکل گئے، کتنے حسن ظاہر کے طلب گار اور طبعی مناظر کے شیفتہ ان تماشوں میں اپنے سفر کے مقصد کو بھول گئے اور جہاں پہنچ گئے وہیں رہ گئے، آخر قافلے کی بانگ درا خاموش ہو گئی اور کارواں یکسر خواب غفلت میں محو ہو گیا۔'' (دیباچہ...... سیرت سید احمد شہید)

مولانا سعید احمد اکبر آبادی رقم طراز ہیں:

''تاریخ عالم میں یہ واقعہ کس قدر حیرت انگیز ہے، کہ ایک زمانہ میں مسلمانوں نے نہایت محیر العقول طریقہ پر ترقی کی اور اپنے کارناموں کا نقش صفحۂ تاریخ پر ثبت کیا، کہ دنیا کی دوسری قومیں ان کی عظمت وبرتری کے سامنے سر اطاعت خم کر دینے پر مجبور ہو گئیں، اب وہی مسلمان ہیں جن پر فلاکت وادبار مسلط ہے، ان کا شیرازہ ملی پراگندہ ہے، اب ان کی محفلوں میں علم وفن کے مذاکرے بہت کم ہوتے ہیں، دماغ قوتِ ابداع واختراع سے محروم اور ہاتھ سیاسی طاقت وقوت سے ناآشنائے محض ہیں، مردم شماری کے لحاظ سے اتنے مسلمان کبھی نہیں تھے جتنے کہ اب ہیں مگر ساتھ ہی علم وعمل، ایمان وایقان اور روحانیت واخلاق کے لحاظ سے جتنے پست اور زبوں حال اب ہیں کبھی نہ تھے۔'' (مسلمانوں کا عروج وزوال)

ہمارے اسلاف کی کامیابیوں کا راز اس بات میں پنہاں تھا کہ انہوں نے قرآنِ حکیم کو پڑھا اور حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کے مطالب ومفہوم کو سمجھ کر اس کی پاکیزہ تعلیمات کو حرز جاں بنایا، وہ زندگی کے ہر معاملہ میں احکام الٰہی کے تابع اور سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے شیدائی تھے۔ دین کو انہوں نے سر بلند رکھا، اسی لئے دنیا ان کی مطیع رہی، ان کی آپس میں ہمدردیاں اور غمخواریاں مثالی تھیں، وہ دشمن کے مقابلے میں سیسہ پلائی دیوار بن جاتے تھے۔ وہ تعداد میں تھوڑے ہونے کے باوجود اللہ تعالیٰ کی رحمت ونصرت سے دشمنوں پر غالب رہتے تھے، وہ جہاں جاتے کامیابیاں ان کے قدم چومتیں، سرفرازیاں انہیں عزت سے ہمکنار کرتیں

Marfat.com

وہ زمانے میں معزز تھے مسلماں ہو کر
اور تم خوار ہوئے تارک قرآں ہو کر

ہمارے اسلاف دکھی انسانیت کیلئے راحت کا پیغام بنے جہاں کہیں وہ گئے، عدل وانصاف کی حکمرانی قائم کی، انسانوں کو طرح طرح کی غلامیوں سے نجات دلا کر انہیں رب کائنات کا غلام بنایا، جینے کا سلیقہ اور قرینہ عطا کیا۔ علم کی روشنی پھیلائی اور جہالت کو مٹایا۔ زندگی نے نئی کروٹ لی اور اس سے نظم وضبط پیدا ہوا۔ مسلمانوں کے ہاتھوں یہ انقلاب اس وجہ سے آیا کہ ان کی اپنی زندگیاں اسلام کے پاکیزہ اصولوں سے روشن تھیں، وہ جہاں جاتے اسلامی اخلاق وآداب کا مظاہرہ ہوتا جس کا عکس دوسرے انسانوں پر پڑتا اور وہ اسلام کی طرف کھینچے چلے آتے تھے۔

وہ نفوس قدسیہ جذبہ جہاد سے سرشار تھے اور ہر طاغوتی طاقت سے ٹکرا جاتے تھے اور اسے زیروزبر کر کے رکھ دیتے تھے، انہیں تیر وتفنگ پر نہیں بلکہ اپنے خالق ومالک پر بھروسہ تھا، ان کے چھوٹے چھوٹے دستے بڑے بڑے لشکروں سے بھڑ جاتے تھے اور رحمت الٰہی سے فتح یاب ہوتے۔ اس کی سب سے بڑی وجہ یہ تھی کہ وہ آپس میں شیروشکر تھے اور اللہ تعالیٰ کی مدد بھی انہی لوگوں کو پہنچتی ہے جو آپس میں مٹھاس اور محبت سے رہتے ہیں۔ جہاں بھی وہ اپنے بھائیوں کو ابتلاء وآزمائش میں دیکھتے ان کی مدد کو پہنچتے تھے بلکہ آپس میں ایک دوسرے کے دکھ درد میں کام آتے، ان کے پاس پڑوس کوئی غریب اور مسکین بے سہارا نہیں رہ سکتا تھا۔

آج عالم اسلام کے سیاسی افق پر کہر چھایا ہوا ہے، مال ودولت تو مسلمانوں کے پاس بہت ہے مگر ایمان ویقین اور عقل وفکر کی دولت سے وہ محروم ہو چکے ہیں۔ اس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ وہ قرآن وسنت کی مصفی روشنی سے دور جا پڑے ہیں، مال کے ساتھ سوچ بچار اور ایمانی فراست وبصیرت رخصت ہو چکی ہے، مغربی اقوام مکاری وعیاری سے انہیں دام میں لانے کی کوششیں کر رہی ہیں۔

امریکہ نے پہلے افغانستان کو تباہ کیا پھر عراق کو تاخت وتاراج کیا، دوسری طرف اس وقت اعلانیہ دہشت گردی کا ثبوت امریکہ کا سرپرست اسرائیل فلسطین میں دے رہا ہے اور سالہا سال سے یہ سلسلہ جاری ہے، روزانہ کتنے فلسطینی جام شہادت نوش کرتے ہیں؟ اس کے خلاف کس کس نے آواز بلند کی ہے؟ کشمیر میں کتنے برسوں سے نہتے مسلمان دہشت گردی کا شکار ہیں؟ اس کے خلاف دنیا کے کتنے ملک صف آرا ہوئے ہیں، اس سے قبل چیچنیا، کوسووا میں جو ظلم وستم ڈھایا گیا،

اس کے خلاف کتنے ملکوں نے صدائے احتجاج بلند کی ہے؟ اور جارح کے خلاف کوئی کارروائی کی گئی ہے؟ آہ! صرف اس دنیا میں مسلمانوں کا خون ہی ارزاں ہے، اسے جب اور جہاں چاہو بہاؤ۔

مسلمانو! اٹھو، یہ سونے کا نہیں جاگنے کا وقت ہے، غفلت کا نہیں چوکس رہنے کا وقت ہے، اگر پہلو میں دل سلامت ہے اور اس میں ایمان کی تھوڑی سی بھی رمق ہے تو بقول مولانا ابوالکلام آزاد: ''اگر قیامت کا آنا حق ہے اور یہ جھوٹ نہیں کہ خدا کا وجود ہے تو مسلمانان عالم کے پاس اس وقت کیا جواب ہوگا جب قیامت کے دن پوچھا جائے گا کہ تم کروڑوں کی تعداد میں زندہ سلامت موجود تھے، تمہارے جسموں سے روح کھینچ نہیں لی گئی تھی، تمہاری قوتوں کو سلب نہیں کر لیا گیا، تمہارے کان بہرے نہ تھے، نہ ہاتھ کٹے ہوئے اور پاؤں لنگڑے تھے، پھر تمہیں کیا ہو گیا تھا کہ تمہارے سامنے تمہارے بھائیوں کی گردنوں پر دشمنوں کی تلواریں چل گئیں، وطن سے بے وطن اور گھر سے بے گھر ہو گئے، اسلام کی آبادیاں غیروں کے قبضہ و تسلط سے پامال ہو گئیں پر نہ تو تمہارے دلوں میں جنبش ہوئی نہ تمہارے قدموں میں حرکت ہوئی، نہ تمہاری آنکھوں سے محبت و ماتم کا ایک آنسو ٹپکا اور تمہارے خزانوں پر سے بخل و زر پرستی کے قفل ٹوٹے؟ تم نے چین اور آرام کے بستروں پر لیٹ کر بربادی ملت اور پامالی اسلام کا یہ خونیں تماشا دیکھا اور اس بے درد تماشائی کی طرح بے حس و حرکت تکتے رہے جو سمندر کے کنارے کھڑا ہو کر ڈوبتے ہوئے جہازوں اور بہتی ہوئی لاشوں کا نظارہ کر رہا ہے۔

اَرَضِیْتُمْ بِالْحَیٰوۃِ الدُّنْیَا مِنَ الْاٰخِرَۃِ فَمَا مَتَاعُ الْحَیٰوۃِ الدُّنْیَا فِی الْاٰخِرَۃِ اِلَّا قَلِیْلٌ'' (خطبات آزاد)

روزانہ معصوم بچوں، بوڑھوں، مردوں اور عورتوں کی شہادت کی خبر ملتی ہے تو آنکھوں سے آنسو رواں ہو جاتے ہیں، کتنے ان میں سے جسمانی اعضا سے محروم ہو جاتے ہیں۔ کتنے بچے یتیم اور کتنی خواتین بیوہ ہو جاتی ہیں، اس مضمون کو جناب علیم ناصری کے ان اشعار سے ختم کرتا ہوں۔

یہ کن کی لاشیں تڑپ رہی ہیں یہ کن کا تازہ لہو رواں ہے
یہ کن کا ماتم گلی گلی ہے بکا و نالہ مکاں مکاں ہے
یہ ڈھیر ملبے کے ہنستی بستی عمارتوں کے پڑے ہیں کیسے
یہ کچلا پچکا بدن ہے کس کا، کہاں ہیں بازو وہ سر کہاں ہے

Marfat.com

یہ باپ کس کا لرزتے ہاتھوں سے اینٹ پتھر کریدتا ہے
ضعیف بیوہ کھنڈر میں جو جھانکتی ہے بتلاؤ کس کی ماں ہے
حسین آنکھیں پھٹی پھٹی ہیں جوان بازو کٹے کٹے ہیں
سوادِ قریہ لہو لہو ہے فضا بہر سو دھواں دھواں ہے
اداس معصوم اپنی ماؤں کو ڈھونڈتے پھر رہے ہیں ہر سو
خموش آنکھوں سے ایک طوفان آنسوؤں کا رواں دواں ہے
یہ آفت ناگہاں جو کابل سے قندھار پر گری ہے
خدائے واحد کے غازیوں کے شکیب و جرات کا امتحاں ہے
جہادِ راہ خدا میں آتے ہیں ایسے صبر آزما مراحل
کہ جن پر مومن یہی کہے گا رضائے مولائے کن فکاں ہے
الٰہی صبر جمیل خواہم تواں عطا کن کہ ناتوانم
نثارِ تو آل و مال و جاہم فدائے تو صد ہزار جانم

Marfat.com

Marfat.com

روزہ اور تعمیر اخلاق

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی علیہ وسلم نے فرمایا ''جس نے رمضان کے روزے ایمان واحتساب کے ساتھ رکھے اس کے سب گزشتہ گناہ معاف کر دیے جاتے ہیں اور ایسے ہی جس نے ایمان واحتساب کے ساتھ رمضان کی راتوں میں قیام کیا (نماز تراویح اور تہجد کا اہتمام کیا) اس کے بھی سب پچھلے گناہ معاف کر دیے جاتے ہیں اور جس نے شب قدر میں ایمان واحتساب کے ساتھ عبادت کی اس کے بھی سب گزشتہ گناہ معاف کر دیے جاتے ہیں۔'' (متفق علیہ)

مندرجہ بالا حدیث مبارکہ پر امام بخاریؒ اور امام مسلمؒ کا اتفاق ہے اور اس کی صحت وسند مضبوط ہے۔

ایمان واحتساب خاص دینی اصطلاحیں ہیں جن کی حیثیت ہمارے تمام اعمال میں قلب و روح کی ہے، اگر انہیں نظر انداز کر دیا جائے تو بڑے سے بڑے اعمال بھی بے جان اور کھوکھلے ہو جاتے ہیں اور روزِ جزا کوئی قیمت نہیں پائیں گے، اگر ایمان اور احتساب کی کیفیت مضبوط ہے تو چھوٹے چھوٹے اعمال بھی میدان محشر میں وزنی اور قیمتی بن جائیں گے۔

ایمان یہ ہے کہ ہمارا ہر عمل محض اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے ہو، ہر قسم کی ریا کاری اور دکھلاوے سے پاک ہو، ارشاد ہوتا ہے:

قُلْ إِنَّ صَلَاتِي وَ نُسُكِي وَ مَحْيَايَ وَ مَمَاتِي لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ (الانعام:۱۶۲)

''کہہ دیجئے کہ میری نماز، میری قربانی، میری زندگی (اور ہر عمل) اور میری موت سب کچھ اللہ رب العالمین کے لئے ہے۔''

اور احتساب یہ کہ ہر ہر عمل کی اچھی طرح جانچ پڑتال کر لی جائے کسی طرح بھی اس میں کوئی

Marfat.com

خلا اور کمی نہ رہ جائے، کوئی خرابی اور فساد پیدا نہ ہو، شیطانی وساوس اور خیالات سے محفوظ رہے اور وہ خلوص اور نیک نیتی پر مبنی ہو، ابرار وصالحین اپنے اعمال پر نگاہ رکھتے ہیں، جونہی شیطان رخنہ اندازی کرتا ہے انہیں احساس ہو جاتا ہے، وہ توبہ واستغفار کرتے ہیں۔ اپنے خالق ومالک کی طرف رجوع کرتے ہیں، اور اس کی رحمت اور مدد سے راہ راست پر آجاتے ہیں۔ ارشاد ہوتا ہے:

اِنَّ الَّذِیْنَ اتَّقَوْا اِذَا مَسَّهُمْ طٰٓئِفٌ مِّنَ الشَّیْطٰنِ تَذَكَّرُوْا فَاِذَا هُمْ مُّبْصِرُوْنَ (الاعراف:۲۰۱) ”بلاشبہ متقین کو جب کوئی شیطانی وسوسہ چھو جاتا ہے تو چونک پڑتے ہیں اور فوراً صحیح صورتِ حال دیکھنے لگتے ہیں۔“

اسلام میں عبادت کے فوائد وثمرات یہ ہیں کہ لوگ تقویٰ اور پرہیز گاری کی صفت سے آراستہ ہوں، روزوں کے بارے میں ارشاد ہوتا ہے:

یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَیْكُمُ الصِّیَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ (البقرہ:۱۸۳) ”اے ایمان والو! تم پر روزے فرض کئے جاتے ہیں جیسا کہ تم سے پہلے لوگوں پر فرض کئے گئے تھے تاکہ تم میں تقویٰ پیدا ہو۔“

روزہ صبح سے شام تک بھوکا پیاسا ہی نہیں رکھتا بلکہ تعمیر اخلاق اور تزکیہ نفس بھی کرتا ہے، بندۂ مومن جہاں جسمانی عوارضات سے نجات پاتا ہے وہاں روحانی امراض سے بھی شفایاب ہوتا ہے گویا کہ جسم صحت مند ہو جاتا ہے اور روح نکھر جاتی ہے، اس طرح زندگی میں انقلاب آتا ہے، آیئے غور کریں کہ روزہ کس طرح ہماری عادات اور اخلاق کو سنوارتا ہے۔

رذائل سے اجتناب:

سب سے پہلی بات یہ ہے کہ روزہ دار اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے حلال اور جائز چیزوں پر دس بارہ گھنٹے اپنے اوپر پابندی لگاتا ہے، غور طلب بات یہ ہے کہ روزہ کے ساتھ حلال چیزیں ممنوع ہو چکی ہیں تو کیا حرام باتیں جائز ہو جائیں گی؟ مثلاً کھانا پینا حلال ہے مگر فجر سے مغرب تک وہ حرام ہو گیا، جبکہ مکر وفریب، جھوٹ اور غیبت اور اسی قبیل کی بہت سی برائیاں حرام ہیں تو کیا روزے کے ساتھ ان کا ارتکاب جائز ہو جائے گا؟ ہرگز نہیں۔

پس روزہ اس بات کا احساس دلا کر یہ ترغیب دیتا ہے کہ اے بندے! تم نے مباح اور حلال اشیاء کو مقررہ اوقات میں محض رضائے الٰہی کے لئے چھوڑ دیا ہے تو حرام باتوں سے بدرجہ اولیٰ

Marfat.com

کنارہ کش ہو جاؤ، اس نصیحت پر عمل پیرا ہونے سے روزہ دار تمام رذائل کو چھوڑ کر فضائل سے آراستہ ہو جاتا ہے اور یہ بات اس وقت پیدا ہوتی ہے کہ جب کوئی شخص لذتِ ایمان سے سرشار ہو اور وہ اپنے روزے کی نگرانی کرتا رہے بلکہ ہمہ وقت احسان کی حالت میں رہے، احسان کا ایک مفہوم تو دوسروں کے ساتھ حسن سلوک اور لطف و مروت سے پیش آنا ہے اور اس سے وسیع تر مفہوم کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس طرح بیان فرمایا ہے:

اَنْ تَعْبُدَ اللّٰہَ کَاَنَّکَ تَرَاہُ فَاِنْ لَّمْ تَکُنْ تَرَاہُ فَاِنَّہٗ یَرَاکَ ''تم اللہ کی بندگی اس طرح کرو گویا کہ تم اسے دیکھ رہے ہو اور (اگر یہ کیفیت پیدا نہ ہو سکے) تو کم از کم یہ خیال کرو کہ وہ مجھے دیکھ رہا ہے''۔

احسان کی کیفیت پیدا ہوتے ہی بندہ اپنے مولا و مالک کی نافرمانی سے بچنے لگتا ہے۔ بندگی صرف نماز، روزے کی پابندی کا نام ہی نہیں بلکہ زندگی کے شب و روز احکام الٰہی کے مطابق گزارنے کا نام حقیقی بندگی ہے۔ کہیں زبان کی لغزش ہو رہی ہو تو روزہ دار کو فوراً پیارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان یاد آجائے گا۔

مَنْ لَّمْ یَدَعْ قَوْلَ الزُّوْرِ وَالْعَمَلَ بِہٖ فَلَیْسَ لِلّٰہِ حَاجَۃٌ فِیْ اَنْ یَّدَعَ طَعَامَہٗ وَشَرَابَہٗ. (بخاری) ''جس نے دروغ گوئی اور اس پر عمل کرنا نہ چھوڑا تو اللہ تعالیٰ کو کوئی پروا نہیں ہے کہ وہ اپنا کھانا پینا چھوڑ دے۔''

بلکہ روزہ دار کے ساتھ کوئی زبان درازی کرتا ہے تو حکم ہے کہ وہ اپنے دل میں یا دبی زبان سے یہ کہہ کر الگ ہو جائے کہ اِنِّی صَائِمٌ ''میں تو روزے سے ہوں۔'' [متفق علیہ]

قرآن کی تلاوت کے دوران یقیناً اس کی نگاہ میں یہ آیہ مبارکہ بھی گزری ہوگی۔

اِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ کُلُّ اُولٰٓئِکَ کَانَ عَنْہُ مَسْئُوْلًا (بنی اسرائیل:۳۶)

''(روزِ جزا) بلاشبہ کان، آنکھ اور دل سب کا سوال ہوگا۔''

روزہ مطالبہ کرتا ہے کہ ان تمام اعضاء سے احکام الٰہی کے مطابق کام لو۔ نفس کو زیر کرنا ہی شرف انسانیت ہے۔ یاد رہے کہ بندۂ مومن کے صیام و قیام اسے ہوشیار اور چوکس رکھتے ہیں۔ اگر وہ دن کے وقت پوری ہوشمندی اور ہوشیاری سے روزے کی حفاظت کرتا ہے تو راتوں کے قیام کو پورے فہم و شعور سے سرانجام دیتا ہے، قرآن کا پورے غور و فکر سے پڑھنا، سننا اور اس کے احکام کو

Marfat.com

حرز جاں بنانا ہی زندگی کو قیمتی بناتا ہے۔ارشاد باری تعالیٰ ہے:

كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ اِلَيْكَ مُبٰرَكٌ لِّيَدَّبَّرُوْٓا اٰيٰتِهٖ وَلِيَتَذَكَّرَ اُولُوا الْاَلْبَابِ (ص:۲۹)

''جو کتاب ہم نے آپ کی طرف نازل کی ہے۔ بڑی بابرکت ہے تاکہ لوگ اس کی آیات پر غور کریں اور اہل عقل سبق حاصل کریں۔''

یہ وہ دولت گرانمایہ ہے کہ دنیا اور اس کا تمام مال ومتاع اس کے سامنے ہیچ ہے کیونکہ یہ ابدی نعمتوں اور دائمی زندگی کی راہ پر ڈالتا ہے۔

قُلْ بِفَضْلِ اللّٰهِ وَ بِرَحْمَتِهٖ فَبِذٰلِكَ فَلْيَفْرَحُوْا ؕ هُوَ خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُوْنَ (یونس:۵۸) ''کہہ دیجئے کہ (یہ) اللہ کے فضل اور اس کی مہربانی سے (نازل کردہ ہے) لہٰذا (مسلمانوں) کو اس پر خوش ہونا چاہئے یہ اس سے کہیں بہتر ہے (جو دنیا کا ساز وسامان) وہ اکٹھا کر رہے ہیں۔''

ہمارے اسلاف نے اسی قرآن کو زندگی کا دستور العمل بنایا تو ہر طرف کامیابیوں نے ان کے قدم چومے اور دین ودنیا کی سرفرازیاں حاصل کیں۔ ہم نے اسے بھلایا تو ذلت وخواری ہمارے حصہ میں آئی۔

وہ زمانے میں معزز تھے مسلماں ہو کر
اور تم خوار ہوئے تارک قرآں ہو کر

ہم نماز تراویح میں اس ماہ مبارک میں قرآن سنتے ہیں مگر نہ تو دل پسیجتے ہیں اور نہ ہی آنکھیں تر ہوتی ہیں۔

رب کریم کا ارشاد گرامی ہے:

لَوْ اَنْزَلْنَا هٰذَا الْقُرْاٰنَ عَلٰى جَبَلٍ لَّرَاَيْتَهٗ خَاشِعًا مُّتَصَدِّعًا مِّنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ. (الحشر:۲۱) ''اگر ہم اس قرآن کو کسی پہاڑ پر نازل کرتے تو آپ دیکھتے کہ وہ اللہ کے خوف سے دبا اور پھٹا جاتا۔''

ایسا روزہ بھلا کیسے قیمتی بن سکتا ہے جس میں دن لاپروائی اور رات کا قیام لاشعوری میں گزارا جائے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے۔

رُبَّ صَائِمٍ حَظُّهُ مِنْ صِيَامِهِ الْجُوعُ وَالْعَطْشُ وَ رُبَّ قَائِمٍ حَظُّهُ مِنْ قِيَامِهِ السَّهَرُ (رواہ الحاکم واحمد) ''کتنے روزہ دار ہیں کہ جن کے روزے کا ثواب کچھ نہیں ہوتا سوائے اس کے کہ وہ دن بھر بھوکے اور پیاسے رہے اور کتنے راتوں کو قیام کرنے والے ہیں جن کا اجر کچھ بھی نہیں سوائے اس کے کہ وہ جاگتے رہے۔''

صبر وتحمل:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے شعبان کے آخر میں خطبہ ارشاد فرمایا جس میں رمضان اور روزے سے متعلق فضائل واحکام بتائے، اس میں یہ بھی فرمایا:

هُوَ شَهْرُ الصَّبْرِ، وَالصَّبْرُ ثَوَابُهُ الْجَنَّةُ ''کہ یہ صبر وتحمل کا مہینہ ہے اور صبر کا بدلہ تو جنت ہے۔''

یہ حقیقت ہے کہ روزہ دار نہ صرف بھوک اور پیاس برداشت کر کے صبر کا مظاہرہ کرتا ہے بلکہ لوگوں کی ایذاؤں اور تکلیفوں پر بردباری اور خاموشی کا ثبوت دیتا ہے، اس طرح وہ اخلاق حسنہ سے مزین ہو کر معاشرے کا خوب صورت فرد بن جاتا ہے، اس دنیا میں اس کی شخصیت اسی پھول کی طرح ہوتی ہے جس کی مہک سے اردگرد کا ماحول معطر ہو جاتا ہے اور آخرت میں رب کریم کے یہاں بے حد وحساب اجر کا مستحق ٹھہرتا ہے۔

اِنَّمَا يُوَفَّى الصَّابِرُونَ اَجْرَهُمْ بِغَيْرِ حِسَابٍ ''لاریب صبر کرنے والوں کے لئے تو بغیر حساب کے اجر وثواب ہے۔''

ہمدردی اور غمخواری:

اسی خطبہ میں پیارے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی ارشاد فرمایا:

وَهُوَ شَهْرُ الْمُوَاسَاةِ ''یہ ہمدردی وغم گساری کا مہینہ ہے''۔

بھوکا اور پیاس رہ کر روزہ دار کو غربا ومساکین، بھوکوں اور ناداروں کے لئے احسان ومروت کا خیال پیدا ہوتا ہے۔

علامہ ابن القیمؒ نے زاد المعاد میں کتنے پتے کی بات لکھی ہے:

''روزے سے مقصود نفس کو خواہشات نفسانی سے روکنا اور ان چیزوں سے رکنے کی عادت پیدا کرنا ہے جس کا انسان عادی اور خوگر ہے اور اس کا فائدہ یہ بھی کہ انسان کی قوتِ شہوانی اعتدال

Marfat.com

پر آجائے (وہ محض حرص وہوس کا بندہ نہ بن جائے)۔اس طرح اس میں ایسی روحانی استعداد پیدا ہو جو اس کے لئے سعادت مندی اور حیاتِ جاوِدانی کا سامان فراہم کرے اور جس سے تزکیہ نفس اور درجات کی بلندی حاصل ہو سکے۔ وہ بڑھتی ہوئی کھانے پینے کی خواہش کو روکتا ہے، روزہ خالی معدوں کی یاد تازہ کرتا ہے، اسے معلوم ہوتا ہے کہ مساکین اور فاقہ کشوں پر کیا گزرتی ہے، اسی طرح روزہ اکل وشرب پر پابندی کے ذریعہ شیطان کو انسانی زندگی میں تصرف اور من مانی کارروائی سے بھی روک دیتا ہے۔''

رمضان المبارک گزر جاتا ہے مگر ہمدردی و غمخواری کے جذبات سے ہم تہی دامن رہتے ہیں، اس کی وجہ یہ ہے کہ اس کے اثرات ہمارے اذہان وقلوب پر مرتب نہیں ہوتے، ہماری مثال اس مریض کی سی ہے جو قیمتی سے قیمتی ادویات استعمال کرتا ہے مگر ساتھ ساتھ بد پرہیزی بھی کرتا جاتا ہے اور شفایابی سے محروم رہتا ہے۔

همہ گیر سالانہ اجتماعی پروگرام

رمضان المبارک میں سحری وافطاری کی یکسانی ایک شہر اور ایک بستی کے لوگوں میں شاندار اور ہمہ گیر اجتماعی پروگرام کا روح پرور اور دیدنی منظر ہوتا ہے، اور پھر شب کو ہر مسجد کے منبر ومحراب سے قرآن حکیم کی دلنواز آواز فضا کو معطر کرتی چلی جاتی ہے جس سے قلب وروح فرحاں وشاداں ہو جاتے ہیں، مولانا ابوالحسن علی ندویؒ لکھتے ہیں:

''ان تمام چیزوں نے رمضان المبارک کو عبادت، ذکر، تلاوت اور زہد وتقویٰ کا ایک ایسا عالمی موسم اور جشن عام کا زمانہ بنا دیا ہے جس میں مشرق کے تمام مسلمان، عالم وجاہل، امیر وفقیر کم ہمت اور عالی حوصلہ ہر قسم اور ہر گروہ کے لوگ ایک دوسرے کے شریک ورفیق اور ہمدم ودم ساز نظر آتے ہیں، یہ رمضان ایک ہی وقت میں ہر شہر اور ہر گاؤں اور ہر دیہات میں ہوتا ہے، امیر کے محل اور غریب کی جھونپڑی دونوں میں اس کا جلوہ نظر آتا ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ نہ کوئی شخص خودسری اور خود آرائی کرتا ہے نہ روزے کے لئے دنوں کے انتخاب میں کوئی انتشار اور جھگڑا پیدا کرتا ہے۔ ہر وہ شخص جس کو اللہ تعالیٰ نے دو آنکھیں عطا کی ہیں، عالم اسلام کے وسیع وعریض رقبہ میں ہر جگہ اس کے جلال وجمال کا مشاہدہ خود کر سکتا ہے، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ پورے اسلامی معاشرہ پر نورانیت اور سکینت کا ایک وسیع شامیانہ سایہ فگن ہے۔'' (ارکان اربعہ۔ابوالحسن علیؒ ندوی)

Marfat.com

جس طرح ورزش کے جسمانی صحت پر اثرات مرتب ہوتے ہیں اسی طرح روزہ، روزہ دار کے اخلاق کو سنوارتا اور نکھارتا ہے اور اسے اللہ تعالیٰ کا وفادار بندہ بننے میں مدد دیتا ہے مگر شرط یہ ہے کہ اصولوں اور ضابطوں کی پابندی کی جائے اور روزے کو پورے آداب واحترام سے مکمل کیا جائے، مثلاً روزے میں جہاں اعضاو جوارح کی حفاظت کی جائے، تو اس کے ساتھ ساتھ دوسرے احکام شریعت کی بجا آوری کا بھی اہتمام کیا جائے۔ نمازوں کی پابندی، قرآن حکیم کی تلاوت اور اس کے مطالب و معنی پر تدبر و تفکر، ذکر واذکار، توبہ واستغفار، خدمت خلق، بڑوں کا ادب، چھوٹوں پر شفقت، غربا ومساکین کی خدمت وغیرہ روزے کے فوائد و برکات کو موثر بناتے ہیں۔

حدیث مبارک میں روزہ کو ڈھال کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے، شاہ ولی اللہ دہلویؒ اس پر لکھتے ہیں:

''یہ اس لئے کہ جس طرح ڈھال آدمی کو دشمن کے وار سے بچانے کا ذریعہ ہے، اسی طرح یہ آدمی کو نفس امارہ اور شیطان کے شر سے بچانے کا زبردست ذریعہ ہے۔ اس لئے یہ ضروری ہے کہ اس تشبیہ کو مکمل بنانے کے لئے آدمی اپنی زبان کو بے ہودہ اقوال سے، اعضاو جوارح کو ناشائستہ اقوال سے محفوظ رکھے، حدیث نبویؐ میں اس کی تصریح ہے۔

ارشاد ہوتا ہے کہ ''جو شخص روزہ دار ہو وہ کوئی فحش بات زبان پر نہ لائے''۔ جس طرح حیوانی افعال اور اقوال سے روزے کے ساتھ پرہیز لازم ہے اسی طرح غیظ وغضب سے بچنا بھی ضروری ہے، اس کا اشارہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس حدیث میں ہے ''روزہ دار شور و ہنگامہ نہ برپا کرے، کسی کو گالی نہ دے اور نہ ہی لڑائی جھگڑا کرے، اور جو کوئی اس سے لڑائی جھگڑا کرنے پر آمادہ ہو، اس سے کہے کہ میں تو روزہ دار ہوں۔'' (حجتہ اللہ البالغۃ)

''مسلمانو! رمضان ہر سال خیر و برکت لئے آتا ہے، مگر افسوس کہ تمہاری زندگیوں میں کوئی انقلاب نہیں آتا۔ تم بلندیوں کی بجائے پستیوں کی طرف بڑھ رہے ہو، اس کی وجہ یہ ہے کہ حرصِ دنیا اور خواہشات نفسانی نے تمہاری زندگیوں سے سکون وراحت کی دولت چھین لی ہے، تمہیں کیا خبر کہ سیم وزر جو تم اکٹھا کر رہے ہو اس سے کہیں بڑھ کر رب کریم کا یہ دین اس کا بہت بڑا انعام ہے اور بہت بڑا فضل ہے۔

اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ وَ رَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ

دِيْنًا. (المائدہ:۳) ''آج میں نے تمہارے لئے تمہارا دین مکمل کر دیا اور تم پر اپنی نعمت پوری کر دی اور تمہارے لئے بحیثیت دین (دستور حیات) اسلام کو پسند کیا۔''

تمہارے اسلاف نے اسی کتاب مبین کی روشن تعلیمات پر عمل پیرا ہو کر اور پیارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے نقش قدم پر چل کر دنیا و آخرت کی کامیابیاں حاصل کی تھیں مگر تم ؎

صفحہ دہر سے باطل کو مٹایا کس نے؟
نوعِ انسانی کو غلامی سے چھڑایا کس نے؟
میرے کعبے کو جبینوں سے بسایا کس نے؟
میرے قرآن کو سینوں سے لگایا کس نے؟
تھے تو آباء وہ تمہارے ہی، مگر تم کیا ہو؟
ہاتھ پر ہاتھ دھرے منتظر فردا ہو؟

رب کریم! تو محض اپنی رحمت کے صدقے امت مسلمہ کی عظمت رفتہ کو بحال فرما اور ہمیں اس بات کی توفیق عطا فرما کہ ہم اپنی جان و مال تیرے دین کی حفاظت کیلئے وقف کر دیں۔ آمین!

Marfat.com

رمضان المبارک کو قیمتی بنائیے!

حضرت سلمان فارسیؓ سے روایت ہے کہ شعبان کے آخر میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''لوگو! تم پر ایک عظیم اور بابرکت مہینہ سایہ فگن ہونے کو ہے، اس ماہِ مبارک کی ایک رات ہزار مہینوں سے بہتر ہے، اس مہینے کے روزے اللہ تعالیٰ نے فرض کئے ہیں اور رات کا قیام نفل عبادت قرار دیا ہے، جو شخص اس ماہ (مقدس) میں ایک نفل ادا کرے گا، وہ دوسرے مہینوں کے ستر فرضوں کے برابر ثواب پائے گا اور یہ صبر کا مہینہ ہے اور صبر کا اجر جنت ہے اور یہ ہمدردی و غمخواری کا مہینہ ہے، اس ماہِ مبارک میں بندۂ مومن کا رزق بڑھایا جاتا ہے، جس نے اس مہینہ میں کسی روزہ دار کا روزہ افطار کرایا، اس کا یہ عمل اس کے لئے گناہوں کی مغفرت اور آتش دوزخ سے آزادی و رہائی کا ذریعہ ہوگا۔ اور روزہ افطار کرانے والا، روزہ رکھنے والے کے برابر ثواب حاصل کرتا ہے (دونوں کے اجر میں کمی نہیں آتی مگر اخلاص شرط ہے)۔'' صحابہ کرامؓ نے عرض کیا: ''اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! ہم میں سے ہر شخص کو افطار کرانے کا سامان میسر نہیں ہوتا (بھلا وہ افطار کرانے کے ثواب سے کیسے بہرہ ور ہوسکتا ہے)۔'' رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا اللہ تعالیٰ یہ ثواب اس شخص کو بھی عطا فرمائے گا جو ایک کھجور یا دودھ کی تھوڑی سی لسی یا صرف پانی کے ایک گھونٹ پر ہی کسی روزہ دار کا روزہ افطار کرادے۔'' اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''اس ماہِ مبارک کا ابتدائی عشرہ (پہلے دس دن) رحمت ہے اور درمیانی عشرہ مغفرت ہے جب کہ آخری عشرہ آتش دوزخ سے آزادی ہے، جو شخص اس مہینہ میں اپنے غلام اور خادم کے کام میں تخفیف اور کمی کردے گا (معینہ وقت سے پہلے رخصت دے دی جائے) اللہ تعالیٰ (روز آخرت) اس کی مغفرت فرمادے گا اور اسے دوزخ سے آزادی اور رہائی کا پروانہ عطا فرمائے گا، اس مہینہ میں چار چیزوں کا بہت زیادہ خیال کرو، (پہلی بات یہ ہے) کہ لاالٰہ الا اللہ کا وِرد

کثرت سے کرو اور (دوسری بات یہ ہے) کہ تم اس سے اپنے گناہوں کی مغفرت طلب کرو۔ ان کے علاوہ دو باتیں ایسی ہیں جن سے تم کسی طرح بھی بے نیاز نہیں رہ سکتے ہو، (پہلی) یہ کہ اللہ تعالیٰ سے جنت طلب کرو اور (دوسری یہ) کہ آتش جہنم سے بچنے کے لئے رب تعالیٰ کی پناہ میں آجاؤ۔ اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ''جس نے کسی روزہ دار کو سیراب کیا، اللہ تعالیٰ اُسے میرے حوض کوثر سے سیراب فرمائے گا، اسے پیاس نہ ستائے گی تا آنکہ وہ جنت میں پہنچ جائے گا۔'' (الترغیب والترہیب۔ کتاب الصوم)۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس عظیم الشان خطبہ میں ہمارے لئے انمول اور لازوال نصائح اور انعامات کی خوشخبریاں ہیں، آیئے ان پر غور کرتے ہیں۔

۱۔ خطبہ کے آغاز میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رمضان المبارک کی آمد پر اس کی سعادتوں سے بہرہ ور ہونے اور خیر و برکت کو اپنے دامن میں سمیٹنے کے لئے اس کی قدر و منزلت کا احساس دلایا ہے، ہمارے لئے ضروری ہے کہ پورے فکر و شعور اور انہماک و توجہ سے ان قیمتی لحات سے بھرپور فائدہ اٹھائیں، یہ خیال کرتے ہوئے کہ نہ معلوم اس حیات مستعار کا سلسلہ اس دنیائے فانی سے کب منقطع ہو جائے اور نہ معلوم کہ آئندہ رمضان کی سعادتوں سے بہرہ ور ہو سکیں یا نہیں اور یہ ہماری زندگی میں آخری رمضان ہو۔

۲۔ پھر رسول اللہ ﷺ نے شب قدر کا ذکر فرمایا ہے جس میں عبادت و ریاضت کا اجر و ثواب ہزار مہینوں سے بہتر ہے، اس رات کی قدر و منزلت نزول قرآن کی وجہ سے ہے، اور یہ کتاب مبین نسل انسانیت کے لئے منبع رشد و ہدایت ہے، روزے اس نعمت عظیم کے ملنے پر بطور شکرانے کے رکھے جاتے ہیں۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

''رمضان وہ مہینہ ہے جس میں قرآن نازل کیا گیا، جو نسل انسانیت کے لئے ہدایت ہے اور اس میں واضح اور روشن، حق و باطل میں امتیاز کرنے والے دلائل ہیں، لہٰذا تم میں سے جو شخص اس ماہ کو پالے (اس کی زندگی میں یہ مہینہ آجائے) تو اس پر لازم ہے کہ وہ پورا مہینہ روزے رکھے، ہاں اگر کوئی بیمار ہے یا مسافر ہے تو دوسرے دنوں میں اس گنتی کو پورا کرے (تاکہ وہ بھی شاکرین کی فہرست میں آجائے) اللہ تعالیٰ تمہارے ساتھ نرمی کا برتاؤ چاہتا ہے، سختی کا نہیں (یہ اس لئے

Marfat.com

ہے) کہ مہینہ بھر کے دنوں کی گنتی پوری کرلو اور جو اللہ نے (قرآن حکیم اور خاتم النبین ﷺ کی سیرت طیبہ) سے تمہیں ہدایت سے نوازا ہے اس پر اس کی کبریائی وعظمت کا اعلان کرو اور اس لئے بھی کہ تم اس کے شکر گزار بندے بن کر رہو۔" (البقرہ:۱۸۵)

ویسے تو رمضان کا ہر لمحہ اور ہر گھڑی بڑی ہی قیمتی ہے مگر شب قدر ربّ کریم کے بے پایاں انعامات و احسانات میں سے عظیم عطیہ ہے جس میں ایک ہی رات کی عبادت ہزار مہینوں کی عبادت سے کہیں بہتر ہے اور اس کا اجر و ثواب لامحدود اور لامتناہی ہے۔ اس کو مثال سے یوں سمجھئے کہ جس طرح اس مادی دنیا میں انسان تیز رفتار ہوائی جہاز کے ذریعہ منٹوں اور گھنٹوں میں وہ سفر طے کر لیتا ہے جو ماضی میں دنوں اور مہینوں میں ہوتا ہے، اسی طرح رضائے الٰہی اور قرب الٰہی کے سفر کی رفتار شب قدر میں اتنی تیز کر دی جاتی ہے کہ جو مخلص بندوں کو کئی سالوں میں حاصل نہیں ہو سکتی وہ اس مبارک رات کی بابرکت ساعتوں میں حاصل ہو جاتی ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تلاش و جستجو کے بعد امت کو یہ نوید سنائی ہے کہ شب قدر رمضان کے آخری عشرہ کی طاق راتوں میں تلاش کرو۔

وَعَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا اَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: تَحَرَّوْا لَيْلَةَ الْقَدْرِ فِي الْوَتْرِ مِنَ الْعَشْرِ الْاَوَاخِرِ مِنْ رَمَضَانَ. (رواہ البخاری)

"بی بی عائشہؓ سے روایت ہے کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "شب قدر کو رمضان کے آخری عشرہ کی طاق راتوں میں تلاش کرو۔"

اور بی بی عائشہؓ ہی فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رمضان المبارک کے آخری عشرہ میں عبادت و ریاضت میں وہ مجاہدہ اور مشقت اٹھاتے جو دوسرے دنوں میں نہیں کرتے تھے۔ بلکہ ان سعادتوں کو حاصل کرنے کے لئے اہل خانہ کو بھی شوق و رغبت دلاتے تھے۔ اور جو لوگ آخری عشرہ میں مساجد میں اعتکاف کرتے ہیں انہیں شب قدر کے حصول میں مزید توفیق مل جاتی ہے اور وہ رمضان المبارک کی سعادتوں سے یکسوئی کے ساتھ بہرہ ور ہو جاتے ہیں۔ ویسے تو اس رات میں اللہ تعالیٰ سے اپنے گناہوں کی بخشش کے علاوہ دنیا و آخرت کی تمام بھلائیاں طلب کی جا سکتی ہیں، تاہم اس دعا کو نہ بھولئے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بی بی عائشہؓ کو سکھلائی تھی۔

اَللّٰهُمَّ اِنَّكَ عَفُوٌّ تُحِبُّ الْعَفْوَ فَاعْفُ عَنِّي (رواہ الترمذی) "اے اللہ! تو بڑا ہی

Marfat.com

معاف کرنے والا ہے اور معاف کرنا تجھے پسند ہے، پس تو میری خطاؤں کو معاف فرما''۔

۳۔ اس ماہ میں نیکیاں اپنے اجر میں بڑی وزنی ہو جاتی ہیں کہ نوافل، فرائض کے درجہ میں اور فرائض کی ستر گنا فضیلت بڑھ جاتی ہے، ابرار و صالحین اس موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے صدقہ وخیرات بھی زیادہ سے زیادہ کرتے ہیں اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں آتا ہے کہ آپؐ سب سے زیادہ سخی تھے اور رمضان المبارک میں آپؐ کی سخاوت کا ذکر ایسے آتا ہے:

اَجْوَدُ بِالْخَیْرِ مِنَ الرِّیْحِ الْمُرْسَلَۃِ ''آپ صلی اللہ علیہ وسلم تیز ہوا سے زیادہ سخاوت فرماتے''یعنی آپؐ کا صدقہ وخیرات کرنے میں وسعت قلب اور دریا دلی کا اظہار ہو رہا ہے۔

۴۔ اس خطبہ مبارک میں آپؐ نے رمضان المبارک کو صبر کا مہینہ فرمایا ہے، صبر زندگی کا وہ سرمایہ ہے جس سے مشکلات ومصائب میں ثابت قدم رہا جاتا ہے اور یہ حصول جنت میں زادِ راہ بنتا ہے۔

ارشاد ہوتا ہے:

اِنَّمَا یُوَفَّی الصّٰبِرُوْنَ اَجْرَھُمْ بِغَیْرِ حِسَابٍ (الزمر:۱۰)

''بلاشبہ صبر کرنے والوں کو ان کا اجر بلا حساب دیا جائے گا''

۵۔ پھر ارشاد ہوا ہے کہ یہ ماہ آپس میں ہمدردی اور غمخواری اور انس ومروت کا مہینہ ہے۔ روزے کے ساتھ بھوک اور پیاس کی شدت میں غربا و مساکین کا ضرور خیال آنا چاہئے۔ قرآن حکیم نے متعدد مقامات پر ان لوگوں کی خدمت کو بہت بڑے درجہ کی نیکی قرار دیا ہے بلکہ دشوار گزار گھاٹی کو عبور کرنے سے تشبیہ دی ہے۔

فَلَا اقْتَحَمَ الْعَقَبَۃَ (۱۱) وَمَآ اَدْرٰکَ مَا الْعَقَبَۃُ (۱۲) فَکُّ رَقَبَۃٍ (۱۳) اَوْ اِطْعٰمٌ فِیْ یَوْمٍ ذِیْ مَسْغَبَۃٍ (۱۴) یَّتِیْمًا ذَا مَقْرَبَۃٍ (۱۵) اَوْ مِسْکِیْنًا ذَا مَتْرَبَۃٍ (۱۶) [البلد]

''(انسان کہ جسے اللہ تعالیٰ نے عزت وعظمت سے نوازا ہے مگر) اس نے دشوار گزار گھاٹی کو عبور کرنے کی کوشش نہ کی اور آپ کیا جانیں کہ دشوار گزار گھاٹی کیا ہے؟ وہ ہے کسی گردن کو غلامی سے چھڑانا یا فاقہ کے دنوں میں کھانا کھلانا، کسی قرابت دار یتیم کو یا کسی خاکسار مسکین کو۔''

یاد رکھئے کہ فضول خرچی کر کے ڈینگیں مارنے، نمود ونمائش کے لئے بلند وبالا عمارتوں پر چراغاں کرنے کی بجائے مال خرچ کرنے کے یہ حقیقی مصرف ہیں جن کا ذکر مندرجہ بالا آیات میں ہوا ہے، یہ کام کرنے سے شہرت کے ڈنکے تو نہیں بجتے نہ وہ چرچے ہوتے ہیں جو کھاتے پیتے

Marfat.com

لوگوں کی دعوتیں کرنے سے ہوتے ہیں مگر اللہ تعالیٰ کے یہاں لازوال اجر ثبت ہو جاتا ہے جس کا اندازہ اس دنیا میں نہیں بلکہ یوم جزا کو لگایا جا سکے گا، جس کا اعلان رب کریم نے اس طرح کیا ہے:

لٰكِنِ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا رَبَّهُمْ لَهُمْ جَنّٰتٌ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا نُزُلًا مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ ۭ وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ خَيْرٌ لِّلْاَبْرَارِ (آل عمران:۱۹۸)

''لیکن جو لوگ اپنے رب سے ڈرتے ہیں (اور زندگی کو متوازن اور بامقصد گزارتے ہیں) ان کے لئے ایسے باغات ہیں جن میں نہریں رواں ہیں، وہ ان میں ہمیشہ رہیں گے، یہ اللہ تعالیٰ کے ہاں ان کی مہمانی ہوگی اور جو کچھ اللہ کے ہاں موجود ہے، نیک لوگوں کے لئے بہت بہتر ہے۔''

حافظ عتیق الرحمٰن، ترجمہ قرآن کے حاشیہ پر لکھتے ہیں:

''(ابرار و صالحین کی) سب سے بڑھ کر مہمان نوازی ہوگی مہمان وہ خود ہوں گے، میزبان اللہ تعالیٰ اور دستر خوان جنت ہوگا ایسی میزبانی کے کیا کہنے؟'' (تفسیر القرآن)۔

۶۔ یہ تو آخرت کی سدا بہار، پر وقار، سر بلند اور باعزت زندگی ہے اور دنیا سے اس کی کوئی نسبت نہیں ہو سکتی، مگر غور کیجئے تو رمضان المبارک میں بندۂ مومن کا تھوڑا بہت رزق اس دنیا میں بھی بڑھا دیا جاتا ہے سحری اور افطاری کے وقت متوسط گھرانوں کے دستر خوان بھی کچھ زیادہ ہی سجے ہوتے ہیں۔

یہاں رک جایئے اور افطاری و سحری کرتے وقت ان غریبوں اور مسکینوں کا خیال بھی دل میں لایئے جو پاس پڑوس اور دور و نزدیک رہتے ہیں جن کے گھر میں شام کا راشن بھی نہیں ہے، ان تک ہمدردی کے جذبات پہنچانا اور ان کی مدد کرنا بڑا ہی اجر ہے۔

۷۔ اسی خطبہ مبارک میں جہاں روزہ رکھنے کا لامحدود اجر و ثواب مذکور ہے وہاں کسی کا روزہ افطار کرانے کا بھی بہت بڑا انعام بتایا گیا، اللہ تعالیٰ کے یہاں اس کے انعامات و احسانات کا کون اندازہ لگا سکتا ہے؟

۸۔ آپؐ نے خطبہ میں یہ بھی ارشاد فرمایا کہ ''رمضان المبارک کا ابتدائی حصہ رحمت، درمیانی حصہ مغفرت اور آخری حصہ جہنم سے آزادی کا وقت ہے''۔

مولانا محمد منظور نعمانیؒ اس پر لکھتے ہیں:

''اس عاجز کے نزدیک اس کی راجح اور دل کو لگنے والی توجیہ اور تشریح یہ ہے کہ رمضان

Marfat.com

المبارک کی برکتوں سے مستفید ہونے والے بندے تین طرح کے ہو سکتے ہیں، ایک وہ اصحاب صلاح وتقویٰ جو ہمیشہ گناہوں سے بچنے کا اہتمام رکھتے ہیں اور جب کبھی ان سے کوئی خطا اور لغزش ہو جاتی ہے تو اسی وقت توبہ واستغفار سے اس کی صفائی وتلافی کر لیتے ہیں، تو ان بندوں پر تو شروع مہینہ ہی سے بلکہ اس کی پہلی ہی رات سے اللہ کی رحمتوں کی بارش ہونے لگتی ہے۔ دوسرا طبقہ ان لوگوں کا ہے جو ایسے متقی اور پرہیزگار تو نہیں لیکن اس لحاظ سے بالکل گئے گزرے بھی نہیں ہیں، تو ایسے لوگ جب رمضان المبارک کے ابتدائی حصے میں روزہ اور دوسرے اعمال خیر اور توبہ و استغفار کے ذریعے اپنے حال کو بہتر اور اپنے آپ کو رحمت ومغفرت کے لائق بنا لیتے ہیں تو درمیانی حصے میں ان کی بھی مغفرت اور معافی کا فیصلہ صادر فرما دیا جاتا ہے۔ اور تیسرا طبقہ ان لوگوں کا ہے جو اپنے نفسوں پر بہت ظلم کر چکے ہیں اور ان کا حال بڑا ابتر ہو رہا ہے اور اپنی بداعمالیوں سے وہ گویا دوزخ کے پورے پورے مستحق ہو چکے ہیں، وہ بھی جب رمضان المبارک کے پہلے اور درمیانی حصے میں عام مسلمانوں کے ساتھ روزے رکھ کے اور توبہ واستغفار کر کے اپنی سیاہ کاریوں کی کچھ صفائی اور تلافی کر لیتے ہیں تو آخیر عشرہ میں (جو دریائے رحمت کے جوش کا عشرہ ہے) اللہ تعالیٰ دوزخ سے ان کی بھی نجات اور رہائی کا فیصلہ فرما دیتا ہے۔" (معارف الحدیث: جلد چہارم)

حقیقت یہ ہے کہ اس ماہِ مقدس میں آسمان کی فضائے بسیط سے اللہ کے حکم سے فرشتہ یہ صدا بلند کرتا ہے:

يَا بَاغِيَ الْخَيْرِ اَقْبِلْ وَ يَا بَاغِيَ الشَّرِّ اَقْصِرْ. (نسائی) "اے نیکیوں کے طالب (اپنے دامن میں زیادہ سے زیادہ نیکیاں سمیٹ لے) اور اے برائیوں کے چاہنے والے اب بھی باز آجا (اور اپنے دامن کو پاکیزہ بنا)۔"

اور قرآن حکیم پکارتا ہے:

قُلْ يٰعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِيْعًا ؕ اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ (الزمر:۵۳)

"(اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم!) آپ لوگوں سے کہہ دیجئے، اے میرے بندو! جنہوں نے اپنی جانوں پر ظلم کیا ہے، اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہو، یقیناً اللہ سارے ہی گناہ معاف کر دیتا ہے کیونکہ وہ بڑا ہی بخشنے والا، مہربان ہے۔"

صرف شرط یہ ہے کہ بندہ سچے دل سے اپنے رب کے حضور توبہ واستغفار کرے، آئندہ اپنا راستہ سیدھا کرلے اور خلوص نیت سے اپنی جبین نیاز اس کی چوکھٹ پر جھکادے، تو وہاں سے مزید خوشخبری ملتی ہے۔ آیئے اسے سنئے:

الا من تاب و امن و عمل عملاً صالحا، فاولئک یبدل اللہ سیاتھم حسنت، وکان اللہ غفورا رحیما. (الشعراء:۱۰۷)

''ہاں جو شخص توبہ کرے اور ایمان لے آئے اور نیک عمل کرے تو ایسے لوگوں کی برائیوں کو اللہ نیکیوں سے بدل دے گا اور اللہ تو بڑا ہی بخشنے والا، مہربان ہے۔''

۹۔ اس ماہِ مبارک میں ماتحت عملہ، خادموں اور ملازمین کے ساتھ احسان ومروت کی تلقین کی گئی ہے، ان کے روزانہ کے کام میں قدرے تخفیف پر رب کریم کی طرف سے بخشش اور مغفرت کا مژدہ جانفزا سنایا گیا ہے۔ اللہ، اللہ! اس تھوڑے سے لطف وکرم پر کتنے بڑے انعام کی نوید ہے۔

۱۰۔ اسی خطبہ مبارک میں ہے کہ چار باتوں کا التزام کرو۔ (پہلی بات) لا الٰہ الا اللّٰہ کا کثرت سے ورد کرو، اس لئے کہ کلمہ توحید ہی تمام اعمال کی بنیاد ہے۔

(دوسری بات) اپنی خطاؤں پر نادم وشرمسار ہو کر رب کریم کے حضور توبہ واستغفار کی کثرت، اَسْتَغْفِرُ اللّٰہَ رَبِّی مِنْ کُلِّ ذَنْبٍ وَّ اَتُوبُ اِلَیْہِ.

(تیسری بات) اس کی جنت کی طلب۔ اَللّٰھُمَّ نَسْـأَلُکَ الْجَنَّۃَ ۔ اے اللہ! آپ سے جنت طلب کرتے ہیں۔

(چوتھی بات) جہنم سے بچنے کے لئے اس کی پناہ میں آجاؤ۔ اَللّٰھُمَّ اَجِرْنَا مِنَ النَّارِ۔ ''اے اللہ! ہمیں آتش دوزخ سے بچا۔''

Marfat.com

Marfat.com

مسلمان کا مسلمان پر ہتھیار اٹھانا؟

حضرت عبداللہ ابن عمرؓ اور ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جو شخص ہم پر ہتھیار اٹھائے، وہ ہم میں سے نہیں ہے۔'' (مَنْ حَمَلَ عَلَيْنَا السِّلَاحَ فَلَيْسَ مِنَّا) اسے امام بخاریؒ نے روایت کیا اور امام مسلم کی روایت میں زائد الفاظ یہ ہیں:

''جس شخص نے ہمیں دھوکہ دیا، وہ ہم میں سے نہیں ہے'' (وَمَنْ غَشَّ فَلَيْسَ مِنَّا) [مشکوٰۃ کتاب القصاص]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے تو اپنے ساتھ خون کے رشتہ سے بڑھ کر ایک اور رشتہ قائم فرمایا...... اور وہ دین کا رشتہ تھا، جس نے زندگی کو ایک نیا رخ عطا کیا، اس پر رونق اور بہار آئی، اخلاق و مروت کا چمن شاداب ہوا، ہمدردی اور غمخواری کے پھول کھلنے لگے، انسانیت کے جوہر چمکے اور ان میں حسن اور نکھار پیدا ہوا، وہی لوگ جو پہلے ایک دوسرے کے جانی دشمن تھے، قبولِ اسلام کے ساتھ ہی بھائی بھائی بن گئے، مدتوں کے بچھڑے ہوئے آپس میں اکٹھے ہی نہیں ہوئے بلکہ ایک دوسرے کے دکھ سکھ، رنج و راحت اور غمی و خوشی میں کام آنے لگے، اب اگر ایک کے پاؤں کے تلوے میں کانٹا بھی چبھ جاتا تو سب کے جسم و جان پر بن جاتی، کسی ایک کو کوئی پریشانی آجاتی تو سب اس کے لئے مضطرب اور بے چین نظر آتے، قرآن حکیم نے رحماء بینهم (آپس میں ہمدرد و غمخوار) بتلا کر ان کی سیرت کو ہمیشہ کے لئے مثالی بنا دیا ہے، اپنے تو اپنے رہے وہ غیروں کے بھی عزت و ناموس کے رکھوالے، نگہبان اور مہربان، ہمدرد و غمگسار بنے۔

مسلمان اپنے حسن اخلاق اور پاکیزہ کردار سے جانا پہچانا جاتا ہے۔ اس کی گفتگو، اس کی نقل و حرکت، اس کا عہد و پیماں اور دوسروں کے ساتھ اس کا معاملہ پاکیزہ اور مثالی ہوتا ہے۔ جہاں وہ رب کائنات کی بندگی کرتا ہے وہاں رب کے بندوں کے ساتھ حسن سلوک سے پیش بھی آتا ہے، وقت پر

Marfat.com

نماز ادا کرتا ہے تو آس پاس کے پڑوسیوں کے حقوق کا خیال بھی رکھتا ہے، تسبیح ومناجات کے لئے وقت نکالتا ہے تو بیواؤں اور یتامیٰ کی سرپرستی بھی کرتا ہے، رزق حلال کے حصول میں تگ ودو کرتا ہے تو انفاق فی سبیل اللہ کی تمنا اور آرزو بھی رکھتا ہے اور اللہ کے دیئے ہوئے رزق میں سے غرباء ومساکین کا حصہ بھی نکالتا ہے گویا کہ اس کی کتاب زندگی کا ہر ورق رضائے الٰہی سے مزین ہوتا ہے ؎

ہر لحظہ ہے مومن کی نئی شان نئی آن
گفتار میں، کردار میں اللہ کی برہان

اسلام نے ایسی تمام باتوں سے منع کیا ہے جس سے مسلمانوں کو تکلیف واذیت دینا تو کجا، دل آزاری تک بھی ہو، ذرا ان احادیث مبارکہ پر غور کیجئے:

جابر بن عبداللہؓ کہتے ہیں کہ مسجد میں ایک شخص تیر لے کر گزرا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اس کی نوکیں تھام لو'' (تیر کی نوکیں بھی دیکھنے والوں کو کبیدہ خاطر نہ بنائیں) [بخاری، کتاب الفتن]

ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جب تم میں سے کوئی ہماری مسجد سے یا ہمارے بازار میں سے تیر لے کر گزرے تو اس کی نوک تھام لے یا یوں فرمایا کہ اس پر اپنی ہتھیلی رکھ لے، ایسا نہ ہو کہ کسی مسلمان کو اس سے (جسمانی یا روحانی) تکلیف پہنچے۔'' (بخاری کتاب الفتن)

حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''تم میں سے کسی کا اس وقت تک ایمان (کامل) نہیں ہوسکتا جب تک کہ وہ اپنے بھائی کے لئے وہی پسند نہ کرے جو وہ اپنے لئے پسند کرتا ہے۔'' (متفق علیہ۔باب تعظیم حرمات المسلمین۔ریاض الصالحین)

یہ حدیث مبارک بڑی معنی خیز ہے، ظاہر ہے بھلا کون شخص اس بات کو پسند کرے گا کہ اس کے ساتھ کوئی بداخلاقی سے پیش آئے، اسے ابتلا وآزمائش میں مبتلا کرے، معاملات میں دکھ اور فریب دے، اس کے ساتھ بدکلامی اور بدزبانی کرے اور اس کے حقوق ضائع اور تلف کرے، تو لازماً اسے بھی چاہئے کہ وہ دوسروں کے ساتھ کسی طرح بھی کوئی برا سلوک نہ کرے، زبان اور ہاتھ سے ایذا اور تکلیف دینے سے اپنے آپ کو روکے، اگر وہ ایسا نہیں کرتا تو یقیناً ایمان میں بہت بڑا خلا رہ جائے گا، وہ اس کی لذت اور چاشنی کو نہیں پاسکتا ہے۔

Marfat.com

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''مسلمان بھائی بھائی ہیں، نہ ایک دوسرے کی خیانت کریں، نہ جھوٹ بولیں، نہ ہی ذلیل ورسوا کریں، ہر مسلمان پر مسلمان کا خون، اس کا مال اور اس کی عزت حرام ہے، پھر آپؐ نے فرمایا: تقویٰ یہاں ہے (یعنی دل میں) اور انسان کے لئے اتنی ہی برائی کافی ہے کہ وہ اپنے مسلمان بھائی کو حقیر سمجھے۔'' (ترمذی: ریاض الصالحین)

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع کے موقع پر امت مسلمہ کو جو بہت سی نصیحتیں فرمائیں، ان میں ایک یہ بھی تھی:

لَاتَرْجِعُوا بَعْدِی کُفَّارًا، یَضْرِبُ بَعْضُکُمْ رِقَابَ بَعْضٍ (بخاری۔ کتاب الفتن) ''دیکھو! میرے بعد کہیں ایک دوسرے کی گردنیں مار کر کافر نہ بن جانا۔''

اور قرآن اعلان کرتا ہے: وَمَنْ یَّقْتُلْ مُؤْمِنًا مُّتَعَمِّدًا فَجَزَآؤُہٗ جَھَنَّمُ خٰلِدًا فِیْھَا وَغَضِبَ اللّٰہُ عَلَیْہِ وَلَعَنَہٗ وَاَعَدَّ لَہٗ عَذَابًا عَظِیْمًا (النساء:۹۳) ''اور جو شخص مسلمان کو قصداً مار ڈالے تو اس کی سزا دوزخ ہے۔ جس میں وہ ہمیشہ جلتا رہے گا، اللہ کا اس پر غضب ہوگا، اس پر وہ لعنت کرے گا اور ایسے شخص کے لئے اس نے بڑا سخت عذاب تیار کر رکھا ہے۔''

غور کیجئے کہ مومن کا قتلِ عمد کتنا بڑا جرم ہے کہ ایک ہی آیہ مبارکہ میں جہنم کی ابدی سزا، اللہ تعالیٰ کا مسلسل غضب اور اس کی رحمت سے محرومی کا بیان ہوا ہے، اتنی شدید سزائیں کسی اور گناہ کے لئے ذکر نہیں کی گئیں، حضرت ابن عباسؓ اس کی توبہ کی قبولیت کے بھی قائل نہ تھے، گناہ کی شدت کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کئی آیات میں شرک کے فوراً بعد ایک مومن کے قتل عمد کا ذکر کیا ہے، جب کہ ارشاد ہوتا ہے:

وَالَّذِیْنَ لَا یَدْعُوْنَ مَعَ اللّٰہِ اِلٰھًا اٰخَرَ وَلَا یَقْتُلُوْنَ النَّفْسَ الَّتِیْ حَرَّمَ اللّٰہُ اِلَّا بِالْحَقِّ (الفرقان:۶۸) ''اور (رحمٰن کے بندے) اللہ کے ساتھ کسی اور الٰہ کو نہیں پکارتے اور نہ ہی اللہ کی حرام کی ہوئی کسی جان کو ناحق قتل کرتے ہیں۔''

آج ہماری انفرادی اور اجتماعی زندگیوں میں اسلامی تعلیمات کی جھلک ختم ہوچکی ہے، دنیا کی حرص وہوس نے ہمارے دل ودماغ ماؤف کرڈالے ہیں، سوچ بچار کی صلاحیتیں رخصت ہوچکی ہیں، کھرے اور کھوٹے میں تمیز جاتی رہی ہے، یہ حقیقت ہے کہ مسلمان کے پاس جس قدر مال آج ہے اتنا کبھی نہیں ہوا مگر جس قدر عقل کا اندھا اور معاملات کا کھوٹا وہ آج ہے کبھی نہیں ہوا، عرب

ریاستیں سونا اگلتی ہیں اور اتنی امیر ہیں کہ پوری دنیا کو خرید سکتی ہیں مگر ان کی عسکری قوت شل ہے، دولت کی فراوانی نے انہیں تن آسان بنا دیا ہے، جب وہ غریب تھے تو فاتح عالم تھے۔ انہوں نے چار دانگ عالم میں اسلام کا پھریرا لہرا دیا تھا، ان کی سرزمین میں اسرائیل غاصب بن کر بیٹھ گیا اور مستقل اسرائیلی ریاست بنا ڈالی۔ اور اس نے اپنے دفاع کے لئے اپنی عسکری قوت اتنی مضبوط بنا لی ہے کہ مختصر سی ریاست ہونے کے باوجود تمام عرب ریاستوں کی ناک میں تیر دے رکھا ہے، خاص طور پر فلسطینی سالہا سال سے اس کے ظلم وستم کا شکار ہیں، اور روزانہ ان کا جانی و مالی نقصان ہو رہا ہے، اسرائیل کی اس کھلی جارحیت اور دہشت گردی کا اقوام عالم میں سے کوئی نوٹس نہیں لیتا ہے، اس وقت دنیا کا چوہدری امریکہ اس کی پشت پناہی کر رہا ہے بلکہ اس نے خود بھی عالمی دہشت گردی کی بے مثال تاریخ رقم کی ہے کہ گزشتہ کئی برسوں سے مسلمان ممالک پر بارود گرا رہا ہے مسلمان اس سے پہلے آپس میں لڑتے جھگڑتے رہے ہیں، اس سے ہمارے دشمنوں کو فائدہ پہنچا ہے۔ اپنے لوگ ہی اپنی ناکامی کا باعث بنے ہیں۔

اس گھر کو آگ لگ گئی گھر کے چراغ سے

قرآن حکیم نے مسلمانوں کو واشگاف الفاظ میں بتا دیا تھا۔ وَاعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا۔ ''اور دیکھو! اللہ کی رسی (قرآن حکیم) کو مضبوطی سے تھام لو اور آپس میں تفریق نہ ڈالو۔''

اگر تم فرقوں میں بٹ گئے تو پھر سن لو!

فَتَفْشَلُوْا وَتَذْهَبَ رِيْحُكُمْ. ''تو پارہ پارہ ہو جاؤ گے اور تمہاری تمام تر شہرت پامال ہو جائے گی۔''

جب ہم اپنے وطن عزیز پر نگاہ ڈالتے ہیں تو بڑا صدمہ ہوتا ہے کہ گزشتہ 56 برسوں سے کوئی نظام قائم نہ کر سکے۔ اسلام کے نام پر بے پناہ قربانیوں سے یہ ملک حاصل کیا تھا مگر آج تک اسلام کا عادلانہ نظام قائم نہ کر سکے۔ اس کے لئے ہم سب مجرم ہیں، روزانہ کے اخبارات پڑھ کر دل چھلنی ہو جاتا ہے، ان حالات میں کیا ہماری خوشیاں ہمارے لئے مبارک ہو سکتی ہیں؟

Marfat.com

علاقائی تعصّبات......اسلامی تعلیم کے منافی

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے:

لَیْسَ مِنَّا مَنْ دَعَا اِلٰی عَصَبِیَّۃٍ (نظرۃ النور۔ مصطفٰے محمد عمارہ) یعنی "وہ شخص یا گروہ ہم میں سے نہیں ہے جس نے عصبیت کو ہوا دی۔"

مولف اس کی تشریح میں لکھتے ہیں:

دَعَا النَّاسَ عَلَی الاِجْتِمَاعِ عَلٰی عَصَبِیَّۃٍ اَیْ طَائِفَۃٍ مَعْلُوْمَۃٍ "علاقائی تعصب کی بنیاد پر مخصوص گروہ اور جماعت کو جمع کر لینا۔"

اسلام کی دعوت کسی خاص خطہ اور علاقہ کے لئے نہیں ہے یہ رب العالمین کا نازل کردہ دین ہے، ایسا مشفق اور مہربان پروردگار جو جہانوں کا پالنہار ہے۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ

ہر شکر اور ہر تعریف صرف اور صرف اللہ تعالیٰ ہی کے لئے ہے جو تمام جہانوں کا پالنہار ہے۔

اسی طرح خاتم النبیین حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت و رسالت بھی نسل انسانیت کے لئے ہے، ارشاد ہوتا ہے:

وَمَآ اَرْسَلْنٰکَ اِلَّا کَآفَّۃً لِّلنَّاسِ بَشِیْرًا وَّنَذِیْرًا (سبا:۲۸) "اور (اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم) ہم نے آپ کو نسل انسانیت کے لئے خوشخبری سنانے والا (رب کریم کے انعامات کی) اور ڈرانے والا (اس کے عذاب سے) بنا کر بھیجا ہے۔"

آپ صلی اللہ علیہ وسلم جو روشن کتاب لے کر تشریف لائے، وہ بھی نسل انسانیت کی ہدایت و رہنمائی کے لئے نازل کی گئی ہے۔

اِنَّآ اَنْزَلْنَا عَلَیْکَ الْکِتٰبَ لِلنَّاسِ بِالْحَقِّ (الزمر:۴۱) "بلاشبہ ہم نے یہ کتاب تمام

Marfat.com

لوگوں کے لئے آپؐ پر حق کے ساتھ نازل کی اور اس امت کا فریضہ بھی بنی نوع انسان کو رشد و ہدایت کی طرف بلانا ہے۔

كُنتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنكَرِ (ال عمران:۱۱۰)''(مومنو! جتنی امتیں پیدا ہوئیں) تم ان سب سے بہتر ہو کہ (تمہارے ذمہ اقوام عالم کو) نیکیوں کا حکم دینا اور برائیوں سے روکنا ہے۔''

اسلام کی تعلیمات عالمگیر اور آفاقی ہیں، وہ یہ کہتا ہے کہ تمام انسان حضرت آدم علیہ السلام اور حوا علیہا السلام کی نسل سے ہیں اور سب کا پالنہار ایک ہی ہے۔ ارشاد ہوا:

إِنَّ هَٰذِهِ أُمَّتُكُمْ أُمَّةً وَاحِدَةً وَأَنَا رَبُّكُمْ فَاعْبُدُونِ (الانبیا:۹۲)''(اے لوگو!) یہ تمہاری جماعت (دراصل) ایک ہی جماعت ہے اور میں تم سب کا پروردگار ہوں تو تم سب میری عبادت کرو۔''

اس کی عالمگیر دعوت پکار پکار کر کہہ رہی ہے۔

قُلْ يَا أَهْلَ الْكِتَابِ تَعَالَوْا إِلَىٰ كَلِمَةٍ سَوَاءٍ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ أَلَّا نَعْبُدَ إِلَّا اللَّهَ وَلَا نُشْرِكَ بِهِ شَيْئًا وَلَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا أَرْبَابًا مِّن دُونِ اللَّهِ ۚ فَإِن تَوَلَّوْا فَقُولُوا اشْهَدُوا بِأَنَّا مُسْلِمُونَ (ال عمران:۶۴)''کہو اے اہل کتاب! آؤ ایک ایسی بات کی طرف جو ہمارے اور تمہارے درمیان یکساں ہے۔ (جس کی صراحت تورات و انجیل میں بھی ہے جو ٹھیک ٹھیک آسمان سے نازل ہوئی) یہ کہ ہم اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کی بندگی نہ کریں، اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائیں اور ہم میں سے کوئی اللہ کے سوا کسی کو اپنا رب نہ بنائے۔ اس دعوت کو قبول کرنے سے اگر وہ منہ موڑیں تو صاف کہہ دو کہ گواہ رہو، ہم تو مسلمان ہیں (یعنی صرف رب کریم کی بندگی و اطاعت کرنے والے ہیں) اس کے نزدیک یہ ساری زمین اللہ تعالیٰ ہی کی ملکیت ہے، انسان اس کا خلیفہ ہے اور اس کی یہ ذمہ داری ہے کہ یہاں پر اسی خالق کائنات کا نظام جاری و ساری کرے، ارشاد ہوتا ہے:

وَقَاتِلُوهُمْ حَتَّىٰ لَا تَكُونَ فِتْنَةٌ وَيَكُونَ الدِّينُ لِلَّهِ (البقرہ:۱۹۳)''اور اللہ کا دین قائم کرنے کے لئے فتنہ و فساد پیدا کرنے والوں سے اس وقت تک جنگ کرو کہ یہ فساد نابود ہو جائے اور (ملک میں) ہر طرف اسی کا قانون نافذ و جاری ہو جائے۔''

Marfat.com

اقامت دین کا یہی جذبہ اور یہی ولولہ ہمارے اسلاف کو مضطرب اور بے چین کئے رکھتا تھا اور وہ دعوت حق کا پرچم اٹھا کر دنیا کے اس کونے سے اس کونے تک مارے مارے پھرتے اور راہ حق میں ہر جانی و مالی قربانی پیش کرتے تھے، اسلامی جرنیل طارق بن زیادؒ (فاتح اندلس) جب سمندر عبور کر کے شہر کے ساحل پر پہنچے تو اپنے سپاہیوں کو کشتیاں جلا دینے کا حکم دیا۔ سپاہی تعجب کے ساتھ سالار سے مخاطب ہوئے کہ انہیں اگر واپس ہونے کی ضرورت پیش آئی اور دشمن کے مقابلے میں بھاگنا ہی پڑا تو کیا بنے گا؟ اپنی واپسی کے اسباب اپنے ہاتھوں ہی ختم کر دینا کہاں کی عقلمندی ہے؟ اس پر طارق بن زیادؒ نے مجاہدین اسلام کے سامنے جو تقریر کی وہ تاریخ میں آب زر سے لکھے جانے کے قابل ہے جس کا لب لباب کچھ اس طرح ہے۔

''میرے سپاہیو! تمہارے آگے دشمن ہے اور تمہارے پیچھے سمندر، اب یا تو اس ملک کو فتح کر کے حق کا بول بالا کرو یا اللہ کی راہ میں لڑتے ہوئے جام شہادت نوش کرو۔''

مومن کی زندگی کا مقصد نہ تو مالِ غنیمت کا حصول ہے اور نہ ملکوں اور شہروں کا محض فتح ہی کرنا ہے، بلکہ اس کے پیش نظر اللہ کی زمین پر اللہ ہی کے قانون کو نافذ اور جاری کرنا ہے اور اس کے حصول کے لئے وہ کسی بھی قربانی سے دریغ نہیں کرتا۔

شہادت ہے مطلوب و مقصود مومن
نہ مال غنیمت نہ کشور کشائی

اسی لئے مسلمان کا وطن کوئی خاص ملک یا علاقہ نہیں ہوتا بلکہ وہ اللہ کی راہ میں جہاد کرتا ہوا جہاں بھی پہنچ جاتا ہے وہی اس کا وطن بن جاتا ہے۔

ہر ملک، ملک ماست کہ ملک خدائے ماست

''ہر ملک ہمارا ملک ہے، کیونکہ (حقیقت میں) وہ ہمارے خالق و مالک کا ملک ہے۔''

خود ہجرت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم نے علاقہ پرستی کا خاتمہ کر دیا، مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ کی طرف ہجرت اور دم آخر تک اسے اپنا مسکن بنالینا اس بات کا بین ثبوت ہے کہ جہاں بھی کلمۂ حق کی نشر و اشاعت ہو سکے اور جہاں بھی اقامت دین کی خدمات بہتر طور پر سرانجام دی جاسکیں تم اسی جگہ کو اپنا وطن بنالو۔

مسلمان اپنے دل سے تمام تفرقات و تعصّبات نکال کر صرف مسلمان ہونے پر فخر کرتا ہے،

اس کے لئے باعث افتخار دولت ایمان ہوتی ہے، وہ افغانی، ترکی، ایرانی اور پاکستانی بعد میں ہوتا ہے جب کہ پہلے مسلمان ہوتا ہے۔

نہ افغانیم و نے ترک و تاریم
چمن زادیم از یک شاخساریم
تمیز رنگ و بو بر ما حرام است
کہ ما پروردۂ یک نو بہاریم

نہ ہم افغانی ہیں نہ ترکی اور نہ تاتاری، ہم ایک ہی چمن اور ایک شاخسار یعنی اسلام سے ہیں، ہم پر رنگ ونسل، برتر وکمتر کی تفریق وتمیز حرام ہے، ہم ایک نئی بہار کے پروردہ ہیں اور وہ ہے اسلام کی روح پرور اور پاکیزہ بہار۔ ہمارے پیارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے یہ الفاظ آج بھی دنیائے انسانیت کو امن وسلامتی کا پیغام دیتے ہیں۔

فَلَيْسَ لِعَرَبِيٍّ عَلَى عَجَمِيٍ فَضْلٌ وَلَا لِعَجَمِيٍ عَلَى عَرَبِيٍ وَلَا لِاَسْوَدَ عَلَى اَبْيَضَ وَلَا لِاَبْيَضَ عَلَى اَسْوَدَ فَضْلٌ اِلَّا بِالتَّقْوٰى. (نقوش۔ سیرت نمبر) ''(اے لوگو! جان لو) نہ کسی عرب کو عجمی (غیر عرب) پر کوئی فوقیت حاصل ہے اور نہ ہی کسی عجمی کو کسی عرب پر کوئی برتری ہے، نہ کالا گورے سے افضل ہے اور نہ ہی گورا کالے سے بہتر ہے ہاں بزرگی اور فضیلت کا کوئی معیار ہے تو وہ تقویٰ ہے۔''

حضرت سلمان فارسیؓ سے کسی نے ان کا حسب ونسب دریافت کیا تو فرمایا: ''سلمان بن اسلام'' سلمان تو اسلام کا فرزند ہے، حضرت عمرؓ، بلال حبشیؓ کے بارے میں فرمایا کرتے تھے۔ ''بلال سیدنا'' بلال تو ہمارے سردار ہیں۔

میں کہتا ہوں مسلمان جب وطن کی حد بندیوں کو توڑ کر اسلام کے سچے خادم اور سپاہی تھے تو تمام تر فتوحات اور کامیابیاں، شوکت وسطوت، عزت وعظمت انہیں کے لئے تھیں، انہوں نے چار دانگ عالم میں حق وصداقت کے ڈنکے بجائے، عدل وانصاف کا پھریرا لہرایا اور دنیا کے انسانوں نے ان سے راحت وسکون حاصل کیا اور جب سے وہ وطن پرستی کے باطل نظریات میں مقید ہوئے ہیں اس سے نہ صرف اندرون خانہ فتنہ وفساد کی چنگاریاں بھڑکیں بلکہ بیرون خانہ بھی امن وسلامتی کی فضا رخصت ہو چکی ہے، آج ہم عصبیت ایسی برائی کے سبب تمام تر عروج وکمال اور عزو وقار کھو

Marfat.com

چکے ہیں۔

غور کیجئے کہ وطن کی آزادی کے لئے تمام تفرقات واختلافات کو مٹا کر ہم اسلام کے مضبوط رشتہ میں منسلک ہو گئے تھے اور بے پناہ جانی و مالی قربانیوں کے صلہ میں اللہ تعالیٰ نے ہمیں نعمت آزادی سے بہرہ ور کیا تھا۔ یہاں پر مختلف صوبوں میں لوگوں کی زبانیں، لب و لہجے، لباس، عادات واطوار اور رسم ورواج مختلف تھے مگر ان کے فکر وعقیدہ کی یکسانی نے انہیں بھائی بھائی بنادیا تھا ہمیں یہ آزادی بلوچی، سندھی، سرحدی، پنجابی اور بنگالی ہونے کے فاصلے سے نہیں ملی تھی بلکہ آزادی کا سہرا مسلمان اور صرف مسلمان ہونے کی وجہ سے ہمارے سروں پر بندھا تھا، اور حصول آزادی کا اولین مقصد اس وطن میں اسلامی قانون کا نفاذ تھا، مگر افسوس کہ ہم نے آزادی کی قدر و قیمت کو ہرگز ہرگز نہ پہچانا، اور اصولوں اور ضابطوں کے بغیر زندگی گزاری اور زندگی کے چون برس یونہی گزار دیے۔ نتیجتاً ملک کا آدھا حصہ ہم سے کٹ گیا۔ مشرقی اور مغربی پاکستان آپس میں متحد رہتے تو معاشی اور سیاسی طور پر ہم مضبوط اور توانا رہتے مگر اسلامی دستور اور قانون کے بغیر ہم نے خود کو کمزور اور شکستہ حال بناڈالا اور ملک کا بقیہ حصہ بھی اسی وجہ سے ڈانواں ڈول ہے، یہاں دن کی چکاچوند روشنی میں قیمتی جانیں ضائع ہو جاتی ہیں، عصمتیں لٹ جاتی ہیں۔ روزانہ کے اخبارات پڑھ کر دل مجروح ہو جاتے ہیں، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ قانون کی یہاں بالادستی نہیں ہے، اگر اندرون خانہ سکون اور سلامتی ہوتی اور عالم اسلام کے مسلمانوں میں اتحاد اور اتفاق ہوتا تو امریکہ ایسے دہشت گرد کو کبھی بھی افغانستان اور عراق پر ظلم و بربریت کی جرأت نہ ہوتی اور نہ ہی دنیا کے کسی مقام پر مسلمانوں پر ظلم وستم ڈھایا جاتا۔

یہی مقصود فطرت ہے، یہی رمز مسلمانی
اخوت کی جہانگیری، محبت کی فراوانی
بتان رنگ وخوں کو توڑ کر ملت میں گم ہو جا
نہ تورانی رہے باقی، نہ ایرانی، نہ افغانی

Marfat.com

Marfat.com

جمالِ زندگی

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا کہ مجھے نصیحت فرمایئے، ارشاد ہوا ''میں تمہیں تقویٰ (پرہیز گاری) اختیار کرنے کی نصیحت کرتا ہوں کہ یہ تمہارے تمام معاملات زندگی میں ہمیشہ زینت کا باعث ہے۔'' میں نے عرض کیا ''اے اللہ کے رسولؐ! کچھ اور فرمایئے تو ارشاد ہوا ''تلاوت قرآن اور ذکر الٰہی کو اپنے لئے لازم پکڑو کہ بے شک اس سے آسمان پر تمہارا ذکر ہوگا اور زمین پر تمہارے لئے روشنی کا سامان بنے گا (کہ زندگی کی کامیابیوں سے ہمکنار ہو جاؤ گے)'' میں نے عرض کیا کچھ اضافہ کیجئے۔ ارشاد ہوا ''تمہیں چاہیے کہ دیر تک خاموشی اختیار کیے رکھو، بلاشبہ تمہارا یہ عمل شیطان کو دور رکھنے کا سامان ہو گا اور اس سے تمہیں اپنے دینی امور سرانجام دینے میں مدد ملے گی'' عرض کیا کچھ اور فرمایئے ''ارشاد ہوا زیادہ ہنسنے سے پرہیز کرو کہ یہ دل کو مردہ کرتا ہے اور اس سے چہرے کی روشنی زائل ہو جاتی ہے، میں نے مزید کی تمنا کی تو ارشاد ہوا ''حق اور سچ بات ڈنکے کی چوٹ کہو خواہ یہ کڑوی ہی کیوں نہ ہو، میں نے پھر آرزو کی تو ارشاد ہوا ''اللہ کے دین کے بارے میں کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے ہرگز نہ ڈرو'' میرا شوق طلب بڑھا تو ارشاد ہوا ''تیرے اپنے عیب اور غلطیاں تجھے دوسروں کے عیب اور غلطیاں ظاہر کرنے سے روک دیں۔'' (المتجر الرابح فی ثواب العمل الصالح)

زندگی کا حسن و جمال اعمال حسنہ سے ہی سنورتا اور نکھرتا ہے اور اسلام کی زریں اور ابدی تعلیمات نے اسے نکھارنے اور سنوارنے کا بہتر سروسامان مہیا کر دیا ہے کہ غریب سے غریب انسان بھی غور و فکر، طلب و جستجو اور محنت و ریاضت سے اس کے ثمرات سے بہرہ ور ہو سکتا ہے مندرجہ بالا حدیث مبارک میں صحابی رسولؐ ابوذر رضی اللہ عنہ کے ذوق جستجو کا اندازہ لگایئے اور

رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی جامع اور لازوال نصائح پر بھی غور وفکر کیجئے، کہ ان میں سے ہر نصیحت آب زر سے لکھے جانے کے قابل ہے۔ان پر عمل پیرا ہو جایئے تو زندگی کو تابندگی مل جاتی ہے۔

اس میں سرفہرست نصیحت تقویٰ اختیار کرنے کی ہے کہ تمام عبادات کا مقصد اسی نعمت کا حصول ہے، صوم وصلوٰۃ کی پابندی اور حج اور زکوٰۃ کی ادائیگی سے انسان دولت تقوی سے ہمکنار ہوتا ہے، حقیقت تو یہ ہے کہ ہر تعلیم کا بنیادی مقصد اپنے ہر عمل کے قالب میں اس تقویٰ کی روح کو پیدا کرنا ہے اور اللہ تعالیٰ کے یہاں تمام اجر وثواب بھی اسی صفت کے ساتھ مرتب ہوتا ہے۔ارشاد ہوا:

يٰاَيُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوا رَبَّكُمُ الَّذِىْ خَلَقَكُمْ وَالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ (البقرہ:۲۱)

"لوگو! اپنے رب کی عبادت کرو کہ جس نے تمہیں پیدا کیا اور ان سب کو جو تم سے پہلے (گزر چکے ہیں) تاکہ تم پرہیزگار بن جاؤ (اور غلط راستوں سے بچ نکلو)

سید قطب شہیدؒ لکھتے ہیں:

"(عبادت سے) تم اس صورت تک پہنچ سکو گے اور اسے اختیار کرسکو گے جو انسانی صورتوں میں سب سے بہتر اور منتخب صورت ہے یعنی اللہ کے عبادت گزار اور متقی بندوں کی صورت! جنہوں نے اپنے خالق رب کی خالقیت وربوبیت کا حق ادا کیا اور بلاشرکت غیرے اپنے خالق کی بندگی اختیار کی، اس اللہ کی بندگی جو سب حاضر وغائب کا رب ہے اور سب انسانوں کا خالق اور سب کو زمین وآسمان سے رزق بخشنے والا ہے اور جس کا کوئی شریک وہم سر نہیں۔" (فی ظلال القرآن، ج:اول)

تقویٰ کی اصل یہ ہے کہ آدمی جس چیز سے ڈرتا ہے، اس کے اور اپنے درمیان رکاوٹ کھڑی کرے، بندہ اپنے رب کی ناراضی اور سزا سے ڈرتا ہے تو اس سے بچنے کیلئے کوئی ڈھال بنائے اور وہ ڈھال ہے گناہوں سے پرہیز اور اللہ تعالیٰ کی اطاعت۔ارشاد ہوتا ہے:

وَاتَّقُوْا اللّٰهَ الَّذِىْ اِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ (المائدہ:۹۶)

"پس بچو اس اللہ کی نافرمانی سے جس کی پیشی میں تم سب کو گھیر کر حاضر کیا جائے گا۔"

قرآن حکیم میں تقویٰ اختیار کرنے سے متعلق متعدد آیات ہیں تقویٰ کا لازمی تقاضا یہ ہے کہ

Marfat.com

فرائض کی ادائیگی میں حرام اور مشتبہ چیزوں سے بچا جائے، اور تمام نیک کاموں کو دلی رغبت سے ادا کیا جائے جس کی قرآن نے ترغیب دی ہے۔

مندرجہ ذیل آیہ کریمہ میں حصول تقویٰ کا گر بتا دیا گیا۔

''نیکی یہ ہے کہ آدمی اللہ کو اور یوم آخرت اور ملائکہ کو اور اللہ کی نازل کی ہوئی کتاب اور اس کے پیغمبروں کو دل سے مانے اور اللہ کی محبت میں اپنا دل پسند مال رشتے داروں اور یتامیٰ پر، مساکین اور مسافروں پر، مدد کے لئے ہاتھ پھیلانے والوں اور غلاموں کی رہائی پر خرچ کرے، نماز قائم کرے اور زکوٰۃ دے اور نیک لوگ تو وہ ہیں کہ جب عہد کریں تو اسے وفا کریں اور تنگی اور مصیبت کے وقت میں اور حق و باطل کی جنگ میں صبر کریں، یہ ہیں راستباز لوگ اور یہی لوگ متقی ہیں۔'' (البقرہ:۱۷۷)

حضرت حسن رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ متقی وہ لوگ ہیں جنہوں نے وہ چیزیں چھوڑ دیں جو اللہ تعالیٰ نے ان پر حرام کر دی ہیں اور جو کچھ ان پر فرض کیا ہے وہ ادا کرتے ہیں۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اس آیہ مبارکہ کو پڑھتے:

اِتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقَاتِهِ (ال عمران:۱۰۲) ''اللہ تعالیٰ سے ڈرو جیسا کہ اس سے ڈرنے کا حق ہے''۔

اور ارشاد فرماتے کہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت اس طرح کی جائے کہ کبھی اس کی نافرمانی نہ ہو اور اس کی اس طرح یاد کی جائے کہ کبھی اس کی یاد سے غافل نہ ہو اور ہمیشہ اس کا شکر ادا کیا جائے اور کبھی ناشکری کی کیفیت پیدا نہ ہو۔

حضرت ابوھریرہ رضی اللہ عنہ سے تقویٰ کے بارے میں سوال کیا گیا تو فرمایا ''کیا تم کبھی کانٹوں والے راستے پر چلے ہو؟'' سوال کرنے والے نے کہا ''ہاں!'' آپؓ نے فرمایا ''تب کیا کیا تھا؟'' اس نے کہا ''جب کانٹے دیکھے تو اپنے آپ کو بچاتے اور سمیٹتے ادھر ادھر سے نکل گیا، آپ نے فرمایا ''یہی تقویٰ ہے''۔

عربی شاعر نے اس بات کو کیا ہی خوبصورت انداز میں بیان کیا ہے:

خَلِّ الذُّنُوْبَ صَغِيْرَهَا
وَكَبِيْرَهَا فَهُوَ التُّقٰى

Marfat.com

وَاصْنَعْ كَمَاشٍ فَوْقَ اَرْ

ضِ الشَّوْكِ يَحْذَرُ مَا يَرٰى

لَا تَحْقِرَنَّ صَغِيْرَةً

اِنَّ الْجِبَالَ مِنَ الْحَصٰى

چھوٹے بڑے گناہ چھوڑ دو یہی تقویٰ ہے، جیسے کانٹوں والی زمین پر چلنے والے کی طرح محتاط ہو کر چلو، کسی چھوٹی چیز کو حقیر نہ سمجھو بڑے بڑے پہاڑ کنکریوں سے ہی بنے ہوتے ہیں۔

اور حقیقت بھی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے یہاں ہر چھوٹی بڑی بات لکھی جاتی ہے یہاں تک کہ ذرہ بھر نیکی اور بدی کا بھی اندراج ہوتا ہے۔

فَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَّرَهٗ وَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَّرَهٗ (الزلزال:۷)

''پھر جس نے ذرہ برابر نیکی کی ہوگی وہ اس کو دیکھ لے گا اور جس نے ذرہ برابر بدی کی ہوگی وہ اسے پالے گا''۔

ایک تابعیؒ سے موت کے وقت وصیت کی گزارش کی گئی تو انہوں نے فرمایا کہ میں تمہیں سورۂ نحل کی آخری آیہ مبارکہ کی وصیت کرتا ہوں۔

اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا وَالَّذِيْنَ هُمْ مُّحْسِنُوْنَ (النحل:۱۲۸)

''اللہ ان لوگوں کے ساتھ ہے جو تقویٰ سے کام لیتے ہیں اور احسان پر عمل کرتے ہیں''۔

اور احسان کی تعریف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یوں فرمائی ہے:

اَنْ تَعْبُدَ اللّٰهَ كَاَنَّكَ تَرَاهُ فَاِنْ لَّمْ تَكُنْ تَرَاهُ فَاِنَّهٗ يَرَاكَ ''کہ تم اللہ تعالیٰ کی اس طرح بندگی کرو گویا کہ تم اسے دیکھ رہے ہو اگر (یہ کیفیت پیدا نہ ہو سکے) کہ تم اسے دیکھ رہے ہو تو (خیال کرو) کہ وہ تمہیں دیکھ رہا ہے''۔

بندگی صرف صوم وصلوٰۃ، حج وزکوٰۃ کی ادائیگی کا نام نہیں ہے بلکہ پوری زندگی کو اطاعت الٰہی میں گزارنے کو حقیقی عبادت (بندگی) کہتے ہیں اور قرآن حکیم کی یہ آیہ کریمہ اس کی وضاحت کر رہی ہے۔

قُلْ اِنَّ صَلَاتِيْ وَنُسُكِيْ وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِيْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ (الانعام:۱۶۲)

Marfat.com

آپ ان سے کہئے ''میری نماز، میری قربانی، میری زندگی (اور اس کے شب و روز) اور میری موت (غرضیکہ سب کچھ) اللہ رب العالمین کے لئے ہے۔

اللہ تعالیٰ کو دیکھنے کی سعادت کیونکر نصیب ہوسکتی ہے؟

بندہ مومن اس کے تمام صفاتی نام (اسماء الحسنی) کو ذہن میں لائے اور انفس و آفاق میں اس کی تجلیات اور قدرت کو سامنے رکھ کر زندگی گزارے یا کم از کم یہ خیال کرے کہ وہ اس عظیم رب کا بندہ ہے جو بے شمار اور لاتعداد خوبیوں کا مالک ہے اور جس کے احسانات و انعامات ان گنت ہیں بندہ مومن تقویٰ کی راہ پر صرف اس وقت چل سکتا ہے جب وہ احسان کی کیفیت سے ہمہ وقت سرشار رہے۔

تقویٰ اتنی پسندیدہ راہ ہے کہ اسلاف میں اکابر، اصاغر کو اس کی نصیحت فرمایا کرتے تھے، حضرت عمرؓ اپنے صاحبزادے عبداللہ کو لکھتے ہیں:

''میں تمہیں نصیحت کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ سے ڈرو کیونکہ جو اس سے ڈرا، اس کو اللہ تعالیٰ نے بچایا اور جس نے اسے قرض دیا (اس کی راہ میں خرچ کیا) اللہ تعالیٰ نے اسے اس کا بدلہ دیا اور جس نے اس کا شکر ادا کیا، اللہ تعالیٰ نے اسے اور زیادہ دیا، تقویٰ کو اپنا نصب العین اور اپنے دل کی روشنی بنالو۔''

حضرت علیؓ نے ایک شخص کو کسی مہم کا امیر بنا کر بھیجتے ہوئے نصیحت فرمائی: ''میں تمہیں نصیحت کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہنا کیونکہ تمہیں بہرحال اس کے پاس جانا ہے، اس سے بچ نہیں سکتے، وہی دنیا و آخرت کا مالک ہے۔''

حضرت عمرؒ بن عبدالعزیز نے ایک شخص کو لکھا:

''میں تمہیں تقویٰ کی نصیحت کرتا ہوں، اللہ تعالیٰ اس کے علاوہ کوئی چیز قبول نہیں کرتا، نہ اہل تقویٰ کے علاوہ کسی پر رحم کرتا ہے، نہ تقویٰ کے علاوہ کسی چیز پر ثواب دیتا ہے تقویٰ کی نصیحت کرنے والے تو بہت ہیں اس پر عمل کرنے والے کم ہیں، اللہ تعالیٰ ہمیں اور تمہیں متقیوں میں بنائے۔''

یونس بن عبید سے کسی نے کہا ''مجھے نصیحت فرمایئے''۔ آپ نے فرمایا ''میں تمہیں نصیحت کرتا ہوں تقویٰ اور احسان کی کیونکہ اللہ تعالیٰ متقین اور محسنین کے ساتھ ہے۔'' (جامع العلوم والحکم ابن رجب حنبلی)

Marfat.com

حضرت جنید بغدادیؒ سے پوچھا گیا، نگاہ بچانے میں کس چیز سے مدد مل سکتی ہے؟ انہوں نے جواب دیا ''تمہارے یہ جاننے سے کہ تم جس چیز کو دیکھ رہے ہوں، اس سے زیادہ تیزی سے اللہ تعالیٰ کی نگاہ تم پر پہنچ چکی ہے۔'' امام احمدؒ اکثر یہ شعر پڑھا کرتے تھے

إِذَا مَا خَلَوْتَ الدَّهْرَ يَوْمًا فَلَا تَقُلْ
خَلَوْتُ وَلٰكِنْ قُلْ عَلَيَّ رَقِيبٌ
وَلَا تَحْسَبَنَّ اللّٰهَ يَغْفَلُ سَاعَةً
وَلَا أَنْ مَا يَخْفَى عَلَيْهِ يَغِيبُ

''اگر تم کسی دن تنہائی میں ہو تو یہ نہ کہو کہ میں تنہا ہوں بلکہ یہ کہو کہ میرے اوپر نگران موجود ہے، اللہ تعالیٰ کو ایک لمحہ کے لئے بھی غافل نہ سمجھو اور نہ یہ سمجھو کہ کوئی پوشیدہ چیز اس سے مخفی ہے۔''

ابن سماک رحمۃ اللہ علیہ یوں گنگناتے تھے:

يَا مدمِن الذنبِ أمَا تَستحي
والله في الخلوةِ ثانيكا
غرّك مِن رَبِّك إمهالُهُ
وَ بستره طول مساويكا

اے مسلسل گناہ کرنے والے! کیا تجھے شرم نہیں آتی کہ خلوت میں اللہ تعالیٰ تیرے ساتھ ہوتا ہے۔ تیرے رب کی ڈھیل اور تیرے گناہوں کی پردہ پوشی نے تجھے دھوکے میں مبتلا کر رکھا ہے۔''

ہمارے اسلاف بڑا عہدہ ملنے کے بعد تقویٰ اختیار کرتے تھے۔ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تقویٰ اختیار کرنے کی نصیحت فرمائی تھی، وہ اس پر زندگی بھر جمے رہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ، نے انہیں کہیں حاکم بنا کر بھیجا اور وہ وہاں سے واپس آئے، تو ان کی اہلیہ نے ملامت کی کہ کچھ بھی ساتھ نہیں لائے۔ انہوں نے ایسا جواب دیا جو آبِ زر سے لکھے جانے کے قابل ہے۔

''كَانَ مَعِي ضَاغِطٌ ''میرے ساتھ ایک روکنے والا بھی تھا، (جس نے مجھے روکے رکھا اور مجھے کوئی چیز لینے سے باز رکھا) وَإِنَّمَا أَرَادَ مُعَاذُ رَبَّهُ عَزَّ وَجَلَّ ''اور معاذ بن جبلؓ کو محض

Marfat.com

رب عزوجل کا خوف تھا''۔ ان کی اہلیہ نے (ضابطہ) نگران کے بارے میں یہ سمجھا کہ حضرت عمرؓ نے ان کے ساتھ کوئی شخص بھیجا تھا، تو وہ لوگوں سے اس کی شکایت کرنے لگیں۔ (جامع العلوم والحکم)

غرضیکہ تقویٰ اختیار کرنے کی تاکید قرآن وحدیث میں بہت زیادہ آئی اور صرف متقین ہی کو دنیا میں کامیابی، زمین کی وراثت اور ابدی فوز وفلاح کی خوشخبری دی گئی ہے، ارشاد ہوتا ہے:

اِستَعِینُوا بِاللّٰہِ وَاصبِرُوا، اِنَّ الاَرضَ لِلّٰہِ یُورِثُھَا مَن یَّشَاءُ مِن عِبَادِہٖ، وَالعَاقِبَةُ لِلمُتَّقِینَ (الاعراف:۱۲۸) ''اللہ سے مدد مانگو اور صبر کرو، یہ زمین اللہ کی ہے وہ اپنے بندوں میں جسے چاہے اس کا وارث بنادے اور انجام (خیر) تو متقین کے لئے ہے۔''

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع میں امت کو جامع نصیحتیں ارشاد فرمائی تھیں، اس میں یہ بات بھی تھی۔

''اُوصِیکُم بِتَقوَی اللّٰہِ وَالسَّمعِ وَالطَّاعَةِ ......میں تمہیں اللہ تعالیٰ سے ڈرنے (تقوی اختیار کرنے) نیز اطاعت اور فرمانبرداری کی وصیت کرتا ہوں۔''

اور تقویٰ کی راہ پر چلنے کیلئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم رب تعالیٰ کے حضور یوں گویا ہوئے۔

اَللّٰھُمَّ اِنِّی اَسأَلُکَ الھُدٰی وَالتُّقٰی وَالعَفَافَ وَالغِنٰی ''اے اللہ! میں تجھ سے ہدایت، تقویٰ، پاک دامنی اور تونگری طلب کرتا ہوں''۔

گزشتہ مضمون کے حوالہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دوسری نصیحت ابوذر رضی اللہ عنہ کو یہ تھی ''کہ تلاوت قرآن اور ذکر الٰہی کو اپنے لئے لازم پکڑو کہ اس سے بلاشبہ آسمان پر تمہارا ذکر ہوگا اور زمین پر تمہارے لئے روشنی کا سامان بنے گا''۔

تلاوت قرآن یقیناً باعث اجر وثواب ہے مگر ضروری ہے کہ اس کے تمام آداب کو ملحوظ رکھا جائے تاکہ قاری اس کے ثمرات وبرکات سے کماحقہ بہرہ ور ہوسکے، یہ کوئی معمولی کتاب نہیں ہے جسے کسی انسان نے تحریر کیا ہے بلکہ یہ رب العالمین اور خالق کائنات کی وہ عظیم کتاب ہے جس کے متحمل زمین وآسمان نہ ہوسکے اور جو اگر خاراصفت اور فلک بوس پہاڑوں پر نازل کیا جاتا تو وہ خوف سے لرز اٹھتے۔ ارشاد ہوتا ہے: لَو اَنزَلنَا ھٰذَا القُراٰنَ عَلٰی جَبَلٍ لَّرَاَیتَہٗ خَاشِعًا مُّتَصَدِّعًا مِّن خَشیَةِ اللّٰہِ (الحشر:۲۱) ''اگر ہم اس قرآن کو کسی پہاڑ پر نازل کرتے تو تم دیکھتے کہ وہ پہاڑ خشوع میں گر جاتا اور خشیت الٰہی سے ریزہ ریزہ ہوجاتا''۔

Marfat.com

اہل حق کا بھی یہ وصف بتایا گیا ہے کہ آیات الٰہی سننے سے ان کی آنکھیں چھلکنے لگتی ہیں۔

وَاِذَا سَمِعُوْا مَآ اُنْزِلَ اِلَی الرَّسُوْلِ تَرٰٓی اَعْیُنَھُمْ تَفِیْضُ مِنَ الدَّمْعِ مِمَّا عَرَفُوْا مِنَ الْحَقِّ یَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اٰمَنَّا فَاکْتُبْنَا مَعَ الشّٰھِدِیْنَ (المائدہ:۸۳) ''اور جو کچھ رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کی طرف نازل کیا گیا ہے، جب اسے سنتے ہیں تو آپ دیکھتے ہیں کہ ان کی آنکھوں سے آنسو بہ نکلتے ہیں، اس لئے کہ وہ حق کو پہچان گئے ہیں اور (بے اختیار کہہ اٹھتے ہیں) اے ہمارے رب! ہم ایمان لے آئے، لہٰذا ہمارا نام گواہی دینے والوں میں لکھ دیجئے۔''

یہی وہ صالحین ہیں جو آیات الٰہی کو بہرے اور اندھے بن کر پڑھتے سنتے نہیں ہیں۔

وَالَّذِیْنَ اِذَا ذُکِّرُوْا بِاٰیٰتِ رَبِّھِمْ لَمْ یَخِرُّوْا عَلَیْھَا صُمًّا وَّ عُمْیَانًا (الفرقان:۷۳) اور جب (انہیں) اپنے رب کی آیات سے نصیحت کی جائے تو ان پر اندھے اور بہرے ہو کر نہیں گرتے (بلکہ اثر قبول کرتے ہیں اور اس کے احکام کو حرز جاں بناتے ہیں)۔

اس لئے حکم ہوتا ہے کہ قرآن حکیم کو ٹھہر ٹھہر کر پڑھا جائے اور آیات پر تدبر و تفکر کیا جائے، ارشاد ہوتا ہے:

وَرَتِّلِ الْقُرْاٰنَ تَرْتِیْلاً (المزمل:۴)

''اور قرآن کو خوب ٹھہر ٹھہر کر پڑھا کیجئے''۔

سید مودودیؒ لکھتے ہیں:

''تیز تیز رواں دواں نہ پڑھو، بلکہ آہستہ آہستہ ایک ایک لفظ زبان سے ادا کرو اور ایک ایک آیت پر ٹھہرو تا کہ ذہن پوری طرح کلام الٰہی کے مفہوم و مدعا کو سمجھے اور اس کے مضامین سے متاثر ہو۔ کہیں اللہ کی ذات و صفات کا ذکر ہے تو اس کی عظمت و ہیبت دل پر طاری ہو کہیں اس کی رحمت کا بیان ہے تو دل جذبات تشکر سے لبریز ہو جائے کہیں اس کے غضب اور اس کے عذاب کا ذکر ہے تو دل پر اس کا خوف طاری ہو، کہیں کسی چیز کا حکم ہے یا کسی چیز سے منع کیا گیا ہے تو سمجھا جائے کہ کس چیز کا حکم دیا گیا ہے اور کس چیز سے منع کیا گیا ہے، غرض یہ قرأت محض قرآن کے الفاظ کو زبان سے ادا کر دینے کے لئے نہیں بلکہ غور و فکر اور تدبر کے ساتھ ہونی چاہیے۔''

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قرأت کا طریقہ حضرت انسؓ سے پوچھا گیا تو انہوں نے کہا کہ آپ الفاظ کو کھینچ کھینچ کر پڑھتے تھے، مثال کے طور پر انہوں نے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھ کر بتایا

کہ آپ (لفظ) اللہ، رحمٰن اور رحیم کو مد کے ساتھ پڑھا کرتے تھے۔ (بخاری) حضرت ام سلمہؓ سے یہی سوال کیا گیا تو انہوں نے بتایا کہ حضورؐ ایک ایک آیت کو الگ الگ پڑھتے اور ہر آیت پر ٹھہرتے جاتے تھے، مثلاً اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ پڑھ کر رک جاتے پھر الرحمن الرحیم پر ٹھہرتے اور اس کے بعد رک کر مَالِکِ یَوْمِ الدِّیْنِ کہتے۔ (مسند احمد، ترمذی) حضرت حذیفہؓ بن یمان کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں رات کی نماز میں حضورؐ کے ساتھ کھڑا ہو گیا تو آپ کی قرأت کا انداز دیکھا کہ جہاں تسبیح کا موقع آتا وہاں تسبیح پڑھتے جہاں دعا کا موقع آتا وہاں دعا کرتے، جہاں اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگنے کا موقع آتا وہاں پناہ مانگتے (مسلم، نسائی) حضرت ابوذرؓ کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ رات کی نماز میں جب حضورؐ اس مقام پر پہنچے: اِنْ تُعَذِّبْهُمْ فَاِنَّهُمْ عِبَادُکَ وَ اِنْ تَغْفِرْ لَهُمْ فَاِنَّکَ اَنْتَ العَزِیْزُ الحَکِیْمُ (اگر تو انہیں عذاب دے تو وہ تیرے بندے ہیں ور اگر تو انہیں معاف فرما دے تو، تو غالب اور دانا ہے) آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس آیہ مبارکہ کو دہراتے رہے یہاں تک کہ صبح ہو گئی (مسند احمد)

معلوم ہوا کہ قرآن حکیم کو محض تجوید و قرأت سے پڑھنا ہی نہیں ہے بلکہ آیات پر تدبر و تفکر بھی ایسا ہی ضروری ہے اور احکام کو حرز جان بنانا بھی ایسا ہی لازمی امر ہے، اسی لئے ارشاد ہوتا ہے:

کِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ اِلَیْکَ مُبٰرَکٌ لِّیَدَّبَّرُوْٓا اٰیٰتِهٖ وَلِیَتَذَکَّرَ اُولُوا الْاَلْبَابِ (ص:۲۹) ’’جو کتاب ہم نے آپ کی طرف نازل کی ہے (وہ) بڑی ہی بابرکت ہے تاکہ لوگ اس کی آیات پر غور و فکر کریں اور اہل عقل سبق حاصل کریں۔‘‘

اس کے برعکس قرآن حکیم سے غفلت اور اس پر تدبر و تفکر سے لاپروائی صرف وہی لوگ کرتے ہیں جو منکرین حق ہیں، سچائی اور راستبازی سے منہ موڑتے ہیں، اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں سے مخاطب ہے:

اَفَلَا یَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ اَمْ عَلٰی قُلُوْبٍ اَقْفَالُهَا (محمد:۲۴) ’’کیا یہ لوگ قرآن میں غور نہیں کرتے یا ان لوگوں کے دلوں پر قفل ہیں۔‘‘

حقیقت تو یہ ہے کہ قرآن حکیم کی تلاوت کا حق صرف اور صرف وہی ادا کرتے ہیں جو اسے فہم و تدبر سے پڑھتے ہیں، قرآن ان کی اس خوبی کو اس طرح بیان کرتا ہے:

اَلَّذِیْنَ اٰتَیْنٰهُمُ الْکِتٰبَ یَتْلُوْنَهٗ حَقَّ تِلَاوَتِهٖ اُولٰٓئِکَ یُؤْمِنُوْنَ بِهٖ (البقرہ:۱۲۱)

Marfat.com

"جن لوگوں کو ہم نے کتاب عنایت کی، وہ اس کو (ایسا) پڑھتے ہیں جیسا کہ اس کے پڑھنے کا حق ہے، یہی لوگ اس پر ایمان رکھنے والے ہیں۔"

پھر ایسا بھی ہوتا ہے کہ وہ اپنے رب کے حضور سراپا عجز و نیاز مندی کی تصویر بن کر کھڑے ہوتے ہیں اور بے اختیار قرآن پڑھتے پڑھتے اپنی جبیں نیاز اس کے آگے جھکا دیتے ہیں، اور ان کی اس کیفیت کو قرآن یوں بیان کرتا ہے:۔ وَيَخِرُّوْنَ لِلْاَذْقَانِ يَبْكُوْنَ وَ يَزِيْدُهُمْ خُشُوْعًا (بنی اسرائیل:۱۰۹) "اور وہ ٹھوڑیوں کے بل روتے ہوئے سجدہ میں گر پڑتے ہیں، یہ قرآن ان کی عاجزی اور خشوع و خضوع میں مزید اضافہ کرتا ہے"۔

قرآن حکیم کی تدبر و تفکر سے تلاوت ایمان و یقین میں اضافہ کا سامان بنتی ہے اور یہ اتنی بڑی سعادت ہے جس کے مقابلہ میں دنیا کے تمام خزانے ہیچ ہیں، ارشاد ہوتا ہے

اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ اِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَجِلَتْ قُلُوْبُهُمْ وَاِذَا تُلِيَتْ عَلَيْهِمْ اٰيٰتُهٗ زَادَتْهُمْ اِيْمَانًا وَّ عَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ (انفال:۲) "مومن تو وہ ہیں کہ جب ان کے سامنے اللہ کا ذکر کیا جائے تو ان کے دل کانپ اٹھتے ہیں اور جب اللہ کی آیات انہیں سنائی جائیں تو ان کا ایمان بڑھ جاتا ہے۔"

یہ وہ سعادتمند افراد ہیں جو نماز قائم کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے دیئے میں سے اس کی راہ میں مال خرچ کرتے رہتے ہیں۔

اَلَّذِيْنَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَ مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ (۳) اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا لَهُمْ دَرَجٰتٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَ مَغْفِرَةٌ وَّ رِزْقٌ كَرِيْمٌ (۴) [الانفال]

"(آیات الٰہی پر غور و فکر کرنے والے ہی) نماز قائم کرتے ہیں اور جو کچھ مال و دولت ہم نے انہیں دے رکھا ہے اس میں سے خرچ کرتے ہیں، یہی سچے مومن ہیں، ان کے لئے ان کے رب کے پاس درجات ہیں بخشش ہے اور عزت کا رزق ہے۔"

یہ تو قرآن حکیم کی تلاوت کا حقیقی ادب ہے اور اس کے فوائد و برکات کے نتائج ظاہر و باہر ہیں، اس کے علاوہ تلاوت کتاب کے کچھ ظاہری آداب بھی ہیں۔

۱۔ مصحف (قرآن) کی پاکیزہ، جسم ولباس سے تلاوت کی جائے، بہتر ہے کہ باوضو ہو کر قبلہ رو بیٹھے، ارشاد ہوتا ہے: اِنَّهٗ لَقُرْاٰنٌ كَرِيْمٌ (۷۷) فِيْ كِتٰبٍ مَّكْنُوْنٍ (۷۸) لَّا يَمَسُّهٗٓ اِلَّا

Marfat.com

الْمُطَهَّرُوْنَ (۷۹) [الواقعہ] ''یہ بڑے رتبے کا قرآن ہے جو کتاب محفوظ میں لکھا ہوا ہے اس کو وہی ہاتھ لگاتے ہیں جو پاک ہیں۔''

۲- تلاوت قرآن سے پہلے تعوذ (شیطان مردود کے وسوسوں سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگنا) ضروری ہے اس لئے کہ شیطان انسان کا ازلی دشمن ہے اور وہ کسی طرح بھی اس بات کو پسند نہیں کرتا کہ وہ احکام الٰہی سے بہرہ ور ہو۔ اس لئے حکم دیا گیا ہے:

فَاِذَا قَرَاْتَ الْقُرْاٰنَ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ (النحل:۹۸)

''اور جب بھی تم قرآن پڑھنے لگو تو شیطان مردود سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگ لیا کرو۔''

بلکہ فقہا نے لکھا ہے کہ درمیان میں بات چیت یا کسی کام کے لئے تلاوت کو چھوڑنا پڑے تو دوبارہ شروع کرنے پر بھی تعوذ ضروری ہے۔

۳- قرآن، اللہ تعالیٰ کی کتاب ہے، جسے رحمٰن ورحیم نے خاتم النبیّین محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل فرمایا اور اپنے بندے کو قرآن سکھلایا اس لئے ضروری ہے کہ اس میں فہم وبصیرت کے لئے ہمیشہ اللہ ہی کی مدد تلاش کی جائے، ارشاد ہوتا ہے: اَلرَّحْمٰنُ (۱) عَلَّمَ الْقُرْاٰنَ (۲) خَلَقَ الْاِنْسَانَ (۳) عَلَّمَهُ الْبَيَانَ (۴) [الرحمٰن] ''الرحمٰن (نہایت مہربان ہے) (جس نے) نے قرآن سکھلایا، انسان کو پیدا کیا، پھر اسے اظہار مطلب سکھلایا۔''

۴- قرآن حکیم رب جلیل کی عظیم کتاب ہے، اس کے حروف کی ٹھیک ٹھیک، صحت وصفائی سے ادائیگی بھی ضروری ہے، اس کے لئے قراء حضرات سے قرأت سے پڑھنا سیکھنا بھی ضروری ہے، دنیا کے بہت سے مشاغل میں سے تھوڑا سا وقت نکالنا کوئی مشکل نہیں ہے، اس کا یہ مطلب بھی نہیں ہے کہ کہیں آپ ماہر قاری بنیں، بلکہ تلفظ کی مناسب طور پر ادائیگی ہی کافی ہے۔

۵- قرآن حکیم کی تلاوت، مساجد میں، گھروں میں، مدرسوں میں اور نمازوں میں ہر جگہ اور ہر وقت ہو سکتی ہے خصوصاً نماز فجر میں اس کی (طویل) تلاوت کی بڑی فضیلت آئی ہے، ارشاد ہوتا ہے: اَقِمِ الصَّلٰوةَ لِدُلُوْكِ الشَّمْسِ اِلٰى غَسَقِ الَّيْلِ وَقُرْاٰنَ الْفَجْرِ ط اِنَّ قُرْاٰنَ الْفَجْرِ كَانَ مَشْهُوْدًا (بنی اسرائیل:۷۸) ''آپ زوال آفتاب سے رات کے اندھیرے تک نمازیں قائم کیجئے اور فجر کے وقت قرآن پڑھیئے کیونکہ فجر کے وقت قرآن پڑھنا مشہود ہے۔''

مشہود یعنی حاضر کیا گیا ہے کہ صلوۃ الفجر میں فرشتے حاضر ہوتے ہیں، حضرت ابو ہریرہ رضی

Marfat.com

اللہ عنہ کہتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''نماز با جماعت، اکیلے پڑھنے سے پچیس گنا زیادہ فضیلت رکھتی ہے اور صبح کی نماز کے وقت رات اور دن کے فرشتے اکٹھے ہو جاتے ہیں۔ (بخاری)

یہ بات بھی ذہن میں رہے کہ مندرجہ بالا آیہ کریمہ میں پانچوں نمازوں کی طرف اشارہ ہے، زوال آفتاب سے رات کے اندھیرے تک سے ظہر، عصر، مغرب اور عشا کی نمازیں مراد ہیں جبکہ قرآن الفجر سے نماز فجر مراد ہے کیونکہ اس نماز کی قرأت نسبتاً لمبی ہوتی ہے۔

افسوس کہ مسلمانوں نے جہاں نمازوں کو چھوڑا تو قرآن کو بھی خیر باد کہا، ہمارے اسلاف نے قرآن کو زندگی کا رہنما بنا کر عزت وعظمت حاصل کی تھی اور ہم نے اسے چھوڑ کر اپنے دامن میں کیا چنا ہے ۔

وہ زمانے میں معزز تھے مسلماں ہو کر
اور تم خوار ہوئے تارک قرآں ہو کر

زندگی کا حسن وجمال کن باتوں میں مضمر ہے؟ تقویٰ اور پرہیز گاری اور تلاوت قرآن پر گزشتہ کالموں میں بات ہو چکی ہے، ابوذر رضی اللہ عنہ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی نصیحت فرمائی تھی کہ تلاوت قرآن کے علاوہ ذکر الٰہی کو اپنے لئے لازم پکڑو کہ بے شک اس سے آسمان پر تمہارا ذکر ہوگا اور زمین پر تمہارے لئے روشنی کا سامان ہوگا، ''ذِکْــــــر'' عربی زبان میں ذَکَرَ یَذْکُرُ کا مصدر ہے، اس کے لغوی معنی بھولی ہوئی چیز کی یاد تازہ کرنا اور اسے بار بار ذہن میں لانا ہے، شریعت کی اصطلاح میں ذکر سے مراد اللہ تعالیٰ کی دل اور زبان سے یاد ہے، اور یہ کئی طرح سے ہو سکتی ہے، خود قرآن حکیم کی تلاوت، اس پر غور وفکر اور اس کے احکام کو حرز جاں بنانا بڑا قیمتی ذکر ہے۔ ارشاد ہوتا ہے:

وَهٰذَا ذِكْرٌ مُّبٰرَكٌ اَنْزَلْنٰهُ (الانبیاء:۵۰)

''یہ (قرآن) بھی ایسی ہی بابرکت نصیحت ہے جسے ہم نے (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر) اتارا ہے''۔

قرآن حکیم ذکر (نصیحت) ان معنوں میں ہے کہ یہ انسان کو مقصد زیست سے آگاہ کرتا ہے، کامیاب زندگی کے رموز سکھاتا ہے، کھرے اور کھوٹے میں فرق بتاتا ہے تاکہ بندہ مومن اس کے بتائے ہوئے راستوں پر گامزن ہو کر ساحل مراد پر پہنچ سکے۔

Marfat.com

پھر قرآن حکیم کا ایسا آسان، سہل، سادہ اور دلنشین اندازِ بیان ہے کہ جو بھی اسے خلوص دل سے پڑھتا اور سمجھتا ہے وہ اس سے حکمت وبصیرت کے موتی اپنے دامن میں سمیٹتا ہے، اس کا یہ اعلان عام ہے۔

وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ (القمر:۳۲) ''ہم نے اس قرآن کو ذکر (نصیحت) حاصل کرنے کے لئے آسان بنادیا ہے، پھر ہے کوئی نصیحت ماننے والا؟''

نماز کو باقاعدگی اور پابندی کے ساتھ، خشوع وخضوع سے ادا کرنا بھی ذکر ہے، رب کریم کا ارشاد ہے۔

اِنَّنِیْٓ اَنَا اللّٰهُ، لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنَا، فَاعْبُدْنِیْ، وَ اَقِمِ الصَّلٰوةَ لِذِكْرِیْ (طٰہٰ:۱۴)

''بلاشبہ میں ہی اللہ ہوں، میرے سوا کوئی اِلٰہ نہیں، لہٰذا میری ہی عبادت کرو اور میری یاد کے لئے نماز قائم کرو۔''

فریضہ حج کی ادائیگی بھی ذکر ہے:

فَاِذَآ اَفَضْتُمْ مِّنْ عَرَفٰتٍ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ عِنْدَ الْمَشْعَرِ الْحَرَامِ، وَاذْكُرُوْهُ كَمَا هَدٰىكُمْ (البقرہ:۱۹۰) ''(ایام حج میں) پھر جب عرفات سے واپس آؤ تو مشعر حرام (مزدلفہ) پہنچ کر، اللہ تعالیٰ کو اس طرح یاد کرو جیسے اس نے تمہیں ہدایت کی ہے۔''

اٹھتے بیٹھتے، کھاتے پیتے، چلتے پھرتے، سوتے جاگتے ہر حال میں اللہ تعالیٰ کو یاد رکھنا انفس و آفاق پر غور وفکر کرنا، اس کی نافرمانی سے بچنا اور اس کی یاد میں اپنی زبان کو تر رکھنا بھی اس کی فضیلت سے بہرہ ور ہونا ہے۔ اور یہی لوگ اہل دانش وبینش ہوتے ہیں۔

اِنَّ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافِ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ لَاٰيٰتٍ لِّاُولِی الْاَلْبَابِ، الَّذِيْنَ يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ قِيٰمًا وَّ قُعُوْدًا وَّعَلٰی جُنُوْبِهِمْ وَيَتَفَكَّرُوْنَ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ، رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا سُبْحٰنَكَ فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ (ال عمران:۱۹۰،۱۹۱) ''بلاشبہ آسمانوں اور زمین کی پیدائش میں اور رات اور دن کے باری باری آنے جانے میں اہل عقل کیلئے بہت سی نشانیاں ہیں، (یہی وہ لوگ ہیں) جو اٹھتے بیٹھتے اور لیٹتے، ہر حال میں اللہ کو یاد رکھتے ہیں اور آسمانوں اور زمین کی پیدائش میں سوچ بچار کرتے ہیں (اور پکار اٹھتے ہیں) کہ ''اے ہمارے رب! تو نے یہ سب کچھ بے مقصد پیدا نہیں کیا، تو (ہر عیب ونقص) سے

پاک ہے، پس ہمیں جہنم کے عذاب سے بچالے۔''

اس ذکر وفکر سے وہ ہمیشہ چوکس اور متنبہ رہتے ہیں یہاں تک کہ دنیاوی مشاغل اور کاروباری مصروفیات بھی انہیں اللہ تعالیٰ کی یاد سے غافل ہونے نہیں دیتی ہیں۔ارشاد ہوتا ہے:

رِجَالٌ لَّا تُلْهِيهِمْ تِجَارَةٌ وَلَا بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ وَ اِقَامِ الصَّلٰوةِ وَاِيْتَآءِ الزَّكٰوةِ، يَخَافُوْنَ يَوْمًا تَتَقَلَّبُ فِيْهِ الْقُلُوْبُ وَالْاَبْصَارُ (النور:۳۷)

''(یہ وہ لوگ ہیں) جنہیں اللہ کے ذکر، اقامت صلاۃ اور ادائے زکوٰۃ سے نہ تجارت غافل کرتی ہے اور نہ خرید وفروخت، وہ اس دن سے ڈرتے رہتے ہیں جس میں دل اور آنکھیں الٹ جائیں گی۔(یہی خوف انہیں دوسروں کو دھوکہ اور فریب دینے سے بچاتا ہے اور جونہی مسجد سے حیّ علی الصلوٰۃ، حیّ علی الفلاح کی صدائے دلنواز کانوں میں پڑتی ہے، سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر رب کریم کے در پر حاضر ہو جاتے ہیں'')

نماز ان کے لئے تزکیہ نفس کا سامان بنتی ہے، ان میں حقیقی زندگی کا شعور ابھرتا ہے اور وہ زندگی کی کجرویوں اور گمراہیوں سے بچ نکلتے ہیں، اللہ تعالیٰ کے خوف اور ذکر سے یہ صفت پیدا ہوتی ہے۔

اِنَّ الصَّلٰوةَ تَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ، وَلَذِكْرُ اللّٰهِ اَكْبَرُ (العنکبوت:۴۵)

''صلوٰۃ یقیناً بے حیائی اور برے کاموں سے روکتی ہے اور اللہ کا ذکر تو سب سے بڑی چیز ہے۔''

صلوٰۃ (نماز) بھی یقیناً ذکر ہے اور اس سے کما حقہ فائدہ اٹھانے کے لئے اسے پورے اہتمام وآداب کے ساتھ ادا کرنا بھی ضروری ہے۔

حافظ صلاح الدین یوسف لکھتے ہیں:

''نماز، بے حیائی اور برائی کے روکنے کا سبب اور ذریعہ بنتی ہے، جس طرح دواؤں کی مختلف تاثیرات ہیں اور کہا جاتا ہے کہ فلاں دوا فلاں بیماری کو روکتی ہے اور واقعۃً ایسا ہوتا ہے، لیکن کب؟ جب دو باتوں کا التزام کیا جائے، ایک دوائی کو پابندی کے ساتھ اس طریقے اور شرائط کے ساتھ استعمال کیا جائے جو حکیم اور ڈاکٹر بتلائے، دوسرا پرہیز، یعنی ایسی چیزوں سے اجتناب کیا جائے جو اس دوائی کے اثرات کو زائل کرنے والی ہوں، اسی طرح نماز کے اندر بھی یقیناً اللہ نے ایسی روحانی تاثیر رکھی ہے کہ یہ انسان کو بے حیائی اور برائی سے روکتی ہے لیکن اسی وقت جب نماز کو سنت نبوی صلی

Marfat.com

اللہ علیہ وسلم کے مطابق ان آداب وشرائط کے ساتھ پڑھا جائے جو اس کی صحت وقبولیت کے لئے ضروری ہیں مثلاً، اس کے لئے پہلی چیز اخلاص ہے، ثانیاً طہارت قلب یعنی نماز میں اللہ کے سوا کسی اور کی طرف التفات نہ ہو، ثالثاً باجماعت اوقاتِ مقررہ پر اس کا اہتمام، رابعاً، ارکان صلوٰۃ (قرأت، رکوع، قومہ، سجدہ وغیرہ) میں اعتدال واطمینان خامساً، خشوع وخضوع اور رقت کی کیفیت، سادساً مواظبت یعنی پابندی کے ساتھ اس کا التزام، سابعاً رزق حلال کا اہتمام (کہ اس کے بغیر کوئی عبادت قبول نہیں ہوتی) ہماری نمازیں ان آداب وشرائط سے عاری ہیں، اس کے وہ اثرات بھی ہماری زندگی میں ظاہر نہیں ہو رہے ہیں جو قرآن کریم میں بتلائے گئے ہیں۔'' (تفسیر احسن البیان)

یقیناً اللہ تعالیٰ کا ذکر عظیم بات ہے مگر اس سے فیضیاب وہی ہو سکتا ہے جو اسے توجہ اور انہماک، اخلاص اور ایمان سے ادا کرتا ہے، جس طرح بارش تو یکساں ہوتی ہے مگر اس کے اثرات چٹیل اور بنجر زمین پر مرتب نہیں ہوتے ہیں، جبکہ نرم زمین سرسبز وشاداب ہو کر لہلہانے لگتی ہے۔

قرآن حکیم میں رب کریم کا اعلان ہے:

فَاذْكُرُونِي أَذْكُرْكُمْ (البقرہ:۱۵۲) ''سو تم مجھے یاد کرتے رہو میں تمہیں یاد کرتا رہوں گا۔''

سبحان اللہ! اس آیہ مبارکہ کو پڑھ کر طبیعت وجد میں آجاتی ہے جب عاجز وخاکسار بندہ اپنے مولا ومالک کو نمازوں میں، تلاوتِ قرآن کے ذریعہ، فریضہ حج ادا کرتے ہوئے، اس کے احکام کی اطاعت کرتے ہوئے اور پھر چلتے پھرتے، سوتے جاگتے اس کی یاد سے اپنی زبان کو تر و تازہ رکھتا ہے تو رحمٰن ورحیم بھی اسے اپنے سایہ رحمت میں ڈھانپ لیتا ہے، اسے صراط مستقیم پر استقامت کی توفیق نصیب فرماتا ہے اور اسے دنیا وآخرت میں فوز وفلاح سے ہمکنار فرماتا ہے اور وہ اس کا اعلان فرشتوں میں فرماتا ہے، ذرا اس حدیث پر غور کیجئے:

حضرت ابوھریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے (اور بعض روایات میں یہی حدیث ابوسعید خدریؓ سے بھی روایت ہے) کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے (بعض) فرشتے ہیں جو زمین پر پھرتے رہتے ہیں (یہ ان فرشتوں کے علاوہ ہیں جو لوگوں کے اعمال لکھتے ہیں)۔ (یہ پھرتے رہنے والے فرشتے) جب ایسے لوگوں کو پاتے ہیں جو یاد الٰہی میں مصروف ہوتے ہیں تو آپس میں ایک دوسرے کو پکارتے ہوئے کہتے ہیں کہ آؤ اس چیز کی طرف جو تمہارا مقصد ہے (اور جس کی تلاش میں تم پھر رہے ہو) پس وہ سب فرشتے ذاکرین کے پاس آجاتے

Marfat.com

ہیں اوران پر آسمان دنیا تک چھا جاتے ہیں (ان کیلئے رحمت اور بخشش کی دعائیں مانگتے ہیں) جب وہ رب کریم کے حضور پہنچتے ہیں تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ تم میرے (فلاں بندوں) کو کس حال میں چھوڑ کر آئے ہو، حالانکہ رب کریم ان کے حالات سے ان سے زیادہ باخبر ہے؟ وہ عرض کرتے ہیں کہ ہم انہیں اس حال میں چھوڑ کر آئے ہیں کہ وہ آپ کی تعریف میں رطب اللسان تھے آپ کی عظمت اور ذکر میں مصروف تھے، آپ کی شان اور بڑائی میں ان کی زبانیں ترتھیں، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ کیا انہوں نے مجھے دیکھا ہوا ہے، فرشتے عرض کرتے ہیں کہ نہیں، رب کریم کا ارشاد ہوتا ہے کہ اگر وہ مجھے دیکھ لیتے تو کیا حال ہوتا، فرشتے عرض کرتے ہیں کہ اگر وہ آپ کو دیکھ لیتے تو پھر اور بھی زیادہ شدت اور محبت سے آپ کی تعریف کرتے اور (ان کے دل) آپ کی عزت و عظمت میں لبریز ہو جاتے اور ان کی زبانیں آپ کے ذکر میں مصروف ہو جاتیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ وہ لوگ کیا طلب کرتے ہیں؟ فرشتے عرض کرتے کہ وہ جنت کے آرزومند ہیں، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ کیا انہوں نے جنت دیکھی ہے؟ فرشتے عرض کرتے ہیں کہ نہیں، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اگر اسے (چشم حقیقی) سے دیکھ لیتے تو پھر کیا حال ہوتا، فرشتے عرض کرتے ہیں کہ اسے دیکھنے کے بعد ان کا شوق و اشتیاق کہیں بڑھ جاتا، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ وہ کس چیز سے پناہ مانگتے ہیں؟ فرشتے عرض کرتے ہیں کہ وہ دوزخ سے پناہ مانگتے ہیں، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ کیا انہوں نے دوزخ کو دیکھا ہوا ہے؟ فرشتے عرض کرتے ہیں کہ نہیں، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اگر وہ اسے دیکھ لیتے تو پھر کیا حال ہوتا؟ فرشتے عرض کرتے ہیں کہ اگر وہ اسے دیکھ لیتے تو پھر اور زیادہ شدت و خوف سے اس سے پناہ مانگتے، (اس پر) رحمٰن ورحیم فرماتا ہے کہ میں تمہیں اس بات پر گواہ بناتا ہوں کہ میں نے ان لوگوں کو بخش دیا ہے (سبحان اللہ!) فرشتے عرض کرتے ہیں کہ اے رب کریم! ان میں سے فلاں شخص بھی ہے جو ان میں سے نہیں ہے اور وہ ان میں شامل نہ ہوا (بلکہ) محض دنیاوی ضرورت کے لئے ان کے پاس آیا تھا (اور ان کے پاس بیٹھ گیا تھا) اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ (میں اس پر بھی اپنی رحمت نازل کرونگا)، یہ ذکر کرنے والے ایسے ہیں کہ ان کے پاس بیٹھنے والا بھی بے نصیب نہیں رہتا (اسے بھی دریائے رحمت الٰہی سے کچھ نہ کچھ مل ہی جاتا ہے)۔ (بخاری۔ مشکوٰۃ باب الذکر)

اور عین ممکن ہے کہ ذاکرین کی اس محفل میں بیٹھنے والوں کو رب کریم اپنی رحمتوں سے نواز کر صراط مستقیم پر گامزن فرمادے اور انہیں توبہ واستغفار کی توفیق نصیب فرمادے اس لئے نیک مجالس

Marfat.com

کو کبھی بھولنا نہ چاہیے۔

ابرار و صالحین، ذاکرین و شاکرین کے لئے نیز توبہ و استغفار کرنے والوں کے لئے فرشتوں کی دعا کا ذکر قرآن حکیم میں اس طرح آتا ہے:

اَلَّذِیۡنَ یَحۡمِلُوۡنَ الۡعَرۡشَ وَمَنۡ حَوۡلَهٗ یُسَبِّحُوۡنَ بِحَمۡدِ رَبِّهِمۡ وَیُؤۡمِنُوۡنَ بِهٖ، وَیَسۡتَغۡفِرُوۡنَ لِلَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا، رَبَّنَا وَسِعۡتَ کُلَّ شَیۡءٍ رَّحۡمَةً وَّعِلۡمًا فَاغۡفِرۡ لِلَّذِیۡنَ تَابُوۡا وَاتَّبَعُوۡا سَبِیۡلَکَ وَقِهِمۡ عَذَابَ الۡجَحِیۡمِ (المومن:۷)

''جو (فرشتے) عرش اٹھائے ہوئے ہیں اور جو اس کے گرد ہیں سب اپنے رب کی حمد کے ساتھ تسبیح میں (شب و روز) مصروف ہیں اور اس پر ایمان رکھتے ہیں اور وہ اہل ایمان کیلئے بخشش مانگتے (اور کہتے) ہیں ''اے ہمارے رب! تو نے اپنی رحمت اور علم سے ہر چیز کا احاطہ کر رکھا ہے، لہٰذا جنہوں نے توبہ کی اور تیری راہ کی اتباع کی انہیں بخش دے اور جہنم کے عذاب سے بچالے''۔

(اے رب کریم! اس عاصی و گنہگار کو بھی سچی توبہ کی توفیق عطا فرما اور فرشتوں کی اس دعا کا مستحق فرمادے اور پھر ذاکرین و شاکرین کی صف میں شامل فرمادے۔ آمین)

انسانی زندگی جسم اور روح سے مرکب ہے، جسم کی نشو ونما اگر غذا سے ہوتی ہے تو روح کی بالیدگی کا سرو سامان ذکر الٰہی سے ہوتا ہے جسم تنومند ہو تو زور اور قوت کا مظاہرہ ہوتا ہے، اسی طرح روح اگر توانا ہو تو احسان و مروت کے پھول کھلتے ہیں، جسم اگر روح پر حاوی ہو جائے تو انسانوں کے درمیان فتنہ و فساد، ظلم و ستم، دھوکہ اور فریب، لڑائی جھگڑے، حق تلفیاں اور دشمنیاں زور پکڑتی ہیں اور ایسا معاشرہ اعصابی مریضوں کی آماجگاہ بن جاتا ہے، اس کے برعکس اگر روح جسم پر حاوی رہے تو انسانوں کے درمیان الفت و محبت، خیر خواہی اور بھلائی، نرمی اور شفقت، باہم اکرام و تعظیم کے جذبات پرورش پاتے ہیں، اسلام یہ چاہتا ہے کہ شرف انسانیت کے تحت روح جسم پر حکومت کرے، اس لئے دن میں پانچ نمازوں کی پابندی فرض قرار دی گئی ہے تاکہ روح کمزور نہ ہونے پائے، اس کے علاوہ تلاوتِ قرآن، اور ذکر و اذکار کی ترغیب دلائی گئی ہے، تاکہ اس سے بھی روح شاداں و فرحاں رہے۔ ارشاد ہوتا ہے:

فَاِذَا قُضِیَتِ الصَّلٰوةُ فَانۡتَشِرُوۡا فِی الۡاَرۡضِ وَابۡتَغُوۡا مِنۡ فَضۡلِ اللّٰهِ، وَاذۡکُرُوا اللّٰهَ کَثِیۡرًا لَّعَلَّکُمۡ تُفۡلِحُوۡنَ (الجمعۃ:۱۰) ''پھر جب نماز ادا کر دی جائے، تو زمین پر پھیل جاؤ

اور اللہ کا فضل (رزق حلال) تلاش کرو، اور (کاروبار کرتے ہوئے بھی) اللہ کو بکثرت یاد کرتے رہو (خواہ دل سے ہی) شاید کہ تم فلاح پا جاؤ"۔

ایک مقام پر ارشاد ہوا:

یَآ اَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اذْکُرُوا اللّٰهَ ذِکْرًا کَثِیْرًا، وَسَبِّحُوْهُ بُکْرَةً وَّاَصِیْلًا

(الاحزاب: ۴۱، ۴۲) "اے ایمان والو! اللہ کو بکثرت یاد کیا کرو اور صبح و شام اس کی تسبیح کیا کرو۔"

اس آیہ مبارکہ پر رسول اللہ صلی علیہ وسلم کا عمل مبارک تھا۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہر وقت (اور ہر کروٹ) ذکر الٰہی میں مصروف رہتے تھے۔ (ترمذی بحوالہ اسوہ حسنہ)

پھر غور کیجئے تو انسان کے دو بڑے دشمن ہیں ایک ظاہری دشمن ہے (ابلیس اور اس کے ساتھی) اور دوسرا باطنی دشمن (نفس امارہ) ہے۔ یہ دونوں دشمن نت نئے حربوں اور چالوں سے، انسان کو اکساتے اور ورغلاتے رہتے ہیں، دھوکہ اور فریب دیتے ہیں، بغاوت اور سرکشی پر ابھارتے ہیں، خوشنما طور طریقوں سے بہلاتے ہیں، اللہ تعالیٰ کا ذکر ان دشمنوں سے بچاؤ کا موثر علاج ہے، شیاطین سے بچنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے یہ کلمات سکھلا دیئے ہیں۔

اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْم

"میں شیطان مردود سے (بچنے کیلئے) اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگتا ہوں (یا پناہ مانگتی ہوں)" پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے حضور یوں بھی کہا کرو:

وَقُلْ رَّبِّ اَعُوْذُبِکَ مِنْ هَمَزٰتِ الشَّیٰطِیْنَ، وَاَعُوْذُ بِکَ رَبِّ اَنْ یَّحْضُرُوْنِ

(المومنون: ۹۷، ۹۸)

"(اے رسولؐ) دعا کیجئے کہ اے میرے پروردگار! میں شیطانوں کے وسوسوں اور اکساہٹوں سے تیری پناہ چاہتا ہوں اور اے میرے پروردگار میں اس سے بھی تیری پناہ چاہتا ہوں کہ یہ شیاطین میرے پاس آئیں"۔

نفس کی خباثتوں اور شرارتوں سے بچنے کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ کی یہ دعا انتہائی مفید ہے۔

اَللّٰهُمَّ اِنِّی اَعُوْذُ بِکَ مِنْ شَرِّ نَفْسِیْ، وَشَرِّ لِسَانِیْ، وَشَرِّ قَلْبِیْ وَشَرِّ مَنِیِّیْ،

(مسنون دعائیں) ''اے اللہ! میں اپنے نفس، زبان، دل اور ستر کے شر سے تیری پناہ میں آتا ہوں (آتی ہوں)۔''

اس کے علاوہ نفس اور شیاطین کے شر سے بچنے کے لئے قرآن حکیم کی دو آخری سورتوں کا ورد اکسیر اور مجرب ہے۔

ذکر بندہ مومن کی روحانی غذا ہے، اس کے بغیر روح مردہ ہو جاتی ہے، عجز و خاکساری اور گریہ وزاری سے اللہ تعالیٰ کے حضور اپنی کمزوریوں اور لاچاریوں کا اظہار کرتے رہنا چاہیے اور اس میں ہرگز ہرگز کوتاہی نہیں ہونی چاہیے، قرآن میں اللہ تعالیٰ اپنے رسول کو حکم دیتا ہے۔

وَاذْكُرْ رَّبَّكَ فِيْ نَفْسِكَ تَضَرُّعًا وَّخِيْفَةً وَّ دُوْنَ الْجَهْرِ مِنَ الْقَوْلِ بِالْغُدُوِّ وَالْاٰصَالِ وَلَا تَكُنْ مِّنَ الْغٰفِلِيْنَ (الاعراف:۲۰۵)

''(اے رسولؐ) اپنے رب کو یاد کیجئے، بصمیم قلب زاری وعاجزی اور کلام پست (خشوع و خضوع) سے صبح وشام مصروف رہیے اور اس میں غفلت ہرگز نہ کیجئے''۔

اللہ اکبر! جب خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ حکم ہو رہا ہے تو ہر کلمہ گو امتی کے لئے اس کی پیروی کتنی ضروری ہے!

قرآن حکیم مسلمان خواتین وحضرات کو اس طرح بشارت دیتا ہے:

اِنَّ الْمُسْلِمِيْنَ وَالْمُسْلِمَاتِ وَالْمُؤْمِنِيْنَ، وَالْمُؤْمِنَاتِ وَالْقَانِتِيْنَ وَالْقٰنِتٰتِ وَالصّٰدِقِيْنَ وَالصّٰدِقٰتِ وَالْمُتَصَدِّقِيْنَ وَالْمُتَصَدِّقٰتِ وَالصَّائِمِيْنَ وَالصَّائِمٰتِ وَالْحٰفِظِيْنَ فُرُوْجَهُمْ وَالْحٰفِظٰتِ وَالذّٰكِرِيْنَ اللّٰهَ كَثِيْرًا وَالذّٰكِرٰتِ، اَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمْ مَّغْفِرَةً وَّ اَجْرًا عَظِيْمًا (الاحزاب:۳۵)

''بالیقین جو مرد اور جو عورتیں مسلم ہیں، مطیع فرمان ہیں، راست باز ہیں، صابر ہیں، اللہ کے آگے جھکنے والے ہیں، صدقہ وخیرات کرنے والے ہیں، روزہ رکھنے والے ہیں، اپنے ستر کی حفاظت کرنے والے ہیں اور اللہ کو کثرت سے یاد کرنے والے ہیں، اللہ نے ان کے لئے مغفرت اور بڑا اجر مہیا کر رکھا ہے۔''

ان میں سے ہر ہر صفت پر بار بار غور کیجئے اور اللہ تعالیٰ سے عمل کی توفیق مانگیے، اگر صرف اسی آیہ مبارکہ کو حرز جان بنالیا جائے تو دنیا وآخرت کی کامیابی کے لئے کافی ہے، ذکر کے بارے

Marfat.com

میں سید مودودیؒ لکھتے ہیں۔

''اللہ کو کثرت سے یاد کرنے کا مطلب یہ ہے کہ آدمی کی زبان پر ہر وقت زندگی کے ہر معاملے میں کسی نہ کسی طرح اللہ تعالیٰ کا نام آتا رہے یہ کیفیت آدمی پر اس وقت تک طاری نہیں ہوتی جب تک اس کے دل میں اللہ کا خیال بس کر نہ رہ گیا ہو، انسان کے شعور سے گزر کر، اس کے تحت الشعور اور لاشعور تک میں جب یہ خیال گہرا اتر جاتا ہے تب ہی اس کا یہ حال ہوتا ہے کہ جو کام اور جو بات بھی وہ کرے گا اس میں اللہ تعالیٰ کا نام ضرور آئے گا، کھائے گا تو بسم اللہ کہہ کر کھائے گا، فارغ ہوگا تو الحمد للہ کہے گا، سوئے گا تو اللہ کو یاد کر کے اور اٹھے گا تو اللہ ہی کا نام لیتے ہوئے۔ بات چیت میں بار بار اس کی زبان سے بسم اللہ، الحمد للہ، ان شاء اللہ، ماشاء اللہ اور اسی طرح کے دوسرے کلمات نکلتے رہیں گے، وہ اپنے ہر معاملے میں اللہ سے مدد مانگے گا، ہر نعمت ملنے پر اس کا شکر ادا کرے گا، ہر آفت آنے پر اس کی رحمت کا طلبگار ہوگا، ہر مشکل میں اس سے رجوع کرے گا، ہر برائی کا موقع سامنے آنے پر اس سے ڈرے گا، ہر قصور سرزد ہونے پر اس سے معافی چاہے گا۔ ہر حاجت پیش آنے پر اس سے دعا مانگے گا، غرض اٹھتے بیٹھتے اور دنیا کے سارے کام کاج کرتے ہوئے اس کا وظیفہ، اللہ ہی کا ذکر ہوگا، یہ چیز درحقیقت اسلامی زندگی کی جان ہے۔

دوسری جتنی بھی عبادات ہیں ان کے لئے بہر حال کوئی وقت ہوتا ہے جب وہ ادا کی جاتی ہیں اور انہیں ادا کر چکنے کے بعد آدمی فارغ ہو جاتا ہے، لیکن ذکر وہ عبادت ہے جو ہر وقت جاری رہتی ہے اور یہی انسان کی زندگی کا مستقل رشتہ، اللہ اور اس کی بندگی کے ساتھ جوڑے رکھتی ہے۔ خود عبادات اور تمام دینی کاموں میں بھی جان اسی چیز سے پڑتی ہے کہ آدمی کا دل محض ان خاص اعمال کے وقت ہی نہیں بلکہ ہمہ وقت اللہ تعالیٰ کی طرف راغب اور اس کی زبان دائماً اس کے ذکر سے تر رہے۔ یہ حالت انسان کی ہو تو اس کی زندگی میں عبادات اور دینی کام ٹھیک اس طرح پروان چڑھتے اور نشوونما پاتے ہیں جس طرح ایک پودا ٹھیک اپنے مزاج کے مطابق آب و ہوا میں لگا ہوا ہو۔

اس کے برعکس جو زندگی اس دائمی ذکر اللہ سے خالی ہو، اس میں محض مخصوص اوقات میں یا مخصوص مواقع پر ادا کی جانے والی عبادات اور دینی خدمات کی مثال اس پودے کی سی ہے جو اپنے مزاج سے مختلف آب و ہوا میں لگایا گیا ہو اور محض باغبان کی خاص خبر گیری سے پل رہا ہو، اسی بات کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم ایک حدیث میں یوں واضح فرماتے ہیں۔

Marfat.com

معاذ بن انس جہنیؓ روایت کرتے ہیں کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ یارسول اللہ! جہاد کرنے والوں میں سب سے بڑھ کر اجر پانے والا کون ہے؟ فرمایا جوان میں اللہ تعالیٰ کو سب سے زیادہ یاد کرنے والا ہے، اس نے عرض کیا روزہ رکھنے والوں میں سب سے زیادہ اجر کون پائے گا؟ فرمایا، جوان میں سب سے زیادہ اللہ کو یاد کرنے والا ہو، پھر اس شخص نے اسی طرح نماز، زکوٰۃ، حج اور صدقہ ادا کرنے والوں کے متعلق پوچھا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر ایک کا یہی جواب دیا کہ ''جو اللہ کو سب سے زیادہ یاد کرنے والا ہو''۔ (مسند احمد)

(تفہیم القرآن جلد چہارم)

آخر میں چند اذکار کا ذکر کرتا ہوں جنہیں اٹھتے بیٹھتے، چلتے پھرتے ریل، کار، ہوائی جہاز، سائیکل اور سکوٹر پر سفر کرتے ہوئے آسانی سے ادا کیا جاسکتا ہے، اور یہ سفر انتہائی مبارک اور قیمتی بن سکتا ہے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''دو کلمے ایسے ہیں جو زبان پر تو ہلکے پھلکے ہیں، میزان (روز قیامت جس میں اعمال تولے جائیں گے) میں بہت وزنی ہیں اور رحمٰن کو بہت پیارے ہیں۔

سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهٖ، سُبْحَانَ اللّٰهِ الْعَظِيْمِ پاک ہے اللہ اپنی حمد وستائش کے ساتھ، پاک ہے اللہ اپنی عظمت وبزرگی کے ساتھ''۔ (بخاری، مسلم)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، سُبْحَانَ اللّٰهِ، وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ، وَلَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ اَكْبَرُ، مجھے ان تمام چیزوں سے محبوب ہے جن پر آفتاب چمکتا ہے (یعنی ان کلمات کی قدر وقیمت دنیا کی ہر چیز سے بڑھ کر ہے)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے دن میں ایک سو مرتبہ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ، لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ، وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ''اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، وہ اکیلا ہے، اس کا کوئی شریک نہیں ہے اس کی بادشاہی اور اسی کی تعریف ہے اور وہ ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے'' پڑھا، اسے دس غلاموں کو آزاد کرنے کے برابر ثواب ملے گا اور اس کے کھاتہ میں سو نیکیاں لکھی جائیں گی، سو برائیاں مٹائی جائینگی اور اس دن وہ شام تک شیطان سے محفوظ رہے گا اور کوئی اس سے افضل چیز

Marfat.com

نہیں لاسکتا مگر وہی جو اس سے زیادہ کرے (زیادہ مرتبہ پڑھے) اور جس نے سُبْحَانَ اللّٰہِ وَبِحَمْدِہٖ دن میں ایک سو مرتبہ پڑھ لیا تو اس کی خطائیں اگر سمندر کے جھاگ کے برابر ہوں گی تو بھی معاف ہو جائیں گی۔ (بخاری، مسلم)

رَبِّ اَعِنِّیْ عَلٰی ذِکْرِکَ وَشُکْرِکَ وَحُسْنِ عِبَادَتِکَ

"اے میرے رب! میری مدد فرما اپنے ذکر، شکر اور اچھی عبادت پر۔"

زندگی کو با مقصد اور پر سکون بنانے کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوذر رضی اللہ عنہ کو یہ نصیحت بھی فرمائی تھی: "تمہیں چاہئے کہ دیر تک خاموشی اختیار کئے رکھو، بلاشبہ تمہارا یہ عمل شیطان کو دور رکھنے کا سامان ہوگا اور اس سے تمہیں اپنے دینی امور سرانجام دینے میں مدد ملے گی۔"

اللہ تعالیٰ نے انسان کو قلم کے ذریعہ لکھنے کی قوت عطا فرمائی ہے تو زبان کے ذریعہ قوت گویائی بخشی ہے، اگر اس نے شکل وصورت میں اسے ممتاز بنایا ہے تو لکھنے اور بولنے سے اسے درجاتِ علم میں بلند کیا ہے، بعض اوقات بولنا فائدہ مند ہوتا ہے مثلاً زبان سے دعوت و تبلیغ کا کام لینا، کلمۂ حق بلند کرنا، تعلیم و تعلم اور درس و تدریس میں اس سے کام لینا، کسی بھولے بھٹکے کو راستہ دکھانا وغیرہ مگر بعض اوقات خاموشی فصیح و بلیغ تقریر سے زیادہ سودمند ثابت ہوتی ہے اور انسان کی روشن ضمیری اور عالی دماغی کو ظاہر کرتی ہے، کیا خوب کسی نے کہا ہے:

خموشی معنی دارد کہ درگفتن نمی آید

خاموشی میں بعض اوقات ایسے معانی پوشیدہ ہوتے ہیں کہ تقریر میں بھی ویسے مطالب بیان نہیں کئے جاسکتے۔

اگر گفتگو اور خاموشی دونوں کا موازنہ کیا جائے تو خاموشی کی خوبیاں اور فوائد زیادہ نظر آئیں گے، انگریزی زبان میں کسی نے خوب کہا ہے:

If Speech is Silver Silence is gold

اگر بولنا چاندی ہے تو خاموش رہنا سونا ہے، ظاہر ہے کہ سونا چاندی سے زیادہ قیمتی ہوتا ہے۔ اور پیارے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اس طرح فرمایا: مَنْ صَمَتَ نَجَا (ترمذی) "جو چپ رہا۔ اس نے نجات پائی۔"

اس حدیث مبارک کا مفہوم یوں بھی بیان کیا جاسکتا ہے کہ بولنے سے زیادہ خاموشی اختیار

Marfat.com

کرنے میں نجات اور کامیابی کے زیادہ مواقع ہیں۔ تاہم حق اور سچ بات پہنچانے میں بولنا بھی اجر وثواب سے خالی نہیں ہے۔

اس لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو یہ بات سمجھادی۔

مَنْ كَانَ يُؤمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ فَلْيَقُلْ خَيْرًا اَوْ لِيَصْمُتْ (بخاری) ''جو کوئی اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہے، اسے چاہئے کہ اچھی بات کہے یا پھر خاموشی اختیار کرے۔''

اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اچھی بات یا کلمہ خیر دوسروں تک ضرور پہنچانا چاہئے، اگر کوئی شخص ایسا نہ کر سکے تو پھر اس کے لئے خاموشی بہتر ہے۔

سعدی شیرازیؒ نے اس بات کو اس طرح بیان کیا ہے:

اگرچہ پیش خرد مند خامشی ادب ست
بوقت مصلحت آں بہ کہ درسخن کوشی
دو چیز طیرہ عقل است دم فرو بستن
بوقت گفتن و گفتن بوقت خاموشی

اس کا ترجمہ کسی نے کیا خوب اردو اشعار میں کر دیا گیا ہے:

اگرچہ خامشی اک ادب آداب مجلس سے
مگر وقت ضرورت بولنا ہے مصلحت کوشی
دو باتیں عیب ہیں عقل وفراست کے لئے کہ تم
رہو چپ بولنے کے وقت، بولو وقت خاموشی

دراصل انسان کی پوری زندگی امتحان ہے اور اس امتحان کو بخیر وخوبی پاس کرنے کے لئے رب کریم نے ہمیں دستور حیات (قرآن کریم) اور اس کا عملی نمونہ (جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) کی حیات طیبہ عطا کیا ہے، اب یہ سب کچھ ہمارے اوپر ہے کہ نیک اعمال سے اسے کامیاب بنائیں یا برے اعمال سے ناکام ونامراد، ہماری زندگی کی وڈیو فلم منظم اور مربوط طریقے سے نہایت ہی صحت واہتمام کے ساتھ تیار ہو رہی ہے جس میں ہماری حرکات وسکنات، اعمال وافعال، یہاں تک کہ گفتگو اور لب ولہجہ تک ضبط کیا جا رہا ہے، ارشاد ہوتا ہے:

مَا يَلْفِظُ مِنْ قَوْلٍ اِلَّا لَدَيْهِ رَقِيْبٌ عَتِيْدٌ (ق:۱۸) ''(انسان) کوئی بات منہ سے

Marfat.com

نہیں نکالتا، مگر اس کے پاس ایک تیار نگران موجود ہوتا ہے (فوراً اس کی کہی ہوئی بات ریکارڈ کر لیتا ہے)۔"

ظاہر ہے کہ کلمۂ خیر کامیابیوں کی ضمانت بنتا ہے جب کہ کلمۂ شر ناکامیوں کا سامان ہوتا ہے، قرآن حکیم نے مسلمانوں کو آپس میں طعن و تشنیع اور گالی گلوچ سے منع کیا ہے تاکہ زبان پر ایسے ویسے کلمات جاری نہ ہوں جو نقصان اور بربادی کا سامان بنیں۔

ارشاد ربانی ہے۔

یَآ اَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا یَسْخَرْ قَوْمٌ مِّنْ قَوْمٍ عَسٰۤى اَنْ یَّكُوْنُوْا خَیْرًا مِّنْهُمْ وَلَا نِسَآءٌ مِّنْ نِّسَآءٍ عَسٰۤى اَنْ یَّكُنَّ خَیْرًا مِّنْهُنَّ ۚ وَلَا تَلْمِزُوْۤا اَنْفُسَكُمْ وَلَا تَنَابَزُوْا بِالْاَلْقَابِ ؕ بِئْسَ الِاسْمُ الْفُسُوْقُ بَعْدَ الْاِیْمَانِ ۚ وَمَنْ لَّمْ یَتُبْ فَاُولٰٓىٕكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ (الحجرات:۱۱) "اے ایمان والو! (دیکھو، مردوں کی) ایک جماعت دوسری جماعت کا مذاق نہ اڑایا کرے، ممکن ہے کہ (بعض معاملات میں) وہ (جس کا مذاق اڑا رہے ہیں) ان سے بہتر ہوں اور نہ عورتیں دوسری عورتوں کا (مذاق اڑائیں) ممکن ہے کہ وہ عورتیں (جن کا مذاق اڑایا جارہا ہے) ان سے بہتر ہوں اور نہ اپنے لوگوں پر (نکتہ چینی اور) طعنہ زنی کرو اور نہ (رسوائی کے لئے) ایک دوسرے کے برے نام رکھو (غرضیکہ کوئی ایسی بات نہ کرو، جس سے کسی کے دل کو تکلیف پہنچے، یا اس کے اور تمہارے درمیان نفرت اور مخالفت کی خلیج بڑھتی ہی چلی جائے اور وہ تم سے پھر قریب نہ آئے بلکہ وہ بھی تمہارے لئے اچھا خیال نہ رکھے) ایمان لانے کے بعد فسق (گناہ اور شریعت کی خلاف ورزی) میں نام پیدا کرنا بہت بری بات ہے اور جو لوگ (اس قسم کی غلطی سرزد ہونے کے بعد) توبہ نہ کریں تو وہی ظالم ہیں (اور ظالم سزا کے مستحق ہیں)۔"

ظاہر ہے کہ تمام غلط قسم کے چہل اور مذاق، بدزبانی، بے ہودہ گوئی، عیب جوئی، نکتہ چینی، طعن و تشنیع، غیبت اور چغلی، بہتان، خوشامد کرنا، اترانا، لعنتیں بھیجنا، گالی گلوچ دینا وغیرہ یہ سب گناہ ایسے ہیں جو زبان سے چلا کر ہی کئے جاتے ہیں اور اس سے معاشرتی زندگی میں جو فسادات اور جھگڑے پیدا ہوتے ہیں وہ ناقابل بیان ہیں۔ گھرانے اجڑ جاتے ہیں، خاندان تباہ ہو جاتے ہیں، حقیقی بھائیوں کے درمیان رنجشیں پیدا ہو جاتی ہیں بلکہ ملکوں اور قوموں کے درمیان جنگ و جدل کا لامتناہی سلسلہ شروع ہو جاتا ہے۔ اس دنیا کا ماحول ہی جہنم کا نقشہ پیش کر رہا ہوتا ہے اور

Marfat.com

آخرت کا عذاب تو اس سے کہیں زیادہ ہے۔

اس حدیث مبارک پر غور کیجئے!

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو رسول اللہ ﷺ نے ایک سفر میں نماز، روزے کی پابندی اور صدقہ وخیرات کرنے کی نصائح بیان کرنے کے بعد فرمایا: ''کیا میں تمہیں اس سارے معاملے کا سب سے اہم جز نہ بتاؤں'' معاذؓ نے عرض کیا کیوں نہیں یا رسول اللہ ﷺ! (ضرور بتایئے)۔''

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی زبان (مبارک) کو پکڑا اور فرمایا: ''اس کو روکے رکھو۔'' معاذؓ نے عرض کیا: ''اے اللہ کے رسولؐ! کیا ہم ان باتوں کے باعث جو ہم کرتے ہیں پکڑے جائیں گے؟۔''

آپ ﷺ نے فرمایا: اے معاذؓ! تیری ماں تجھے روئے! (عربی میں محبت اور تنبیہ کے کلمات ہیں) یہ لوگوں کی زبانوں سے نکلی ہوئی باتیں ہی تو ہیں جو انہیں منہ کے بل (یا ناک کے بل) دوزخ میں ڈالیں گی۔'' [ترمذی]

اگر کوئی شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد پر عمل کرتے ہوئے صرف زبان ہی کو لگام دے لے، تو بہت سے گناہوں سے بچ جاتا ہے۔

صدقہ وخیرات کرنا، بڑے اجر وثواب کا کام ہے مگر اسلام نے ایسے صدقہ وخیرات کرنے سے منع کیا ہے جس کے پیچھے کسی کی دِل آزاری ہو۔

ارشاد ہوتا ہے: قَوْلٌ مَّعْرُوْفٌ وَّمَغْفِرَةٌ خَيْرٌ مِّنْ صَدَقَةٍ يَّتْبَعُهَا اَذًى (البقرہ:۲۶۳) ''نرمی سے جواب دینا اور (سائل کے اصرار، بدخوئی وغیرہ سے) درگزر کرنا اس خیرات سے کہیں بہتر ہے جس کے بعد دِل آزاری ہو (سائل کو زبان سے جھڑکنا اور برا بھلا کہنا)۔''

قرآن حکیم کی پاکیزہ اور بلند تعلیمات ہماری اس طرح تربیت کر رہی ہیں:

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُبْطِلُوْا صَدَقٰتِكُمْ بِالْمَنِّ وَالْاَذٰى. (البقرہ:۲۶۴) ''اے ایمان والو! تم اپنے صدقات و (خیرات) کو احسان رکھ کر اور دل آزاری کر کے برباد نہ کیا کرو۔''

خاموشی انسان کو زیرک اور دانا بناتی ہے اور زیادہ بولنے سے انسان غبی اور کند ذہن ہو جاتا ہے، اس بات کا عملی تجربہ اس طرح ہوتا ہے، کہ کسی خاموش طبع شخص سے کوئی مشورہ لیں تو وہ بات کو ٹھنڈے دل سے سنتا ہے، بات کے ہر پہلو پر غور وفکر کرتا ہے اور بڑی سنجیدگی سے صائب رائے

Marfat.com

دیتا ہے جب کہ زیادہ بولنے والا آپ کو فوری مشورہ دے ڈالتا ہے، جو فائدہ مند بھی ہو سکتا ہے اور نقصان دہ بھی، لہٰذا عقل مندی کے حصول کے لئے خاموشی اختیار کرنا اور اللہ تعالیٰ کی یاد سے دل اور زبان کو آباد رکھنا بہت ضروری ہے اور اسی میں کامیابی ہے، عقبہ بن عامرؓ نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا کہ میرے لئے نجات کا راستہ کون سا ہے؟

ارشاد ہوا: اَمْسِکْ عَلَیْکَ لِسَانَکَ، وَیَسْعَکَ بَیْتُکَ وَابْکِ عَلٰی خَطِیْئَتِکَ (ترمذی) ''تم اپنی زبان کو قابو میں رکھو، (کام کاج سے فارغ ہو کر) اپنے گھر کا رخ کیا کرو اور (تنہائی) میں اپنی خطاؤں پر (ندامت کے) آنسو بہایا کرو۔''

زیادہ بولنے کے بہت سے نقصانات ہیں۔ انسان کا بہترین سرمایہ وقت ہے جو بیکار اور بے فائدہ گفتگو سے ضائع ہو جاتا ہے، اور یہ وہ نقصان ہے جو ناقابل تلافی ہے، اس کے علاوہ لایعنی گفتگو، قساوت قلبی (دل کی سختی) کا باعث ہوتی ہے اور اس سے بری کوئی چیز نہیں ہے۔ اور شیطان کا وار ایسے ہی دلوں پر ہوتا ہے۔

ارشاد ہوتا ہے: فَلَوْلَآ اِذْ جَآءَهُمْ بَاْسُنَا تَضَرَّعُوْا وَلٰكِنْ قَسَتْ قُلُوْبُهُمْ وَزَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطٰنُ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ (الانعام:۴۳) ''پھر جب ان پر ہمارا عذاب آیا تو وہ کیوں نہ گڑگڑائے؟ مگر ان کے دل تو اور سخت ہو گئے اور شیطان نے انہیں ان کے (برے) اعمال خوب صورت بنا کر دکھلا دیے۔''

اس کے برعکس خاموشی اور اللہ تعالیٰ کا ذکر تسکین قلب کا باعث ہوتا ہے۔

اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَتَطْمَئِنُّ قُلُوْبُهُمْ بِذِكْرِ اللّٰهِ اَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ (الرعد:۲۸) ''(یاد رکھو) ایمان لانے والوں کے دل اللہ کے ذکر سے مطمئن ہو جاتے ہیں اور (دیکھو) دل تو اللہ کے ذکر سے ہی مطمئن ہوا کرتے ہیں۔''

بندہ مومن بیکار اور بے مقصد گفتگو نہیں کرتا۔ کیونکہ اسے رب کریم کی یہ آیت کریمہ یاد آتی ہے جو اس نے اپنے نیک بندوں کے بارے میں فرمائی ہے۔

وَالَّذِيْنَ هُمْ عَنِ اللَّغْوِ مُعْرِضُوْنَ (المومنون:۳) ''اور جو لغو (فضول) باتوں سے اعراض کرتے ہیں'' پھر اسے پیارے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث مبارکہ یاد آجاتی ہے۔

''ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، آدمی کے اسلام کی

Marfat.com

خوبی یہ ہے کہ وہ لایعنی باتوں سے کنارا کش رہے۔'' (اربعین نووی)

بلکہ وہ ہر اس مجلس سے الگ تھلگ رہتا ہے جس میں دین کا مذاق اڑایا جا رہا ہو اور آیات الٰہی کا انکار کیا جا رہا ہو۔

ارشاد خداوندی ہے:

اِذَا سَمِعْتُمْ اٰيٰتِ اللّٰهِ يُكْفَرُ بِهَا وَيُسْتَهْزَاُ بِهَا فَلَا تَقْعُدُوْا مَعَهُمْ حَتّٰى يَخُوْضُوْا فِیْ حَدِيْثٍ غَيْرِهٖ ۖ اِنَّكُمْ اِذًا مِّثْلُهُمْ. (النساء:۱۴۰) ''جب تم سنو کہ (کسی مجلس) میں آیات الٰہی کا انکار کیا جا رہا ہے اور ان کا مذاق اڑایا جا رہا ہے تو ان کے ساتھ مت بیٹھو، حتیٰ کہ یہ لوگ کسی دوسری بات میں لگ جائیں، ورنہ تم بھی اس وقت انہی جیسے ہو جاؤ گے۔''

غور کیجئے کہ اہل جنت جب اہل جہنم سے پوچھیں گے کہ تمہیں کون سی باتیں جہنم میں لے گئیں؟ تو جواب میں وہ کہیں گے کہ نہ تو ہم نماز ادا کرتے تھے اور نہ ہی مساکین کو کھانا کھلاتے تھے اور حق کے خلاف باتیں بنانے والوں کے ساتھ مل کر ہم بھی باتیں بنانے لگتے تھے۔

میرے بھائی! یہ دنیا عارضی ہے اور یہ زندگی انتہائی ناپائیدار ہے، ہماری زندگی کا ہر ہر لمحہ ریکارڈ ہو رہا ہے، شرف انسانیت کا تقاضا ہے کہ اسے قیمتی بنایا جائے اپنے اعمال اور اخلاق کو قرآن و سنت کے سانچے میں ڈھالا جائے، اپنی روزمرہ گفتگو کی حفاظت کی جائے، ایک عربی شاعر کہتا ہے:

مَا اِنْ نَدِمْتُ عَلٰی سُكُوْتِیْ مَرَّةً وَلَقَدْ نَدِمْتُ عَلَی الْكَلَامِ مِرَارًا

مجھے اپنی خاموشی پر کبھی ندامت اور شرمساری نہیں ہوئی ہاں مجھے اپنی گفتگو پر بارہا ندامت اور شرمساری ہوئی۔

رَبِّ هَبْ لِیْ حُكْمًا وَّاَلْحِقْنِیْ بِالصّٰلِحِيْنَ، وَاجْعَلْ لِّیْ لِسَانَ صِدْقٍ فِی الْاٰخِرِيْنَ وَاجْعَلْنِیْ مِنْ وَّرَثَةِ جَنَّةِ النَّعِيْمِ.

''اے پروردگار! مجھے حکمت و دانش عطا فرما اور مجھے نیکوکاروں میں شامل فرما دے (کہ تو غنی ہے اور ہر کوئی تیرا محتاج ہے) اور (اے میرے رب) میرے بعد کی آنے والی امتوں میں میرا ذکر جاری رکھ اور مجھے ان میں شامل فرما دے جو نعمت والی جنت کے وارث ہوں گے۔''

Marfat.com

Marfat.com

عید الاضحیٰ

دنیا کی ہر قوم سال میں خوشی کے تہوار مناتی ہے، ان میں زیادہ تر کھیل تماشہ لہو ولعب، رقص و سرود اور طاؤس ورباب کی محفلیں جمتی ہیں، ان میں سے اکثر و بیشتر میں اخلاقی حدود و قیود کو توڑا جاتا ہے اور خوشی کے یہ تہوار حسرتوں اور ندامتوں کے ساتھ اختتام پذیر ہوتے ہیں۔ مثلاً ہمارے یہاں ''بسنت میلہ'' کو ہی دیکھ لیجئے، جو خالصتاً ہندوؤں کا تہوار ہے، مگر پاکستانی بھی اسے بڑے جوش وخروش سے مناتے ہیں اور حکمران بھی ان خرافات میں شامل ہوتے ہیں، اور یہ میلہ دن کے وقت آفتاب کی روشنی میں نہیں رات کے وقت قمقموں کی بے تحاشا چمک دمک میں منایا جاتا ہے، صرف ایک رات میں ہی لاکھوں روپے کی بجلی ضائع و برباد ہو جاتی ہے، اربوں روپے ڈور اور پتنگ کی نذر ہو جاتے ہیں، بے شمار قیمتی جانیں تلف ہو جاتی ہیں اور ہنستے بستے گھرانوں میں صف ماتم بچھ جاتی ہے، مگر اس حماقت پر شاید ہی کسی کو افسوس ہوتا ہو!

اس کے برعکس مسلمانوں کو اللہ تعالیٰ نے پسندیدہ دین عطا فرمایا ہے، یہ پاکیزہ دستور حیات ہے، غمیوں اور خوشیوں کے مواقع پر وہ اخلاقی حدود و قیود کی پابندیاں لگاتا ہے اس سے دائمی اور ابدی خوشیاں ملتی ہیں اور قلوب طمانیت وسکون سے سرشار ہو جاتے ہیں، آیئے اسلامی تہوار کو جانیں اور پہچانیں۔

حضرت انسؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ تشریف لائے تو لوگوں کو سال کے دو دنوں میں لہو ولعب کے اندر مصروف پایا، پوچھا یہ دو دن کیسے ہیں؟ انہوں نے عرض کیا کہ زمانہ جاہلیت میں ان دو دنوں میں کھیل تماشا کیا کرتے تھے، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ نے ان کے بدلے تمہیں ایسے دو دن عطا کئے ہیں جو ان سے بہتر ہیں۔ ایک عید الاضحیٰ کا دن اور دوسرا عید الفطر کا دن (ابوداؤد)

Marfat.com

ان دنوں میں خوشی کا اظہار کیسے ہوتا ہے؟ کیا بگل باجوں کی گھن گرج سے، پٹاخوں اور آتش بازی کے شور وغل سے، رقص وسرود کی محفلوں سے، نہیں نہیں، رب کائنات کی عظمت وکبریائی بیان کرنے سے، اس کی حمد وثنا کے گیت گانے سے، اس کے در پر جبین نیاز جھکانے سے، غرباء و مساکین کی خدمت کرنے سے، یتامیٰ اور بیوگان کی نگرانی اور سرپرستی کرنے سے، دوست و احباب، عزیز واقارب سے ملنے جلنے سے، انہیں دعوت پر بلانے اور ان کی دعوت قبول کرنے سے، اور ایک دوسرے کے لئے سلامتی کی دعا کرنے سے کہ مسلمان جب بھی اپنے کسی مسلمان بھائی سے ملتا ہے "السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ" کے دعائیہ کلمات اور خندہ پیشانی سے ملتا ہے، وہ بھی جواب میں ان کلمات کو ادا کرکے اس کے لئے دعا گو ہوتا ہے، ہر طرف سکون اور سلامتی کی فضا چھا جاتی ہے، اور یقیناً اس سے روح وجد میں آجاتی ہے، اور یہ وہ حقیقی اور دائمی مسرت ہے جس کا اجر اللہ تعالیٰ کے یہاں ثبت ہو جاتا ہے۔

عید الفطر اور عید الاضحیٰ سال میں دو ایسے مقدس تہوار ہیں کہ ان سے دین اسلام کی شاندار روایات وابستہ ہیں..... عید الفطر رمضان المبارک کے روزوں کا شکرانہ اور قرآن حکیم کے نزول کی یادگار اور اللہ تعالیٰ کی بے پایاں رحمت سے اس ہدایت کا شکرانہ ہے جو اس نے ہمیں دین اسلام کی شکل میں عطا فرمایا ہے۔

وَلِتُكَبِّرُوا اللّٰهَ عَلٰى مَا هَدٰىكُمْ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ (البقرہ:۱۸۵)

"اور جس ہدایت (اسلام) سے اللہ نے تمہیں سرفراز کیا ہے اس پر اللہ کی کبریائی وعظمت کا اظہار واعتراف کرو اور شکر گزاری سے (تمہارے دل) لبریز ہو جائیں۔"

"اور عید الاضحیٰ اس بے مثال واقعہ کی یاد میں ہے جو کم وبیش چار ہزار سال پہلے مکہ مکرمہ کی وادی بے آب وگیاہ میں پیش آیا، اور وہ واقعہ اس طرح ہے کہ جلیل القدر پیغمبر سیدنا ابراہیم علیہ السلام کو خواب میں دکھلایا گیا کہ وہ اپنے فرزند ارجمند، نور نظر سیدنا اسماعیل علیہ السلام کو اپنے ہاتھوں سے ذبح کر رہے ہیں، انبیاء کرام اللہ تعالیٰ کے نیک اور صالح بندے ہوتے ہیں، ان کے خواب بھی سچے ہوتے ہیں، یہ ذی الحجہ کا مہینہ اور اس کی آٹھ تاریخ تھی، صبح ہوئی تو ابراہیم علیہ السلام حیرت میں تھے، شام تک اس نازک معاملے پر غور وفکر کرتے رہے، ذوالحجہ کی آٹھویں تاریخ کو یوم الترویہ کہا جاتا ہے، ترویہ کے معنی غور وفکر اور سوچ بچار کے ہیں نویں تاریخ کو خواب میں

Marfat.com

پھر وہی منظر دیکھا، یقین ہو گیا کہ یہ حکم اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے، نویں ذی الحجہ کا نام یوم عرفہ ہے یعنی پہچان اور معرفت کا دن، اور پھر جب دسویں تاریخ کی شب بھی یہی کچھ دیکھا تو حکم الٰہی کو بجا لانے پر تیار ہو گئے، دسویں تاریخ کو یوم النحر کہتے ہیں نحر کے معنی ذبح اور قربان کر دینے کے ہیں۔

عظیم المرتبت باپ نے سعادت مند بیٹے کو صورتِ حال کی نزاکت سے باخبر کیا اور اس کے متعلق مشورہ کرنا چاہا، اگرچہ ایسے کھلے معاملے میں اب مشورے کی ضرورت نہیں رہی تھی پھر بھی سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے مشورے کی سنت پر عمل کرنا اس لئے مناسب جانا کہ اس طریقے سے بیٹے کی عزیمت اور ثابت قدمی کا امتحان ہو سکتا تھا، لختِ جگر نے بوڑھے باپ کی زبان سے یہ بات سنی تو رضائے الٰہی کے لئے جسم و جان کی قربانی دینے کے لئے فوراً آمادہ ہو گئے، قرآن حکیم نے تسلیم و رضا کے اس ولولہ انگیز منظر کا اعلان اس پیرا میں کیا ہے۔

فَلَمَّا بَلَغَ مَعَهُ السَّعْيَ قَالَ يٰبُنَيَّ اِنِّيْٓ اَرٰى فِي الْمَنَامِ اَنِّيْٓ اَذْبَحُكَ فَانْظُرْ مَاذَا تَرٰى ۭ قَالَ يٰٓاَبَتِ افْعَلْ مَا تُؤْمَرُ ۡ سَتَجِدُنِيْٓ اِنْ شَاۗءَ اللّٰهُ مِنَ الصّٰبِرِيْنَ (۱۰۲) فَلَمَّآ اَسْلَمَا وَتَلَّهٗ لِلْجَبِيْنِ (۱۰۳) وَنَادَيْنٰهُ اَنْ يّٰٓاِبْرٰهِيْمُ (۱۰۴) قَدْ صَدَّقْتَ الرُّءْيَا ۚ اِنَّا كَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ (۱۰۵) اِنَّ هٰذَا لَهُوَ الْبَلٰۗـؤُا الْمُبِيْنُ (۱۰۶) وَفَدَيْنٰهُ بِذِبْحٍ عَظِيْمٍ (۱۰۷) وَتَرَكْنَا عَلَيْهِ فِي الْاٰخِرِيْنَ (۱۰۸) سَلٰمٌ عَلٰٓي اِبْرٰهِيْمَ (۱۰۹) كَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ (۱۱۰) اِنَّهٗ مِنْ عِبَادِنَا الْمُؤْمِنِيْنَ (۱۱۱) [الصّٰفّٰت]

"جب اسماعیل اپنے باپ کا ہاتھ بٹانے کے لائق ہوئے تو ابراہیم نے کہا پیارے بیٹے! میں خواب میں دیکھتا ہوں کہ تمہیں ذبح کر رہا ہوں، سوچو! تمہارا کیا خیال ہے، بیٹے نے عرض کیا "ابا جان! آپ کو جو حکم ہوا اسے بجا لائیے، اللہ نے چاہا تو آپ مجھے صابرین میں سے پائیں گے۔" پھر جب دونوں نے رضائے الٰہی کے سامنے سر تسلیم خم کر دیا اور باپ نے بیٹے کو پیشانی کے بل لٹا دیا تو ہم نے ان کو پکارا، ابراہیم تم نے اپنا خواب سچا کر دکھایا، ہم نیکو کاروں اور کہا ماننے والوں کو ایسا ہی بدلہ دیا کرتے ہیں، بلاشبہ یہ کھلی آزمائش تھی اور ہم نے اس کا بدلہ بڑی اور مسلسل قربانی فدیے میں دے کر اس بچے (اسماعیل علیہ السلام) کو چھڑا لیا اور آپ کے بعد آنے والوں میں ذکر خیر (بصورت سنت قربانی) باقی رکھا، ابراہیم پر سلام و رحمت ہو، ہم نیکی کرنے والوں کو اسی طرح نیک بدلہ دیتے ہیں، ابراہیم ہمارے مومن بندوں میں سے تھا۔"

Marfat.com

اس موقع پر یہ روایت بھی سننے کے لائق ہے کہ سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے نور نظر اسماعیل علیہ السلام کو حکم الٰہی کی تکمیل میں ذبح کرنے کی بہت کوشش کی، چھری بار بار تیز کرتے تھے مگر اس نے کام نہ دیا، اور بالآخر ایک دفعہ ایسی آواز آئی جس سے اندازہ ہوتا تھا کہ کوئی چیز کٹ گئی ہے، اس وقت سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے اپنی آنکھوں سے پٹی کھولی جو ذبح کرتے وقت اس لئے باندھ لی تھی کہ کہیں شفقت پدری کا جوش ارشاد الٰہی کی بجا آوری میں رکاوٹ نہ بن جائے، حضرت ابراہیم علیہ السلام اب جو دیکھتے ہیں تو ایک دنبہ ذبح پڑا ہے اور نور نظر اسماعیل صحیح وسالم پاس کھڑے ہیں، روایت میں ہے کہ یہ دنبہ جبریل امین اللہ تعالیٰ کے حکم سے وہاں لے کر پہنچے تھے، ''وفدینه بذبح عظیم'' (کہ اسماعیل علیہ السلام کو ایک ذبح عظیم کے عوض چھڑا لیا) سے اشارہ اس طرف بھی ہے کہ یہ قربانی ایک عظیم قربانی کی شکل میں ہمیشہ آئندہ نسلوں میں اس واقعہ کی یادگار کی حیثیت سے باقی رہے گی، یہی قربانی ہے جو مناسک حج میں شامل ہو کر حضرت ابراہیم علیہ السلام کے وقت سے آج تک برابر چلی آ رہی ہے اور تا قیامت باقی رہے گی۔ اس طرح اسوۂ ابراہیمی کی یاد ہمیشہ تر و تازہ رہے گی۔

دراصل سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے جس خلوص وللّٰہیت اور تسلیم ورضا کا مظاہرہ کیا، اللہ تعالیٰ نے اسے شرف قبولیت سے نوازا اور اس کے صلہ میں یہ انعام ملا، اس متبرک سنت کی ادائیگی کے وقت یہ جذبہ کارفرما ہونا چاہئے کہ ہم صرف گوشت اور خون کی قربانی نہیں کر رہے ہیں بلکہ اس معبود حقیقی کی خوشنودی کے لئے اپنی خواہشوں اور آرزوں کو بھی قربان کر رہے ہیں۔ اور زندگی کا ہر لمحہ صرف اسی کی اطاعت وفرمانبرداری کے لئے وقف ہے، اِنَّ صَلَاتِیْ وَ نُسُکِیْ وَ مَحْیَایَ وَ مَمَاتِیْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ (الانعام:۱۶۲) ''آپ فرما دیجئے کہ بالیقین میری نماز اور میری عبادت، میرا جینا اور میرا مرنا سب کا سب خالص اللہ کے لئے ہے جو تمام جہانوں کا پروردگار ہے۔'' دل کی گہرائی میں یہ یقین جذب ہے، یہی قربانی کی اصل روح ہے۔

ارشاد ہوتا ہے!

لَنْ یَّنَالَ اللّٰهَ لُحُوْمُهَا وَلَا دِمَآؤُهَا وَلٰكِنْ یَّنَالُهُ التَّقْوٰی مِنْكُمْ. (الحج:۳۷) ''اللہ تعالیٰ کو قربانیوں کے گوشت نہیں پہنچتے، نہ ان (قربانیوں) کے خون بلکہ اسے تو تمہارے (دلوں کی) پرہیزگاری پہنچتی ہے''۔

سیدنا ابراہیم علیہ السلام جن کے نقش قدم پر ہم جانور قربان کرتے ہیں ان کی پاکیزہ سیرت کو پڑھ لیجئے معلوم ہوگا کہ ان کی حیات طیبہ سراپا جہاد ہے، کہیں شرک و بت پرستی کے تیرہ و تاریک ماحول میں اللہ تعالیٰ کی کبریائی اور اس کی توحید کا بانگ دہل اعلان ہے اور کبھی نمرود ایسے ظالم بادشاہ کے دربار میں حق کی پکار ہے اور کہیں قوم اور برادری کی غلط رسومات کے خلاف اعلان جنگ ہے اور کبھی رضائے الٰہی کی خاطر وطن سے بے وطن ہو رہے ہیں اور کبھی مولا و مالک کے حکم سے لخت جگر اسماعیل علیہ السلام اور ان کی والدہ ہاجرہ بی بی کو لق و دق صحرا میں چھوڑ رہے ہیں اور پھر ایسا وقت بھی آیا کہ اس نور نظر کو اسی خالق و مالک کی راہ میں قربان کر دینے کے لئے تیار ہو جاتے ہیں۔

اسوۂ ابراہیمی کی روشنی میں جانور قربان کرنے سے پہلے ہم اچھی طرح سوچ بچار کر لیں کہ کیا ہماری زندگیاں بھی خالق کائنات کے لئے ہمہ وقت وقف ہیں، اور اس کے احکامات خلوص سے مان رہے ہیں؟ کیا ہم بھی ظلم اور ظالموں کے خلاف دعوتِ حق کا اعلان کر رہے ہیں؟ اور کیا ہم بھی رضائے الٰہی کے لئے اپنی غلط خواہشوں اور رسومات کے خلاف جنگ کر رہے ہیں؟

اس کا جواب ہمارے کردار اور اخلاق سے، ہماری روز مرہ زندگی اور ہمارے معاملات سے، ہماری انفرادی اور اجتماعی زندگی سے، ہماری ملکی سیاست اور معیشت سے، ہماری قیادت اور بین الاقوامی تعلقات سے، ہماری شریعت سے محبت اور ملک میں اس کے نفاذ سے عیاں اور واضح ہو جاتا ہے، فاعتبروا یا اولی الابصار!

Marfat.com

قومی عزت وآبرو کا انحصار

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جب تمہارے نیک اور لائق اشخاص تمہارے حکمران ہوں اور تمہارے مالدار لوگ محسن اور فیاض ہوں اور تمہارے اجتماعی معاملات باہم صلاح ومشورہ سے طے ہوا کریں تو تمہارے لئے زمین کی پشت اس کے پیٹ سے بہتر ہے اور جب تمہارے بدترین لوگ تمہارے حاکم ہونے لگیں اور تمہارے مالدار کنجوس اور بخیل ہو جائیں اور تمہارے اجتماعی معاملات عورتوں کے سپرد ہو جائیں تو اس وقت تمہارے لئے زمین کا پیٹ زمین کی پشت سے بہتر ہوگا۔ (ترمذی، مشکوٰۃ باب تغیر الناس)

جس طرح گلوں سے خوشبو اٹھتی ہے اور ارد گرد کے ماحول کو معطر کر دیتی ہے اسی طرح نیک اور لائق حکام کی خدمات، ان کا عدل وانصاف، ان کی امانت وصداقت، ان کے رفاہ عامہ کے کام اور رعایا پروری، ان کی بھلائیاں اور سچائیاں مروت واحسان کے پھول بکھیرتی ہیں...... عوام میں ترقی کی راہیں ہموار ہوتی ہیں، علم کی روشنی پھیلتی ہے، تجارت پھلتی پھولتی ہے، چادر اور چار دیواری کی حفاظت ہوتی ہے، لوگوں کو اطمینان وسکون نصیب ہوتا ہے۔ باہر سے آنے والا ہر شخص اس خوشگوار اور پر فضا، سکون اور سلامتی کے ماحول میں داخل ہوتا ہے، گویا کہ وہ ایسی سرزمین میں قدم رکھتا ہے جسے قرآن کے الفاظ میں:

کُلُوْا مِنْ رِّزْقِ رَبِّکُمْ وَاشْکُرُوْا لَهٗ، بَلْدَةٌ طَيِّبَةٌ وَّرَبٌّ غَفُوْرٌ (سبا:۱۵) ''اپنے رب کی دی ہوئی روزی سے (ہنسی خوشی) کھاؤ اور اس کا شکر بجا لاؤ (تمہارے رہنے سہنے کے لئے) صاف ستھرا ملک ہے (اور تم پر ہمہ وقت) اپنی رحمتیں اور بخششیں نچھاور کرنے والا پروردگار ہے''۔

ایسی سرزمین میں بھلا بودوباش کی کون تمنا نہ کرے گا؟ دوسرے مقامات اور علاقوں کے ستائے ہوئے، پریشان حال لوگ بھی وہاں ٹھہرنے اور آباد ہونے کی تمنا اور آرزو کریں گے۔

Marfat.com

مولانا سعید احمد اکبر آبادیؒ نے اپنی کتاب ''مسلمانوں کا عروج وزوال'' میں امام اوزاعیؒ کا یہ قول نقل کیا ہے کہ ''ایک مرتبہ امام اوزاعیؒ نے عباسی خلیفہ منصور کو نصیحت کرتے ہوئے فرمایا تھا کہ بادشاہ چار قسم کے ہوتے ہیں...... ایک وہ جو خود بھی ضبط نفس کرتا ہے اور اپنے عمال (وزراء) کو بھی اس کی تاکید کرتا ہے، یہ بادشاہ درحقیقت اللہ کے راستہ کا مجاہد ہے اس کو ایک نماز کا ثواب ستر ہزار نمازوں کے ثواب کے برابر ملے گا اور اللہ کی رحمت کا ہاتھ ہمیشہ اس کے سر پر سایہ فگن رہے گا، دوسری قسم کا بادشاہ وہ ہے جو خود بھی رعایا کے اموال میں خورد برد کرتا ہے اور اپنے عمال کو بھی اس نے ایسا کرنے کیلئے آزاد چھوڑ رکھا ہے، یہ بادشاہ سخت ترین گنہگار ہے اس کو اپنے گناہوں کا خمیازہ تو بھگتنا ہی پڑے گا، اس کے عمال کے گناہ کی باز پرس بھی اس سے ہوگی، تیسری قسم بادشاہی کی یہ ہے کہ خود تو کف نفس کرے مگر عمال کو اس نے جبر وتشدد کے لئے آزاد چھوڑ رکھا ہو، یہ بادشاہ بڑا ہی بدنصیب ہے کہ دوسروں کی دنیا کے بدلہ میں اپنی آخرت بیچتا ہے، چوتھی قسم کا بادشاہ وہ ہے جو خود تو بہت ہی غیر محتاط رہے مگر عمال کو محتاط رہنے کی تاکید کرتا ہے، امام اوزاعیؒ فرماتے ہیں: فَذَاکَ شَرُّ الْاَکْیَاس ''یہ تو بہت بری فرزانگی ہے''۔

مولانا سعید احمد اکبر آبادی اس کے بعد لکھتے ہیں: حضرت عمر بن عبدالعزیز کا شمار بلاشبہ پہلی قسم کے بادشاہوں میں ہے، آپ نے خود بھی ورع وتقویٰ اور احتیاط و پرہیزگاری کی زندگی بسر کی اور اپنے عمال کو بھی مجبور کیا کہ وہ شریعت کے مطابق لوگوں سے معاملہ کریں۔ (مسلمانوں کا عروج وزوال)

ان کی پاکیزہ زندگی کے چند اوراق پر نظر ڈالتے ہیں:

ہمارا روزمرہ کا مشاہدہ ہے کہ ہمارے یہاں کسی صوبے کا گورنر یا وزیر اقتدار کی کرسی سنبھالتے ہی عوام سے نمایاں ہو جاتا ہے اس کی بود وباش اور نقل وحرکت میں واضح تبدیلی آجاتی ہے، اس کی رہائش گاہ لوگوں سے الگ تھلگ ہوتی ہے اور جب وہ باہر نکلتا ہے تو آگے پیچھے پولیس کی نگرانی ہوتی ہے اور ہٹو بچو کی آوازیں آنے لگتی ہیں، ذرا عمر بن عبدالعزیزؒ کا حال سنئے جو اسلامی ریاست کے اقتدار پر فائز ہوتے ہیں۔

''خلیفہ ہونے کے بعد جب شاہانہ سواریاں آئیں تو ان کو یہ کہہ کر واپس کر دیا کہ ''میرا خچر میرے لئے کافی ہے'' سوار ہو کر چلے تو کوتوال نے برچھا لے کر آگے آگے چلنا چاہا لیکن اس کو یہ کہہ کر ہٹا دیا کہ میں بھی عام مسلمانوں کی طرح ایک مسلمان ہوں، قصر خلافت میں داخل ہوئے تو

تمام پردوں کو چاک چاک کرادیا اور خلفاء کے لئے جو فرش بچھایا جاتا تھا اس کو فروخت کر کے اس کی قیمت بیت المال میں داخل کرا دی، لوگ ان کے سامنے کھڑے ہوئے تو فرمایا لوگو! اگر تم کھڑے رہو گے تو ہم بھی کھڑے ہو جائیں گے اور تم لوگ بیٹھو گے تو ہم بھی بیٹھیں گے، لوگوں کو صرف خالق کائنات اللہ تعالیٰ کے سامنے کھڑا ہونا چاہیے۔

کسی ریاست کے صدر یا وزیر اعظم کا سب سے بڑا امتحان ملک کے بیت المال یا خزانہ میں ہوتا ہے، خزانے کا دیانت و امانتداری سے استعمال خیر و برکت کا باعث ہوتا ہے جبکہ اس میں خیانت اور غبن ملک کو نقصان پہنچاتا ہے، یہاں تک کہ وہ مقروض اور کنگال ہو جاتا ہے، اس کا مشاہدہ ہم اپنے وطن عزیز میں کر سکتے ہیں...... یہاں کے حکمرانوں نے کس بیدردی سے خزانہ عامرہ کو لوٹا اور ملک کو مقروض اور دیوالیہ بنا کر رکھ دیا ہے اور سالانہ بجٹ پورا کرنے کیلئے ادھر ادھر کشکول اٹھائے پھرتے ہیں، ذرا امیر المومنین عمر بن عبد العزیزؒ کا سرکاری خزانے کی حفاظت اور اس کی نگرانی کا حال سنئے:

”وہ رات کو خلافت کا کام بیت المال کی شمع سامنے رکھ کر انجام دیتے تھے، لیکن جب اپنا کام ہوتا تو اس شمع کو اٹھوا دیتے اور ذاتی چراغ منگوا کر کام کرتے تاکہ سرکاری خزانے پر بوجھ نہ پڑے۔“

فقراء و مساکین کے لئے بیت المال کے مصارف سے جو مہمان خانہ قائم کیا تھا اس سے نہ خود فائدہ اٹھاتے تھے، نہ خاندان میں کسی شخص کو فائدہ اٹھانے دیتے تھے، عام طور پر حکم دے رکھا تھا کہ ہمارے غسل اور وضو کا پانی مہمان خانہ کے باورچی خانہ میں گرم نہ کیا جائے، ایک بار ان کی لاعلمی میں ملازم نے ایک ماہ تک وضو کا پانی مطبخ عام میں گرم کیا، ان کو معلوم ہوا تو اتنی لکڑی خرید کر باورچی خانہ میں داخل کر دی۔

ایک بار سرکاری کوئلے سے گرم کیا ہوا پانی وضو کے لئے آیا تو وضو کرنے سے انکار کر دیا، ایک موقع پر غلام کو گوشت کا ایک ٹکڑا بھوننے کے لئے دیا، وہ سرکاری باورچی خانہ سے بھون لایا تو بولے کہ تمہی کھاؤ یہ تمہاری قسمت میں لکھا ہوا تھا، میری قسمت میں نہ تھا۔

ایک بار سرکاری سیب (غربا اور مساکین میں) تقسیم فرمارہے تھے ان کا چھوٹا بچہ آیا اور ایک سیب اٹھا کر کھانے لگا، انہوں نے سیب کو اس کے ہاتھ سے نہایت سختی کے ساتھ چھین لیا، بچہ روتا ہوا ماں کے پاس آیا، اس نے بازار سے سیب منگا کر اسے دے دیا۔ حضرت عمر بن عبد العزیزؒ گھر

Marfat.com

میں آئے تو سیب کی خوشبو سونگھ کر بولے کہ کہیں سرکاری سیب تو گھر میں نہیں آئے، ان کی بیوی نے واقعہ بیان کیا تو بولے کہ میں نے سیب اپنے بچے سے چھینا تو گویا اپنے دل سے چھینا، لیکن مجھے یہ پسند نہ آیا کہ اللہ کے سامنے مسلمانوں کے سیب کے لئے اپنے آپ کو برباد کردوں۔

رعایا کے حقوق میں اہم ترین بات عدل وانصاف کی فراہمی ہے۔ کسی ریاست کے قیام وبقا کیلئے فوری اور بے لاگ انصاف ایسا ہی ضروری ہے جیسا کہ جسم وجان کی حفاظت کیلئے پانی، روشنی ہوا اور خوراک کی ضرورت ہے۔ شعراء جب مبالغہ آمیز طور پر کسی بادشاہ کے عدل وانصاف کا ذکر کرتے ہیں تو کہتے ہیں کہ اس کے زمانے میں بھیڑیا اور بکری ایک ساتھ پانی پیتے تھے اس سے بڑھ کر یہ کہ ''بھیڑیا بکری کی چوبانی کرتا ہے'' لیکن حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کے زمانے میں اس مبالغہ نے واقعہ کی صورت اختیار کر لی اور اس کے متعلق بہت سی موضوع روایتیں پیدا ہوگئیں، چنانچہ موسیٰ بن اعین سے روایت ہے کہ ہم لوگ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کی خلافت کے زمانے میں بکریاں چراتے تھے، تو بھیڑیئے بھی ان کے ساتھ ساتھ چرتے تھے، لیکن ایک رات بھیڑیے نے ایک بکری پر حملہ کیا تو میں نے کہا کہ وہ نیک مرد ضرور اس دنیا سے رخصت ہوگیا ہے، چنانچہ واقعی انہوں نے اسی شب کو انتقال کیا۔ (سیرت عمر بن عبدالعزیزؒ۔ مولانا عبدالسلام ندوی)

اس پر مولانا عبدالسلام ندوی لکھتے ہیں:

''اب ہم کو تاریخی واقعات کی زبان سے یہ بتانا چاہیے کہ اس مبالغہ میں سچ کا کس قدر حصہ شامل ہے؟

حضرت عمرؒ بن عبدالعزیز کے عہد خلافت سے پہلے

(۱) رعایا کے مال وجائیداد پر غاصبانہ قبضہ کرلیا گیا تھا۔

(۲) قبلہ گاہ عالم یعنی بنوہاشم کے تمام حقوق پامال کردیئے گئے تھے۔

(۳) نہایت سفاک اور خونریز عمال مقرر کیے گئے تھے۔

(۴) محض ظن وتخمین کی بنا پر رعایا کو سزائیں دی جاتی تھیں اور عورتوں کو مردوں کے بدلے میں گرفتار کیا جاتا تھا۔

(۵) رعایا میں کمزوروں سے بیگار لیا جاتا (بغیر اجرت کے کام لیا جاتا)۔

حضرت عمرؒ بن عبدالعزیز نے تخت سلطنت پر بیٹھنے کے ساتھ ہی ان تمام مظالم کی طرف توجہ

Marfat.com

کی اور عدل وانصاف کا منارہ بلند کیا اور اموال مغصوبہ کو واپس کیا، لوگوں کے حقوق بحال کیے، بیگاری کا انسداد کیا، نیک اور رعایا پرور عمال مقرر کیے، غربا و مساکین کی امداد و اعانت کا انتظام کیا، یتامیٰ اور معذور لوگوں کے وظائف مقرر کیے، بیت المال کو مضبوط بنایا اور اس کا دروازہ پوری قوم کے لئے کھول دیا۔ لوگوں کے جان و مال، عزت و آبرو، تعلیم و تربیت، علاج و معالجہ پر پوری توجہ دی، تاریخ اسلام میں ان کا دور حکومت اس لحاظ سے خاص طور پر ممتاز ہے کہ انہوں نے خلافت راشدہ کے نظم و نسق کو دوبارہ قائم کیا۔ خاص طور پر خلیفہ ثانی عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کے نقش قدم کو چراغ راہ بنایا، ان کے دورِ حکومت میں اسلامی ریاست کو حقیقی معنوں میں فلاحی ریاست کہا جا سکتا ہے۔..... ملک اور قوم کی بہتری اور بھلائی کے لئے ان تمام اصلاحات میں انہوں نے کتنا وقت لگایا؟ ان کا دور خلافت صرف دو سال، چار مہینے اور چند دن ہے، اس مختصر مدت میں یہ سب کچھ کیونکر ہوا؟ اس لئے کہ جب حاکم وقت میں خلوص وللہیت ہو تو وہ سَیِّدُ الْقَوْمِ خَادِمُهُمْ (قوم کا سرداران کا خادم ہوتا ہے) کی جیتی جاگتی تصویر بن جاتا ہے، نیک اور صالح قیادت سے لوگوں میں بھی نیکی اور پاکیزگی کا شعور ابھرتا ہے، یہ قول کہ النَّاسُ عَلٰى دِيْنِ مُلُوْكِهِمْ یعنی لوگ اپنے حکام کے طور طریقوں پر ہوتے ہیں، صحیح ثابت ہوتا ہے، پھر اگر وہ دولت مند ہیں تو ان کا مال غریبوں اور مسکینوں کی فلاح و بہبود پر خرچ ہوتا ہے، ان کی دلی آرزو ہوتی ہے کہ وہ بے سہارا اور دکھیاروں کے مددگار بنیں، وہ دولت پر قارون بن کر نہیں بلکہ عثمان غنی رضی اللہ عنہ بن کر قابض ہوتے ہیں اور اَحْسِنْ كَمَا اَحْسَنَ اللّٰهُ عَلَيْكَ (تم احسان کرو جیسا کہ اللہ نے تم پر احسان کیا ہے) کا عملی نمونہ پیش کرتے ہیں، وہ مال کو اپنی قوت بازو کا کرشمہ نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کا انعام خیال کرتے ہیں اور اس بات پر رب کریم کا شکر ادا کرتے ہیں کہ اس نے انہیں خرچ کرنے کی توفیق عطا کی، گردش دولت سے غرباء و مساکین میں جہاں فقر و محتاجی دور ہوتی ہے وہاں ان کے دلوں میں اپنے امیر بھائیوں کے لئے الفت و محبت کے جذبات پیدا ہوتے ہیں، اس طرح اس معاشرے میں مہر و محبت کے پھول کھلتے ہیں اور وہ معاشرہ ''رُحَمَاءُ بَيْنَهُمْ'' (آپس میں ہمدرد اور شیر و شکر) کا عمدہ نمونہ پیش کرتا ہے، ایسی فلاحی بستی یقیناً مثالی ہوتی ہے اور ہر شخص اس میں رہنا سہنا پسند کرتا ہے، وہاں کے باسیوں میں اتنی محبت اور اتنا پیار ہوتا ہے کہ ان کے اجتماعی معاملات باہم مشورے سے طے پاتے ہیں۔ وَاَمْرُهُمْ شُوْرٰى بَيْنَهُمْ (الشوریٰ:۳۸) اور وہ اپنے

Marfat.com

معاملات باہم مشاورت سے طے کرتے ہیں (اوراس میں خیر و برکت ہوتی ہے)۔

اس کے برعکس جب کسی ملک کی حکومت پر اشرار قابض ہو جائیں تو ان کا مقصد ملک وملت کی خدمت نہیں بلکہ ذاتی مقاصد کا حصول اور ملکی خزانہ کو ہر جائز و ناجائز ذرائع سے لوٹنا ہوتا ہے، بگاڑ ہمیشہ اوپر سے چلتا ہے، ملک کا نظم ونسق تہہ وبالا ہو جاتا ہے، ظلم وفساد، چوری اور ڈکیتی، قتل و غارت، رشوت اور جوا اور اسی قبیل کی بہت سی وبائیں پھوٹتی ہیں، لوگوں کے جینے کا مقصد محض دھن دولت اکٹھی کرنا ہوتا ہے اوراس کے حصول میں جائز اور ناجائز، حلال وحرام میں تمیز جاتی رہتی ہے، حرص و ہوس کے شعلے بھڑکنے لگتے ہیں، مکروفریب، رشوت اور سود، بلیک مارکیٹنگ اور سمگلنگ، خیانت اور بددیانتی کا بازار گرم ہو جاتا ہے، زندگی کا مقصد اخلاقی اقدار سے آراستہ ہونا نہیں دولت کی طلب بن جاتا ہے، معیار فضیلت، شرافت ونجابت نہیں، سیم وزر ٹھہرتا ہے، ایسے معاشرے میں لوگوں کا فہم وشعور سلب ہو جاتا ہے، قلب سلیم اور فکر مستقیم کی دولت چھن جاتی ہے، ایمان کی حرارت دھیمی پڑ جاتی ہے، ظاہری آنکھیں ہوتی ہیں مگر دل کی آنکھیں اندھی ہو جاتی ہیں لوگ بصارت تو رکھتے ہیں مگر بصیرت سے محروم ہوتے ہیں اور یہ سب سے بڑی محرومی ہے، اس کا قرآن اس طرح ذکر کرتا ہے:

فَاِنَّهَا لَا تَعْمَى الْاَبْصَارُ وَلٰكِنْ تَعْمَى الْقُلُوْبُ الَّتِىْ فِى الصُّدُوْرِ (الحج:۴۶)

"بات یہ ہے کہ آنکھیں اندھی نہیں ہوتیں بلکہ دل جو سینوں میں ہیں وہ اندھے ہوتے ہیں"۔

جب قوم کی عقل وفکر پر پردہ پڑ جاتا ہے تو وہ فہم وبصیرت سے تہی دامن ہو جاتی ہے، پھر بزدلی اور کمینگی کا شکار ہو جاتی ہے، یہاں تک کہ مرد اپنی بہادری و مردانگی کھو بیٹھتے ہیں اور اپنے معاملات عورتوں کے سپرد کر دیتے ہیں جس سے مجموعی طور پر تباہی اور پریشانی ان کا مقصد ٹھہرتی ہے۔ شرفاء کے لئے وہ ماحول بڑا تکلیف دہ ہوتا ہے، زمین اپنی وسعتوں کے باوجود ان کے لئے تنگ ہو جاتی ہے، ان کی صبحیں اور شامیں انقباض نفس سے گزرتی ہیں اور ان کا دل چاہتا ہے کہ زمین شق ہو اور وہ اس کے اندر سما جائیں، کیا ہم نے سرزمین پاکستان کو کچھ ایسا ہی نہیں بنا دیا؟

Marfat.com

بدترین معاشرتی روگ

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس نے ہمیں دھوکہ دیا، وہ ہم میں سے نہیں۔ (رواہ مسلم)

حدیث مبارک میں اس کیلئے غش کا لفظ آیا ہے اس کا معنی دھوکہ، فریب، خیانت، دل کی سیاہی، ترش روئی اور ہر چیز کی کدورت کے آتے ہیں اور یہ ایسی قباحت ہے جس سے ہماری معاشرتی اور معاشی زندگی متاثر ہوتی ہے۔ عزت ووقار کو دھچکا لگتا ہے، کاروباری ساکھ خراب ہوتی ہے، آپس کے معاملات بگڑتے ہیں، باہم لڑائی جھگڑے پیدا ہوتے ہیں اور فتنہ وفساد کے سبب زندگی سے امن اور سکون رخصت ہو جاتا ہے اور اتنی بڑی خرابی پیدا کرنے پر جو وعید آئی ہے وہ قابل غور ہے یعنی دھوکہ دینے والا شخص ہم میں سے نہیں ہے۔ ''فَلَیْسَ مِنَّا'' اس کا مفہوم واضح ہے کہ ایسا شخص ہمارے راستے اور طریقے پر نہیں ہے، اس کا مسلمانوں کی جماعت سے کوئی تعلق اور سروکار نہیں ہے خواہ وہ اپنے آپ کو مسلم معاشرے کا فرد سمجھتا ہو، صوم وصلوٰۃ کا پابند ہو، اس نے حج اور عمرے کر رکھے ہوں، حق بات تو یہ ہے کہ دھوکہ دینے والا شخص زندگی گزارنے کی اس پاکیزہ شاہراہ سے بھٹک گیا ہے جس پر جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے پیارے صحابہ رضی اللہ عنہم رضائے الٰہی طلب کرتے ہوئے چلے تھے۔

ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مارکیٹ میں غلے کے ڈھیر کے پاس سے گزر ہوا تو آپؐ نے دست مبارک سے غلے کو دیکھا اور کچھ نمی محسوس فرمائی، اس کے مالک سے اس کا سبب دریافت فرمایا، اس نے کہا کہ بارش ہونے کے بعد اس نے اس کا خشک حصہ اوپر کر دیا، جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم نے تر حصہ اوپر کیوں نہ رہنے دیا کہ لوگوں کو اس کا علم ہو جاتا، یاد رکھو! جس نے ہمیں دھوکہ دیا اس کا ہماری جماعت سے بھلا کیا سروکار رہا۔

اس قدر واضح فرمان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پڑھنے کے بعد ذرا اپنے معاشرے پر نگاہ ڈالئے۔

Marfat.com

آپ کسی دکاندار یا خوانچہ فروش سے پھل خرید کر لاتے ہیں گھر پہنچ کر اہل خانہ کے سامنے جو لفافہ انڈیلتے ہیں تو حیرت اور شرمندگی ہوتی ہے کہ اس میں خراب پھل بھی تھے جو دکاندار یا خوانچہ فروش نے ہاتھ کی صفائی سے ڈال دیئے تھے، دوبارہ وہ لفافہ تھام کر اس خوانچہ فروش کے پاس شکایت کیونکر لے جائیں گے نہ معلوم وہ کہاں جا چکا ہوگا پھر وقت اتنا قیمتی ہے کہ دوبارہ جانے کی ہمت نہیں ہوتی، روزمرہ کی ضروریات زندگی خریدتے وقت آپ متعدد بار ان بیچنے والوں سے دھوکہ کھاتے ہیں۔ آپ خالص شہد کی تلاش میں مارے مارے پھرتے ہیں مگر تسلی اور اطمینان نہیں ہوتا، خیال گزرتا ہے کہ شہد کی جگہ شیرانہ بیچا جا رہا ہے، خالص دودھ اور دیسی گھی عنقا ہو چکے ہیں یہ وہی لوگ کھا پی سکتے ہیں جن کے اپنے گھر میں بھینس، گائے وغیرہ بندھی ہو، ان شیر فروشوں کی دکانوں پر تو خالص دودھ آپ کو ملنے سے رہا۔ شہد اور دودھ تو قیمتی اشیاء ہیں، نمک اور مرچ ایسی سستی اشیاء خالص حالت میں ملنا مشکل ہو رہا ہے۔ پھر دیکھئے کہ مریض موت وحیات کی کشمکش میں ہسپتال میں پڑا ہے، آپ اس کے لئے ادویات لینے میڈیکل سٹور میں جاتے ہیں، پیکنگ پر پوری قیمت چھپی ہوتی ہے مگر یہ جعلی دوائی ہوتی ہے، سٹور کیپر بھی اس سے آگاہ ہے مگر وہ آپ کی لاعلمی سے فائدہ اٹھاتے ہوئے آپ کو وہ دوائی فروخت کر دیتا ہے کیا ایسی ادویات تیار کرنے والے اور بیچنے والے مریضوں کی جان سے نہیں کھیلتے؟ کیا انہیں دنیا اور آخرت میں سخت سے سخت سزا نہیں ملنی چاہیے؟

آپ نے اپنی پیاری بیٹی کے نکاح پر اسے دینے کیلئے قیمتی فرنیچر خریدا جو ظاہری رنگ روپ اور چمک دمک میں بہت خوبصورت لگ رہا تھا، شادی کو ابھی دو چار ماہ ہی گزرے تھے کہ بیٹی ملنے کیلئے آئی اور کہنے لگی "ابو جی! وہ فرنیچر تو ٹیڑھا میڑھا ہونے لگا ہے۔ پتہ چلا کہ وہ گیلی لکڑی سے تیار کیا گیا تھا۔ آپ نے اس دکاندار سے شکایت کی تو اس نے جواب دیا کہ لے آیئے ٹھیک کر دیں گے، اب کس کے پاس اتنا وافر وقت ہوتا ہے کہ اسے اٹھا کر لے جائے اور پھر واپس لائے۔ اگر آپ ہمت کر کے ایسا کر بھی لیتے ہیں تو دوبارہ خراب ہونے پر اس کے پاس لے جانے کی کمر ہمت ٹوٹ جاتی ہے۔

آپ کلرک ہیں، صبح سے شام دفتر میں محنت ومشقت کرتے ہیں، ریٹائرمنٹ کے وقت آپ کو اپنی جمع شدہ رقم ملی ہے، آپ نے اپنی طرف سے چھان بین کے بعد مکان بنانے کے لئے پلاٹ خریدا ہے، رقم کی ادائیگی اور رجسٹری کے بعد پتہ چلا کہ یہ پلاٹ جو آپ نے خریدا کسی اور شخص نے بھی اسے خریدا ہوا ہے اور اس کے پاس بھی اس کی رجسٹری ہے آپ عدالت کی طرف

Marfat.com

رجوع کرتے ہیں اور مقدمہ کا سلسلہ شروع ہو جاتا ہے، آپ کو عمر بھر محنت و تکلیف کے بعد سکون ملنا چاہیے تھا مگر ذہنی کوفت اور کرب میں مبتلا ہو جاتے ہیں اور پھر یہاں پر قانون اسی کا ساتھ دیتا ہے جو عدل کو روپے پیسے سے خریدتا ہے۔

شادی اور نکاح سے دو گھرانے جڑتے ہیں، لڑکے اور لڑکی کے درمیان نکاح کے وقت اخلاقی اور شرعی معاہدہ طے پاتا ہے۔ آپ نے اپنی پڑھی لکھی پیاری بیٹی کا ایک جگہ نکاح کیا ہے۔ لڑکے کے ماں باپ، بہن بھائی آپ کے یہاں آتے رہے اور ہر طرح سے یقین دہانی اور عہد و پیمان سے آپ کو مطمئن کرتے رہے "آپ کی بیٹی درحقیقت ہماری بیٹی اور ہماری بہن ہے، اسے بڑے سکھ اور آرام سے رکھیں گے اور آپ کو کسی قسم کی کوئی پریشانی نہ ہوگی۔ ہم نے لڑکی کو بیاہ کر لے جانا ہے، مال اور سامان کی قطعی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ نکاح کو ابھی بمشکل دو چار ہفتے ہی گزرتے ہیں کہ مطالبات کی طول طویل فہرست آجاتی ہے، لڑکی کو طرح طرح سے مطعون اور تنگ کیا جاتا ہے کبھی لڑکے کی ماں طعنے دیتی ہے اور کبھی اس کی بہنیں پریشان کرتی ہیں پھر اسے ضروریات زندگی کے لئے ستایا اور رلایا جاتا ہے۔ بعض اوقات وہ مجبور ہو کر میکے چلی آتی ہے اور سسرال میں سے مہینوں ادھر کوئی رخ نہیں کرتا، لڑکی الگ کڑھتی رہتی ہے اور والدین اس کی وجہ سے الگ قلق اور اضطراب میں رہتے ہیں، لڑکا اگر سمجھدار ہو تو وہ ماحول پر قابو پالیتا ہے اور یہ نوبت نہیں آنے دیتا اور وہ اس معاشرتی بندھن کا پوری طرح پاس و لحاظ رکھتا ہے، مگر ہمارے مشاہدے میں اور اخبارات کی خبروں کے مطابق بہت سے گھرانے دھوکہ اور فریب سے تباہ و برباد ہو جاتے ہیں اور جو لوگ اس میں کسی طرح بھی شامل ہوتے ہیں ان کا نام حقیقت میں اسلامی معاشرے سے کٹ جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ کے یہاں وہ سزا سے بچ نہیں سکتے ہیں۔

سیاست کا شعبہ دھوکہ اور فریب دینے میں سب سے آگے ہے بلکہ موجودہ سیاست مکر و فن کا دوسرا نام ہے، ذرا غور کیجئے کہ پاکستان کو معرض وجود میں آئے کوئی چون برس گزر چکے ہیں، حصول وطن کے لئے ہمارے بزرگوں نے جان و مال کی بے پناہ قربانیاں دی تھیں صرف اور صرف اس لئے کہ ہمارا ہر شعبہ حیات اسلام کے عادلانہ نظام کے مطابق ڈھل جائیگا، مگر افسوس کہ اتنا طویل عرصہ بیت جانے کے باوجود یہ خواب شرمندۂ تعبیر نہ ہو سکا، سول اور فوجی حکمران بدل بدل کر آتے رہے مگر اسلامی نظام قائم کرنے کی کسی کو توفیق نہ مل سکی اور اب ملک جس اخلاقی و معاشی تباہی کے

Marfat.com

دہانے پر کھڑا ہے کسی سے ڈھکی چھپی بات نہیں ہے۔

اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ دھوکہ اور فریب ایسی قبیح برائی کو کیسے دور کیا جا سکتا ہے، پہلی اور بنیادی بات اللہ تعالیٰ کا خوف ہے۔ مسلمان ہوتے ہوئے یہ احساس ہر وقت بیدار رہنا چاہئے کہ زندگی کے ہر لمحہ اور ہر معاملہ کے بارے میں وہ اپنے خالق و مالک کے یہاں جوابدہ ہے۔ وہ دوسروں کو دھوکہ اور فریب دے کر اس دنیا کی عدالت سے تو بچ کر نکل سکتا ہے مگر رب العزت کی عدالت سے جہاں ذرہ بھر نیکی اور ذرہ بھر بدی بھی آشکارا کر دی جائے گی کیسے چھٹکارا پا سکتا ہے۔ یہ فکر زندگی کے ہر معاملے میں اسے سیدھا اور کھرا رکھتا ہے۔ پھر اسلام نے یہ تعلیم دی ہے کہ جو بات تم اپنے لئے پسند کرتے ہو وہی اپنے مسلمان بھائی کے لئے پسند کرو، جب تم یہ نہیں چاہتے کہ تمہیں کوئی دھوکہ اور فریب دے تو تم کیسے پسند کرو گے کہ تم دوسروں کو دھوکہ اور فریب دو، یہ بات یقیناً تمہارے ایمان کے خلاف ہوگی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے: لَا يُؤْمِنُ اَحَدُكُمْ حَتّٰى يُحِبَّ لِاَخِيْهِ مَا يُحِبُّ لِنَفْسِهٖ ''تم میں سے کسی کا ایمان اس وقت تک مکمل نہیں ہوتا جب تک کہ وہ اپنے بھائی کیلئے وہی بات پسند نہ کرے جو وہ اپنے لئے پسند کرتا ہے۔''

یہ شعور جب اجاگر ہو جاتا ہے تو ایک مسلمان دوسروں کو دھوکہ اور فریب دینے سے رک جاتا ہے، اس کے علاوہ اس برائی کو روکنے کی موثر تدبیر یہ بھی ہے کہ حکومت کے قوانین اس قدر مضبوط ہوں کہ مجرموں کو بروقت سزائیں دی جائیں، اس میں کوئی رورعائت نہ برتی جائے، مگر یہ اسی وقت ممکن ہے کہ جب افراد حکومت خود اصولوں کے پابند ہوں، وہ مخلص اور دیانتدار ہوں، ملک و ملت کے وفادار ہوں اور ملک میں عدل و انصاف کی حکمرانی ہو، افسوس کہ چھپن برس گزرنے کے بعد بھی ہم یہاں کوئی مضبوط نظام نہ لا سکے، یہ ہماری غفلتوں کا نتیجہ ہے۔ خاص طور پر اسلام کے نام لیوا آپس میں بکھرے ہوئے ہیں، ان میں کوئی اتفاق و اتحاد نہیں ہے، اس حال میں عاجز و کمزور بندے اپنے رب کے حضور صرف دعا ہی کر سکتے ہیں۔

اے رب کریم! ہمارے دلوں سے نفرتوں کو دور فرما کر الفتوں اور محبتوں سے سرشار فرما دے تا کہ تیرے نظام کو جاری و ساری کر سکیں، آمین!

Marfat.com

صدقہ وخیرات کی وسعت

آپ شاید یہ سمجھتے ہیں کہ صدقہ وخیرات صرف روپے پیسے سے ہی ہوسکتا ہے اور یہ اجر و ثواب صرف مال و دولت رکھنے والے ہی اپنے دامن میں سمیٹ سکتے ہیں، ایسا نہیں ہے، دین اسلام، دین رحمت ہے، اس نے اس باب میں وسعت دے کر غریب سے غریب انسان کے لئے بھی صدقہ وخیرات کے متعدد مواقع فراہم کردیئے ہیں آیئے ذرا غور کریں۔

حضرت ابوذرؓ سے روایت ہے کہ غرباء ومساکین نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ دولت مند ہم پر اجر وثواب میں سبقت لے گئے، ہم نماز پڑھتے ہیں وہ بھی نماز پڑھتے ہیں، ہم روزے رکھتے ہیں وہ بھی روزے رکھتے ہیں اور وہ اپنے روپے پیسے سے صدقہ وخیرات کرکے اپنی نیکیوں میں اضافہ کرلیتے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ”اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے بھی صدقہ میں وسعت رکھی ہے بیشک ہر تسبیح (سبحان اللہ) کہنا صدقہ ہے، ہر تحمید (الحمد للہ) کہنا صدقہ ہے، ہر تہلیل (لا الہ الا اللہ) کہنا صدقہ ہے نیکی کا حکم دینا صدقہ ہے اور برائی سے باز رکھنا صدقہ ہے، اور شادی بیاہ کرنا بھی صدقہ ہے کہ یہ خواہش نفس کو پورا کرنے کا جائز اور حلال راستہ ہے جبکہ اس کے علاوہ دوسرا راستہ حرام اور ناجائز ہے اور اس پر گناہ اور گرفت ہے۔ (مسلم)

آپ شاہراہوں پر چلتے پھرتے بھی صدقہ وخیرات سے بہرہ ور ہوسکتے ہیں۔

ابوذر رضی اللہ عنہ ہی کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میری امت کے اچھے برے اعمال مجھ پر پیش کئے گئے، میں نے ان کے اعمال کے محاسن میں راستہ کی گندگی اور تکلیف دہ چیز ہٹا دینا پایا اور ان کے اعمال کی برائیوں میں یہ پایا کہ کھنگار اور تھوک ہو اور اس کو زمین میں دبایا نہ جائے۔ (مسلم)

اس حدیث مبارکہ کو پڑھنے کے بعد غور کیجئے کہ جو لوگ راہ چلتے کسی پھل اور سبزی کے چھلکے

Marfat.com

کو، کسی اینٹ اور پتھر کو اٹھا کر کنارے پر لگا دیتے ہیں یا کسی قریبی ڈرم اور بن میں پھینک دیتے ہیں مبادا کہ کوئی بہن بھائی پھسل کر زخمی ہو جائے وہ تو صدقہ کے اجر کو کما لیتے ہیں اور اس میں کتنا وقت لگتا ہے اس کے برعکس جو راہ چلتے پھل کھاتے ہیں اور عین سڑک کے درمیان چھلکے پھینک دیتے ہیں یا پان کھاتے ہیں اور اس کی پیک سڑک پر پھینکتے ہیں وہ صحت وصفائی کی فضا کو خراب کرنے کے علاوہ سزا کے بھی مستحق ہو جاتے ہیں۔

یہ بات قابل غور ہے کہ تکلیف دہ چیز کو راستے سے ہٹا کر جنت کا حصول بھی ممکن ہوسکتا ہے۔

ابوذر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا آپؐ نے فرمایا کہ میں نے ایک آدمی کو جنت میں گھومتے پھرتے دیکھا ہے اور یہ مرتبہ اس کو اس وجہ سے حاصل ہوا کہ اس نے ایک ایسے درخت کو اکھاڑ دیا تھا جس سے راستہ چلنے والوں کو تکلیف ہوتی تھی۔ (مسلم)

اس کے علاوہ مناسب اور موزوں جگہ پر درخت اور پودا لگانے سے بھی جنت کا حصول آسان ہو جاتا ہے۔

حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ایک مسلمان کوئی درخت یا پودا لگائے اور اس سے لوگ فائدہ اٹھائیں تو اس کے لئے صدقہ ہے اور اگر چوری ہو جائے یا اس کو کوئی نقصان پہنچائے تو بھی اس کے لئے صدقہ ہے (اس کا اجر ضائع نہیں ہوتا ہے)۔ (بخاری)

اور ایک روایت ہے کہ کوئی مسلمان درخت لگائے اور اس سے انسان، اور چرند پرند فائدہ اٹھائیں تو اس کے لئے قیامت تک یہ صدقہ جاری رہے گا (اور جنت کا حصول آسان ہو جائے گا)۔ (حوالہ: ایضاً)

دراصل انسان غور وفکر کرے تو انفس وآفاق میں اللہ تعالیٰ کے ان گنت اور بے حد وحساب انعامات ہیں جس کے لئے اسے اپنے خالق ومالک کا شکر گزار بندہ بن کر رہنا چاہئے اور یہ سراپا شکر گزاری کا جذبہ یقیناً صدقہ وخیرات کا معاوضہ بن جاتا ہے اور روز جزا انسان سے تمام نعمتوں کے بارے میں باز پرس بھی ہوگی۔ ارشاد ہوتا ہے:

ثُمَّ لَتُسْئَلُنَّ يَوْمَئِذٍ عَنِ النَّعِيمِ (التکاثر: ۸)

"پھر ضرور بضرور تم سے اس روز ان نعمتوں کے بارے میں جواب طلبی کی جائے گی"۔

Marfat.com

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ 'نعیم' امن وصحت کا نام ہے اور حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ کا کہنا ہے کہ 'نعیم' بدن، آنکھوں اور کانوں کی صحت کا نام ہے (جامع العلوم والحکم۔ابن رجب حنبلی)

حقیقت یہ ہے کہ جسم کا ہر ہر عضو نعمت ہے انسان کی پانچ انگلیوں میں سے ایک انگلی بیکار ہو جائے تو بڑا خلا محسوس ہوتا ہے۔ قرآن حکیم فصاحت و بلاغت سے لبریز ہے۔ تھوڑے الفاظ اور وسیع مفہوم ہوتا ہے ایسا ہونا بھی چاہیے کہ وہ رب العالمین کا کلام ہے، ارشاد ہوتا ہے:

اِنَّ السَّمۡعَ وَالۡبَصَرَ وَالۡفُؤَادَ كُلُّ اُولٰٓئِكَ كَانَ عَنۡهُ مَسۡـُٔوۡلًا (بنی اسرائیل:۳۶)

''یقیناً آنکھ، کان اور دل سب ہی کی باز پرس ہونی ہے۔''

یعنی یہ وہ اعضائے جسمانی ہیں جن سے دیکھنے، سننے اور سوچنے سمجھنے کا کام لیا جاتا ہے ورنہ حقیقت تو یہ ہے کہ ہر ہر عضو اور ہر ہر جوڑ اپنی اپنی جگہ بے مثال ہے اور اس پر خالق و مالک کا شکر لازم ہے اور حدیث شریف کے مطابق ہر انسان کے تین سو ساٹھ جوڑ ہیں اور ہر جوڑ پر صدقہ کرنا ضروری ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس صدقہ کا طریقہ کار بھی بتلا دیا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے:

''انسان کو اپنے ہر جوڑ پر صدقہ دینا لازم ہے، دو آدمیوں کے درمیان عدل کرنا صدقہ ہے اور کسی کا سامان اس کی سواری پر لادینا (یا اتار دینا) صدقہ ہے، راستہ سے کانٹا وغیرہ کا ہٹا دینا بھی صدقہ ہے (بخاری، مسلم)

اس حدیث مبارکہ سے استنباط کرتے ہوئے ہم کہہ سکتے ہیں کہ کسی بھولے بھٹکے کو راستہ دکھانا بلکہ اسے منزل مقصود تک پہنچا دینا، کسی مریض کی تیمارداری کرنا، یتامیٰ اور بیوگان کی سرپرستی کرنا، والدین کی خدمت کرنا، ہمسایوں اور پڑوسیوں کی خبر گیری کرنا، بڑوں کا ادب کرنا اور چھوٹوں پر شفقت کرنا، اہل وعیال کے لئے حلال روزی کمانا اور اللہ کے دیے مال میں سے فقراء و مساکین کے ساتھ احسان و مروت کرنا، یہ سب کے سب اعمال صدقات کے زمرہ میں آجاتے ہیں اور ان اعمال کو سرانجام دینے میں مال و زر کی نہیں بلکہ ہمت اور خلوص کی ضرورت ہوتی ہے، اور تھوڑی سی توجہ اور طلب سے کوئی شخص اپنی زندگی کو بڑا قیمتی بنا سکتا ہے اور ان صدقات (نیک اعمال) کو سرانجام دیتے وقت کسی فخر وغرور کی نہیں بلکہ عجز وخاکساری کی ضرورت ہوتی ہے، کسی

Marfat.com

کے ساتھ احسان و مروت کے بعد اس کی دل آزاری اور دل دکھانے کی بات کہنا اپنی نیکی اور بھلائی کو ضائع اور برباد کرنا ہے، ارشاد ہوتا ہے:

"اے ایمان والو! اپنے صدقات (خیرات) کو احسان جتا کر اور دکھ دے کر اس شخص کی طرح خاک میں نہ ملا دو، جو اپنا مال محض لوگوں کے دکھانے کو خرچ کرتا ہے، اس کا نہ اللہ پر ایمان ہے اور نہ ہی آخرت پر، اس کے خرچ کی مثال ایسی ہے جیسے ایک چٹان تھی جس پر مٹی کی تہہ جمی ہوئی تھی اس پر جب زور کا مینہ برسا تو ساری مٹی بہہ گئی اور صاف چٹان کی چٹان رہ گئی، ایسے لوگ اپنے نزدیک خیرات کر کے جو نیکی کماتے ہیں، اس سے کچھ بھی ان کے ہاتھ نہیں آتا اور منکرین (ناشکروں) کو اللہ سیدھی راہ نہیں دکھاتا"۔ (بقرہ:۲۶۴)

سید مودودیؒ لکھتے ہیں:

"اس تمثیل میں بارش سے مراد خیرات ہے، چٹان سے مراد اس نیت اور اس جذبے کی خرابی ہے جس کے ساتھ خیرات کی گئی ہے، مٹی کی ہلکی تہہ سے مراد نیکی کی وہ ظاہری شکل ہے جس کے نیچے نیت کی خرابی چھپی ہوئی ہے، اس توضیح کے بعد مثال اچھی طرح سمجھ میں آسکتی ہے۔ بارش کا فطری اقتضا تو یہی ہے کہ اس سے روئیدگی ہو اور کھیتی نشو و نما پائے، لیکن جب روئیدگی قبول کرنے والی زمین محض برائے نام اوپر ہی اوپر ہو اور اس اوپری تہہ کے نیچے نری پتھر کی ایک چٹان رکھی ہوئی ہو تو بارش مفید ہونے کے بجائے الٹی مضر ہوگی، اسی طرح خیرات بھی اگرچہ بھلائیوں کو نشو و نما دینے کی قوت رکھتی ہے، مگر اس کے نافع ہونے کے لئے حقیقی نیک نیتی شرط ہے، نیت نیک نہ ہو تو ابر کرم کا فیضان بجز اس کے کہ محض ضیاع مال ہے اور کچھ نہیں۔ (تفہیم القرآن، ج:اول)

اس کے برعکس وہ لوگ جو صدقات و خیرات خلوص نیت سے اور محض خالق و مالک کی رضا کیلئے کرتے رہتے ہیں اور وہ نہ تو کسی پر احسان دھرتے ہیں اور نہ ہی نخوت و غرور کا شکار ہوتے ہیں تو ان کا لازوال اجر رب تعالیٰ کے یہاں ثبت ہو جاتا ہے، قرآن حکیم میں اس اجر کو خوبصورت مثال سے سمجھایا گیا ہے۔

"جو لوگ اپنے مال (صدقات) محض اللہ کی رضا جوئی کیلئے دل کے پورے ثبات و قرار کے ساتھ خرچ کرتے ہیں، ان کے خرچ کی مثال ایسی ہے جیسے کسی سطح مرتفع پر ایک باغ ہو، اگر زور کی بارش ہو جائے تو وہ باغ دوگنا پھل لائے اور اگر زور کی بارش نہ بھی ہو تو ایک ہلکی پھوار ہی اس

Marfat.com

کے لئے کافی ہو جائے، تم جو کچھ کرتے ہو سب اللہ کی نظر میں ہے"۔ (۲۶۵)

سید مودودیؒ لکھتے ہیں:

"زور کی بارش" سے مراد وہ خیرات ہے جو انتہائی جذبہ خیر اور کمال درجہ کی نیک نیتی کے ساتھ کی جائے اور ہلکی پھوار سے مراد ایسی خیرات ہے جس کے اندر جذبہ خیر کی شدت نہ ہو۔" (تفہیم القرآن، ج:اول)

ضروری ہے کہ ہم صدقات وخیرات کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ کی رضا کے طلبگار بنیں اور اس کی بارگاہ میں التجا، گریہ زاری کریں کہ وہ اسے اپنی رحمت سے قبول فرمائے اور اس بات میں کسی بھی غرور نفس کا شکار نہ ہوں جیسا کہ سیدنا ابراہیمؑ اور ان کے فرزند ارجمند سیدنا اسماعیلؑ بیت اللہ کی دیواریں اپنے مقدس اور پاکیزہ ہاتھوں سے اٹھا رہے تھے تو لبوں پر اس طرح کلمات جاری و ساری تھے۔

رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا، اِنَّکَ اَنْتَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ (البقرہ:۱۲۷) "اے ہمارے رب! ہم سے یہ خدمت قبول فرمالے، تو سب کی سننے اور سب کچھ جاننے والا ہے"

برس ہا برس کی عبادت وریاضت کے باوجود پندار اور غرور نے ابلیس کو ذلیل وخوار کیا اور وہ بارگاہ الٰہی سے دھتکارا اور پھٹکارا گیا۔ حکم ہوا:

قَالَ اخْرُجْ مِنْهَا مَذْءُ وْمًا مَّدْحُوْرًا، لَمَنْ تَبِعَکَ مِنْهُمْ لَاَمْلَئَنَّ جَهَنَّمَ مِنْکُمْ اَجْمَعِیْنَ (الاعراف:۱۸) "(اللہ نے) فرمایا یہاں سے تو ذلیل وخوار ہو کر نکل جا اور جو بھی تیرا اتباع کرے گا، تیرے سمیت ان سب سے جہنم بھر دوں گا۔" تھوڑا سا بھی تکبر انسان کو رحمت الٰہی سے دور کر دیتا ہے۔

ذرا اس واقعہ پر غور کیجئے۔

حاکم میں حضرت جابرؓ کی روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جبریل امین نے انہیں بتایا۔

"ایک عابد نے سمندر میں کسی چٹان پر پانچ سو برس تک عبادت کی، پھر اس نے دعا کی کہ اسے حالت سجدہ میں اٹھالے قیامت کے دن جب وہ اللہ تعالیٰ کے سامنے پیش ہوگا تو اللہ تعالیٰ فرمائے گا "میرے بندے کو میری رحمت سے جنت میں لے جاؤ" وہ عرض کرے گا یا رب!

Marfat.com

میرے اعمال کے بدلے جنت میں بھیجئے اور یہ بات وہ تین بار دہرائے گا۔ تو اللہ تعالیٰ فرشتوں کو حکم دے گا کہ میرے اس بندے کے اعمال اس کو عطا کی گئی نعمتوں سے تولو، معلوم ہوگا کہ صرف بصارت کی نعمت پانچ سو برس کی عبادت سے زیادہ ہوگئی اور اس کے بدن کی دیگر نعمتیں باقی رہ گئیں، تب اللہ تعالیٰ کا حکم ہوگا کہ میرے بندے کو جہنم میں لے جاؤ، چنانچہ جب وہ اسے گھسیٹ کر جہنم کی طرف لے جانے لگیں گے، تب وہ اللہ تعالیٰ سے بار بار فریاد کرے گا کہ اپنی رحمت سے مجھے جنت میں ڈال دیجئے، اللہ تعالیٰ (اپنے فضل و کرم سے) اسے جنت میں ڈال دے گا۔ (جامع العلوم والحکم، ابن رجب حنبلی)

پس بندگی کا کمال یہ ہے کہ انسان جس قدر بھی عبادت و ریاضت اور صدقات و خیرات کرے اللہ تعالیٰ سے ڈرتے ہوئے اس کی رحمت اور بخشش کو تلاش کرتا رہے اور تکبر و غرور کو قریب بھی نہ پھٹکنے دے۔

رَبِّ اَوْزِعْنِیْٓ اَنْ اَشْکُرَ نِعْمَتَکَ الَّتِیْٓ اَنْعَمْتَ عَلَیَّ وَعَلٰی وَالِدَیَّ وَاَنْ اَعْمَلَ صَالِحًا تَرْضٰهُ وَاَدْخِلْنِیْ بِرَحْمَتِکَ فِیْ عِبَادِکَ الصّٰلِحِیْنَ (نمل:۱۹)

''اے میرے رب! مجھے اس بات کی توفیق عطا فرما کہ میں تیری ان نعمتوں کا جو تو نے مجھے اور میرے والدین کو عطا فرمائیں شکر ادا کرتا رہوں (اور مجھے توفیق عطا فرما) کہ میں (زندگی بھر) ایسے نیک کام کرتا رہوں جن سے تو راضی ہو اور تو محض اپنی رحمت سے مجھے اپنے نیک بندوں میں شامل فرما دے''۔ آمین!

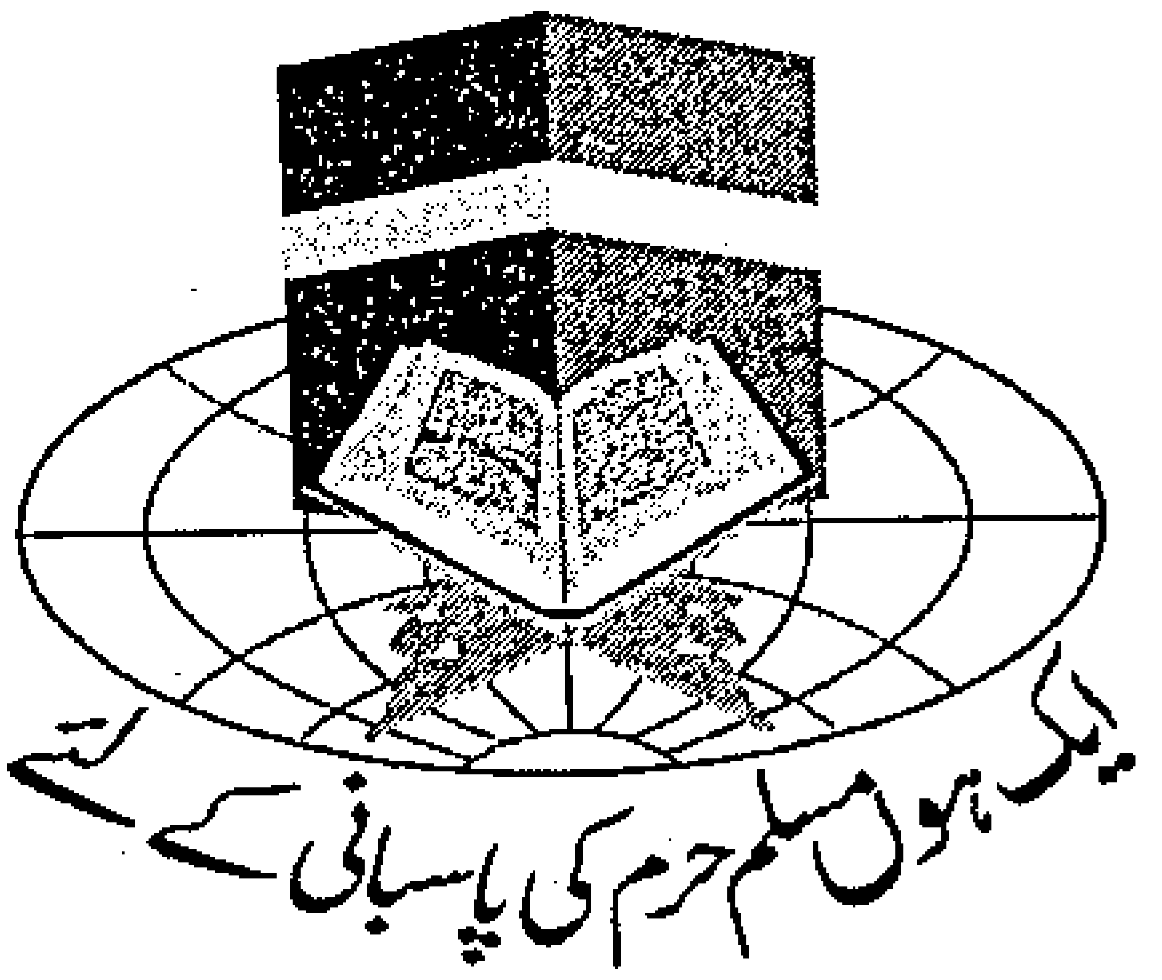

حیات یا مہلت!

اللہ تعالیٰ نے حیات دنیوی کو کیسے موعظت و نصیحت کے پیرائے میں بیان کیا ہے: ''خوب جان لو کہ یہ دنیا کی زندگی اس کے سوا کچھ نہیں کہ ایک کھیل تماشہ اور ظاہری نمود و نمائش اور تمہارا آپس میں ایک دوسرے پر فخر جتانا اور مال و اولاد میں ایک دوسرے سے بڑھ جانے کی کوشش کرنا ہے، اس کی مثال ایسی ہے جیسا کہ بارش ہوئی تو اس سے (کھیتوں) کی پیداوار دیکھ کر کاشت کار خوش ہونے لگے، پھر وہ کھیت پک گئے اور (پک کر) زرد ہونے لگے، بالآخر بھس بن کر رہ گئے، (دیکھو کھیتوں کا چند روزہ عارضی بہار کے بعد کیا حشر ہوا؟) اس کے برعکس آخرت وہ جگہ ہے جہاں (کفار کیلئے) سخت عذاب ہے اور (اہل ایمان کیلئے) اللہ کی مغفرت اور رضامندی ہے اور دنیا کی زندگی تو متاع فریب ہے''۔(الحدید:۲۰)

سید مودودیؒ اس پر لکھتے ہیں:

''دنیا کی زندگی دراصل ایک عارضی زندگی ہے، یہاں کی بہار بھی عارضی اور خزاں بھی عارضی، دل بہلانے کا سامان یہاں بہت کچھ ہے مگر درحقیقت وہ نہایت حقیر اور چھوٹی چھوٹی چیزیں جنہیں اپنی کم ظرفی کی وجہ سے آدمی بڑی چیز سمجھتا ہے اور اس دھوکے میں پڑ جاتا ہے کہ انہیں کو پالینا گویا کامیابی کے منتہیٰ تک پہنچ جانا ہے، حالانکہ جو بڑے بڑے فائدے اور لطف و لذت کے سامان بھی یہاں حاصل ہونے ممکن ہیں وہ بہت حقیر اور صرف چند سال کی حیات مستعار تک محدود ہیں اور ان کا حال بھی یہ ہے کہ تقدیر کی ایک ہی گردش خود اس دنیا میں ان سب پر جھاڑو پھیر دینے کے لئے کافی ہے۔ اس کے برعکس آخرت کی زندگی ایک عظیم اور ابدی زندگی ہے، وہاں کے فائدے بھی عظیم اور مستقل، کسی نے اگر وہاں اللہ کی مغفرت اور اس کی خوشنودی پالی تو اس کو ہمیشہ ہمیشہ کیلئے وہ نعمت نصیب ہوگئی جس کے سامنے دنیا بھر کی دولت و حکومت بھی ہیچ

Marfat.com

ہے اور جو وہاں اللہ کے عذاب میں گرفتار ہو گیا، اس نے اگر دنیا میں وہ سب کچھ بھی پالیا ہو جسے وہ اپنے نزدیک بڑی چیز سمجھتا تھا تو اسے معلوم ہو جائے گا کہ وہ بڑے خسارے کا سودا کر کے آیا ہے۔" (تفہیم القرآن، ج:۵)

دنیا کی یہ عارضی زندگی سراب سے زیادہ حقیقت نہیں رکھتی ہے، صحرا میں پیاسا مسافر چمکتی ہوئی ریت کو پانی سمجھ رہا تھا، وہ درحقیقت پانی نہ تھا، قریب ہونے سے معلوم ہوا کہ وہ ریت تھی، اسی طرح دنیا کی یہ تمام دھن دولت عارضی ہے جس میں انسان ایسا کھو جاتا ہے کہ اسے آخرت کی مطلق فکر نہیں رہتی ہے۔ وہ اسی ادھیڑ بن میں رہتا ہے کہ موت کا پیغام آ جاتا ہے۔ کیا خوب کسی نے کہا ہے

ہستی اپنی حباب کی سی ہے
یہ نمائش سراب کی سی ہے

یعنی ہماری زندگی پانی پر حباب (بلبلے) کی طرح بے ثبات اور غیر یقینی ہے، جس طرح بلبلہ کسی لمحہ بھی مٹ سکتا ہے اسی طرح ہمیں موت کسی وقت بھی آسکتی ہے اور دنیا کی یہ نمود و نمائش سراب سے زیادہ حقیقت نہیں رکھتی ہے کہ ہم اس کی تلاش میں اپنی منزل اور مقصد سے غافل ہو جائیں۔ اس لئے قرآن کہتا ہے کہ آؤ دیکھو اس عارضی زندگی میں کامیابی کی راہ کونسی ہے؟

"دوڑو اور ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کی کوشش کرو"۔ اپنے رب کی مغفرت اور اس جنت کی طرف جس کی وسعت آسمان و زمین جیسی ہے (وسیع اور لامحدود ہے) جو مہیا کی گئی ہے۔ ان لوگوں کے لئے جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولوں پر ایمان لائے ہوں، یہ اللہ کا فضل ہے، جسے چاہتا ہے عطا فرماتا ہے اور اللہ بڑے فضل والا ہے"۔ (الحدید:۲۱)

غور کیجئے کہ یہاں پر جس دوڑ میں ایک دوسرے سے بڑھنے کی ترغیب دلائی گئی ہے وہ اعمال صالحہ کی دوڑ ہے، رضائے الٰہی کیلئے سعی و جستجو ہے، رب کریم کی مغفرت اور اس کی جنت کے حصول کی طلب اور تڑپ ہے نہ یہ کہ دنیا کے حصول اور مال و دولت کی خواہش و آرزو ہے، اور نہ ہی محلات اور باغات بنانے کی چاہت اور فکر ہے، قرآن حکیم اور سیرت طیبہ سے ہمیں اعمال حسنہ کو نکھارنے اور سنوارنے کی طرف توجہ دلائی گئی ہے، یہ کہ ہم اس مختصر زندگی سے بھرپور فائدہ اٹھائیں۔

حدیث میں آتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

اِغْتَنِمْ خَمْسًا قَبْلَ خَمْسٍ شَابَّکَ قَبْلَ هَرَمِکَ وَ صِحَّتَکَ قَبْلَ سُقْمِکَ وَ غِنَاکَ قَبْلَ فَقْرِکَ، وَ فِرَاغَکَ قَبْلَ شُغْلِکَ وَ حَیٰوتَکَ قَبْلَ مَوْتِکَ

مولانا حالیؒ نے کیا خوب صورتی سے اس کا ترجمہ کیا ہے

غنیمت ہے صحت علالت سے پہلے
فراغت مشاغل کی کثرت سے پہلے
جوانی بڑھاپے کی زحمت سے پہلے
اقامت مسافر کی رحلت سے پہلے
فقیری سے پہلے غنیمت ہے دولت
جو کرنا ہے کر لو کہ تھوڑی ہے مہلت

بندہ مومن کے اوقات حقوق اللہ اور حقوق العباد کی ادائیگی میں گزرتے ہیں وہ اگر صوم و صلوٰۃ کی پابندی کرتا ہے تو والدین کی خدمت سے بھی غافل نہیں ہوتا ہے، وہ بڑوں کا ادب اور چھوٹوں پر شفقت کرتا ہے تو غربا و مساکین کے ساتھ احسان و مروت کا برتاؤ کرتا ہے، اس کے ساتھ ساتھ وہ اہل خانہ کیلئے حق حلال کی روزی کا بندوبست بھی کرتا ہے، دنیا کے ساتھ اس کا تعلق بس واجبی سا ہوتا ہے، جس طرح ایک مسافر ہلکا پھلکا ہوتا ہے اور اپنے سفر کے لئے کوئی بھاری بھرکم سامان نہیں اٹھاتا، اسی طرح وہ بھی اس دنیاوی زندگی کو بوجھل نہیں بناتا ہے، رسول اللہ ﷺ نے اس بات کو بہت خوبصورت انداز میں سمجھایا ہے:

مَا لِی وَ لِلدُّنْیَا اِنَّمَا مَثَلِی وَ مَثَلُ الدُّنْیَا کَرَاکِبٍ قَامَ فِی ظِلِّ شَجَرَةٍ ثُمَّ رَاحَ عَنْهَا وَ تَرَکَهَا (جامع العلوم ابن رجب حنبلی) ”مجھے دنیا سے کیا سروکار ہے؟ میری اور دنیا کی مثال تو بس ایسی ہے کہ جیسے کوئی سوار، جو کسی درخت کے نیچے ستانے کے لئے رک جائے پھر (کچھ دیر کے بعد) اسے چھوڑ کر چلا جائے“

حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے میرا شانہ پکڑ کر مجھے اس طرح نصیحت فرمائی:

کُنْ فِی الدُّنْیَا، کَاَنَّکَ غَرِیْبٌ اَوْ عَابِرُ سَبِیْلٍ (ریاض الصالحین، باب فضل الزہد)
”دنیا میں ایسے رہو جیسے ایک مسافر یا راہ گیر“

Marfat.com

ابن عمرؓ اکثر فرمایا کرتے تھے:

اِذَا اَمْسَیْتَ فَلَا تَنْتَظِرِ الصَّبَاحَ وَاِذَا اَصْبَحْتَ فَلَا تَنْتَظِرِ الْمَسَاءَ وَ خُذْ مِنْ صِحَّتِکَ لِمَرَضِکَ وَ مِنْ حَیَاتِکَ لِمَوْتِکَ (حوالہ ایضاً) ''شام ہو تو صبح کا انتظار نہ کرو اور صبح ہو تو شام کے انتظار میں نہ رہو۔ مرض سے پہلے صحت کو اور موت سے پہلے زندگی کو غنیمت جانو۔'' زندگی سے وہی فائدہ اٹھاتے ہیں جو ہر لمحہ اور ہر گھڑی اسے قیمتی بناتے ہیں، وہ اپنی نمازوں کی حفاظت کرتے ہیں اور ان کا رابطہ اپنے خالق و مالک سے مضبوط رہتا ہے۔

وَهُمْ عَلٰی صَلَاتِهِمْ یُحَافِظُوْنَ (الانعام:۹۲)

''اور وہ اپنی نمازوں کو پابندی سے ادا کرتے ہیں''۔

وہ نماز کے ساتھ ساتھ مالی وجسمانی امداد کے لئے والدین، اقرباء، یتامیٰ اور مساکین کا بھی خیال رکھتے ہیں، انہیں حکم ہوتا ہے:

قُلْ مَآ اَنْفَقْتُمْ مِّنْ خَیْرٍ فَلِلْوَالِدَیْنِ وَالْاَقْرَبِیْنَ وَالْیَتٰمٰی وَالْمَسٰکِیْنِ وَابْنِ السَّبِیْلِ (البقرہ:۲۱۵) ''ان سے کہیے کہ جو بھی مال تم خرچ کرو وہ والدین، رشتہ داروں، یتیموں، مسکینوں اور مسافروں کا حق ہے۔''

وہ پڑوسیوں کے ساتھ خواہ قریب ہوں یا دور کے یہاں تک کہ دفتر اور فیکٹریوں کے ساتھی اور سفر کرنے والے دوستوں کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آتے ہیں کہ خالق و مالک کا حکم ہے۔

والجار ذی القربی والجار الجنب والصاحب بالجنب (النساء:۲۶) ''اور (اللہ نے) ہمسایہ قریب اور ہمسایہ بعید اور پہلو کے ساتھی کے ساتھ (نیکی کا حکم دیا ہے)''

وہ دشمنوں پر بھاری اور آپس میں مہر و محبت کی تصویر ہوتے ہیں۔

'اَشِدَّآءُ عَلَی الْکُفَّارِ رُحَمَآءُ بَیْنَهُمْ (الفتح:۲۹)

''کفار کے حق میں تو سخت ہیں اور آپس میں رحم دل ہیں''۔

وہ گناہ اور بے حیائی سے دور رہتے ہیں اور غصہ کے وقت دوسروں سے درگزر کرتے ہیں۔

وَالَّذِیْنَ یَجْتَنِبُوْنَ کَبٰٓئِرَ الْاِثْمِ وَالْفَوَاحِشَ وَاِمَّا غَضِبُوْا هُمْ یَغْفِرُوْنَ (الشوریٰ:۳۷) ''اور بڑے گناہوں اور بے حیائی کے کاموں سے بچتے ہیں اور جب انہیں غصہ آجائے تو معاف کردیتے ہیں''۔

Marfat.com

حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا بڑے بڑے کبیرہ گناہ یہ ہیں......اللہ کے ساتھ شرک، قتل ناحق، والدین کی نافرمانی اور جھوٹی گواہی، اور ایک روایت میں حضرت ابوھریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''سات کبیرہ گناہوں سے پرہیز کرو'' لوگوں نے پوچھا کہ وہ کیا ہیں یا رسول اللہ ﷺ! ''فرمایا اللہ کے ساتھ کسی کو شریک کرنا، سحر (جادو کرنا، کرانا) کسی ایسی جان کو ناحق قتل کرنا جسے اللہ تعالیٰ نے حرام کیا ہے، سود کھانا، یتیم کا مال کھانا، جہاد میں دشمن کے مقابلہ سے پیٹھ پھیر کا بھاگ نکلنا اور بھولی بھالی عفیف مومن عورتوں پر زنا کی تہمت لگانا۔'' (بخاری)

اور ''فواحش'' وہ کام ہوتے ہیں جو شہوانی خواہشات سے متعلق ہوں، وہ ان کے قریب بھی نہیں پھٹکتے ہیں، جیسا کہ ایک اور مقام پر ارشاد ہوا:

وَإِذَا مَرُّوا بِاللَّغْوِ مَرُّوا كِرَامًا (الفرقان:۷۲) ''جب ان کا کسی لغو کام پر گزر ہو تو وقار سے گزر جاتے ہیں (اور آنکھ اٹھا کر بھی ادھر نہیں دیکھتے)''

غرضیکہ عفت و پاکبازی اختیار کرنا ان کا شیوہ ہوتا ہے، تو شرم و حیا ان کی طینت و عادت، دیانت داری اور امانت ان کا وصف ہوتا ہے تو عدل و انصاف کرنا ان کا اصول زندگی ٹھہرتا ہے، وہ تواضع و خاکساری کی تصویر ہوتے ہیں۔ خندہ جبینی اور خوش کلامی ان کے چہروں سے عیاں ہوتی ہے اور سب سے بڑھ کر استقامت اختیار کر کے حق گوئی کا پرچم اٹھاتے ہیں اور اقصائے عالم میں پھیل جاتے ہیں اور بقول علامہ اقبال تاریکیوں میں روشنی بکھیرتے چلے جاتے ہیں ؎

می ندانی آیۂ ام الکتاب
امت عادل ترا آمد خطاب
آب و تاب چہرہ ایام تو
در جہاں شاہد علی الاقوام تو
نکتہ سنجاں راصلائے عام دہ
از علوم امیے پیغام دہ
جلوہ در تاریکی ایام کن
آنچہ بر تو کامل آمد عام کن

Marfat.com

لرزم ۶ از شرم تو چوں روز شمار
پرسدت آں آبروئے روزگار
حرف حق از حضرت ما بردۂ
پس چرا با دیگراں نسپردۂ

''کیا تو قرآن حکیم کی اس آیت کو نہیں جانتا جس میں تجھے امت عادل کا خطاب دیا گیا ہے، تو زمانے کے چہرے کی چمک دمک ہے اور دنیا میں قوموں پر شاہد (گواہ) ہے، عقلمندوں کو دعوت عام دے اور نبی امی صلی اللہ علیہ وسلم کے پیغام کو عام کر، اس طرح دنیا میں پھیلی تاریکیوں میں روشنی بکھیر دے اور دین کامل کا پرچار کر، جب روزِ قیامت اللہ تعالیٰ پوچھے گا کہ تجھے ہماری طرف سے دین حق ملا تھا تو تم نے اسے دوسروں تک کیوں نہ پہنچایا تو میں تیری شرم کی وجہ سے کانپ جاتا ہوں۔ شہادت حق کا فریضہ ادا کرنے والے ہی کامیاب ہیں اور صرف انہی کی حیات حیات جاوداں ہے۔''

Marfat.com

قرآنِ حکیم اور ہماری زندگی

قرآنِ حکیم کتابِ ہدایت ہے، یہ رب العالمین کا پیغام انسان کے نام ہے اس نے اسے جبریل امین کے ذریعہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب اطہر پر نازل فرمایا۔ کیوں اتارا؟ ارشاد ہوتا ہے:

كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ اِلَيْكَ مُبٰرَكٌ لِّيَدَّبَّرُوْٓا اٰيٰتِهٖ وَلِيَتَذَكَّرَ اُولُوا الْاَلْبَابِ. (ص:۲۹) ''یہ ایک بڑی بابرکت کتاب ہے جو (اے نبیؐ) ہم نے تمہاری طرف نازل کی ہے تاکہ یہ لوگ اس کی آیات پر غور کریں اور عقل وفکر رکھنے والے اس سے سبق لیں۔''

عربی زبان میں کتاب کو پڑھنے کے لئے قرأت کا لفظ آتا ہے جس سے اسم فاعل [قاری] عربی پڑھنے والے کو کہتے ہیں جب کہ تدبر اس طرح پڑھنے کو کہتے ہیں کہ کتاب کے الفاظ اور عبارت پر غور وفکر کیا جائے، معنی اور مطالب کو سمجھنے کی کوشش کی جائے اور اس کے احکام وہدایات کو حرزِ جان بنانے کی سعی وجستجو کی جائے اس لئے اس آیہ مبارکہ میں ہے کہ عقلمند اس سے نصیحت حاصل کرتے ہیں کہ قلب وروح کو جلا بخشنے اور فرد واجتماع کو سنوارنے کے لئے جو تصورات اس میں مذکور ہیں، ان کو عمل میں لاتے ہیں اور ان کی روشنی میں اپنے لئے نظامِ حیات وضع کرتے ہیں۔ اسی سے زندگی میں انقلاب آتا ہے، وہ عزت ورفعت سے ہمکنار ہوتی ہے کیا خوب شاعر مشرق نے کہا ہے ؎

تو ہمی دانی کہ آئین تو چیست؟
زیر گردوں سر تمکین تو چیست؟
آں کتاب زندہ قرآن حکیم
حکمت او لایزال است و قدیم

Marfat.com

کیا تو جانتا ہے کہ تیرا آئین کیا ہے۔ آسمان کے نیچے تیری شان وشوکت کا راز کیا ہے۔ وہ کتابِ زندہ قرآنِ حکیم ہے یقیناً اس میں درج حکمت کی باتیں ہمیشہ رہنے والی اور قدیم ہیں۔

قرآنِ حکیم سے بھرپور فائدہ اٹھانے کے لئے ضروری ہے کہ اس کی تلاوت کے وقت دل و دماغ کو حاضر کیا جائے، اور سمع و بصر کو کام میں لایا جائے، اور یہ خیال کیجئے کہ آپ کوئی معمولی کتاب نہیں پڑھ رہے ہیں بلکہ خالق کائنات کا کلام ہے جو اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ آپ تک پہنچایا ہے۔

ارشاد ہوتا ہے:

اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ لَذِکْرٰی لِمَنْ کَانَ لَهٗ قَلْبٌ اَوْ اَلْقَی السَّمْعَ وَهُوَ شَهِیْدٌ. (ق:۳۷) ''اس میں درسِ عبرت ہے اس کے لئے جس کے پاس قلب (سلیم) ہو یا جو کان لگا کر بات سنے اور دل سے حاضر ہو (قرآن کے بیان کردہ واقعات پر غور وفکر کر سکے)۔''

مولانا امین احسن اصلاحی لکھتے ہیں:

''لفظ قلب اپنے حقیقی یعنی دل زندہ کے معنی میں ہے۔ اور اللہ تعالیٰ نے قلب (دل) کو احساس کرنے، عبرت حاصل کرنے اور سوچنے سمجھنے کے لئے بنایا ہے، جب تک آدمی کا دل یہ کام کرتا ہے، اس وقت تک اس کا دل زندہ ہے اور جب تک دل زندہ ہے (یعنی اس میں سوچ بچار کی صلاحیت ہے) اس وقت تک آدمی بھی زندہ ہے۔ اس لئے کہ آدمی کی حقیقی زندگی اس کے دل کی زندگی ہی سے ہے، اگر دل یہ خصوصیات کھو بیٹھا تو پھر آدمی بھی مردہ ہے اگرچہ اس کی رگوں میں کتنا ہی خون دوڑتا پھرتا ہو۔

''اَوْ اَلْقَی السَّمْعَ وَهُوَ شَهِیْد'' یعنی اگر دل پوری طرح بیدار نہ ہو تو کم از کم اتنی بات تو انسان کے اندر ہو کہ کوئی معقول آدمی اس کو کوئی بات سنائے تو وہ اس کو توجہ سے سنے، یہ توجہ بھی انسان کے لئے بڑی خیر و برکت کا باعث ہے، اس سے بھی بسا اوقات دل کی غفلت دور اور اس کی عبرت پذیری کی صلاحیت زندہ ہو جاتی ہے، لیکن جو شخص ایسا بدقسمت ہو کہ نہ اس کا دل ہی بیدار ہو اور نہ وہ کسی معقول آدمی کی بات سننے ہی کے لئے اپنے کان کھولنے پر آمادہ ہو تو ایسے آدمی کے اندر کوئی معقول بات کدھر سے راہ پائے گی (تدبر قرآن جلد ششم)

نصیحت حاصل کرنے اور اس سے فیض یاب ہونے کے لئے دل سے سوچنے سمجھنے کی

صلاحیت اور بات کو توجہ سے سننے کی عادت کے علاوہ شہید کا لفظ بول کر مزید چوکس کیا جا رہا ہے کہ وہ محض جسم و جان کے ساتھ ہی نہیں بلکہ دل و دماغ کے ساتھ حاضر رہے، مثلاً غور کیجئے کہ وہی نماز قیمتی بنتی ہے جو حضور قلب سے خشوع و خضوع کے ساتھ ادا کی جائے۔ اسی طرح وہی تلاوت سود مند ثابت ہوتی ہے جو تدبر اور پورے شعور سے کی جائے اور اس کے احکام کو دل و جان سے تسلیم کیا جائے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

وَلَقَدْ ضَرَبْنَا لِلنَّاسِ فِيْ هٰذَا الْقُرْاٰنِ مِنْ كُلِّ مَثَلٍ لَّعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ. قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا غَيْرَ ذِيْ عِوَجٍ لَّعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ. (الزمر:۲۷-۲۸) ''ہم نے لوگوں کے (سمجھانے) لئے قرآن میں ہر طرح کی مثالیں بیان کی ہیں تاکہ وہ نصیحت پکڑیں (اور اپنی زندگیوں کو سنوار لیں) یہ قرآن (فصیح) عربی زبان میں ہے جس میں کوئی عیب (اور اختلاف) نہیں ہے تاکہ وہ ڈر جائیں (اور آخرت کے برے انجام سے بچ جائیں)۔''

اللہ تعالیٰ نے انسان کو عقل و شعور سے نوازا ہے اور شرفِ انسانیت کا تقاضا ہے کہ اس کو بروئے کار لایا جائے، قرآنِ حکیم سے وہی لوگ فیض یاب ہو سکتے ہیں جو اس پر تدبر اور تفکر کرتے ہیں، رب کریم کا اعلان ہے۔

اَفَلَا يَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ اَمْ عَلٰى قُلُوْبٍ اَقْفَالُهَا. (محمد-۲۴)

''کیا یہ لوگ قرآن پر غور نہیں کرتے یا دلوں پر ان کے قفل چڑھے ہوئے ہیں۔''

ظاہری بصارت کے ساتھ ساتھ جب تک داخلی بصیرت سے کام نہ لیا جائے انسان کبھی کسی حقیقت کو نہیں پا سکتا۔ قرآنِ حکیم نے یہ بات واشگاف الفاظ میں بتلائی کہ حقیقی اندھا پن، دل کا اندھا پن ہے۔ جو لوگ ظاہری آنکھیں رکھتے ہوئے بھی عقل و فکر سے کام نہیں لیتے، وہ بصارت رکھتے ہوئے بھی اندھے ہیں کیونکہ انہوں نے بصیرت سے کام نہ لیا اور وہ دل کے اندھے ہو گئے۔

ارشاد ہوتا ہے!

فَاِنَّهَا لَا تَعْمَى الْاَبْصَارُ وَلٰكِنْ تَعْمَى الْقُلُوْبُ الَّتِيْ فِي الصُّدُوْرِ. (الحج-۴۶) ''حقیقت یہ ہے کہ آنکھیں اندھی نہیں ہوتیں مگر وہ دل اندھے ہو جاتے ہیں جو سینوں میں ہیں۔''

Marfat.com

قرآنِ حکیم کتابِ عظیم ہے، اسی کی تعلیمات پر عمل پیرا ہو کر ہمارے اسلاف قدر و منزلت اور عروج و سر بلندی سے ہمکنار ہوئے تھے۔ آج امت مسلمہ اس دولت بے بہا اور متاع گراں مایہ سے غافل ہو چکی ہے۔ اسے محض برکت کے طور پر محفلوں اور مجلسوں میں پڑھا جاتا ہے۔ مگر اس کی قیمتی اور لازوال تعلیمات کا اثر کہیں دکھائی نہیں دیتا ہے۔ یہ مسلمان کے لئے زندگی گزارنے کا آئین (دستورِ حیات) ہے۔ مگر آج مسلمان کیلئے ہر طرف سے ذلت و خواری ہے۔

شاعر مشرق اس پر اس طرح آنسو بہاتا ہے۔

ملتے را رفت چوں آئین ز دست
مثل خاک اجزائے او از ہم شکست
ہستیِ مسلم ز آئین است و بس
باطن دین نبیؐ این است و بس
برگِ گل شد چوں ز آئیں بستہ شد
گل ز آئیں بستہ شد گلدستہ شد
نغمہ از ضبط صدا پیدا ستے
ضبط چوں رفت از صدا غوغا ستے

(ہائے افسوس) جب آئین ملت کے ہاتھ سے چلا گیا تو مٹی کی طرح اس کے اجزا بھی بکھر گئے، مسلمان کی ہستی صرف آئین پر ہی ہے اور بس۔ نبی ﷺ کے دین کا باطن یہی ہے اور بس، جب پھول کی پتیاں آئین سے وابستہ ہو جاتی ہیں، تو گلدستہ کی شکل اختیار کر لیتی ہیں (کیا یہ حقیقت نہیں ہے) کہ آواز کو ضابطے میں لانے سے نغمہ پیدا ہوتا ہے اور جب نظم و ضبط ختم ہو جاتا ہے تو وہ محض بے ہنگم شور و غل ہوتا ہے۔

قرآن آج پھر امت مسلمہ کو پکار رہا ہے۔

وَلَا تَهِنُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ. (آل عمران۔۱۳۹)

”دل شکستہ نہ ہو، غم نہ کرو، تم ہی غالب رہو گے اگر تم مومن ہو۔“

قرآنِ حکیم اور حدیث رسول ﷺ کا ربط

اللہ رب العالمین نے اپنی آخری کتاب قرآن حکیم خاتم النبیین محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل فرمائی، انبیاء علیھم السلام کی تعلیم وتربیت کا سروسامان اللہ کی طرف سے ہوتا ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اَدَّبَنِیْ رَبِّیْ فَاَحْسَنَ تَادِیْبِی ''میرے رب نے مجھے بہترین آداب سے نوازا ہے۔''

پھر قرآن اس کی یوں شہادت دیتا ہے:

وَاِنَّکَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیْم ''بلاشبہ آپ (ﷺ) اخلاق کی بلندیوں پر فائز ہیں۔''

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایمان قبول کرنے والوں (صحابہ کرامؓ) کے سامنے نہ صرف آیات کی تلاوت کرتے اور کتاب کی تعلیم دیتے بلکہ انہیں اس کی حکمت وبصیرت سے بھی آگاہ فرماتے اور اس طرح ان کا تزکیہ نفس ہوتا۔

یَتْلُوْا عَلَیْهِمْ اٰیٰتِهٖ وَیُزَکِّیْهِمْ وَ یُعَلِّمُهُمُ الْکِتٰبَ وَالْحِکْمَةَ (الجمعة:۲)

''وہ انہیں کتاب (کی آیات) سناتے، ان کی زندگی سنوارتے (تزکیہ نفس فرماتے) اور انہیں کتاب وحکمت کی تعلیم دیتے ہیں''۔

حافظ عتیق الرحمٰن لکھتے ہیں:

''حکمت کے معنی دانائی اور سمجھ بوجھ کے ہیں، امام شافعیؒ نے اپنی کتاب الرسالۃ میں بے شمار دلائل سے ثابت کیا ہے کہ قرآن حکیم میں جہاں بھی کتاب کے ساتھ حکمت کا لفظ آیا ہے تو اس سے مراد سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہے''۔ (تیسیر القرآن)

پھر قرآن حکیم اعلان کرتا ہے:

وَمَا یَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰی، اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْیٌ یُّوْحٰی

''وہ (ﷺ) اپنی خواہش سے کچھ نہیں کہتے، جو کہتے ہیں وہ تو نازل کردہ وحی ہوتی ہے''

حافظ عتیق الرحمٰن لکھتے ہیں:

''یا وہ وحی جلی ہوتی ہے یا وحی خفی، حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

''اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے، میری زبان سے کبھی کوئی بات حق کے سوا نہیں نکلی'' (ابوداؤد) (بحوالہ تیسیر القرآن)

یہ بات ذہن میں رہے کہ وحی جلی تو قرآن حکیم ہے جبکہ وحی خفی وہ باتیں ہیں جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تفہیم دین کے سلسلہ میں صحابہ کرام کو سمجھائیں اور بتلائیں، انہیں احادیث مبارکہ کہتے ہیں، قرآن کے طالب علم کے لئے ان فرمودات رسول ﷺ کا مطالعہ بھی ضروری ہے، ظاہر ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر قرآن نازل ہوا اور آپ ﷺ ہی اس کے بہترین شارح اور مفسر ہو سکتے ہیں، قرآن واحادیث کے مطالعہ سے ایسا ذوق نشوونما (Develop) پاتا ہے کہ آپ قرآن حکیم کی کوئی آیہ مبارکہ تلاوت کرتے ہیں تو فوراً اس کی تشریح میں کسی حدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ذہن منتقل ہو جاتا ہے یا پھر کسی حدیث کو پڑھتے ہیں تو فوراً اس کی توضیح کے لئے کوئی آیت قرآنی ذہن میں آ جاتی ہے، آیئے چند آیات مبارکہ اور چند احادیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا مطالعہ کرتے ہیں۔

۱) اخلاص

قرآن حکیم میں ارشاد ہوتا ہے:

وَمَا أُمِرُوْا اِلَّا لِيَعْبُدُوا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ حُنَفَاءَ، وَيُقِيْمُوا الصَّلٰوةَ، وَيُؤْتُوا الزَّكٰوةَ وَذٰلِكَ دِيْنُ الْقَيِّمَةِ (البيّنة:۵)

''اور انہیں اس کے سوا کوئی حکم نہیں دیا گیا تھا کہ وہ اللہ کی بندگی کریں، اپنے دین کو اس کے لئے خالص کر کے یکسو ہو جائیں، نماز قائم کریں اور زکوٰۃ ادا کریں، یہی درست اور صحیح دین ہے۔''

اس آیہ مبارکہ میں خلوص نیت کا تذکرہ ہے اسی سے تمام اعمال اللہ تعالیٰ کے یہاں قبول ہوتے ہیں۔

حدیث میں آتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ (بخاری، مسلم)

Marfat.com

''اعمال (کی مقبولیت) کا دارومدار نیتوں سے وابستہ ہے''۔

یعنی صوم وصلوٰۃ، حج اور زکوٰۃ، صدقات وخیرات اور دیگر اعمال صالحہ اس وقت تک قبول نہیں ہوتے جب تک کہ ان میں رضائے الٰہی پیش نظر نہ رہے۔

۲) عدل واحسان

قرآن حکیم میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

اِنَّ اللّٰهَ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ (النحل:۹۰) ''بلاشبہ اللہ عدل اور احسان کا حکم دیتا ہے''۔

حدیث مبارکہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں:

اِنَّ الْمُقْسِطِيْنَ عِنْدَ اللّٰهِ عَلٰى مَنَابِرَ مِنْ نُوْرٍ، اَلَّذِيْنَ يَعْدِلُوْنَ فِيْ حُكْمِهِمْ وَ اَهْلِيْهِمْ وَمَا وُلُّوْا (رواہ مسلم)

''کوئی شک نہیں کہ عدل کرنے والے نور کے منبروں پر ہوں گے وہ جو اپنی حکومت میں، اپنے گھروں میں اور جو کام ان کے سپرد ہوا ہو اس میں عدل کریں''

۳) توبہ واستغفار

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَاَنِ اسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ ثُمَّ تُوْبُوْآ اِلَيْهِ (ھود:۳)

''اپنے رب سے معافی مانگو اور اس کے حضور توبہ کرو''

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

وَاللّٰهِ اِنِّيْ لَأَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ وَأَتُوْبُ اِلَيْهِ فِي الْيَوْمِ اَكْثَرَ مِنْ سَبْعِيْنَ مَرَّةً (رواہ البخاری)

''اللہ کی قسم! میں اللہ سے بخشش کا طلبگار ہوتا ہوں اور دن میں ستر مرتبہ سے زیادہ توبہ کرتا ہوں''۔

۴) صبر پر انعام

اِسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلَاةِ، اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصَّابِرِيْنَ (البقرہ:۱۵۳)

''صبر اور نماز سے مدد لو، بلاشبہ اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے''

حدیث شریف میں آتا ہے:

مَا يُصِيْبُ الْمُسْلِمُ مِنْ نَصَبٍ وَلَا وَصَبٍ وَلَا هَمٍّ وَلَا حَزَنٍ وَلَا أَذًى وَلَا غَمٍّ حَتّٰى الشَّوْكَةِ يُشَاكُهَا اِلَّا كَفَّرَ اللّٰهُ بِهَا مِنْ خَطَايَاهُ (بخاری ومسلم)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''کسی مسلمان کو جو مصیبت پہنچتی ہے خواہ وہ کسی قسم کی ہو، بیماری ہو، رنج ہو، غم ہو، تکلیف وایذا ہو، حتیٰ کہ اسے ایک کانٹا بھی چبھے تو اللہ تعالیٰ اس کے صلہ میں اس کی خطائیں معاف کر دیتا ہے''۔

۵) استقامت

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

إِنَّ الَّذِينَ قَالُوا رَبُّنَا اللَّهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوا تَتَنَزَّلُ عَلَيْهِمُ الْمَلَائِكَةُ أَلَّا تَخَافُوا وَلَا تَحْزَنُوا وَأَبْشِرُوا بِالْجَنَّةِ الَّتِي كُنتُمْ تُوعَدُونَ (حٰم السجدہ:۳۰)

''جن لوگوں نے کہا کہ اللہ ہمارا رب ہے اور پھر وہ اس پر ثابت قدم رہے، یقیناً ان پر فرشتے نازل ہوتے ہیں (بوقت موت) اور ان سے کہتے ہیں کہ ''نہ ڈرو، نہ غم کرو اور خوش ہو جاؤ اس جنت کی بشارت سے جس کا تم سے وعدہ کیا گیا ہے۔''

اب دیکھیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم استقامت کے بارے میں کتنی جامع نصیحت فرماتے ہیں:

وَعَنْ أَبِي عَمْرٍو وَقِيلَ أَبِي عَمْرَةَ سُفْيَانَ بنِ عَبْدِاللّٰهِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قُلْتُ: يَا رَسُولَ اللّٰهِ قُلْ لِي فِي الْإِسْلَامِ قَوْلًا لَا أَسْأَلُ عَنْهُ أَحَداً غَيْرَكَ قَالَ: قُلْ: آمَنْتُ بِاللّٰهِ: ثُمَّ اسْتَقِمْ (راہ مسلم)

''حضرت ابوعمرو اور وہ ابوعمرہ سفیان بن عبداللہ کے نام سے بھی معروف ہیں، کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا کہ مجھے اسلام کے بارے میں ایسی بات بتلا دیجئے کہ میں پھر کسی سے نہ پوچھوں، آپ ﷺ نے فرمایا کہو ''میں اللہ پر ایمان لایا، پھر (اس ایمان اور عقیدہ پر) ثابت قدم رہو''۔

آیئے اب چند احادیث مبارکہ پر نظر ڈالتے ہیں اور ان کا ربط قرآن میں دیکھتے ہیں:

۱) صدق کا ثمرہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد مبارک ہے:

مَنْ سَأَلَ اللّٰهَ تَعَالَى الشَّهَادَةَ بِصِدْقٍ بَلَّغَهُ مَنَازِلَ الشُّهَدَاءِ، وَإِنْ مَاتَ عَلَى فِرَاشِهِ (رواہ مسلم)

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص اللہ تعالیٰ سے شہادت کا سچائی کے ساتھ سوال کرے گا تو اللہ تعالیٰ اس کو شہیدوں کے مرتبہ کو پہنچائے گا اگر چہ وہ اپنے بستر پر دنیا سے رخصت ہو''

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَكُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِيْنَ (توبہ:۱۱۹)

''اے ایمان والو! اللہ سے ڈرتے رہو اور سچے لوگوں کا ساتھ دو''۔

۲) غصہ ضبط کرنے کی فضیلت

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

لَيْسَ الشَّدِيْدُ بِالصُّرَعَةِ، اِنَّمَا الشَّدِيْدُ الَّذِى يَمْلِكُ نَفْسَهُ عِنْدَ الْغَضَبِ (بخاری، مسلم) ''بہادر وہ نہیں ہے جو کسی کو پچھاڑ دے (حقیقت میں) بہادر وہ ہے جو غصہ کے وقت اپنے نفس کو قابو میں رکھے''

قرآن حکیم میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَلَمَنْ صَبَرَ وَغَفَرَ اِنَّ ذٰلِكَ لَمِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ (الشوریٰ:۴۳)

''جو شخص صبر سے کام لے اور (لوگوں سے) درگزر کرے تو یہ بڑی اولوالعزمی کے کاموں میں سے ہے''۔

۳) والدین سے حسن سلوک

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

رَغِمَ اَنْفٌ ثُمَّ رَغِمَ اَنْفٌ ثُمَّ رَغِمَ اَنْفٌ مَنْ اَدْرَكَ اَبَوَيْهِ عِنْدَ الْكِبَرِ: اَحَدَهُمَا اَوْ كِلَاهُمَا فَلَمْ يَدْخُلِ الْجَنَّةَ (رواہ مسلم)

''اس شخص کی ناک خاک آلود ہو (یعنی خوار ہو۔ اور تین مرتبہ یہ جملہ فرما کر اس کی اہمیت اور نزاکت کو واضح کیا) جس نے اپنے ماں باپ (ان میں سے ایک یا دونوں) کو بڑھاپے میں پایا (اور ان کی خدمت گزاری سے) جنت میں داخل نہ ہوا''۔

قرآن حکیم میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَقَضٰى رَبُّكَ اَلَّا تَعْبُدُوْۤا اِلَّاۤ اِيَّاهُ وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا، اِمَّا يَبْلُغَنَّ عِنْدَكَ

Marfat.com

الْكِبَرَ اَحَدُهُمَا اَوْ كِلٰهُمَا فَلَا تَقُلْ لَّهُمَا اُفٍّ وَّ لَا تَنْهَرْهُمَا وَقُلْ لَّهُمَا قَوْلًا كَرِيمًا (بنی اسرائیل:۲۳)''تیرے رب نے فیصلہ کر دیا ہے کہ تم لوگ کسی کی عبادت نہ کرو مگر صرف اس کی (جو رب العالمین ہے) اور والدین کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آؤ، اگر تمہارے پاس ان میں سے کوئی ایک یا دونوں بوڑھے ہو کر رہیں تو انہیں اف تک نہ کہو، نہ انہیں جھڑک کر جواب دو بلکہ ان سے احترام کے ساتھ بات کرو (اگر ایسا نہ کیا تو خوار ہو جاؤ گے)''۔

۴) مسلمانوں کے ساتھ مہربانی

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

مَثَلُ الْمُؤْمِنِيْنَ فِيْ تَوَادِّهِمْ وَتَرَاحُمِهِمْ وَتَعَاطُفِهِمْ مَثَلُ الْجَسَدِ اِذَا اشْتَكٰى مِنْهُ عُضْوٌ تَدَاعٰى لَهٗ سَائِرُ الْجَسَدِ بِالسَّهَرِ وَالْحُمّٰى (بخاری، مسلم)

''مسلمانوں کی مثال ان کے آپس کی محبت، رحمدلی اور مہربانی میں جسم کی طرح ہے جب اس کا کوئی عضو بیمار ہوتا ہے تو سارا جسم جاگتا ہے اور اس کو بخار ہو جاتا ہے''۔

اللہ تعالیٰ کا قرآنِ حکیم میں ارشاد ہے:

وَاخْفِضْ جَنَاحَكَ لِلْمُؤْمِنِيْنَ (الحجر:۸۸)

''اور اہل ایمان کے ساتھ نرمی اور تواضع سے پیش آیئے''۔

۵) کامل ترین مومن کی تعریف

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

أَكْمَلُ الْمُؤْمِنِيْنَ اِيْمَانًا اَحْسَنُهُمْ خُلُقًا وَخِيَارُكُمْ خِيَارُكُمْ لِنِسَائِهِمْ (رواہ ترمذی)

''سب سے کامل مومن وہ ہے جس کے اخلاق سب سے اچھے ہوں اور تم میں سب سے بہتر وہ ہیں جن کا سلوک اپنی بیویوں کے ساتھ اچھا ہو''۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَعَاشِرُوْهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ (النساء:۱۹)

''اور ان کے ساتھ بھلے (اور عمدہ) طریقہ سے زندگی بسر کرو''۔

قارئین! آپ نے غور کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاکیزہ فرمودات قرآن حکیم سمجھنے میں مفید اور معاون ہیں، قرآن حکیم میں اصول ہیں تو ان کی تشریح اور وضاحت احادیث

Marfat.com

مبارکہ میں ملتی ہے۔ مثلاً قرآن حکیم میں نماز قائم کرنے کا حکم ہے، تو نماز پڑھنے کی کیفیت، رکعات کی تعداد، اوقات کا تعین، امام کی صفات اور نماز سے متعلق دوسری باتیں حدیث مبارکہ میں ملیں گی۔

اس میں کوئی شک وشبہ نہیں ہے کہ اللہ رب العزت کا کلام بے مثل اور بے مثال ہے اور نسل انسانیت آج تک اس جیسی چند آیات بھی پیش کرنے سے عاجز رہی ہے، اس کے ساتھ ساتھ یہ حقیقت بھی مسلّمہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے خاتم النبیین محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو زبان و بیان کی لطافت و نظافت سے نوازا ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان کوثر و تسنیم میں ڈھلی ہوئی ہے، اس میں مٹھاس اور چاشنی ہے، بصیرت اور روشنی ہے، صداقت اور پیغام ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم اَفْصَحُ الْعَرب (عربوں میں فصاحت و بلاغت میں بلند ترین) ہیں۔

قرآن کا طالب علم حدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے کبھی بے نیاز نہیں رہ سکتا ہے۔

اللہ تعالیٰ محدثین کو جزائے خیر دے کہ انہوں نے حدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو جمع اور مدون کرنے میں محنت شاقہ کی۔ اس سلسلہ میں طول وطویل سفر کیئے۔ شب و روز مصروف رہے اور اس خدمت جلیلہ کو بھوکے اور پیاسے رہ کر بھی سرانجام دیا۔ امام بخاریؒ کی سیرت پڑھی جائے تو معلوم ہوگا کہ اس مردمومن نے حدیث مبارکہ کو جمع کرنے کیلئے کتنی تکلیف اور مشقت سے اِدھر اُدھر سینکڑوں میل پاپیادہ سفر کیے، بعض اوقات سفر کے دوران جنگل کے پتوں سے بھوک کو مٹایا۔

(دمشق) علاقہ شام کے معروف عالم دین علامہ ابوزکریا محی الدین یحیٰ بن شرف النووی رحمۃ اللہ علیہ نے حدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر اخلاق کے باب میں بڑی مفید کتاب "ریاض الصالحین" کے نام سے تالیف فرمائی ہے، اس کتاب میں انہوں نے ہر باب کے شروع میں اسی مضمون سے متعلق آیات قرآن درج فرمادی ہیں جس سے قرآن کے طالب علم کے لئے قرآن و حدیث کو سمجھنے میں بڑی مدد ملتی ہے، عاجز قرآن حکیم کے طلبا کے لئے اس کے مطالعہ کا مشورہ دیتا ہے، یہ عربی متن اور اردو ترجمہ اور مفید حواشی کے ساتھ مل جاتی ہے، اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہمارے دلوں کو قرآن کی روشنی سے منور فرمادے۔ آمین!

Marfat.com

Marfat.com

حیاءاورایمان

محدثین کا کہنا ہے کہ "اَلاِیْمَانُ یَزِیْدُ وَیَنْقُصُ" ایمان گھٹتا بڑھتا ہے یعنی جس طرح پودوں کی نگہداشت اور نگہبانی سے وہ پھلتے پھولتے ہیں اسی طرح ایمان کی حفاظت وصیانت سے وہ بڑھتا اور مضبوط ہوتا ہے، اس کی تائید قرآن حکیم کی اس آیہ مبارکہ سے بھی ہوتی ہے:

اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِیْنَ اِذَا ذُکِرَ اللّٰہُ وَجِلَتْ قُلُوْبُھُمْ وَاِذَا تُلِیَتْ عَلَیْھِمْ اٰیٰتُہٗ زَادَتْھُمْ اِیْمَانًا وَّ عَلٰی رَبِّھِمْ یَتَوَکَّلُوْنَ (الانفال:۲)

''سچے اہل ایمان تو وہ لوگ ہیں جن کے دل اللہ کا ذکر سن کر لرز جاتے ہیں اور جب اللہ کی آیات ان کے سامنے پڑھی جاتی ہیں تو ان کا ایمان بڑھ جاتا ہے اور وہ اپنے رب پر اعتماد رکھتے ہیں۔''

گویا کہ احکام الٰہی کو غور سے سننے اور ان پر توجہ دینے سے ایمان میں اضافہ ہوتا ہے۔ اور ظاہر ہے کہ جب آیاتِ الٰہی کو پڑھا اور سنا ہی نہ جائے اور نہ ہی ان پر توجہ دی جائے تو ایمان میں کمی واقع ہوگی۔

بہت سی صفات ایسی ہیں کہ جن سے متصف ہونے پر ایمان میں یقیناً اضافہ ہوتا ہے اور چھوڑنے پر ایمان میں کمزوری آجاتی ہے، ان میں سے ایک صفت ''حیا'' بھی ہے، حیا کا لفظ اردو اور عربی دونوں زبانوں میں استعمال ہوتا ہے، اردو میں اس کے معنی شرم، حجاب، لحاظ، غیرت کے ہیں، عربی میں ان معنوں کے علاوہ قدرے وسعت ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشادِ گرامی ہے:

اِسْتَحْیُوا مِنَ اللّٰہِ حَقَّ الْحَیَا، قَالَ، قُلْنَا یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ! اِنَّا نَسْتَحْیِی وَالْحَمْدُلِلّٰہِ، قَالَ: لَیْسَ ذٰلِکَ، وَلٰکِنَّ الاِسْتِحْیَاءَ مِنَ اللّٰہِ حَقَّ الْحَیَاءِ اَنْ تَحْفَظَ الرَّأْسَ وَمَا وَعَی وَالْبَطْنَ وَمَا حَوَی وَلْتَذْکُرَ الْمَوْتَ وَالْبَلٰی وَمَنْ اَرَادَ الْاٰخِرَۃَ تَرَکَ زِیْنَۃَ الدُّنْیَا، فَمَنْ

فَعَلَ ذٰلِکَ فَقَدِ اسۡتَحۡیَا مِنَ اللّٰہِ حَقَّ الۡحَیَا. (جامع ترمذی کتاب صفۃ القیامۃ)

''عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ، سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کہ اللہ تعالیٰ سے اس طرح حیا کرو جس طرح اس سے حیا کرنے کا حق ہے، صحابہؓ نے عرض کیا: یارسول اللہ! ہم میں حیا تو ہے۔ اللہ تعالیٰ کا شکر ہے۔ آپؐ نے فرمایا، یہ وہ چیز نہیں ہے بلکہ حقیقت میں حیا یہ ہے کہ تو اللہ سے اس طرح شرمائے جس طرح اس سے شرمانے کا حق ہے، تجھے چاہئے کہ تو اپنے دماغ کو اور جو کچھ اس میں جمع ہے اس کا خیال رکھے، اپنے پیٹ کو اور جو کچھ اس میں بھرا ہے اس پر نگاہ رکھے، اپنی موت کو اور اس کے بعد سڑنے اور گلنے کو یاد رکھے اور جو آخرت کا طالب ہوتا ہے وہ دنیا کی زیب وزینت کو خیرباد کہتا ہے۔ جس نے یہ کام کیے، درحقیقت وہ شخص اللہ تعالیٰ سے اس طرح شرماتا ہے جس طرح اس سے شرمانے کا حق ہے۔''

اس حدیث مبارک سے چند باتیں واضح ہو جاتی ہیں۔

۱- حدیث مبارکہ کی روشنی میں ''حیا'' کے معنی میں وسعت پیدا ہوئی ہے۔

۲- دل ودماغ میں صرف وہ افکار وخیالات لائے جائیں۔ جن میں اللہ تعالیٰ کی رضامندی ہو اور جونہی برے خیالات اور وساوس انسان کو ستائیں تو فوراً ان کے شر سے اللہ تعالیٰ کی پناہ اور حفاظت طلب کی جائے۔ قرآن حکیم کی دو آخری سورتیں (معوذتین) ان کا بہترین علاج ہے۔ اس کے علاوہ اٹھتے بیٹھتے، چلتے پھرتے اس کی یاد سے اپنی زبان کو تر رکھا جائے۔

۳- اپنی خوراک پر کڑی نگاہ رکھنی چاہئے کہ کوئی لقمہ حرام جسم کے اندر داخل نہ ہونے پائے کہ اس سے عبادت کا مزہ کرکرا ہو جاتا ہے۔ اور وہ اللہ تعالیٰ کے یہاں مقبول نہیں ہوتی ہے۔ قرآن حکیم میں حکم ہوتا ہے۔

کُلُوۡا مِنَ الطَّیِّبٰتِ وَاعۡمَلُوۡا صَالِحًا. (المومنون:۵۱)

''کھاؤ پاکیزہ چیزیں اور عمل کرو صالح۔''

گویا کہ اعمال صالحہ کی توفیق اسی وقت نصیب ہوتی ہے جب رزق طیب ہو، اور رزق طیب وہی کہلاتا ہے جس کا حصول حلال روزی سے ہو اور فی نفسہ وہ چیز بھی حلال ہو۔

۴- یہ حیاتِ مستعار عارضی اور فانی ہے، ہمارا ہر ہر لمحہ موت کی وادی کی طرف بڑھ رہا ہے۔ عقلمندی اسی میں ہے کہ ہمیں جس جگہ جلد یا بدیر جانا ہے وہاں جانے کی تیاری کی جائے، اور سفر

Marfat.com

کے لئے کوئی زادِراہ مہیا کیا جائے، ظاہر ہے کہ وہ زادِراہ نیک اعمال کی پونجی ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کو یوں نصیحت فرمائی: ''کُنْ فِی الدُّنْیَا کَاَنَّکَ غَرِیْبٌ اَوْعَابِرُ سَبِیْلٍ'' تم دنیا میں اس طرح رہو جیسے کہ کوئی مسافر یا کوئی راہ گیر ہو۔''

ظاہر ہے کہ کوئی مسافر یا راہ گیر اپنے لئے عالی شان محلات تعمیر نہیں کرتا ہے اس کے پاس ضروری اور واجبی سا سروسامان ہوتا ہے جو اس کے قیام میں مددگار ہوتا ہے۔ خود حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ لوگوں کو نصیحت کرتے:

اِذَا اَمْسَیْتَ فَلَا تَنْتَظِرِ الصَّبَاحَ وَاِذَا اَصْبَحْتَ فَلَا تَنْتَظِرِ الْمَسَاءَ وَ خُذْ مِنْ صِحَّتِکَ لِمَرَضِکَ وَ مِنْ حَیَاتِکَ لِمَوْتِکَ. (رواہ البخاری)

''جب تم شام کے وقت میں داخل ہو تو صبح کا انتظار نہ کرو اور جب صبح میں داخل ہو جاؤ تو شام کی امید نہ رکھو، اور اپنی صحت کے دوران اپنی بیماری کے لئے انتظام کرلو اور اپنی زندگی میں اپنی موت کا سامان کرلو۔''

ایک اور حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''اِغْتَنِمْ خَمْسًا قَبْلَ خَمْسٍ شَابَّکَ قَبْلَ ھَرَمِکَ وَ صِحَّتَکَ قَبْلَ سُقْمِکَ وَ غِنَاکَ قَبْلَ فَقْرِکَ، وَ فِرَاغَکَ قَبْلَ شُغْلِکَ وَ حَیٰوتَکَ قَبْلَ مَوْتِکَ''

شاعر نے اس حدیث مبارک کا ترجمہ بڑے خوبصورت انداز میں کیا ہے:

غنیمت ہے صحت علالت سے پہلے
فراغت مشاغل کی کثرت سے پہلے
جوانی بڑھاپے کی زحمت سے پہلے
اقامت مسافر کی رحلت سے پہلے
فقیری سے پہلے غنیمت ہے دولت
جو کرنا ہے کرلو کہ تھوڑی ہے مہلت

جو اس تھوڑی سی مہلت میں اپنے لئے کوئی زادِ سفر مہیا کرلیں وہی زیرک اور عقلمند ہیں۔

خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ طیبہ اس دنیا میں مسافرانہ زندگی کی جیتی جاگتی تصویر

Marfat.com

تھی۔آپؐ فرمایا کرتے تھے:

"مالي وللدنيا، انما مثلي ومثل الدنيا كمثل راكب قام في ظل شجرة ثم راح وتركها"

مجھے بھلا اس دنیا سے کیا سروکار! میری اور دنیا کی مثال تو اس سوار کی سی ہے جس نے کسی درخت کے سایہ میں کچھ آرام کیا اور پھر اسے چھوڑ کر چل دیا۔

جب انسان میں ہمہ وقت اللہ تعالیٰ کا خوف سمایا رہے اور وہ آخرت کیلئے اعمال خیر سرانجام دینے پر ہر وقت کمربستہ رہے تو حقیقی معنوں میں وہ حیا رکھتا ہے۔اور اس کیلئے حیا سراپا خیر ہے۔ ارشاد ہوتا ہے:

اَلْحَیَاءُ لَایَأْتِی اِلَّا بِخَیْرٍ، ''حیا تو خیر اور بھلائی ہی لاتی ہے'' اور کہیں فرمایا: اَلْحَیَاءُ خَیْرٌ کُلُّهُ، ''شرم وحیاء تو سراسر خیر ہے۔'' اور یوں بھی فرمایا: اَلْحَیَاءُ شُعْبَةٌ مِنَ الْاِیْمَانِ، ''حیا ایمان کا حصہ ہے۔'' اور اس طرح بھی ارشاد ہوا: اِنَّ الْحَیَاءَ مِنَ الْاِیْمَانِ، ''حیا ایمان کا لازمی جزو ہے۔'' ان ارشاداتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دین میں حیا کی قدر وقیمت کا اندازہ ہوتا ہے۔

اس خصلت کو پروان چڑھانے کا طریقہ

جب شرم وحیا ایمان کا جز و لاینفک ہے تو اس صفت کو زندگی میں نشو ونما دینے کا طریق کار کیسے اور کیونکر ہو؟

۱) اپنے آپ کو درجہ احسان میں لانا:

حدیث مبارکہ میں آتا ہے: اَنْ تَعْبُدَ اللّٰهَ کَاَنَّکَ تَرَاهُ، فَاِنْ لَمْ تَکُنْ تَرَاهُ فَاِنَّهُ یَرَاکَ. ''تم اللہ کی بندگی اس طرح کرو گویا کہ تم اسے دیکھ رہے ہو۔یا پھر وہ تمہیں دیکھ رہا ہے۔

یہ کیفیت پیدا ہوتے ہی انسان بہت سے گناہوں اور لغزشوں سے محفوظ ہو جاتا ہے۔ کیفیتِ احسان میں رہتے ہوئے بندہ اپنے آقا و مولا کے احکام کی پابندی بھی کرتا ہے جو اس کی فوز وفلاح کا ضامن بنتے ہیں۔

۲) کثرتِ ذکر:

قرآن حکیم میں آتا ہے:

Marfat.com

وَاذْکُرِ اللّٰہَ کَثِیْرًا لَّعَلَّکُمْ تُفْلِحُوْنَ. ''اور اللہ تعالیٰ کو کثرت سے یاد کیا کرو، امید ہے کہ تم کامیاب ہو جاؤ گے۔''

یہ ذکر کئی طرح سے ہو سکتا ہے، نماز کو قائم کرنا اور اس کا بے قراری سے التزام کرنا قرآن حکیم کی تلاوت، یہ محض زبان سے پڑھنا ہی نہ ہو بلکہ دل و دماغ سے آیاتِ الٰہی پر تدبر اور تفکر بھی ہو، اٹھتے بیٹھتے اور چلتے پھرتے اذکار مسنونہ کا ورد کرنا، سبحان اللہ، الحمدللہ، اللہ اکبر، لا الٰہ الا اللہ پڑھنا۔ جب یہ کلمات زبان سے ادا ہو رہے ہوں تو معنی پر غور و فکر کیا جائے۔ سبحان اللہ پڑھتے وقت یہ ذہن میں رہے کہ میرا اللہ ہر بھول چوک، لغزش، خطا اور کمزوری سے مبرا ہے۔ 'الحمدللہ' کا ذکر کرتے وقت ذہن ادھر متوجہ رہے کہ ہر تعریف اور شکر کے لائق صرف اسی کی ذات ہے۔ 'اللہ اکبر' زبان سے ادا کرتے وقت یہ بات ذہن میں رہے کہ صرف اللہ ہی بڑا ہے۔ وہ بے پناہ قوتوں اور طاقتوں کا مالک ہے، ہم سب چھوٹے اور بے بس ہیں۔ 'لا الٰہ الا اللہ' زبان پر لاتے وقت یہ ذہن میں رہے کہ اس کے سوا کوئی مشکل کشا اور حاجت روا نہیں ہے۔

بس یہی ذکر ہمیں کامیابی اور کامرانی سے ہمکنار کر دے گا۔

حیا کیسے رخصت ہوتی ہے:

روزِ ازل سے حیا کو انسان کی فطرت میں سمو دیا گیا ہے۔ مثلاً کوئی بھی عقلمند انسان اس بات کو پسند نہیں کرے گا کہ وہ برہنہ جسم شاہراہ پر گھومے پھرے، کیونکہ حیا، اسے ایسا کرنے سے روکتی ہے، ایسا صرف وہی شخص کر سکتا ہے جو مخبوط الحواس ہے اور عقل و فکر سے عاری ہو چکا ہو۔

'حیا' صرف لباس تک محدود نہیں ہے اس کا دائرہ تمام زندگی پر محیط ہے اور اخلاقیات کے بہت سے امور اس میں شامل ہیں۔

اس بات کو اچھی طرح جان لیجئے کہ انسان کے باطن کے اثرات ظاہر پر پڑتے ہیں۔ مثلاً جو شخص دل سے نیک ہے اس کا عملی مظاہرہ وہ اپنے کردار سے کرتا ہے۔ وہ ہمیشہ سچ بولتا ہے اور جھوٹ سے پرہیز کرتا ہے، وہ رزق حلال کے لئے تگ و دو کرتا ہے اور حرام سے بچتا ہے وغیرہ۔

''حیا'' اس وقت رخصت ہونا شروع ہو جاتی ہے جب ہم ایک طرف ضمیر (Conscience) کی آواز کو دبا دیں اور دوسری طرف شریعت کی پابندی کو نظر انداز کر دیں۔ اللہ تعالیٰ نے ہر شخص کے پہلو میں ایسا دل رکھا ہے جو اسے نیکی اور بدی کا احساس دلاتا ہے، کھرے

Marfat.com

اور کھوٹے میں فرق بتاتا ہے، وحی الٰہی نے اس شعور کو روشن کر دیا ہے۔ گویا کہ اللہ تعالیٰ کا دین فطرت کی آواز ہوتا ہے۔ جب کوئی شخص ایک طرف اپنے ضمیر کو مسخ کر ڈالے اور دوسری طرف روشن اور کھلی ہدایت پر بھی توجہ نہ دے تو پھر حیا رخصت ہو جاتی ہے۔ پھر ایسی اسٹیج پر وہ پہنچ جاتا ہے جسے بے غیرتی اور بے حیائی کے نام سے موسوم کر سکتے ہیں، پھر وہ برائی کرتا ہے اور بسا اوقات اسے اس پر فخر ہوتا ہے، وہ روزی میں حلال و حرام کی تمیز کھو بیٹھتا ہے۔ اور اسے اس پر ناز ہوتا ہے، گویا برائی اس کے نزدیک کوئی برائی رہتی ہی نہیں۔ ذرا اس حدیث پر غور کیجئے:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشادِ مبارک ہے:

اِنَّ مِمَّا اَدْرَکَ النَّاسُ مِنْ کَلَامِ النُّبُوَّةِ الْاُوْلٰی "اِذَا لَمْ تَسْتَحِ فَاصْنَعْ مَا شِئْتَ"

"لوگوں نے کلام نبوت میں سے جو پہلی بات پائی وہ یہ ہے کہ جب تمہیں شرم وحیا ہی نہ رہے تو جو مرضی کرو۔"

"فاصنع ماشئت" (حیا ہی نہ رہے) تو جو چاہو کرو کے الفاظ (اجازت اور رخصت کیلئے نہیں) زجر و توبیخ اور تہدید و تنبیہ کیلئے استعمال ہوئے ہیں۔ یعنی جب تم نے حیا ہی کی پروا نہ کی تو پیچھے کیا رہ گیا۔ تم نے رب چاہی زندگی چھوڑ کر من چاہی زندگی اختیار کر لی، اب تمہاری خواہشات جدھر تمہیں دھکیل دیں، تم ادھر ہی جاؤ گے، جیسا کہ قرآن میں آتا ہے:

اِعْمَلُوْا مَا شِئْتُمْ اِنَّهٗ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ (حم السجدہ:۴۰) "کرتے رہو جو کچھ تم چاہو، تمہاری ساری حرکتوں کو اللہ دیکھ رہا ہے۔"

"حیا" نہ صرف انفرادی سطح پر بلکہ قومی سطح پر بھی رخصت ہو جاتی ہے بلکہ غور کیا جائے تو حکومت لوگوں کے اخلاق سنوارنے یا بگاڑنے میں بڑا اہم رول ادا کرتی ہے۔ ملک کا نظم و نسق (Administration)، عدلیہ، تعلیم اور ذرائع نشر و ابلاغ (ٹی وی، ریڈیو) ایسے اہم شعبہ جات پر حکومت کا اختیار ہوتا ہے۔

یہ ادارے جتنا مثبت کردار ادا کریں گے لوگوں کے اخلاق بلند ہوں گے اور لوگوں میں شرم و حیا کے جذبات برقرار رہیں گے۔ ان کے بگڑتے ہی لوگوں میں اخلاقی انحطاط شروع ہو جائے گا، اس کی مثال ہمارا وطن عزیز ہے، یہاں پر انفرادی اور قومی سطح پر تربیت کا زبردست فقدان رہا ہے۔ کس کس بات کا ذکر کیا جائے۔ مثل مشہور ہے "اونٹ رے اونٹ تیری کون سی کل سیدھی" اونٹ

Marfat.com

میں تو شاید تلاش کرنے سے کہیں کوئی کل سیدھی نظر آجائے مگر ہمارے یہاں کوئی کل سیدھی نظر نہیں آتی ہے۔ ہر طرف بگاڑ ہی بگاڑ ہے۔ ایسے ایسے حکمران آئے جنہوں نے بے دردی سے قومی خزانے کو دونوں ہاتھوں سے لوٹا اور ملک کو مالی لحاظ سے کنگال بنا کر رکھ دیا۔ پھر میڈیا نے قوم کو اخلاقی لحاظ سے دیوالیہ بنا دیا ہے۔ مثلاً ہمارے بزرگوں میں حضرات کے لئے ننگے سر پھرنا معیوب سمجھا جاتا تھا اور اب نوجوان خواتین ننگے سر پھرنا فیشن سمجھتی ہیں۔ اور دوپٹہ محض بطور مفلر لٹکا لیا جاتا ہے۔ دورِ غلامی میں بھی مخلوط تعلیم کا اتنا رواج نہ ہوگا جتنا کہ اسلامی جمہوریہ پاکستان میں ہے۔ حکمرانوں کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کھلی بغاوت کا انجام سامنے رکھنا چاہئے۔

اِنَّ الَّذِیْنَ یُحِبُّوْنَ اَنْ تَشِیْعَ الْفَاحِشَةُ فِی الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَهُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَةِ. (النور:۱۹) ”جو لوگ چاہتے ہیں کہ ایمان لانے والوں کے گروہ میں فحش پھیلے وہ دنیا اور آخرت میں دردناک سزا کے مستحق ہیں۔“

Marfat.com

Marfat.com

اَخلاق اور ایمان

جیسا کہ گزشتہ مضمون ''حیاء اور ایمان'' میں بتلایا گیا تھا کہ ایمان گھٹتا بڑھتا ہے اور اسے اعمال صالحہ سے مضبوط اور قوی بنایا جاسکتا ہے۔قرآن وحدیث کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اخلاقِ حسنہ اور ایمان کا گہرا ربط ہے۔

اچھی عادات وخصائل کا نام اخلاق ہے اس کا مفرد خلق ہے۔امام راغب اصفہانی لکھتے ہیں:

''خَلْقٌ اور خُلُقٌ'' اصل میں دونوں کا مادہ ایک ہی ہے جیسے شَرْبٌ اور شُرْبٌ ہے مگر ان میں اتنا فرق ہے کہ خَلْقٌ (خ کی زبر کے ساتھ) بمعنی خِلْقَتْ یعنی اس شکل وصورت پر بولا جاتا ہے جس کا تعلق ادراک بصر (دیکھنے) سے ہوتا ہے اور خُلُق (خ کی پیش کے ساتھ) کا لفظ قوائے باطنہ اور عادات وخصائل کے معنی میں استعمال ہوتا ہے جن کا تعلق بصیرت سے ہے۔

قرآن حکیم میں خاتم النبیین محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق ارشاد ہوتا ہے:

وَاِنَّکَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیْم. ''اور بلاشبہ آپ اخلاق کی بلندیوں پر فائز ہیں۔'' (القلم:۴)[مفردات القرآن]

خَلْق اور خُلُق کا فرق ہم یوں بھی بیان کرسکتے ہیں کہ خَلْق ظاہری شکل اور ساخت تک محدود ہے جبکہ خُلُق کا خندہ جبینی اور خوش اطواری سے عملی مظاہرہ ہوتا ہے۔ایک شخص خوش شکل ہونے کے باوجود بداخلاق ہوسکتا ہے جب کہ دوسرا شخص معمولی شکل رکھنے کے باوجود خوش اخلاق ہوسکتا ہے اور جسے اللہ تعالیٰ حسنِ شکل اور حسنِ اخلاق سے نوازے وہ تو بڑے رتبے والا ہے۔یہ خوبیاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں بدرجہ اتم دکھائی دیتی ہیں۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق سب سے بہتر ہیں اور اس کی شہادت رب کریم نے مندرجہ بالا آیہ کریمہ میں دی ہے۔

Marfat.com

حضرت انس ﷺ ہی سے روایت ہے کہ میں نے دیبا اور ریشم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مبارک ہتھیلی سے زیادہ نرم نہیں چھوا اور کبھی کوئی خوشبو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خوشبو سے زیادہ اچھی نہیں سونگھی۔ میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دس برس خدمت کی۔ (اس تمام عرصہ میں) آپ ﷺ نے کبھی اُف بھی نہیں فرمایا اور نہ کسی کام کے کرنے یا نہ کرنے پر آپ ﷺ نے کبھی فرمایا کہ یہ کیوں کیا یا کیوں نہ کیا۔ (ریاض الصالحین۔باب حسن الخلق)

کسی انسان کے حالات کا واقف کار بیوی سے بڑھ کر کون ہوسکتا ہے۔ بی بی خدیجۃؓ الکبریٰ جو نبوت سے پہلے اور نبوت کے بعد ۲۵ برس تک آپ ﷺ کی رفیقہ حیات رہی تھیں وہ زمانہ آغازِ وحی میں آپ ﷺ کو اِن الفاظ میں تسلی دیتی ہیں:

''ہرگز نہیں، اللہ کی قسم! وہ آپ کو کبھی غمگین نہ کرے گا، آپ صلہٗ رحمی کرتے ہیں، مقروضوں کا قرض ادا کرتے ہیں، غریبوں کی اعانت کرتے ہیں، مہمانوں کی ضیافت کرتے ہیں، حق کی حمایت کرتے ہیں، مصیبتوں میں لوگوں کے کام آتے ہیں۔''

ام المومنین بی بی عائشہ رضی اللہ عنہا آپ ﷺ کے اوصاف تفصیل سے بیان کرتی ہیں:

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت کسی کو برا بھلا کہنے کی نہ تھی، برائی کے بدلے میں برائی نہیں کرتے تھے بلکہ درگزر کرتے تھے اور معاف فرما دیتے تھے۔ آپ ﷺ نے کبھی کسی سے اپنے ذاتی معاملہ میں انتقام نہیں لیا۔ البتہ جو احکام الٰہی کی خلاف ورزی کرتا آپ ﷺ اُس سے ناراض ہوجاتے۔ آپ ﷺ نے نام لے کر کبھی کسی پر لعنت نہیں کی، آپ ﷺ نے کبھی بھی کسی غلام، لونڈی، عورت، خادم، جانور کو ہاتھ سے نہیں مارا، آپ ﷺ نے کبھی کسی کا سوال رد نہ کیا، اِلّا یہ کہ وہ ناجائز ہو، جب گھر کے اندر تشریف لاتے تو نہایت خندہ پیشانی کے ساتھ مسکراتے ہوئے داخل ہوتے، مجلس میں کبھی پاؤں پھیلا کر نہیں بیٹھتے تھے۔''

سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے آغوشِ نبوت میں پرورش پائی تھی اور آغازِ نبوت سے آخر تک آپ ﷺ کی خدمت میں رہے تھے۔ ایک دفعہ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ نے ان سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق وعادات کی نسبت سوال کیا، فرمایا:

''آپ خندہ جبیں، نرم خو اور مہربان طبع تھے۔ سخت مزاج اور تنگ دل نہ تھے۔ کوئی برا کلمہ زبان سے نہیں نکالتے تھے، عیب جو اور سخت گیر نہ تھے، کوئی ایسی بات ہوتی جو خلافِ طبع ہوتی تو

انجان ہو جاتے۔ اپنی ذات سے تین چیزیں آپ ﷺ نے دور کر دی تھیں، بحث و مباحثہ، بے ضرورت بات کرنا اور جو بات مطلب کی نہ ہو اس کے پیچھے پڑنا۔ دوسروں کے متعلق بھی تین باتوں سے پرہیز کرتے تھے، کسی کو برا نہیں کہتے تھے، کسی کی عیب جوئی نہیں کرتے تھے کسی کے اندرونی حالات کی ٹوہ میں نہیں رہتے تھے، کوئی آدمی گستاخی کرتا، بیبا کی سے گفتگو کرتا تو تحمل فرماتے، دوسرا جب تک بات ختم نہ کر لیتا اس کی بات سنا کرتے، دوسروں سے اپنی تعریف سننا پسند نہ فرماتے تھے، کوئی آپ کو دفعتہً دیکھ لیتا تو (جلال چہرہ سے) مرعوب ہو جاتا، لیکن جیسے جیسے آشنا ہوتا جاتا آپؐ سے محبت کرنے لگتا۔ غریب سے غریب کا تحفہ و دعوت کبھی رد نہ کرتے۔"
[بحوالہ اسوہ حسنہ، صفوۃ الرحمٰن صابر]

حقیقت یہ ہے کہ اخلاق حسنہ درجہ فضیلت تک پہنچانے اور ایمان کو تقویت دینے میں بڑا اہم رول ادا کرتے ہیں۔ دوسروں کے ساتھ نرم اور شائستہ گفتگو، اچھا رویہ اور معاملہ، دیانت داری اور امانت کا مظاہرہ، شرم و حیاء کی پاسداری، تواضع و خاکساری سے برتاؤ اور لطف و مروت کے ساتھ لوگوں سے پیش آنا پاکیزہ لوگوں کے وہ شاندار اصول ہیں جنہیں اپنا کر کوئی شخص شرف انسانیت کی بلندیوں کو چھوتا ہے، دنیا و آخرت میں فائز المرام ہوتا ہے۔ ذرا ان احادیث مبارکہ پر غور کیجئے:

حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "مومن بندے کی میزان میں (روز قیامت) اچھے اخلاق سے زیادہ کوئی چیز وزنی نہ ہوگی اور اللہ تعالیٰ فحش بکنے والے، بدزبان آدمی سے نفرت کرتا ہے۔" [ترمذی - ریاض الصالحین باب حسن الخلق]

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا گیا کہ کس سبب سے زیادہ تر لوگ جنت میں داخل ہوں گے۔ آپؐ نے فرمایا اللہ کے خوف و احتیاط اور خوش خلقی سے، عرض کیا گیا دوزخ میں زیادہ تر کس وجہ سے لوگ جائیں گے۔ فرمایا حرام خوری اور بدکاری سے۔ [حوالہ۔ ایضاً]

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کامل ترین ایمان اس کا ہے جس کے اخلاق اچھے ہوں اور تم میں اچھا وہ ہے جو اپنی بیویوں سے حسن اخلاق سے پیش آئے۔ [حوالہ ایضاً]

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ

Marfat.com

مومن اچھے اخلاق کے ذریعے پے درپے روزے رکھنے والے اور عابد کا درجہ پا لیتا ہے۔
[ابوداؤد-حوالہ ایضاً]

حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''میں اس شخص کے لئے جنت کے سامنے ایک گھر کا ضامن ہوتا ہوں جس نے حق پر ہوتے ہوئے بھی جھگڑا چھوڑ دیا اور اس شخص کے لئے جنت کے اندر میں ایک گھر کا ضامن ہوتا ہوں جس نے جھوٹ کو چھوڑ دیا، اگر چہ وہ مذاقاً بولتا تھا اور اس شخص کے لئے جنت کی بلندی میں ایک گھر کا ضامن ہوں جس کے اخلاق اچھے ہوں۔'' [حوالہ ایضاً]

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''قیامت کے دن مجھے سب سے زیادہ پسندیدہ اور سب سے زیادہ قریب وہ لوگ ہوں گے جو اچھے اخلاق والے ہیں اور جو مجھے سب سے زیادہ ناپسند ہیں اور سب سے زیادہ مجھ سے دور ہوں گے وہ زیادہ باتونی، چرب زبان اور تصنع کرنے والے متکبر ہیں۔'' [ترمذی-حوالہ ایضاً]

اِن احادیث مبارکہ کو پڑھنے اور غور کرنے کے بعد ہم یقیناً اِس نتیجہ پر پہنچیں گے کہ جنت کا حصول ایمان کے بغیر ممکن نہیں اور ایمان کو تقویت دینے کے لئے اچھے اخلاق کو اپنانا ناگزیر ہے اور یہ بات ذہن میں رہے کہ اچھے اخلاق کے فقدان کے ساتھ ہی ایمان میں کمزوری اور کمی شروع ہو جاتی ہے بلکہ اس کے ضائع ہونے کا خدشہ بھی ہے۔اس حدیث مبارکہ پر غور کیجئے:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اللہ کی قسم! وہ مومن نہیں، اللہ کی قسم اس میں ایمان نہیں، اللہ کی قسم وہ صاحب ایمان نہیں (تین بار یہ جملہ فرما کر معاملہ کی اہمیت اور نزاکت کو ظاہر کرنا تھا) لوگوں نے عرض کیا یا رسول اللہؐ وہ کون ہے؟ فرمایا جس کی شرارتوں سے اس کا پڑوسی محفوظ نہ ہو۔'' اور مسلم کی ایک روایت میں ہے کہ جنت میں وہ داخل نہ ہوگا جس کے شر سے اس کے ہمسایہ کو امن نہ ہو۔'' [ریاض الصالحین-باب حق الجار]

ایک بار آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

لَا یُؤمِنُ اَحَدُکُمْ حَتّٰی یُحِبَّ لِاَخِیْهِ مَا یُحِبُّ لِنَفْسِهٖ. ''تم میں سے اس وقت تک کوئی ایمان (کا بلند درجہ) نہیں پا سکتا ہے جب تک کہ وہ اپنے بھائی کے لئے وہی بات پسند نہ کرے جو وہ اپنے لئے پسند کرتا ہے۔''

Marfat.com

ظاہر ہے کہ کوئی شخص بھی اس بات کو پسند نہیں کرے گا کہ اسے کوئی دھوکہ اور فریب دے، اس کے مال ومتاع کو چھینے اسے کسی قسم کی تکلیف اور نقصان پہنچائے، تو ایمان رکھنے کے ساتھ اس پر یہ بات لازم ہوگی کہ وہ بھی دوسروں کو گزند اور نقصان پہنچانے سے گریز کرے۔

اب اِن روشن ہدایات کو پڑھنے کے بعد ہم اپنے اعمال کا جائزہ لیں تو صاف نظر آئے گا کہ ہماری زندگیاں فضائل سے کم اور رذائل سے زیادہ عبارت ہیں..... خیانت اور بددیانتی، مکروفریب، غیبت اور بدگوئی، جھوٹ اور جھوٹی قسمیں کھانا، چوری چکاری، ناپ تول میں کمی، رشوت اور سودخوری اور اسی قبیل کی بہت سی برائیاں ہماری روزمرہ زندگی کا معمول بن چکی ہیں، جب کوئی شخص پے در پے برائیوں میں ملوث ہو جاتا ہے تو ان برائیوں میں نہ صرف اسے مزہ آتا ہے بلکہ احساس ندامت بھی رخصت ہو جاتا ہے اور قرآن کی اصطلاح میں دل زنگ آلود ہو جاتے ہیں، ارشاد ہوتا ہے:

كَلَّا بَلْ رَانَ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ مَّا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ. (المطففین:١۴)

''(جب ان پر آیاتِ الٰہی پڑھی جاتی ہیں تو وہ انہیں پہلے لوگوں کے قصہ کہتے ہیں) ہرگز یہ بات نہیں بلکہ ان لوگوں کے دلوں پر ان کے برے اعمال کا زنگ لگ جاتا ہے۔''

اسلام اللہ تعالیٰ کا نازل کردہ دین رحمت ہے، رب کریم کا اعلان ہوتا ہے:

قُلْ يٰعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰى اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ، اِنَّ اللّٰهَ يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِيْعًا، اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ. (الزمر:۵۳)

''آپ لوگوں سے کہہ دیجئے، اے میرے بندو! جنہوں نے اپنی جانوں پر زیادتی کی ہے، اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہونا، اللہ یقیناً سارے ہی گناہ معاف کر دے گا کیونکہ وہ غفور ورحیم ہے۔''

ندامت اور شرمساری لازم ہے اور اس کے بعد صراطِ مستقیم پر گامزن ہونا بھی ضروری ہے۔

اے امت مسلمہ! قرآن اور سیرت طیبہ ہماری راہ ہے، ہم کہاں بھٹک رہے ہیں۔ آیئے ہم سب اللہ کے حضور سچے دل سے توبہ کریں اور اس کی ہدایت کو حرز جان بنائیں تاکہ نکبت وادبار سے نکل کر فوز وفلاح سے ہمکنار ہوں۔

Marfat.com

Marfat.com

تقویٰ اور ایمان

ایمان کو قوی اور مضبوط بنانے کے لئے تقویٰ کی صفت سے آراستہ ہونا بھی ضروری ہے۔
تقویٰ کیا ہے؟ یہ عربی زبان کا لفظ ہے اور اس کا مادہ (وق ی) ہے۔ وقایہ کے معنی بچاؤ اور آڑ کے ہیں۔ اور تقویٰ کا مفہوم کچھ اس طرح ادا کر سکتے ہیں کہ مکروہات اور ممنوعات سے بچ کر زندگی گزارنا اور ''اِتَّقِ اللّٰه'' تم اللہ سے ڈرتے رہو کے معنی یہ ہوں گے کہ بندۂ مومن ان تمام امور سے بچ جائے جو مولا و مالک کی ناراضی کا موجب ہوں۔

تقویٰ کے مفہوم کو جاننے کے لئے اس روایت پر غور کیجئے:

''حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے جب تقویٰ کی حقیقت دریافت کی گئی تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ تمہارا کبھی کانٹوں بھری وادی سے گزر رہوا؟ سوال کرنے والے نے کہا، ہاں! پوچھا تو تم کیسے کرتے ہو؟ عرض کیا کہ ہر ممکن طریق سے کانٹوں سے بچ نکلنے کی کوشش کرتا ہوں، فرمایا بس یہی تقویٰ ہے۔ جس طرح خاردار جھاڑیوں میں اپنا دامن بچا کر نکلتے ہو، اسی طرح معاصی کی پرخار وادیوں میں اپنا دامن بچانے کی کوشش کرو۔'' (تحفہ علم وحکمت۔ ابو عامر محمد اسحاق خاں)

گویا کہ تقویٰ کی اصل یہ ہے کہ آدمی جس چیز سے ڈرتا ہے اس کے اور اپنے درمیان رکاوٹ کھڑی کر دے۔ بندہ اپنے رب کی ناراضی اور سزا سے ڈرتا ہے تو اس سے بچنے کے لئے کوئی ڈھال بنائے اور وہ ڈھال ہے گناہوں سے پرہیز اور اللہ کی اطاعت۔

ارشاد ہوتا ہے:

وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِيْٓ اِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ. (المائدہ:۹۶) ''اور اللہ (کے احکام کی خلاف ورزی کرنے) سے بچتے رہو جس کے حضور تم جمع کیے جاؤ گے۔''

ایمان اور تقویٰ لازم وملزوم ہیں۔ اگر ایمان کی تکمیل تقویٰ سے ہوتی ہے تو بغیر ایمان کے

تقویٰ کا حصول بھی ممکن نہیں ہے۔اس لئے رب کریم اہل ایمان کو مخاطب فرماتے ہیں:

يَآيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقٰتِهٖ وَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ. (آل عمران:۱۰۲) ''اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو جیسا کہ اُس سے ڈرنے کا حق ہے (یاد رکھو!) تمہیں موت نہ آئے مگر اِس حال میں کہ تم مسلم ہو۔''

اس آیہ مبارکہ سے معلوم ہوا کہ ایمان ہی سے تقویٰ کی دولت نصیب ہوگی ایک اور موقع پر اہل ایمان کو یوں سمجھایا جا رہا ہے۔

اِنْ تَتَّقُوا اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّكُمْ فُرْقَانًا وَّيُكَفِّرْ عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ وَيَغْفِرْلَكُمْ وَاللّٰهُ ذُوالْفَضْلِ الْعَظِيْمِ. (الانفال:۲۹) ''(اے اہل ایمان) اگر تم اللہ سے ڈرتے رہو گے تو وہ تمہارے لئے کسوٹی بہم پہنچا دے گا (کہ کھرے اور کھوٹے میں امتیاز کرنے لگو) اور تمہاری برائیوں کو تم سے دور کرے گا اور تمہارے قصور معاف کر دے گا اور اللہ تو بڑا ہی فضل فرمانے والا ہے۔''

یعنی تقویٰ اختیار کرنے کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ کسی شخص کو حق اور باطل، سچ اور جھوٹ، کھرے اور کھوٹے، نیکی اور بدی میں پہچان کرنے کی قوت نصیب ہو جاتی ہے اور وہ راہِ حق کو اختیار کر لیتا ہے اور یہ تقویٰ اختیار کرنے کا سب سے بڑا صلہ ہے۔

ہم میں سے اکثر رزقِ حلال کے لئے پریشان رہتے ہیں اور زندگی کی مشکلات میں گھبراتے ہیں مگر اللہ تعالیٰ اہل تقویٰ کے لئے اس سے نجات کا ذکر یوں فرماتا ہے:

وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مَخْرَجًا. وَّيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ ط وَمَنْ يَّتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ فَهُوَ حَسْبُهٗ. (الطلاق:۳) ''جو کوئی اللہ سے ڈرتے ہوئے کام کرے گا، اللہ تعالیٰ اس کے لئے مشکلات سے نکلنے کا کوئی راستہ پیدا کر دے گا اور اسے ایسے راستے سے رزق دے گا، جدھر اس کا گمان بھی نہ جاتا ہو، جو اللہ پر بھروسہ کرے، اس کے لئے وہ کافی ہے۔''

کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ دشمن پورے ساز و سامان سے لیس ہو کر سرحدوں پر آ دھمکتا ہے، وہ بڑا کڑی آزمائش اور پریشانی کا وقت ہوتا ہے، مگر ان نازک لمحات میں بھی ربِ کریم کی طرف سے اہل ایمان کو یوں بشارت ملتی ہے:

يَآيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اصْبِرُوْا وَصَابِرُوْا وَرَابِطُوْا وَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ. (آل عمران:۲۰۰) ''اے ایمان والو! صبر و ثبات کا دامن نہ چھوڑو، باطل پرستوں کے

Marfat.com

مقابلہ میں پامردی دکھاؤ، حق کی خدمت کیلئے کمربستہ رہو اور اللہ سے ڈرتے رہو (تقویٰ کی راہ کو نہ بھولو) امید ہے کہ فلاح سے ہمکنار ہو جاؤ گے۔"

"تقویٰ" کی راہ یقیناً اللہ تعالیٰ کی پسندیدہ راہ ہے، اور اس کی نشاندہی اس آیہ مبارکہ میں کر دی گئی ہے، جس کا ترجمہ پیش خدمت ہے:

"نیکی یہ نہیں ہے کہ تم نے اپنے چہرے مشرق کی طرف کر لئے یا مغرب کی طرف بلکہ نیکی یہ ہے کہ آدمی اللہ کو اور یوم آخر اور ملائکہ کو، اور اللہ کی نازل کی ہوئی کتاب (قرآن) اور اس کے پیغمبروں کو دل سے مانے اور اللہ کی محبت میں اپنا دل پسند مال رشتے داروں اور یتیموں، مسکینوں اور مسافروں پر، مدد کے لئے ہاتھ پھیلانے والوں پر اور غلاموں کی رہائی پر خرچ کرے، نماز قائم کرے اور زکوٰۃ دے، اور نیک وہ لوگ ہیں کہ جب عہد کرتے ہیں تو اسے وفا کریں اور تنگی و مصیبت کے وقت میں، اور حق و باطل کی جنگ میں صبر کریں یہ ہیں راست باز لوگ اور یہی متقی ہیں۔" (ترجمہ تفہیم القرآن: سورۃ البقرہ: ۱۷۷)

حضرت ابوالدرداؓ فرماتے ہیں: "کمالِ تقویٰ یہ ہے کہ بندہ اللہ تعالیٰ سے ڈرے، یہاں تک کہ ایک ذرہ برابر کی چیز میں بھی اور یہاں تک کہ ایسی چیزوں کو بھی چھوڑ دے جنہیں وہ حلال سمجھتا ہے لیکن یہ اندیشہ محسوس کرے کہ کہیں حرام نہ ہوں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے بندوں کے لئے واضح کر دیا ہے۔

فَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَّرَهُ. وَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَّرَهُ.

(الزلزال: ۷) "پھر جس نے ذرہ برابر نیکی کی ہوگی وہ اس کو دیکھ لے گا اور جس نے ذرہ برابر بدی کی ہوگی وہ اسے پالے گا۔"

لہٰذا نیکی کی کوئی (معمولی سے معمولی) چیز بھی نہ چھوڑو اور اسی طرح برائی کی معمولی سے معمولی چیز بھی اختیار نہ کرو۔ (جامع العلوم والحکم۔ ابن رجب حنبلی)

اس کو مثال سے یوں سمجھئے، کہ آپ کسی شاہراہ سے کوئی پتھر اور چھلکا اس لئے اٹھا دیتے ہیں کہ مبادا کوئی بہن یا بھائی گزرتے اس سے پھسل جائے، یہ معمولی سی نیکی بھی آپ کے لئے اجر عظیم کا باعث بن سکتی ہے اور ہنسی مذاق سے بھی کسی کو غلط بات نہیں کہتے کہ زبان و بیان کی معمولی سی لغزش بھی خسارے کا سودا ہو سکتا ہے۔ کسی عربی شاعر نے کیا خوب بات کہی ہے جس کا ترجمہ اس

Marfat.com

طرح ہے:

''چھوٹے بڑے سب گناہ چھوڑ دو یہی تقویٰ ہے جیسے کانٹوں والی زمین پر چلنے والا بچتا ہے ویسے ہی بچو کسی چھوٹی چیز کو حقیر نہ جانو اس لئے کہ بڑے بڑے پہاڑ کنکریوں سے بنے ہوئے ہوتے ہیں۔'' (حوالہ۔ایضاً)

تقویٰ ایسی پسندیدہ بات ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفائے راشدین جب کسی کو جنگی مہم کا سردار بنا کر بھیجتے تو اسے خاص طور ''تقویٰ'' اختیار کرنے کی نصیحت فرماتے، کیونکہ اسی سے کسی پر ظلم وزیادتی کا خدشہ رفع ہو سکتا ہے۔

ایک موقع پر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اپنے خطبہ میں اس طرح ارشاد فرمایا:

''میں تمہیں نصیحت کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ سے ڈرو، اس کے شایانِ شان اس کی حمد وثنا کرو، اس کے شوق کے ساتھ اس کا خوف بھی رکھو، اس سے مانگنے میں مسلسل زور دیتے رہو کیونکہ اللہ تعالیٰ نے حضرت زکریا علیہ السلام اوران کے گھر والوں کی تعریف میں فرمایا ہے:

اِنَّهُمْ كَانُوْا يُسٰرِعُوْنَ فِي الْخَيْرٰتِ وَيَدْعُوْنَنَا رَغَبًا وَّرَهَبًا. وَكَانُوْا لَنَا خٰشِعِيْنَ. (الانبیاء:۹۰) ''یہ لوگ نیکی کے کاموں میں دوڑ دھوپ کرتے تھے اور ہمیں شوق اور خوف سے پکارتے تھے اور ہمارے آگے جھکے ہوئے تھے (ہمارے احکام پر سرتسلیم خم کرتے)۔''

تقویٰ کا حصول کیسے ہو؟:

۱) اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ تقویٰ ایسی قیمتی شے کا حصول کیسے ممکن ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ صوم وصلوٰۃ کو پابندی اور پورے آداب کے ساتھ ادا کیا جائے۔ جونہی نماز کا وقت شروع ہو تو حضرات مؤذن کی آواز پر مساجد کو روانہ ہوں اور خواتین گھروں میں ادا کریں، اس میں باقاعدگی، اوقات کی پابندی، خشوع وخضوع اور تعدیل ارکان کا خیال رکھیں ایسی ہی نماز کے بارے میں آتا ہے:

اِنَّ الصَّلٰوةَ تَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ. (العنکبوت:۴۵) ''کچھ شک نہیں کہ نماز بے حیائی اور برائی سے روکتی ہے (اور تم پرہیزگاری سے سرشار ہو جاتے ہو)۔''

اسی طرح جب روزہ پورے آداب کے ساتھ رکھا جاتا اور اعضا وجوارح کی پوری طرح نگہبانی کی جاتی ہے تو ایسا روزہ اپنے اثرات اس طرح چھوڑتا ہے جس کا قرآن یوں ذکر کرتا ہے:

Marfat.com

یَآاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا کُتِبَ عَلَیْکُمُ الصِّیَامُ کَمَا کُتِبَ عَلَی الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِکُمْ لَعَلَّکُمْ تَتَّقُوْنَ. (بقرہ:۱۸۳) ''مومنو! تم پر روزے فرض کئے گئے ہیں جس طرح تم سے پہلے لوگوں پر فرض کئے گئے تھے تاکہ تم پرہیزگار بن جاؤ۔''

حج اور زکوٰۃ کے ثمرات بھی تقویٰ کی صورت میں ملتے ہیں۔ جب ان میں بھی خلوص اور للٰہیت کا اظہار ہو۔ حج کے متعلق ارشاد ہوا:

وَتَزَوَّدُوا فَاِنَّ خَیْرَ الزَّادِ التَّقْوٰی. (البقرہ:۱۹۷) ''(اور دیکھو) سفر حج کے لئے زادِ راہ ساتھ لے جاؤ اور سب سے بہتر زادِ راہ تو پرہیزگاری ہے (یہی حج کی اصل روح ہے)۔''

زکوٰۃ کے متعلق ارشاد ہوا:

خُذْ مِنْ اَمْوَالِھِمْ صَدَقَةً تُطَھِّرُھُمْ وَتُزَکِّیْھِمْ بِھَا (التوبہ:۱۰۳) ''(اے نبیؐ) تم ان کے اموال میں صدقہ لے کر انہیں پاک صاف کرو۔''

۲) اعمال خیر سرانجام دینے سے دل تقویٰ سے لبریز رہتے ہیں جس کا ذکر سورۃ بقرہ کی آیت ۱۷۷ میں آیا ہے۔ اس کے علاوہ ہر نیک عمل اپنے اچھے اثرات چھوڑتا ہے۔ اور نیکیوں کو سرانجام دینے والے رحمت الٰہی کے امیدوار ٹھہرتے ہیں۔ ارشاد ہوتا ہے:

اِنَّ اللّٰہَ مَعَ الَّذِیْنَ اتَّقَوْا وَّالَّذِیْنَ ھُمْ مُّحْسِنُوْنَ. (النحل:۱۲۸) ''یقیناً اللہ ان لوگوں کے ساتھ ہے جو تقویٰ اختیار کرتے ہیں اور احسان پر عمل کرتے ہیں۔''

۳) قرآن و حدیث کی مجالس سے بھی دلوں پر نیکی کے اثرات ثبت ہوتے ہیں۔ اور تقویٰ کا مرکز دل ہوتے ہیں۔

۴) اللہ تعالیٰ کا کثرت سے ذکر اور اس کے حضور مسلسل اور پیہم دعائیں انسان کو راہِ راست پر رکھتی ہیں۔

ارشاد ہوتا ہے:

وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰہِ عَلَیْکُمْ وَرَحْمَتُهٗ مَا زَکٰی مِنْکُمْ مِّنْ اَحَدٍ اَبَدًا وَّلٰکِنَّ اللّٰہَ یُزَکِّیْ مَنْ یَّشَآءُ وَاللّٰہُ سَمِیْعٌ عَلِیْمٌ. (النور:۲۱) ''اگر اللہ کا فضل اور اس کا رحم و کرم تم پر نہ ہوتا، تو تم میں سے کوئی شخص پاک نہ ہو سکتا۔ مگر اللہ جسے چاہتا ہے پاک کر دیتا ہے اور اللہ سننے والا اور جاننے والا ہے۔''

Marfat.com

يَآاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوا اللّٰهَ ذِكْرًا كَثِيْرًا. وَّسَبِّحُوْهُ بُكْرَةً وَّاَصِيْلًا. (الاحزاب:۴۱-۴۲) ''اے ایمان والو! اللہ کا بہت زیادہ ذکر کیا کرو اور صبح وشام اس کی پاکی بیان کرو۔ ابرار وصالحین کے بارے میں آتا ہے کہ اٹھتے بیٹھتے، چلتے پھرتے، ہر حال اور ہر پہلو میں اللہ تعالیٰ کو یاد رکھتے ہیں۔ اس سے ان کے دلوں میں پاکیزگی رہتی ہے۔ پھر قرآن حکیم اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پاکیزہ دعائیں بڑی موثر ومجرب ہیں جنہیں یاد کر لینا چاہیے۔ چند درج کرتا ہوں:

رَبَّنَا هَبْ لَنَا مِنْ اَزْوَاجِنَا وَذُرِّيّٰتِنَا قُرَّةَ اَعْيُنٍ وَّاجْعَلْنَا لِلْمُتَّقِيْنَ اِمَامًا. (سورۃ فرقان:۷۴) ''اے ہمارے رب! ہمیں اپنی بیویوں اور اپنی اولاد سے آنکھوں کی ٹھنڈک دے اور ہم کو پرہیزگاروں کا امام بنا (تقویٰ اور اطاعت میں پیش پیش ہوں)۔''

اَللّٰهُمَّ آتِ نَفْسِىْ تَقْوَاهَا، وَزَكِّهَا اَنْتَ خَيْرُ مَنْ زَكّٰهَا، اَنْتَ وَلِيُّهَا وَمَوْلَاهَا. (مسلم۔ ریاض الصالحین۔ کتاب الدعوات) ''اے اللہ! میرے نفس کو تقویٰ سے آراستہ فرما۔ اس کا تزکیہ فرما دے تو ہی بہتر تزکیہ فرمانے والا ہے تو ہی اس کا نگہبان اور کارساز ہے۔''

اَللّٰهُمَّ مُصَرِّفَ الْقُلُوْبِ صَرِّفْ قُلُوْبَنَا عَلٰى طَاعَتِكَ (حوالہ: ایضاً) اے اللہ! اے دلوں کو پھیرنے والے ہمارے دلوں کو اپنی اطاعت کی طرف پھیر دے۔''

اَللّٰهُمَّ اهْدِنِىْ وَسَدِّدْنِىْ.

''اے اللہ مجھے ہدایت دے اور سیدھا رکھ (ہدایت پر استقامت عطا فرما)

Marfat.com

نماز میں خشوع کیوں اور کیسے؟

خشوع کا مفہوم:

امام راغب اصفہانی لکھتے ہیں: "الخشوع" کے معنی "ضَرَاعَةٌ" یعنی عاجزی کرنے اور جھک جانے کے ہیں مگر زیادہ تر خشوع کا لفظ جوارح اور ضَرَاعَتْ کا لفظ قلب کی عاجزی پر بولا جاتا ہے، اسی لیے ایک روایت میں ہے:

اِذَا ضَرَعَتِ الْقَلْبُ ، خَشَعَتِ الْجَوَارِحُ

"جب دل میں فروتنی اور عاجزی پیدا ہو تو اس کے اثرات اعضاء و جوارح سے رونما ہوتے ہیں۔" (مفردات القرآن)

امام ابن قیمؒ نے خشوع کی بڑی جامع تعریف کی ہے۔ لکھتے ہیں:

"خشوع ایسی کیفیت کا نام ہے کہ دل عاجزی و انکساری کے احساس کے ساتھ رب العالمین کے سامنے کھڑا ہو۔"

امام موصوف نے ایمان بھرے خشوع اور منافقانہ خشوع میں فرق ان الفاظ میں بیان کیا ہے:

"ایمان بھرا خشوع وہ ہے جس میں دل اللہ کے حضور ڈر رہا ہو، اس کی عظمت اور جلال کی وجہ سے، ہیبت اور حیا کے ساتھ...... چنانچہ دل خوف، شرمندگی، محبت اور حیا کے ساتھ ٹوٹا جا رہا ہو، اللہ کی نعمتیں یاد کرنے کے ساتھ ساتھ اپنی کوتاہیوں کا بھی اعتراف ہو، نتیجتاً دل میں لازماً خشوع پیدا ہو جائے گا اور دل میں خشوع کے نتیجے میں اعضاء و جوارح پر بھی خشوع طاری ہو جائے گا۔ اس کے برعکس منافقانہ خشوع یہ ہوتا ہے کہ جسمانی اعضا پر تو بناوٹی اور منافقانہ خشوع نظر آتا ہے مگر دل میں خشوع کی کیفیت نہیں ہوتی۔"...

(مدارج السالکین بحوالہ سببا للخشوع فی الصلاۃ ترجمہ: ابو عبد الرحمن شبیر بن نور)

Marfat.com

وَقُوۡمُوۡا لِلّٰہِ قٰنِتِیۡنَ (البقرہ:۲۳۸)۔"اللہ کے حضور عاجزی سے کھڑے رہو۔"

اس کی تفسیر کرتے ہوئے حضرت مجاہد "قنوت" کا مفہوم ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں " قنوت یہ ہے کہ اللہ کے خوف کی وجہ سے جسم پرسکون ہو، دل ڈر رہا ہو، آنکھیں جھکی ہوئی ہوں اور پہلو نرم پڑ چکے ہوں۔" (قدر الصلوۃ للمروزی بحوالہ ایضاً)

قرآن حکیم میں ہے:

قَدۡ اَفۡلَحَ الۡمُؤۡمِنُوۡنَ o الَّذِیۡنَ هُمۡ فِیۡ صَلَاتِهِمۡ خَاشِعُوۡنَ (المومنون:۱۔۲)

"یقیناً وہ مومن فلاح پاگئے جو اپنی نماز میں خشوع رکھنے والے ہیں۔"

مولانا محمد حنیف ندویؒ نے اس پر بڑی عمدہ گفتگو کی ہے۔ لکھتے ہیں:

"نماز حقیقی معنوں میں اس وقت نماز کہلا سکتی ہے جب اس میں خشوع وخضوع کا احساس پایا جاتا ہے، جب انسان اپنے اعضاء وجوارح اور قلب وذہن سے اپنی فروتنی، اپنا عجز اور اللہ تعالیٰ کی جلالتِ قدر کے جذبات لیے ہوئے ہو اور اس بات پر یقین رکھتا ہو کہ میری روحانی، ذہنی اور فکری تکمیل اس وقت تک ممکن ہی نہیں جب تک کہ میں اللہ تعالیٰ کی عظمت وکمال اور اپنی کم مائیگی کا اعتراف نہیں کرتا۔ یعنی عبودیت اور اُلوہیت میں فرق کو محسوس کیے بغیر اللہ تعالیٰ کی ذات گرامی ہمارے لیے سرچشمۂ ہدایت اور نمونہ قرار نہیں پاتی اور نہ یہ ہمارے لیے ممکن ہے کہ ہم اپنے حدودِ اختیار وادراک سے آگاہ ہوسکیں۔" (لسان القرآن، ج:۱)

احساسِ عبودیت:

گویا نماز میں خشوع وخضوع پیدا کرنے کے لیے اصولی اور بنیادی بات یہ ہے کہ نمازی کے دل میں اس بات کا گہرا یقین پیدا ہو کہ جس کے آگے اپنی جبین نیاز جھکا رہا ہوں وہ میرا خالق اور معبودِ حقیقی ہے، میں اس کا بندہ اور غلام ہوں۔ وہ آقا اتنا مہربان اور مشفق ہے کہ اس نے مجھے یہ زندگی اور زندگی کی تمام نعمتوں سے نوازا ہے اور شب وروز اس کے احسانات کی مجھ پر بارش ہوتی رہتی ہے۔ جب دل اس خیال سے سرشار ہو جائے گا تو اس کے جسم کا رُواں رُواں عجز وخلوص کے ساتھ اپنے رب کے حضور بچھ جائے گا۔ ایسی نماز میں ہی سرور وگداز پیدا ہوگا اور یہی نماز خشوع وخضوع کا باعث ہوگی اور یہی نماز فوز وفلاح کا مژدہ بنے گی۔ خشوع پیدا کرنے میں چند باتیں مفید ہوسکتی ہیں:

Marfat.com

نماز کی حفاظت:

قرآن حکیم نے نمازوں کی حفاظت پر زور دیتے ہوئے کہا ہے:

حٰفِظُوْا عَلَى الصَّلَوٰتِ وَالصَّلٰوةِ الْوُسْطٰى (البقرہ:۲۳۸)

''اپنی سب نمازوں کی حفاظت کرو خصوصاً درمیانی نماز (یعنی نماز عصر) کی''

اور اہل ایمان کے بارے میں ارشاد ہوتا ہے:

وَ هُمْ عَلٰى صَلَاتِهِمْ يُحَافِظُوْنَ (الانعام:۹۲)

''اور وہ اپنی نمازوں کی حفاظت کرتے ہیں۔''

ظاہر ہے کہ نمازوں کی حفاظت میں بہت سی باتیں آجاتی ہیں۔ اوقات اور جماعت کی پابندی، باقاعدگی اور ترتیب سے ادائیگی نیز اس میں شوق اور رغبت کا پہلو بھی مضمر ہے۔ کیونکہ کسی اچھی چیز کی حفاظت اسی وقت کی جاتی ہے جب کہ اس سے لگن اور دلچسپی ہو، ابرار و صالحین کے بارے میں آتا ہے:

تَتَجَافٰى جُنُوْبُهُمْ عَنِ الْمَضَاجِعِ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ خَوْفًا وَّ طَمَعًا (السجدہ:۱۶)

''(رات کا کچھ حصہ نیند لینے کے بعد) ان کے پہلو بستروں سے الگ ہو جاتے ہیں وہ اپنے رب کو خوف اور امید سے پکارتے ہیں۔''

حافظ عتیق الرحمٰن کیلانی لکھتے ہیں:

''ایک مومن کی زندگی خوف اور امید کا حسین امتزاج ہوتی ہے۔ خوف اس بات کا کہ ہمارے گناہ بخشے بھی گئے ہیں یا نہیں؟ کہیں ہمیں جہنم ہی میں نہ جھونک دیا جائے اور اللہ تعالیٰ سے حسنِ ظن کہ اللہ ہمارے سب گناہ بخش کر ہمیں اپنی رحمت سے نواز دے گا، تاہم امید کا پہلو ہمیشہ راجح ہونا چاہیے۔''

پھر ایسے ہی وہ لوگ ہیں جنھیں کاروبار کی مشغولیت بھی نماز ادا کرنے سے نہیں روکتی، جوں ہی مؤذن کی صدائے دلنواز ان کے کانوں میں پڑتی ہے، یہ ملازمت ہو یا کاروبار، اسے چھوڑ چھاڑ کر کشاں کشاں اپنے یہاں کی مسجد کی طرف چل پڑتے ہیں۔

رِجَالٌ لَّا تُلْهِيْهِمْ تِجَارَةٌ وَّ لَا بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ وَ اِقَامِ الصَّلٰوةِ وَ اِيْتَآءِ الزَّكٰوةِ (النور:۳۷)

Marfat.com

''(یہ وہ لوگ ہیں) جنھیں اللہ کے ذکر، اقامتِ صلوٰۃ اور ادائے زکوٰۃ سے نہ تجارت غافل کرتی ہے اور نہ خرید وفروخت (بلکہ ذوق وشوق سے یہ فرائض ادا کرتے ہیں)''

پھر نماز عاجزی کرنے والوں کے لیے ٹھنڈک اور طمانینت کا باعث بنتی ہے۔ جنھیں اپنے خالق ومالک سے ملنے کی قوی امید ہوتی ہے۔ انھیں حکم ہوتا ہے کہ مشکلات ومصائب میں صبر اور نماز کو کبھی نہ بھولیں:

وَاسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ ، وَ اِنَّهَا لَكَبِيْرَةٌ اِلَّا عَلَى الْخٰشِعِيْنَ ، الَّذِيْنَ يَظُنُّوْنَ اَنَّهُمْ مُّلٰقُوْا رَبِّهِمْ وَاَنَّهُمْ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ (البقرۃ:۴۵،۴۶)

''صبر اور نماز سے مدد لو، بے شک نماز ایک مشکل کام ہے، مگر ان فرماں بردار بندوں کے لیے مشکل نہیں ہے جو سمجھتے ہیں کہ آخر کار انھیں اپنے رب سے ملنا اور اسی کی طرف پلٹ کر جانا ہے۔''

احسان کی کیفیت:

احسان کی کیفیت رسول اللہ ﷺ نے ان الفاظ میں بیان فرمائی ہے:

اَنْ تَعْبُدَ اللّٰهَ كَاَنَّكَ تَرَاهُ ، فَاِنْ لَّمْ تَكُنْ تَرَاهُ فَاِنَّهٗ يَرَاكَ

(بخاری بحوالہ سبباً لِلخشوع فی الصّلاۃ)

''تم اللہ کی عبادت اس طرح کرو، گویا تم اسے اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہو، اگر یہ کیفیت پیدا نہیں ہوتی تو کم سے کم یہ خیال ضرور رہے کہ وہ تم کو دیکھ رہا ہے۔''

اس میں پہلا درجہ کمال کا ہے ''كَاَنَّكَ تَرَاهُ'' اور دوسرا درجہ ''فَاِنَّهٗ يَرَاكَ'' یہ بھی اجر وثواب سے خالی نہیں ہے۔

مولانا محمد منظور نعمانی اس کی تشریح میں لکھتے ہیں:

''ہماری زبان اور ہمارے محاورہ میں تو ''احسان'' کے معنی کسی کے ساتھ اچھا سلوک کرنے کے ہیں، لیکن یہاں جس احسان کا ذکر ہے، وہ اس کے علاوہ ایک خاص اصطلاح ہے اور اس کی حقیقت وہی ہے جو حدیث زیر تشریح میں رسول اللہ ﷺ نے بیان فرمائی یعنی اللہ تعالیٰ کی بندگی اس طرح کرنا جیسے کہ وہ قہار وقدوس اور ذوالجلال والجبروت ہماری آنکھوں کے سامنے ہے اور گویا ہم اس کو دیکھ رہے ہیں۔

Marfat.com

اس کو یوں سمجھیے کہ غلام ایک تو اپنے آقا کے احکام کی تعمیل اس وقت کرتا ہے جب وہ اس کے سامنے موجود ہو، اور اس کو یقین ہو کہ وہ مجھے اچھی طرح دیکھ رہا ہے اور ایک رویہ اس کا اس وقت ہوتا ہے جب کہ وہ آقا کی غیر موجودگی میں کام کرتا ہے۔ عموماً ان دونوں وقتوں کے طرز عمل میں فرق ہوتا ہے اور عام طور سے یہی ہوتا ہے کہ جس قدر دلی دھیان اور محنت اور خوبصورتی کے ساتھ وہ آقا کی آنکھوں کے سامنے کام کرتا اور جس خوش اسلوبی سے اس وقت وظائفِ خدمت کو انجام دیتا ہے، مالک کی عدم موجودگی میں اس کا حال وہ نہیں ہوتا، یہی حال بندوں کا اپنے حقیقی مولا کے ساتھ بھی ہے۔ جس وقت بندہ یہ محسوس کرے کہ میرا وہ مولا حاضر ناظر ہے۔ میرے ہر کام، بلکہ میری ہر ہر حرکت اور ہر ہر سکون کو وہ دیکھ رہا ہے، تو اس کی ایک خاص کیفیت اور اس کی بندگی میں ایک خاص شانِ نیازمندی ہوگی، جو اس وقت نہیں ہو سکتی جب کہ اس کا دل اس تصور اور اس احساس سے خالی ہو۔" (معارف الحدیث، ج:۱)

"احسان" کی یہ کیفیت صرف نماز میں ہی نہیں بلکہ اس کا تعلق پوری زندگی سے ہے اور ہر معاملے میں اور ہمہ وقت یہ بات پیش نظر رہے کہ میں اپنے خالق و مالک کو دیکھ رہا ہوں یا کم از کم یہ جانے کہ وہ مجھے دیکھ رہا ہے اور میں کوئی بھی کام ایسا نہ کروں جو اس کی ناراضی کا سبب بنے، تو یہی بندگیِ رب کا صحیح مفہوم ہے۔

نماز میں اطمینان وسکون:

رسول اللہ ﷺ نماز میں پرسکون طریقے سے کھڑے ہوتے ہیں، یہاں تک کہ ہر ہڈی اور ہر جوڑ اپنی طبعی جگہ پر آ جاتا، نماز میں کوتاہی کرنے والے کو بھی آپ ﷺ نے اطمینان وسکون کا حکم دیا ہے اور فرمایا:

لَا تَتِمُّ صَلَاةُ اَحَدِكُمْ حَتّٰى يَفْعَلَ ذٰلِكَ

(سنن ابی داؤد، کتاب الصلاة، بحواله سببا للخشوع فی الصلاة)

"تم میں سے کسی کی نماز اس وقت تک پوری نہیں ہوگی، جب تک وہ اس طرح نماز ادا نہ کرے (یعنی پرسکون اور اطمینان سے نماز ادا کرے)

خشوع وخضوع حاصل کرنے اور آدابِ بندگی کے لیے یہ ضروری امر ہے۔

نمازی اپنے رب سے ہمکلام ہوتا ہے:

حدیث مبارک میں رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

اِنَّ الْمُصَلِّیَ یُنَاجِیْ رَبَّهٗ ، فَلْیَنْظُرْ مَا یُنَاجِیْهِ بِهٖ

(مشكوة، كتاب الصلاة ، باب القراءة)

"بلاشبہ نمازی اپنے رب سے ہمکلام ہوتا ہے، اسے جاننا چاہیے کہ وہ کیا کلام کررہا ہے۔"

اس لیے سورۃ الفاتحہ اور دوسری آیات کو ٹھہر ٹھہر کر پڑھنا، جنت کی آیات آجائیں تو دل ہی دل میں اللہ تعالیٰ سے اس کی آرزو کرنا اور اللہ کے حضور اس کے حصول کی التجا کرنا، دوزخ اور وعید کی آیات آجائیں تو استعاذہ کرنا نماز کو بڑا قیمتی بنا دیتا ہے، رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

"میں نے نماز کو اپنے اور اپنے بندے کے درمیان آدھا آدھا تقسیم کر رکھا ہے اور میرے بندے کا ہے جو وہ مانگ لے، پس جب بندہ کہتا ہے: "اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ" اللہ تعالیٰ کہتا ہے، میرے بندے نے میری تعریف کی ہے اور جب بندہ "الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ" کہتا ہے تو اللہ فرماتا ہے: "میرے بندے نے میری ثنا بیان کی" اور جب بندہ "مٰلِكِ یَوْمِ الدِّیْنِ" کہتا ہے تو اللہ تعالیٰ کہتا ہے "میرے بندے نے میری بزرگی بیان کی ہے" اور جب بندہ کہتا ہے: "اِیَّاكَ نَعْبُدُ وَ اِیَّاكَ نَسْتَعِیْنُ" اللہ تعالیٰ کہتا ہے، یہ میرے اور بندے کے درمیان ہے، اور میرے بندے نے جو مانگ لیا، وہ اس کا ہے" اور جب بندہ کہتا ہے: "اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ ، صِرَاطَ الَّذِیْنَ اَنْعَمْتَ عَلَیْهِمْ، غَیْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَیْهِمْ وَ لَا الضَّآلِّیْنَ" اللہ تعالیٰ کہتا ہے: "یہ میرے بندے کا حق ہے اور جو میرے بندے نے مانگ لیا وہ اس کا ہوا۔"

(صحيح مسلم ، كتاب الصلاة ، بحواله ايضاً)

یہ اتنی خوبصورت حدیث ہے کہ اسے بار بار پڑھیے اور آئندہ یہ عزم کر لیجیے کہ سورۃ الفاتحہ کو بڑے غور سے آہستہ آہستہ پڑھنا ہے اور اس کی ہر آیت پر ٹھہرنا اور غور کرتے جانا ہے۔

اپنی ہر نماز کو زندگی کی آخری نماز سمجھنا:

حضرت ابوایوب انصاری ؓ کو وصیت کرتے ہوئے رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا تھا:

اِذَا قُمْتَ فِیْ صَلَاتِكَ فَصَلِّ صَلَاةَ مُوَدِّعٍ "جب تم نماز کے لیے کھڑے ہو تو اسے الوداعی نماز سمجھ کر ادا کیا کرو۔" (مسند احمد، كتاب الزهد ،بحواله ايضاً)

Marfat.com

اب اگر ہر نمازی اس شعور سے نماز ادا کرے کہ یہ میری زندگی کی آخری نماز ہے تو اس پر بھلا خشوع و خضوع اور گریہ وزاری کی کیفیت کیوں طاری نہ ہوگی؟ گفتگو کو سمیٹتے ہوئے خشوع کے سلسلہ میں چند اور باتوں کو اختصار سے یوں بیان کر سکتے ہیں:

۱۔ جسم ولباس اور جائے نماز کی پاکیزگی

۲۔ نمازوں کو ذوق وشوق اور پابندی سے سنت نبویؐ کے مطابق ادا کرنا، مردوں کے لیے جماعت کی پابندی لازمی ہے اور وہ صف اوّل میں شامل ہونے کی کوشش کریں۔

۳۔ مسواک کے ساتھ وضو اچھی طرح کرنا۔

۴۔ صفیں سیدھی بنانا اور مل کر کھڑے ہونا۔

۵۔ نماز اطمینان اور سکون سے پڑھنا اور تلاوت کردہ آیات پر غور وفکر کرنا۔

۶۔ کھلی جگہ میں سترے (اوٹ) کا اہتمام کرنا۔

۷۔ دائیں ہاتھ کو بائیں ہاتھ پر رکھنا، عجز کا نشان ہے۔

۸۔ سجدہ گاہ پر نظر ٹکائے رکھنا۔

۹۔ مختلف قرآنی سورتوں اور آیات کو بدل بدل کر پڑھنا اور سجدہ تلاوت آجائے تو اسے ادا کرنا۔ تاکہ احکام الٰہی دل پر ثبت ہوتے رہیں۔

۱۰۔ رکوع وسجود کو نہایت اطمینان سے ادا کرنا۔

۱۱۔ نماز میں شیطانی وساوس پریشان کریں تو "أَعُوذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ" پڑھ کر تین دفعہ بائیں طرف (دل کے قریب) تھوتھو کر دیا جائے۔

۱۲۔ نماز کے دوران داڑھی یا انگلیوں کے ساتھ کھیلنے سے اجتناب کرنا۔

۱۳۔ بھوک ستا رہی ہو اور کھانا سامنے آجائے یا سخت تھکاوٹ اور نیند کا غلبہ ہو تو پہلے بھوک کا بندوبست کرنا اور نیند لے کر نماز ادا کرنا۔

۱۴۔ بیت الخلا کی ضرورت روک کر بھی نماز پڑھنا ناپسندیدہ ہے۔

۱۵۔ نماز کی جگہ سادہ اور صاف ستھری ہونی چاہیے، تصاویر اور نقش ونگار والے پردے بھی نہیں ہونے چاہییں کہ اس سے خشوع وخضوع میں فرق آتا ہے۔

۱۶۔ نماز کے دوران دائیں بائیں یا آسمان کی جانب نظر اٹھانا منع ہے اور یہ خشوع کے لیے مانع

Marfat.com

ہے۔اسی طرح جمائی کو حتی الوسع روکنا چاہیے، نیز کپڑا لٹک رہا ہو تو اسے باندھ لینا چاہیے۔

سلف صالحین کی حالتِ نماز

خشوع وخضوع سے ادا کی ہوئی نماز بہت زیادہ فضیلت ودرجات اور اجروثواب رکھتی ہے اور جس کے حصے میں اس طرح نماز ادا کرنا آ جائے وہ بڑا ہی خوش نصیب ہے۔ پھر جس طرح سے ورزش اور حفظان صحت کے اصولوں کی نگہبانی سے کوئی شخص جسمانی لحاظ سے مضبوط اور توانا ہو جاتا ہے اسی طرح روح کی نگہداشت اور حفاظت سے وہ روحانی طور پر تومند رہتا ہے اور طہارت روحانی سے ہی دل میں طمانیت اور یکسوئی پیدا ہوتی ہے اور یہی بات خشوع کا سبب بنتی ہے۔ انبیاء علیہم السلام کو یہ بات بدرجہ اتم نصیب ہوتی ہے پھر ابرار وصالحین کے حصے میں یہ بات آتی ہے۔

رسول اللہ ﷺ قیام اللیل میں لمبی لمبی سورتیں مثلاً، سورۃ البقرہ، آل عمران، المائدہ، اور الانعام وغیرہ پڑھتے تھے اور جس قدر وقت قیام میں صرف ہوتا تھا اتنا ہی وقت رکوع وسجود میں بھی صرف فرماتے تھے، اس لیے اس قدر طویل اور پرسکون نماز میں وہی شخص شریک ہو سکتا تھا جس کا دل شوقِ عبادت اور شوقِ اقتدائے رسول سے لبریز ہو، صحابہ کرام اسی قسم کا شوق عبادت اور شوق اقتدائے رسول رکھتے تھے، اس لیے آپ کے ساتھ شریکِ نماز ہو کر اس دولت سے بہرہ اندوز ہوتے تھے۔ چنانچہ حضرت عوف بن مالک ؓ ایک بار آپ کے ساتھ تہجد میں شریک ہوئے۔ آپ ﷺ نے پہلی رکعت میں سورۃ بقرہ اور دوسری میں آل عمران پڑھی اور ذوقِ عبادت میں کھڑے رہے اگر کوئی خوف کی آیت آ جاتی تو اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے اور اس سے پناہ مانگتے، اسی طرح اگر کوئی بشارت آمیز آیت آتی تو دعا کرتے اور اس کی خواہش فرماتے۔

یہ شوق اس قدر ترقی کر گیا تھا کہ چھوٹے چھوٹے بچوں کا دل بھی اس سے خالی نہ تھا، حضرت عبداللہ بن عباس عہدِ نبوت میں بہت چھوٹی عمر کے تھے، لیکن اس شوق میں ایک رات اپنی خالہ (ام المومنین) بی بی میمونہ کے پاس سوئے، آدھی رات ہوئی تو آپ ﷺ نے اٹھ کر پہلے آل عمران کی چند آیات تلاوت فرمائیں، پھر وضو فرما کر نماز شروع کی، حضرت عبداللہ بن عباس ؓ نے بھی یہ اعمال انجام دیئے اور آپ ﷺ کے پہلو میں کھڑے ہو کر نماز ادا کی۔

(اسوہ صحابہ۔ عبد السلام ندوی)

حضرت ابو بکرؓ اس خشوع وخضوع کے ساتھ نماز اور قرآن پڑھتے کہ ان پر شدت سے گریہ طاری ہو جاتا اور کفار کی عورتوں اور بچوں پر اس کا اثر پڑتا۔

حضرت عمرؓ نماز میں اس شدت سے روتے کہ پچھلی صف کے لوگ رونے کی آواز سنتے، حضرت عبداللہ بن شداد کا بیان ہے کہ ''میں باوجودیکہ پچھلی صف میں رہتا تھا لیکن حضرت عمرؓ کے رونے کی آواز سنتا تھا۔''

حضرت تمیم داریؓ ایک رات تہجد کے لیے کھڑے ہوئے تو صرف ایک آیت: اَمْ حَسِبَ الَّذِيْنَ اجْتَرَحُوا السَّيِّاٰتِ اَنْ نَّجْعَلَهُمْ كَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ، سَوَآءً مَّحْيَاهُمْ وَ مَمَاتُهُمْ، سَآءَ مَا يَحْكُمُوْنَ (الجاثیہ:۲۱)

کی قراءت میں صبح کردی، اسی کو بار بار پڑھتے تھے، رکوع کرتے تھے، سجدے میں جاتے تھے اور روتے تھے۔[أسد الغابه، حواله ايضاً]

سخت سے سخت تکلیف کی حالت میں صحابہ کرام کی نماز میں یہ محویت اور خشوع قائم رہتا تھا، ذرا اس واقعہ پر غور کیجئے۔

دو بہادر صحابی ایک پہاڑ کے درّے میں رسول اللہ ﷺ کی حفاظت پر مامور تھے، ان میں سے ایک بزرگ مصروف نماز ہوئے تو اسی حالت میں ایک انتقام کیش مشرک آیا، اور ان کے جسم میں تین تیر لگائے، لیکن انھوں نے نماز کو قائم رکھا۔ ان کے دوسرے رفیق سو گئے تھے، بیدار ہوئے اور ان کے خون آلود زخم دیکھے تو کہا: مجھے پہلے ہی کیوں نہ جگایا؟ بولے کہ میں نماز میں ایک سورۃ پڑھ رہا تھا جس کا ناتمام چھوڑنا مجھ کو پسند نہ آیا۔ (ابو داؤد، کتاب الطهارة، بحواله ايضاً)

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے نماز میں خشوع کا یہ عالم تھا کہ اگر دنیاوی اشیاء میں سے کوئی پسندیدہ چیز حضورِ نماز میں خلل انداز ہوتی تو انھیں اس کی بری طرح تشویش ہو جاتی تھی ذرا اس واقعہ پر غور کیجیے۔

''ایک دن ابوطلحہ انصاری اپنے باغ میں نماز پڑھ رہے تھے، ایک چڑیا اڑتی ہوئی آئی اور چونکہ باغ بہت گھنا تھا اور کھجوروں کی شاخیں باہم ملی ہوئی تھیں پھنس گئی اور نکلنے کی راہیں ڈھونڈنے لگی، ان کو باغ کی شادابی اور اس کی اچھل کود یہ منظر بہت پسند آیا اور اس کو تھوڑی دیر تک دیکھتے رہے، پھر نماز کی طرف توجہ کی تو یہ یاد نہ آیا کہ کتنی رکعتیں پڑھی ہیں، دل میں کہا کہ ''اس باغ نے یہ

Marfat.com

فتنہ پیدا کیا، فوراً رسول ﷺ کی خدمت میں آئے اور واقعہ بیان کرنے کے بعد کہا: یارسول اللہ! (ﷺ) میں اس باغ کو صدقہ کرتا ہوں۔" (موطا امام مالک، کتاب الصلوٰۃ، حوالہ ایضاً)

اسی خشوع وخضوع کا یہ نتیجہ تھا کہ صحابہ کرام نہایت سکون واطمینان کے ساتھ نماز ادا فرماتے تھے، حضرت انسؓ رکوع کے بعد قیام میں اور دونوں سجدوں کے درمیان اس قدر دیر لگاتے کہ لوگ سمجھتے کہ کچھ بھول گئے ہیں۔ (بخاری، کتاب الصلوٰۃ، حوالہ ایضاً)

یہ تو خیران پاکبازوں کا حال تھا جنھیں رسول اللہ ﷺ کی رفاقت کا شرف نصیب ہوا، اس کے بعد امت میں کتنے ہی ابرار وصالحین گذرے ہیں جن کا خشوع وخضوع اخلاص پر مبنی تھا۔

حضرت سلمہ بن بشارؒ مسجد میں نماز پڑھ رہے تھے، اچانک مسجد کا ایک حصہ گر گیا، لوگ بھاگ کھڑے ہوئے اور وہ نماز پڑھتے رہے۔ انھیں خبر ہی نہ ہوئی۔

(سببا للخشوع فی الصلوة، علامه محمد صالح المنجد)

ایک صاحب جب نماز کے لیے وضو کرتے تو ان کا رنگ پیلا پڑ جاتا، کسی نے پوچھا، جب آپ نماز کے لیے وضو کرتے ہیں تو آپ کی حالت بگڑ جاتی ہے، کیا ماجرا ہے؟ انھوں نے جواب دیا: "مجھے خوب خبر ہے کہ کس کے سامنے حاضری دینے جارہا ہوں۔" (سببا للخشوع فی الصلوٰة)

حضرت سعید التنوخیؒ جب نماز کے لیے کھڑے ہوتے تو آپ کے آنسو رخساروں سے گذرتے ہوئے مسلسل داڑھی تک گرتے رہتے۔ (حوالہ ایضاً)

جناب عامر بن عبدالقیسؒ سے لوگوں نے پوچھا کیا تم دورانِ نماز اپنے من سے باتیں کرتے ہو؟ انھوں نے کہا: کیا کوئی چیز نماز سے بھی زیادہ محبوب ہوسکتی ہے کہ نماز چھوڑ کر اس کی باتیں کروں؟" (حوالہ ایضاً)

ابوبکر الصبغی بیان کرتے ہیں کہ میں نے دو اماموں کا زمانہ پایا، لیکن ان سے حدیث نہیں سن سکا۔

۱۔ امام ابوحاتم الرازی......۲۔ امام محمد بن نصر المروزی رحمۃ اللہ علیہم

امام محمد بن نصر سے زیادہ خوبصورت نماز پڑھنے والا میں نے نہیں دیکھا، مجھے معلوم ہوا کہ بھڑ ان کی پیشانی پر بیٹھ گیا اور اس کے کاٹنے کی وجہ سے خون آپ کے چہرے پر بہنے لگا، لیکن آپ نے کوئی جنبش اور حرکت تک نہ کی۔

Marfat.com

شیخ الاسلام امام ابن تیمیہؒ کا نماز میں یہ حال تھا کہ اعضاء کانپ رہے ہوتے اور دائیں بائیں ڈولتے رہتے۔

خاندان غزنویہ کے سالار جناب عبداللہ غزنوی کی سیرت میں عاجز نے پڑھا تھا کہ ان کی ٹانگ پر پھوڑا بنا جس کا چیرے (اپریشن) کے بغیر چارہ نہ تھا۔ جراح حضرات نے انھیں اس بات کی طرف مائل کرنے کی بھرپور کوشش کی، بالآخر وہ اس بات پر راضی ہوئے کہ وہ نماز کے لیے کھڑے ہو جائیں گے اور دورانِ نماز ہی جو کچھ کرنا ہے وہ کرلیں چنانچہ دوران نماز ہی ان کی سرجری ہوئی مگر انھوں نے کوئی حرکت نہ کری اور سلام پھیرنے سے پہلے، وہ سرجری مکمل ہو چکی تھی۔

بانی ہفت روزہ ''الاعتصام'' مولانا محمد عطاء اللہ حنیفؒ ایک طویل عرصہ مبارک مسجد (اسلامیہ کالج) لاہور جمعۃ المبارک میں خطابت کے فرائض انجام دیتے رہے، عاجز کو متعدد باران کا خطبہ سننے اور نماز جمعہ پڑھنے کا اتفاق ہوا، نماز کی دوسری رکعت میں سورۃ الغاشیہ (جس میں قیامت کی منظر کشی ہے) پڑھتے ہوئے ان کی روتے روتے ہچکی بندھ جاتی اور پیچھے کھڑے کتنے ہی نمازیوں کی آنکھوں سے بے اختیار آنسو رواں ہو جاتے تھے۔

میرے استاد محترم حافظ محمد شریف (فاضل عربی فاضل فارسی) اندرون شہر، لاہور کی تاریخی مسجد چینیاں والی میں سالہا سال رمضان المبارک میں نماز تراویح پڑھاتے رہے انھیں قرآن حکیم پر بلا کا ضبط تھا اور معانی و مطالب پر پوری طرح عبور، عاجز نے متعدد باران کے پیچھے نماز تراویح ادا کی، مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ آیاتِ عذاب پر بے اختیار روتے اور نمازیوں کو بھی رلاتے تھے۔

معروف عالم دین سید محمد داؤد غزنویؒ کو اللہ تعالیٰ نے بڑی خوبیوں سے نوازا تھا۔ وہ خوش شکل اور خوش لباس تھے، ان کی طبیعت میں انتہائی نفاست اور پاکیزگی تھی اور پھر نماز اور قراءت میں عجیب سوز و گداز تھا اور اس کے اثرات نمازیوں پر پڑتے تھے، عاجز کو کئی بار مدرسہ تقویۃ الاسلام اور پھر چینیاں والی مسجد میں ان کے خطبات سننے اور ان کے پیچھے نماز پڑھنے کا اتفاق ہوا اور ہر بار نماز میں عجب حلاوت اور مٹھاس محسوس ہوئی، امام اگر خاشع اور متقی ہو تو مقتدیوں پر یقیناً اس کے اچھے اثرات مرتب ہوتے ہیں۔

مولانا احمد علی لاہوری نہایت ہی متقی اور پرہیزگار شخص تھے، جامع مسجد اندرون دروازہ

شیراں والہ میں نصف صدی سے زائد ان کی دینی خدمات ہمیشہ یادرہیں گی، استقامت اور مداومت ان کی زندگی کا خاصہ تھا، گرمی ہو یا سردی، طوفان ہو یا موسلا دھار بارش، ان کے معمولات میں فرق نہ آتا تھا، ان کے جمعۃ المبارک کے خطبات اور صبح کا درسِ قرآن جس پابندی اور باقاعدگی سے ہوا، وہ اپنی مثال آپ ہے، وہ ہر نماز کے لیے مسجد میں سب سے پہلے پہنچتے اور سب سے آخر میں جاتے، وہ سنن ونوافل کی ادائیگی میں نیز ذکر واذکار میں انتہائی خشوع وخضوع کے ساتھ دیر تک مصروف رہتے تھے۔

اللہ تعالیٰ ان سب کے درجات بلند فرمائے اور انھیں اجرِ عظیم سے نوازے اور ہمیں ان کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔

اَللّٰھُمَّ اغْفِرْلَنَا وَ لِاِخْوَانِنَا الَّذِیْنَ سَبَقُوْنَا بِالْاِیْمَانِ وَ لَا تَجْعَلْ فِیْ قُلُوْبِنَا غِلًّا لِّلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا، رَبَّنَآ اِنَّکَ رَءُوْفٌ رَّحِیْمٌ

”اے ہمارے رب! ہمیں اور ہمارے ان سب بھائیوں کو بخش دیجیے جو ہم سے پہلے ایمان لائے ہیں اور ہمارے دلوں میں اہل ایمان کے لیے کوئی بغض نہ رکھیے، اے ہمارے رب! آپ تو بڑے مہربان اور رحیم ہیں۔“

Marfat.com

قرآن زندگی کو تابندگی عطا کرتا ہے

عزم

وَاِنْ تَصْبِرُوْا وَتَتَّقُوْا، فَاِنَّ ذٰلِکَ مِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ (اٰل عمران:۱۸۶)

''اگر تم صبر کرو اور تقوی اختیار کرو تو یہ بڑے حوصلہ کا کام ہے۔''

مصائب و تکالیف میں صبر و ثبات سے کام لینا اور اللہ تعالیٰ کا خوف رکھتے ہوئے، کوئی کام اس کی رضامندی کے خلاف نہ کرنا، زندگی کو کامیاب بنانے کا وہ سنہری اصول ہے جس کی رب کریم نے تعریف فرمائی ہے۔

مصائب میں روشنی کا سامان

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اسْتَعِیْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ، اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِیْنَ (البقرہ:۱۵۳)

''اے ایمان والو! صبر اور نماز سے مدد لو اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔''

مشکلات کے ہجوم میں اپنی جبین نیاز کو اللہ کے در پر جھکا دینا بہت سی پریشانیوں سے نجات پانے کا ذریعہ ہوتا ہے۔

کوشش

وَاَنْ لَّیْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰی (النجم:۳۹)

''اور یہ کہ انسان کو صرف اپنی ہی کوشش کا صلہ ملے گا۔''

قرآن حکیم نے حقیقت پر مبنی کامیابی کیلئے ایسا عالمگیر اصول بتایا ہے کہ اس سے ہر امیر غریب چھوٹا بڑا کسی بھی ملک اور خاندان کا شخص فائدہ اٹھا سکتا ہے۔

ایمان سے کوشش کامیاب ہو جاتی ہے

Marfat.com

وَمَنْ اَرَادَ الْاٰخِرَةَ وَسَعٰى لَهَا سَعْيَهَا وَهُوَ مُؤْمِنٌ، فَاُولٰٓئِكَ كَانَ سَعْيُهُمْ مَشْكُوْرًا (بنی اسرائیل:۱۹)

''اور جو شخص آخرت کا خواستگار ہو اور اُس کے لئے اتنی کوشش کرے جو اس کا حق ہے اور وہ مومن بھی ہو تو ایسے لوگوں کی کوشش ٹھکانے لگی ہے۔''

اللہ تعالیٰ پر کامل یقین اور ایمان اور اُس کے احکام کی پیروی ہماری کوشش کو صحیح اور درست راہ عطا کرتی ہے۔

ثابت قدمی

اِنَّ الَّذِيْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ، ثُمَّ اسْتَقَامُوْا تَتَنَزَّلُ عَلَيْهِمُ الْمَلٰٓئِكَةُ اَلَّا تَخَافُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَبْشِرُوْا بِالْجَنَّةِ الَّتِيْ كُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ (حٰم السجدہ:۳۰)

''جن لوگوں نے کہا کہ اللہ ہی ہمارا رب ہے اور پھر وہ اس پر ثابت قدم رہے یقیناً (موت کے وقت) اُن پر فرشتے نازل ہوتے ہیں اور اُن سے کہتے ہیں ''نہ ڈرو، نہ غم کرو اور خوش ہو جاؤ، اُس جنت کی بشارت سے جس کا تم سے وعدہ کیا گیا ہے۔''

غور کیجئے کہ ایمان اور صداقت پر ڈٹ جانے کا کتنا بڑا صلہ ہے اس کے لئے عزم و یقین، جرأت اور دلیری کی ضرورت ہوتی ہے۔ سب سے بڑھ کر اللہ تعالیٰ کی مدد اور ہر وقت اس کا سہارا درکار ہوتا ہے، نماز کی ہر رکعت میں ''اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْم'' کہ اے اللہ! ہمیں سیدھے راستہ پر چلا (یعنی اس کے اوپر استقامت عطا فرما)'' دعا مانگی جاتی ہے۔

امید و بیم

قُلْ يٰعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ، اِنَّ اللّٰهَ يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِيْعًا، اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ (الزمر:۵۳)

''(اے نبیؐ) کہہ دیجئے کہ اے میرے بندو! جنہوں نے اپنی جانوں پر زیادتی کی ہے، اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہو جاؤ، یقیناً اللہ سارے گناہ معاف کر دیتا ہے، وہ تو غفور رحیم ہے۔''

اس آیہ مبارکہ کو پڑھنے کے بعد مایوسیاں چھٹ جاتی ہیں اور خطا کاروں کے لئے مژدہ رحمت کا پیغام آتا ہے، شرط یہ ہے کہ سچے دل سے ندامت کے آنسو بہا کر توبہ کی جائے، رب کریم نہ صرف معاف فرما دیتا ہے بلکہ اپنے سایۂ رحمت میں چھپا بھی لیتا ہے، یہ بشارت قرآن کے علاوہ

Marfat.com

اور کہاں مل سکتی ہے؟

ذکر

فَاذْكُرُوْنِیْ اَذْكُرْكُمْ (البقرہ:۱۵۲)

”تم مجھے یاد کرتے رہو، میں تمہیں یاد رکھوں گا۔“

سبحان اللہ! بندوں کو رب کریم کی طرف سے کتنا بڑا انعام ہے! بندے جب اپنے مولا و مالک کی اطاعت کا دم بھرتے ہیں اور ہر وقت اس سے خائف رہتے ہیں اور اس کی نافرمانی سے بچتے ہیں تو وہ انہیں یاد رکھتا ہے اور انہیں زندگی کی تاریکیوں سے نکال کر روشنی میں لاتا ہے اور انہیں اطمینان وسکون سے ہمکنار کرتا ہے۔

سب سے بڑا ذکر نماز ہے: وَاَقِمِ الصَّلٰوةَ لِذِكْرِی (طٰہٰ:۱۴) ”اور میری یاد کے لئے نماز قائم کرو۔“

شکر

لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَاَ زِيْدَنَّكُمْ (ابراہیم:۷)

”اگر تم شکر کرو گے تو میں تمہیں (اپنے انعامات) سے مزید نوازوں گا۔“

’شکر‘ کیا ہے؟ اللہ تعالیٰ کی ان گنت نعمتوں پر دل سے احسان مند ہونا، نہ صرف ان کا زبان سے اقرار کرنا بلکہ اطاعت اور فرمانبرداری سے بھی اس کا اظہار کرنا ہے اور اس کی ضد کفر ہے جس کے معنی اللہ تعالیٰ کے انعامات کو بھلا دینے اور انہیں چھپا دینے کے ہیں۔

شکر کے سلسلہ میں حکم ہوتا ہے۔

”اِعْمَلُوْٓا اٰلَ دَاوٗدَ شُكْرًا، وَقَلِيْلٌ مِّنْ عِبَادِیَ الشَّكُوْرُ (سبا:۱۳)

”اے داؤد کے خاندان والو! تم شکر کرتے رہو (نیک افعال کے ذریعہ) اور (دیکھو) میرے بندوں میں کم ہی شکر گزار ہوتے ہیں۔“

عجز وانکسار

وَلَا تَمْشِ فِی الْاَرْضِ مَرَحًا، اِنَّكَ لَنْ تَخْرِقَ الْاَرْضَ وَلَنْ تَبْلُغَ الْجِبَالَ طُوْلًا (بنی اسرائیل:۳۷)

”زمین پر اکڑ کر نہ چلو، (اس طرح) تم نہ زمین کو پھاڑ سکتے ہو نہ پہاڑوں کی بلندی کو پہنچ

Marfat.com

سکتے ہو۔"

"اَلْـمَـرَحُ" کے معنی بہت زیادہ اور شدت کی خوشی کے ہیں جس میں انسان اترانے لگ جائے اور اِسی پندار میں کسی کو خاطر میں نہ لائے، یہ بات شرفِ انسانیت کے خلاف ہے، کیا زمین پر اترا کر چلنے سے وہ پھٹ جائے گی یا وہ پہاڑوں کی بلندی تک پہنچ جائے گا؟ ہرگز نہیں، انسان (اس کا مادہ انس ہے) چونکہ فطرۃً ہی کچھ اس قسم کا واقعہ ہوا ہے کہ اس کی زندگی کا مزاج باہم انس و محبت اور میل جول کے بغیر نہیں بن سکتا ہے۔ لہٰذا فخر و غرور تو اس کی فطرتی ساخت کے خلاف ہے اور یہ سراسر شیطانی کردار ہے۔

احسان

وَاَحْسِنُوْا، اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ (البقرہ:۱۹۵)

"اور نیکی کیا کرو، بلاشبہ اللہ نیکی کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے، نیکی کرنا ایک ایسی صفت ہے جو ہر بھلائی کے کام کو محیط ہے اور اس میں حسن نیت اور اخلاص بھی لازم ہے اور اسی پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے انعام مرتب ہوتا ہے۔

ریاکاری اور دِل آزاری نیکی کو ضائع کر دیتی ہے

يٰۤـاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُبْطِلُوْا صَدَقٰتِكُمْ بِالْمَنِّ وَالْاَذٰى، كَالَّذِىْ يُنْفِقُ مَالَهٗ رِئَآءَ النَّاسِ وَلَا يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ، فَمَثَلُهٗ كَمَثَلِ صَفْوَانٍ عَلَيْهِ تُرَابٌ فَاَصَابَهٗ وَابِلٌ فَتَرَكَهٗ صَلْدًا، لَا يَقْدِرُوْنَ عَلٰى شَىْءٍ مِّمَّا كَسَبُوْا، وَاللّٰهُ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ الْكٰفِرِيْنَ (البقرہ:۲۶۲ تا ۲۶۴)

"مومنو! اپنے صدقات (خیرات) احسان رکھنے اور ایذا دینے سے اُس شخص کی طرح برباد نہ کر دینا جو لوگوں کو دکھاوے کیلئے مال خرچ کرتا ہے اور اللہ اور روزِ آخرت پر ایمان نہیں رکھتا تو اس (کے مال) کی مثال اُس چٹان کی سی ہے جس پر تھوڑی سی مٹی پڑی ہو اور اُس پر زور کا مینہ برس کر اُسے صاف کر دے (اسی طرح) یہ (ریاکار) لوگ اپنے اعمال کا کچھ صلہ حاصل نہیں کر سکیں گے اور اللہ ایسے ناشکروں کو ہدایت نہیں دیتا۔"

گویا کہ ایذارسانی ایسی ہی بری بات ہے جیسی ریاکاری! اور اِن برائیوں سے اللہ تعالیٰ کے یہاں کوئی اجر مرتب کیسے ہو سکتا ہے۔

Marfat.com

تقویٰ

وَتَزَوَّدُوا، فَاِنَّ خَيْرَ الزَّادِ التَّقْوٰى (البقرہ:۱۹۷)

''اور (سفرحج کے لئے) زادراہ ساتھ لے جاؤ، اور (دیکھو) سب سے بہتر زادراہ تو پرہیز گاری (تقویٰ) ہے۔

''تقویٰ'' کے لغوی معنی نفس کو ہر اُس چیز سے بچانے کے ہیں جس سے گزند پہنچنے کا اندیشہ ہو اور اصطلاح شریعت میں نفس کو ہر اُس چیز سے بچانے کا نام تقویٰ ہے جو گناہ کا موجب ہو، گویا کہ بندہ ہر حال اور ہر جگہ جب اللہ تعالیٰ کی نافرمانی سے بچ کر اُس کی فرمانبرداری اختیار کرتا ہے تو وہ متقی بن جاتا ہے اور یہی بندگی کی روح ہے۔

اِخلاص:

قُلْ اِنِّیْ اُمِرْتُ اَنْ اَعْبُدَ اللّٰهَ مُخْلِصًا لَّهُ الدِّيْنَ. (الزمر:۱۱) ''کہہ دیجئے کہ مجھے تو حکم دیا گیا ہے کہ میں اپنے دین کو اللہ کیلئے خاص کر کے اُسی کی بندگی کروں۔''

اِخلاص کے معنی عبادتِ بے ریا اور اطاعت خالص کے ہیں اور یہ صرف اور صرف اِس کائنات کے خالق و مالک، اللہ تعالیٰ کی ہوگی۔ بندۂ مؤمن سب سے کٹ کر اپنی جبین نیاز صرف اُسی کے در پر جھکاتا ہے، اُسی سے مدد مانگتا ہے، اُسی کے سامنے اپنی حاجتیں رکھتا ہے کیونکہ وہی دُکھ سکھ میں اُس کا سہارا ہوتا ہے، اور یہ وہ مضبوط سہارا ہے جہاں مایوسی، ناامیدی کا نام ونشان نہیں ہے، اُسے دنیا و آخرت کی کامیابیوں سے ہمکنار کر دیتا ہے۔

اَخلاق:

اس کا مفرد خلق ہے، اس کے معانی پسندیدہ عادتیں، اچھی خصلتیں خوش خوئی، اچھا برتاؤ، ملنساری، کشادہ پیشانی، خاطر مدارات کے ہیں، یہ عربی زبان کا لفظ ہے، اس کا مادہ (خ، ل، ق) ہے، خَلْق (خ کی زبر کے ساتھ) اور خُلُق (خ کی پیش کے ساتھ) دونوں کا مادہ ایک ہے مگر اُن میں اتنا فرق ہے کہ خَلْق بمعنی خلقت ہے اور خُلُق کا لفظ قویٰ باطنہ اور عادات وخصائل کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔

قرآنِ حکیم کتاب اخلاق ہے، وہ اِنسان کو قعر مذلت سے نکال کر اوج ثریا پر پہنچاتی ہے۔ اِس مضمون میں قرآنی اخلاق کا احاطہ ممکن نہیں ہے، چند باتیں پیش خدمت ہیں۔

Marfat.com

اللہ کے مخلص بندوں کے اخلاق کا ذکر قرآن اس طرح کرتا ہے:

''رحمٰن کے (حقیقی) بندے وہ ہیں جو زمین پر عجز وانکسار سے چلتے ہیں اور جب بے علم لوگوں سے اُن کا واسطہ پڑے تو کہہ دیتے ہیں کہ سلام ہے (اُن سے الجھتے نہیں ہیں)۔ اُن کی راتیں اپنے رب کے حضور سجود و قیام میں بسر ہوتی ہیں، جو بارگاہ ربوبیت میں درخواست گزار ہوتے ہیں کہ اے ہمارے پروردگار! ہم سے دوزخ کا عذاب ہٹائے رکھ، بے شک دوزخ کا عذاب بڑی ہی تکلیف والا ہے، وہ تو بہت بری قرارگاہ اور بدترین قیام گاہ ہے، (یہ وہ لوگ ہیں) جب خرچ کرتے ہیں تو نہ فضول خرچی کرتے ہیں اور نہ بخل سے کام لیتے ہیں، بلکہ اُن کا خرچ دونوں انتہاؤں کے درمیان اعتدال پر قائم رہتا ہے، جو اللہ کے سوا کسی اور معبود کو نہیں پکارتے اور اللہ کی حرام کی ہوئی کسی جان کو ناحق ہلاک نہیں کرتے اور نہ بے حیائی کے مرتکب ہوتے ہیں...... اور عبادالرحمٰن وہ لوگ ہیں جو جھوٹی شہادت نہیں دیتے اور جب کہیں بے ہودہ باتوں سے گزرنے کا اتفاق ہوتا ہے تو باوقار طریق سے گزر جاتے ہیں (ادھر آنکھ اٹھا کر بھی نہیں دیکھتے ہیں) اور جب انہیں آیاتِ الٰہی کا درسِ موعظت دیا جاتا ہے تو اُن پر بہرے اور اندھے ہو کر نہیں گر پڑتے (بلکہ سمع وبصر کی پوری صلاحیتوں کو بروئے کار لا کر اُن پر غور کرتے ہیں) اور یہی وہ لوگ ہیں جو بارگاہِ ربوبیت میں دست بہ دعا ہوتے ہیں کہ ہمارے پروردگار! ہمیں اپنی بیویوں اور بچوں کی طرف سے آنکھوں کی ٹھنڈک عطا فرما اور ہمیں پرہیزگاروں کی پیشوائی کا منصب عنایت فرما...... یہ ہیں وہ لوگ جو اپنے صبر کا پھل جنت کے منازلِ بلند کی صورت میں پائیں گے اور وہاں تحیات و تسلیمات سے اُن کا استقبال ہوگا، کتنی (خوب صورت) وہ قرار گاہیں اور کیسی (پرمسرت) وہ قیام گاہیں ہیں۔ (سورۃ الفرقان)

قرآنِ حکیم کی جیتی جاگتی تصویر خاتم النبیین محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ طیبہ ہے (کان خلقه القرآن) اور سب سے بڑھ کر ربِ کریم کی شہادت ہے:

وَ اِنَّکَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیْمٍ. (القلم:۴) ''اور بلاشبہ آپؐ اخلاق کے بلند مرتبے پر ہیں۔''

اِس پر مولانا محمد حنیف ندوی لکھتے ہیں:

''یہاں خلق سے مراد، وہ عادات واطوار حسنہ ہیں جن کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے

کردار وسیرت میں سمو کر دکھایا۔ عظیم سے یہ مقصود ہے کہ خرد و خیر کی تکمیل و جامعیت کا کوئی بھی نقشہ ترتیب دیجئے ایک ایک نیکی اور خوبی کا تصور کیجئے اور پھر یہ دیکھئے کہ جامعیت اور توازن کے ساتھ بجز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ اقدس کے تاریخ میں کوئی اور شخص اُن کا حامل نظر آتا ہے؟ مزید براں یہ خلق عظیم جو آپؐ کا خاصہ ہے، صرف آپؐ کی ذات ہی کی حد تک سمٹا ہوا نہیں بلکہ اس کی تاثیر کا یہ کرشمہ ہے کہ آپؐ نے ایسے مثالی معاشرے کی تشکیل کی جس کا ایک ایک فرد آفتاب و ماہتاب کی طرح تاریخ کے اوراق میں دمک رہا ہے اور رضائے الٰہی کی شہادت و سند کا سزاوار ہے۔" (لسان القرآن۔ جلد ۲)

صداقت شعاری:

وَالَّذِیْ جَآءَ بِالصِّدْقِ وَصَدَّقَ بِہٖٓ اُولٰٓئِکَ ھُمُ الْمُتَّقُوْنَ. (الزمر:۳۳) "اور جو سچی بات لے کر آیا اور جنہوں نے اس کو سچ جانا، تو یہی لوگ پرہیز گار ہیں۔"

امام راغب اصفہانی لکھتے ہیں:

اَلصِّدْقُ مُطَابَقَۃُ الْقَوْلِ بِالضَّمِیْرِ وَالْمُخْبَرُ عَنْہُ مَعاً وَ مَتیٰ انْخَرَمَ شرطٌ مِنْ ذٰلِکَ لَمْ یَکُنْ صِدْقًا. (مفردات القرآن)

"الصدق کے معنی ہیں دِل اور زبان کی ہم آہنگی اور بات کا نفس واقعہ کے مطابق ہونا، اگر اِن دونوں میں ایک شرط نہ پائی جائے تو کامل صدق نہیں رہتا۔"

سید سلیمان ندویؒ لکھتے ہیں:

"اِنسان کے ہر قول اور عمل کی درستی کی بنیاد یہ ہے کہ اُس کے لئے اس کا دِل اور اُس کی زبان باہم ایک دوسرے سے مطابق اور ہم آہنگ ہوں۔" (سیرت النبی: جلد ششم)

گویا کہ بندۂ مؤمن کا ظاہر اور باطن یکساں ہونا چاہیے، یہ دنیا اور آخرت میں کامیابی کی دلیل روشن ہے۔

ارشاد ہوتا ہے:

ھٰذَا یَوْمُ یَنْفَعُ الصّٰدِقِیْنَ صِدْقُھُمْ. (المائدہ)

"یہ دن ہے (قیامت کا) کہ سچے بندوں کو اُن کا سچ کام آئے گا۔"

خوش گفتاری:

Marfat.com

وَقُوْلُوْا لِلنَّاسِ حُسْنًا. (البقرہ:۸۳) ''اور لوگوں سے اچھی گفتگو کرو۔''

لفظ حسن بڑا جامع ہے اور معنی خیز ہے، یعنی ایسی گفتگو کرو جو حق وصداقت پر مبنی ہو، نرم اور شائستہ ہو، پاکیزہ اور شستہ ہو، اُس میں ٹھہراؤ اور وقار ہو۔ امام راغب کے نزدیک ہر وہ شے جو فرحت آفریں اور مطلوب ہو حسین کہلائے گی۔

اَلْحُسنُ عِبَارَۃٌ عَنْ کُلِّ مُبھجٍ مَرغُوْبٍ فِیْہِ. (مفردات القرآن)

شرم وحیاء:

قُلْ لِّلْمُؤْمِنِیْنَ یَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِھِمْ وَ یَحْفَظُوْا فُرُوْجَھُمْ ذٰلِکَ اَزْکٰی لَھُمْ اِنَّ اللّٰہَ خَبِیْرٌ بِمَا یَصْنَعُوْنَ. (النور:۳۰) ''(اے نبیؐ) مؤمن مردوں سے کہئے کہ اپنی نظریں بچا کر رکھیں اور اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کریں، کہ یہی اُن کے لئے پاکیزگیِ حیات (کا راز) ہے، اللہ تعالیٰ اُن تمام معاملات سے باخبر ہے۔''

اس سے اگلی آیہ مبارکہ میں یہی حکم عورتوں کے لئے ہے گویا قرآنِ کریم کا یہ حکم مردوں اور عورتوں دونوں کے لئے ہے کہ اس سے معاشرہ میں طہارت اور پاکیزگی کا ظہور ہوتا ہے۔

سید مودودیؒ لکھتے ہیں:

''اصل میں غض بصر کا حکم دیا گیا ہے جس کا ترجمہ عام طور پر نگاہ نیچی کرنا یا رکھنا کیا جاتا ہے، لیکن دراصل اس حکم کا مطلب ہر وقت نیچے ہی دیکھتے رہنا نہیں ہے، یہ مفہوم ''نظر بچانے'' سے ٹھیک ادا ہوتا ہے۔ یعنی جس چیز کو دیکھنا مناسب نہ ہو اس سے نظر ہٹالی جائے قطع نظر اس سے کہ آدمی نگاہ نیچی کرے یا کسی اور طرف اسے بچا لے جائے اور یہ بات سیاق وسباق سے بھی معلوم ہوتی ہے کہ یہ پابندی جس چیز پر عائد کی گئی ہے وہ ہے مردوں کا عورتوں کو دیکھنا یا دوسرے لوگوں کے ستر پر نگاہ ڈالنا یا فحش مناظر پر نگاہ جمانا۔'' (مختصر حواشی)

غور کیجئے کہ حکیم مطلق نے معاشرتی زندگی میں برائی اور بے حیائی کا کس طرح سدباب فرما دیا ہے یہاں تک کہ جو لوگ اور حکمران مومنوں میں کسی بھی ذریعہ سے بے حیائی پھیلاتے ہیں انہیں برے انجام سے ڈرا دیا گیا ہے۔

اِنَّ الَّذِیْنَ یُحِبُّوْنَ اَنْ تَشِیْعَ الْفَاحِشَۃُ فِی الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَھُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَۃِ (النور:۱۹) ''جو لوگ چاہتے ہیں کہ ایمان لانے والوں کے (شہروں اور

Marfat.com

بستیوں) میں فحاشی پھیلے وہ دنیا و آخرت میں دردناک سزا کے مستحق ہیں۔"

یہ آیہ مبارکہ ان مسلمان ملکوں کے حکام کے لئے لمحہ فکریہ ہے جو میڈیا کا غلط استعمال کر کے نوجوان نسل کے اخلاق کو بگاڑتے ہیں۔

ایفائے عہد:

وَ اَوْفُوْا بِالْعَهْدِ اِنَّ الْعَهْدَ كَانَ مَسْئُوْلًا. (بنی اسرائیل:۳۴) "اور وعدے کی پابندی کیا کرو، کیونکہ قول و قرار کی (آخرت میں) بازپرس ہونے والی ہے۔"

عہد سے وہ میثاق بھی مراد ہے جو اللہ اور اس کے بندے کے درمیان ہوتا ہے کہ لا الہ الا اللہ کے اقرار سے بندے نے دل اور زبان سے یہ وعدہ کیا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کا وفادار بندہ بن کر رہے گا۔ ضروری ہے کہ وہ اس عہد کو آخر دم تک نبھائے، اسے موت آئے تو اطاعت و فرمانبرداری کی حالت میں یعنی مسلم بن کر آئے، اور اس عہد سے مراد وہ سیاسی، تجارتی، معاشی اور معاشرتی معاہدے بھی ہیں جو لوگوں کے درمیان آپس میں طے پاتے ہیں، ان کا نبھانا بھی ایسا ہی ضروری ہے۔ سیاسی معاہدے ٹوٹتے ہیں تو قوموں اور ملکوں کے درمیان جنگیں شروع ہو جاتی ہیں، تجارتی اور معاشی معاہدوں کی خلاف ورزیوں سے کاروبار کو نقصان پہنچتا ہے اور مقدمات کا سلسلہ شروع ہو جاتا ہے، معاشرتی معاہدوں کو توڑنے سے سوسائٹی کا نظم و ضبط تہہ و بالا ہو جاتا ہے۔ غور کیجئے کہ نکاح سے دو خاندان جڑتے ہیں اور میاں بیوی کے درمیان معاہدہ ہو جاتا ہے جس میں اللہ تعالیٰ کو گواہ بنایا جاتا ہے۔

"لوگو! اپنے رب سے ڈرو، جس نے تمہیں ایک جان (آدمؑ) سے پیدا کیا اور اسی سے اس کا جوڑا (حوا کو) بنایا اور پھر ان دونوں سے (انسانوں کا) سلسلہ پھیلنے لگا اور اللہ سے ڈرتے رہو جس کا واسطہ دے کر تم ایک دوسرے سے اپنے حق مانگتے ہو (اور دیکھو) رشتہ و قرابت کے تعلقات کو بگاڑنے سے پرہیز کرو، یقین جانو کہ اللہ تم پر نگرانی کر رہا ہے۔" (النساء:۱)

یہ سورۃ النساء کی آیہ مبارکہ کا ترجمہ ہے جسے نکاح کے موقع پر عربی میں لوگوں کے سامنے پڑھا جاتا ہے، محض رسماً اس عبارت کو سن لیا جاتا ہے مگر اس پر غور و فکر نہیں کیا جاتا ہے، اور سنانے والے بھی محض سنا دینے پر اکتفا کر لیتے ہیں، اگر نکاح کے اس معاہدے میں اللہ تعالیٰ کا خوف پیش نظر رہے تو کبھی حق تلفیاں نہ ہوں اور خاندان اجڑنے سے بچ جائیں اور معاشرتی زندگی امن و

Marfat.com

سکون سے ہمکنار ہو جائے۔ کچھ شک نہیں کہ قرآنِ حکیم کی پاکیزہ تعلیمات انسانوں کو سلامتی عطا کرتی ہیں۔

امانت و دیانت:

اِنَّ اللّٰہَ یَاْمُرُکُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمٰنٰتِ اِلٰٓی اَھْلِھَا (سوۃ النساء:۵۸)

''اللہ تمہیں حکم دیتا ہے کہ امانت والوں کی امانتیں اُن کے حوالے کر دیا کرو۔''

امانت کا مادہ (Root word) امن ہے اور یہ خوف کی ضد ہے جس کے معنی اطمینان اور چین کی حالت و کیفیت ہے اسی طرح امانت خیانت کی ضد ہے، وہ چیز جسے احتیاط سے سنبھال کر رکھا جائے اور جسے اس کے حقدار کو لوٹا دیا جائے، مثلاً کوئی شخص کچھ رقم آپ کے پاس بطور امانت کے رکھتا ہے اور اس کے طلب کرنے پر آپ ٹھیک ٹھیک اسے لوٹا دیتے ہیں تو یقیناً آپ امین ہیں۔ امانت کا لفظ بڑی وسعت رکھتا ہے، یہ زندگی اللہ تعالیٰ کی طرف سے امانت ہے، اسے اس کے احکام کے مطابق گزارنا اس کا حق ادا کرنا ہے، اس کے احکام کی خلاف ورزی یقیناً خیانت ہے، اسی طرح آپ کے اہل و عیال آپ کے پاس امانت ہیں ان کی ٹھیک نگرانی اور پاسبانی امانت داری کا حق ہے، اپنی رائے دینا اور ووٹ ڈالنا بھی امانت ہے، صائب رائے دینا اور اہل شخص کو ووٹ دینا دیانت داری کا تقاضا ہے، غور کیجئے کہ اس طرح زندگی کتنی قیمتی بن جاتی ہے۔ اور معاشرے میں کیسے سدھار پیدا ہوتا ہے۔

Marfat.com

ناجائز ذرائع آمدن

اسلامی معاشرے کا امتیازی وصف یہ ہے کہ یہ معاشرہ اپنے تمام معاملاتِ زندگی میں...... وہ انفرادی ہوں یا اجتماعی، سیاسی ہوں یا معاشی، ملکی ہوں یا بین الاقوامی...... صرف اللہ تعالیٰ کی عبودیت کی اساس پر قائم ہوتا ہے اور کلمہ شہادت لا اِلٰہ اِلا اللہ محمد رسول اللہ سے اسی عبودیت کا اظہار ہوتا ہے اور اس کی کیفیت متعین کرتا ہے اور پھر انسان کا یقین و ایمان بھی اِسی عبودیت کا مظہر ہوتا ہے۔ عبادات و شعائر میں بھی اسی عبودیت کی جھلک نمایاں ہوتی ہے۔ اُس کی بود و باش، رہن سہن، لین دین اور آپس کے معاملات میں یہی عبودیت کارفرما ہوتی ہے، حقیقت میں رب کائنات کی غلامی اسے ہی کہتے ہیں اور زندگی گزارنے کا یہی بے خطا اور کامیاب راستہ ہے۔

فَمَنْ يَّكْفُرْ بِالطَّاغُوتِ وَيُؤْمِنْ بِاللّٰهِ فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقٰى لَا انْفِصَامَ لَهَا (البقرہ:۲۵۶) ''پس جو کوئی طاغوت کا انکار کر کے اللہ پر ایمان لے آیا، اُس نے ایک ایسا مضبوط سہارا تھام لیا جو کبھی ٹوٹنے والا نہیں۔''

سید قطب شہید اس آیہ مبارکہ کی تشریح میں لکھتے ہیں:

''طاغوت، طغیان سے بنا ہے، ہر وہ چیز جو حق کے خلاف ہو جو اُن حدود سے تجاوز کرے جو اللہ نے بندوں کے لئے مقرر کی ہیں، جو اللہ پر ایمان اور اس کی مقرر کردہ شریعت سے تجاوز کرے وہ طاغوت ہے، اسی طرح ہر وہ نظام جو اللہ کا وضع کردہ نہ ہو طاغوت ہے، ہر وہ تصور، طریقہ، رسم جو اللہ کی طرف سے نہ آیا ہو وہ طاغوت ہے، جس شخص نے ایسی تمام چیزوں کا، ان کی تمام شکلوں میں انکار کیا، صرف اللہ پر ایمان لایا اور زندگی کا ہر اصول اور ہر ضابطہ صرف رب کائنات سے حاصل کیا، اس نے نجات پالی، نجات پانے کی حقیقت کو یہاں اس تمثیل کے ذریعہ بیان کیا گیا ہے کہ وہ ایک مضبوط حلقے کو تھامے ہوئے ہے جو کبھی ٹوٹنے والا نہیں ہے۔'' (فی ظلال القرآن، ج: اول)

آج کے مضمون میں ہم غور کرتے ہیں کہ آمدنی اور حصول زر کے وہ کون کون سے ناجائز ذرائع ہیں جنہیں اسلام نے منع کیا ہے، اس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ رزقِ حلال ہی اعمال صالحہ کی بنیاد بنتا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے:

يٰۤاَيُّهَا الرُّسُلُ كُلُوْا مِنَ الطَّيِّبٰتِ وَاعْمَلُوْا صَالِحًا (المومنون:۵۱)

''اے پیغمبرو! پاکیزہ چیزیں کھاؤ اور نیک عمل کرو۔''

امام راغب اصفہانی لکھتے ہیں:

''طیب اسے کہا جاتا ہے جس سے انسان کے حواس بھی لذت یاب ہوں اور نفس بھی اور شریعت کی رو سے ''الطعام الطیب'' اُس کھانے کو کہا جائے گا جو جائز طریق سے حاصل کیا جائے اور جائز جگہ سے جائز انداز کے مطابق لیا جائے کیونکہ جو غذا اس طرح حاصل کی جائے وہ دنیا اور آخرت دونوں میں خوشگوار ثابت ہوگی ورنہ دنیا کی خوشگوار چیزیں آخرت میں نقصان دہ ثابت ہوں گی۔ اسی بنا پر قرآن طیب چیزوں کے کھانے کا حکم دیتا ہے۔ (مفردات القرآن)

طبی نقطہ نظر سے دیکھا جائے تو غذا کے اثرات جسم وروح دونوں پر مرتب ہوتے ہیں مثلاً اسلام نے حلال جانور کو بھی ذبح کر کے کھانے کا حکم دیا ہے کیونکہ جانور کو جب ذبح کیا جاتا ہے تو اُس کے جسم کا سارا خون نکل جاتا ہے، مردار کے جسم میں اس کا سارا خون اندر موجود ہوتا ہے جس سے گوشت جلد خراب ہوتا ہے اور گوشت میں کیمیاوی طور پر ایسے زہریلے عناصر پیدا ہوتے ہیں جن کا استعمال تندرستی کے خلاف ہے۔ (سنت نبوی اور جدید سائنس، از حکیم محمد طارق محمود چغتائی)

اسلام نے حرام اشیاء اور حرام ذرائع سے کمائے ہوئے تمام اموال کو ممنوع قرار دیا ہے، اس کے بنیادی طور پر باطل اور ناجائز طریقوں کو واشگاف الفاظ میں روک دیا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے:

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْكُلُوْۤا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ اِلَّاۤ اَنْ تَكُوْنَ تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ مِّنْكُمْ، وَلَا تَقْتُلُوْۤا اَنْفُسَكُمْ، اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِكُمْ رَحِيْمًا (النساء:۲۹)

''اے ایمان والو! آپس میں ایک دوسرے کے مال باطل طریقوں سے نہ کھاؤ مگر یہ کہ تمہارے آپس کی رضامندی سے تجارت ہو اور نہ ہی اپنے آپ کو (یا ایک دوسرے کو) ہلاک کرو (تمہارا خالق و مالک) اللہ تو تم پر بڑا ہی مہربان ہے۔''

مولانا عبدالماجد دریابادی لکھتے ہیں:

Marfat.com

"بالباطل، یعنی غیر مشروع طریقوں پر، خیانت اور بد دیانتی کی تمام صورتوں کی بندش اِس حکم کے اندر آ گئی، کاش اسلام کے ایک اِسی قانون پر عمل ہو اور آج دنیا کی کایا پلٹ ہو جائے۔"

اِلَّا اَنْ تَكُوْنَ تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ مگر یہ کہ تمہارے آپس کی رضا مندی سے تجارت ہو، مطلب یہ ہوا کہ ایک دوسرے کے مال میں تصرف کی اجازت کسی باطل طریقہ (سود، قمار وغیرہ) سے تو سرے سے ہی نہیں صرف جائز طریقوں کے اندر ایک دوسرے کی رضا مندی سے تصرف کر سکتے ہو مثلاً سرمایہ مشترک سے تجارت، کہ یہ توعین باعث برکت ہے۔ (تفسیر ماجدی، ج: اول)

یا پھر تجارت سے مراد ہے اشیا اور خدمات کا تبادلہ بالعوض (یعنی روپے پیسے سے اشیاء خرید لی جائیں) (احکام القرآن، ج: اول)

آپس کی رضا مندی کے الفاظ سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ اِس تبادلہ میں کسی نوعیت کا دباؤ نہ ہو اور نہ کوئی دھوکہ فریب یا ایسی چال ہو جو اگر دوسرے فریق کے علم میں آ جائے تو وہ اس پر راضی نہ ہو۔

جنس کا یکساں نہ ہونا

جو چیز بیچی جا رہی ہو وہ اندر اور باہر سے، شروع اور آخر سے یکساں ہو، مثلاً گندم کی بوری اوپر اور نیچے سے اور کپڑے کا تھان شروع سے آخر تک یکساں ہونا چاہئے، اگر ایسا نہ ہوا اور چرب زبانی سے یہ اشیا فروخت کر دی گئیں تو آمدنی حرام ہو جائے گی۔

ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا گزر (مارکیٹ میں) غلہ کے ڈھیر سے ہوا، دستِ مبارک سے غلہ کو دیکھا بھالا، گندم کے نیچے تری محسوس فرمائی، غلہ کے مالک سے پوچھا کہ ایسا کیونکر ہے؟ اس نے عرض کیا کہ بارش ہو گئی تھی اس لئے یہ بھیگ گیا، آپ ﷺ نے فرمایا تو پھر اُس بھیگے ہوئے کو اوپر کیوں نہ کر دیا کہ لوگ دیکھ لیتے اور دھوکہ نہ کھاتے، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جو ہمیں دھوکہ دے وہ ہم میں سے نہیں ہے (یعنی مسلم معاشرے سے اس کا سروکار نہیں ہے)۔" (ریاض الصالحین، امام نووی)

رشوت خوری

حصول زر اور آمدنی کا غلط طریقہ رشوت بھی ہے جسے اسلام نے سختی سے روکا ہے، رشوت لینے اور دینے والے کو سخت وعید سنائی گئی ہے۔

Marfat.com

رشوت کی تعریف میں بنت الاسلام لکھتی ہیں:

''اپنی کسی باطل غرض اور ناحق مطالبے کو پورا کرنے کے لئے کسی صاحب اختیار شخص کو مال وغیرہ دے کر اپنے حق میں ہموار کر لینا بھی خیانت کی ایک گھناؤنی شکل ہے جسے عرف عام میں رشوت کہا جاتا ہے، سود کی طرح رشوت کے معاملے میں بھی یہ واضح کیا گیا ہے کہ اس کا لینا بھی گناہ ہے اور دینا بھی۔ معاشرے میں رشوت خوری کے پھیل جانے کا نتیجہ بھی عموماً یہی ہوتا ہے کہ حقداروں کے حقوق چھنتے ہیں اور اُن کو ملتے ہیں جو حقدار نہیں ہوتے۔ (اسوہ حسنہ: جلد دوم)

رب کائنات کا فرمان ہے: وَلَا تَأْكُلُوا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ وَ تُدْلُوا بِهَا اِلَى الْحُكَّامِ لِتَأْكُلُوا فَرِيقًا مِّنْ اَمْوَالِ النَّاسِ بِالْاِثْمِ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ (البقرہ:۱۸۸) ''اور آپس میں ایک دوسرے کا مال ناجائز طریقے سے مت کھاؤ اور اس کو حکام تک نہ پہنچاؤ کہ اس طرح (رشوت دے دلا کر) ناحق لوگوں کے مال کا کچھ حصہ جان بوجھ کر کھا جاؤ۔''

اس کام کی وعید میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان سنیے:

''حضرت عبداللہ بن عمروؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رشوت دینے والے اور رشوت لینے والے (دونوں) پر لعنت فرمائی ہے۔'' (حوالہ ایضاً)

سود خوری

سید مودودی لکھتے ہیں:

قرآن مجید میں سود کے لئے ''ربوا'' کا لفظ استعمال کیا گیا ہے۔ اس کا مادہ (Root Word) ''ر ب و'' جس کے معنی زیادت، نمو، بڑھوتری اور چڑھنے کا اعتبار ہے۔ مثلاً رَبَا بڑھا اور زیادہ ہوا، رَبَا فُلَانٌ الرابیّۃ وہ ٹیلے پر چڑھ گیا وغیرہ۔

قرآن مجید میں جہاں جہاں اس مادّے کے مشتقات آئے ہیں، سب جگہ زیادت اور علو اور نمو کا مفہوم پایا جاتا ہے۔ مثلاً

فَاِذَا اَنْزَلْنَا عَلَيْهَا الْمَاءَ اهْتَزَّتْ وَ رَبَتْ (الحج:۵) ''جب ہم نے اس پر پانی برسایا تو وہ لہلہا اٹھی اور برگ و بار لانے لگی۔''

سود سے متعلق ارشاد ہوتا ہے:

وَمَا اٰتَيْتُمْ مِّنْ رِّبًا لِّيَرْبُوَا فِیْ اَمْوَالِ النَّاسِ فَلَا يَرْبُوْا عِنْدَ اللّٰهِ وَمَآ اٰتَيْتُمْ مِّنْ

زَکٰوۃٍ تُرِیْدُوْنَ وَجْهَ اللّٰهِ فَاُولٰٓئِکَ هُمُ الْمُضْعِفُوْنَ (الروم:۳۹)

"اور جو تم سود دیتے ہو کہ لوگوں کے مال میں افزائش ہو تو اللہ تعالیٰ کے نزدیک اُس میں افزائش نہیں ہوتی (اور وہ مال باعث برکت نہیں ہوتا) اور جو تم (رزق حلال) میں سے زکوٰۃ دیتے ہو اور اُس سے اللہ تعالیٰ کی رضامندی طلب کرتے ہو تو (وہ موجب برکت ہے) اور ایسے ہی لوگ (اپنے مال کو) کئی گنا بڑھانے والے ہیں (انہیں آخرت میں لازوال اجر ملنے والا ہے)۔"

یَمْحَقُ اللّٰهُ الرِّبٰوا وَیُرْبِی الصَّدَقَاتِ (البقرہ:۲۷۶) "اللہ سود کو گھٹاتا ہے اور صدقات کو بڑھاتا ہے۔"

سود خور کا مال بظاہر تو بڑھتا ہے مگر حقیقت میں وہ خیر و برکت سے محروم رہتا ہے اور صدقہ و خیرات کرنے والے کا مال بظاہر تو گھٹتا ہے مگر اُس کے بقیہ سامان میں بڑی خیر و برکت پیدا ہوتی ہے اور آخرت کے اجر و ثواب کو اللہ کے سوا کون جانتا ہے!

سید مودودی لکھتے ہیں:

"ان آیات سے صاف ظاہر ہے کہ اصل رقم پر جو زیادتی بھی ہوگی وہ 'ربو' (سود) کہلائے گی، لیکن قرآن مجید نے مطلق ہر زیادتی کو حرام نہیں کیا ہے زیادتی تو تجارت میں بھی ہوتی ہے، قرآن جس زیادتی کو حرام قرار دیتا ہے وہ ایک خاص قسم کی زیادتی ہے، اس لئے وہ اس کو 'الربوا' کے نام سے یاد کرتا ہے، اہل عرب کی زبان میں اسلام سے پہلے بھی معاملہ کی اس خاص نوعیت کو اِسی اصطلاحی نام سے یاد کیا جاتا تھا۔ مگر وہ 'الربوا' کو بیع کی طرح جائز سمجھتے تھے۔ جس طرح موجودہ جاہلیت میں سمجھا جاتا ہے، اسلام نے آکر بتایا کہ اس راس المال میں جو زیادتی بیع سے ہوتی ہے وہ اس زیادتی سے مختلف ہے جو 'الربو' سے ہوا کرتی ہے، پہلی قسم کی زیادتی حلال ہے اور دوسری قسم کی زیادتی حرام ہے۔

ذٰلِکَ بِاَنَّهُمْ قَالُوْا اِنَّمَا الْبَیْعُ مِثْلُ الرِّبٰوا، وَاَحَلَّ اللّٰهُ الْبَیْعَ وَحَرَّمَ الرِّبٰوا

"(روز قیامت) سود خواروں کا یہ حشر اس لئے ہوگا کہ انہوں نے کہا کہ بیع (تجارت) بھی 'الربو' (سود) کی مانند ہے حالانکہ اللہ نے بیع کو حلال اور سود کو حرام کیا۔" (معاشیات اسلام)

ابوبکر جصاص کی تحقیق یہ ہے کہ اہل جاہلیت ایک دوسرے سے قرض لیتے تو باہم یہ طے ہو جاتا کہ اتنی رقم راس المال سے زیادہ ادا کی جائے گی۔ (احکام القرآن، جلد اول)

Marfat.com

بیع اور ربٰوا میں فرق: بیع اور ربٰوا میں فرق ہے اس کو مثالوں سے سمجھئے۔

سید مودودیؒ لکھتے ہیں:

''بیع کا اطلاق جس معاملہ پر ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ بائع (بیچنے والا) ایک شے کو فروخت کے لئے پیش کرتا ہے، مشتری (خریدنے والا) اور بائع کے درمیان اس شے کی ایک قیمت قرار پاتی ہے اور اس قیمت کے معاوضہ میں مشتری اس شے کو لے لیتا ہے یہ معاملہ دو حال سے خالی نہیں ہوتا، یا تو بائع نے وہ چیز خود محنت کر کے اور اپنا مال اُس پر صرف کر کے پیدا کی ہے یا وہ اس کو کسی دوسرے سے خرید کر لایا ہے، دونوں صورتوں میں وہ اپنے راس المال پر، جو اُس نے خریدنے یا مہیا کرنے میں صرف کیا تھا اپنے حق المحنت کا اضافہ کرتا ہے اور یہی اس کا منافع ہے (جو جائز ہے)۔

اس کے مقابلہ میں ربٰو (سود) یہ ہے کہ ایک شخص اپنا راس المال ایک دوسرے شخص کو قرض دیتا ہے اور یہ شرط کر لیتا ہے کہ میں اتنی مدت میں اتنی رقم تجھ سے راس المال پر زائد لوں گا۔ اس معاملہ میں راس المال کے مقابل راس المال ہے اور مہلت کے مقابلہ میں وہ زائد رقم ہے جس کی تعین پہلے بطور ایک شرط کے کر لی جاتی ہے۔ اسی زائد رقم کا نام سود یا ربٰو ہے جو کسی خاص مال یا شے کا معاوضہ نہیں بلکہ محض مہلت کا معاوضہ ہوتا ہے، اگر بیع میں بھی قیمت قرار پا چکی ہو اور پھر مشتری سے یہ شرط کی جائے کہ ادائے قیمت میں مثلاً ایک مہینے کی دیر ہونے پر قیمت میں اتنا اضافہ کر دیا جائے گا اور مزید دیر لگنے پر قیمت اتنی اور بڑھ جائے گی تو یہ زیادت، سود کی تعریف میں آجائے گی۔

تجارت اور سود میں فرق اس طرح بھی کیا جا سکتا ہے۔

(الف) تجارت میں نفع اور نقصان دونوں کا امکان ہوتا ہے جبکہ سود میں نقصان کا قطعی امکان نہیں ہوتا ہے۔

(ب) تجارت روپے پیسے کے عوض اشیاء میں ہوتی ہیں جبکہ سود روپے پیسے ہوتے ہیں، شرط اور زیادتی کے ساتھ۔

(ج) تجارت سے دست بدست طے پا کر معاملہ ختم ہو جاتا ہے جبکہ سود لینے اور دینے والے کے درمیان معاملہ چلتا رہتا ہے اور جب تک سود لینے والا اصل سے زائد رقم دے کر فارغ

Marfat.com

نہیں ہو جاتا ہے اس وقت تک وہ ذہنی کوفت اور دباؤ میں رہتا ہے۔

(د) تجارت، صنعت وحرفت، زراعت میں انسان محنت ومشقت صرف کرتا ہے اور لہو پسینے سے کمائی ہوئی دولت طمانیت وسکون کا باعث ہوتی ہے جبکہ سود سے ملنے والی رقم بغیر محنت کے حاصل ہوتی ہے اور اس کی ویسی قدر وقیمت نہیں ہوتی جیسی کہ محنت شاقہ سے کمائی ہوئی رقم کی ہوتی ہے۔

(ی) تجارت سے لوگوں میں محنت اور رزق حلال کی لگن پیدا ہوتی ہے جبکہ سود خوری سے وہ اس بات سے یکسر محروم ہو جاتے ہیں۔

(ے) پھر غور کریں تو معلوم ہوتا ہے کہ تجارت، صنعت وحرفت سے دولت کا بہاؤ تمام افراد قوم کی طرف ہوتا ہے، لوگوں کو روزگار ملتا ہے اور پوری قوم خوشی اور خوشحالی کی طرف بڑھتی ہے جبکہ سودی کاروبار میں دولت چند ہاتھوں میں سمٹ کر رہ جاتی ہے اور سود خور بخل، خود غرضی، شقاوت، بے رحمی اور زر پرستی کا شکار ہو جاتے ہیں، ظاہر ہے کہ یہ تمام باتیں ایک فلاحی مملکت کو پروان چڑھانے کے منافی ہیں، اس لئے قرآن حکیم نے واشگاف الفاظ میں کہہ دیا ہے:

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَذَرُوْا مَا بَقِيَ مِنَ الرِّبٰوا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ، فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا فَاْذَنُوْا بِحَرْبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ (البقرہ:۲۷۸-۲۷۹) ”اے ایمان والو! اللہ سے ڈرتے رہو اور جو کچھ تمہارا سود لوگوں پر باقی رہ گیا ہے اُسے چھوڑ دو، اگر واقعی تم ایمان لانے والے ہو لیکن اگر تم نے ایسا نہ کیا تو آگاہ ہو جاؤ کہ اللہ اور اُس کے رسول کی طرف سے تمہارے خلاف اعلان جنگ ہے۔“

جوا اور شراب

اِنَّمَا يُرِيْدُ الشَّيْطٰنُ اَنْ يُّوْقِعَ بَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَاءَ فِي الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ وَيَصُدَّكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ وَعَنِ الصَّلٰوةِ، فَهَلْ اَنْتُمْ مُّنْتَهُوْنَ (المائدہ:۹۱) ”شیطان تو یہ چاہتا ہے کہ شراب اور جوئے کے ذریعے سے تمہارے درمیان عداوت اور بغض ڈال دے اور تمہیں اللہ کی یاد اور نماز سے روک دے، پھر کیا تم ان چیزوں سے باز رہو گے؟“

گویا کہ شراب پینا اور اس کا کاروبار کرنا، جوا کھیلنا اور اس کاروبار میں ملوث ہونا شیطانی اور ناجائز ذرائع آمدنی ہیں۔

Marfat.com

اَلْمَیْسِرِ، (جوا، قمار بازی) یہ لفظ یُسرٌ سے مشتق ہے جس کے معنی آسانی اور سہولت کے ہیں، گویا کہ مَیسر سے بلا مشقت اور بلا کلفت مال حاصل ہوتا ہے اور یہ جوئے کے تمام اقسام پر شامل ہے۔

مولانا حفظ الرحمٰن سیوہاروی لکھتے ہیں:

''اس میں وہ تمام صورتیں شامل ہیں جو تجارت کے نام سے کی جاتی ہیں لیکن حقیقت میں قمار ہی کی قسمیں کہلاتی ہیں مثلاً سٹہ۔ آپ اگر کاروبار سے واقف ہیں تو اندازہ لگا سکتے ہیں کہ یہ ''تجارتی جوا'' ملک کے اقتصادی نظام کو کس طرح تباہ اور پراگندہ کرتا اور بغیر محنت نفع حاصل کرنے کے لالچ میں کس طرح ہزاروں گھروں کو خانماں برباد کر کے چھوڑتا ہے، زمانہ جاہلیت میں اس کی بہت سی شکلیں رائج تھیں مثلاً مَلَامسہ، مَنَابذہ، بیع حصاۃ وغیرہ، مَلَامسہ کا طریقہ تھا کہ بائع اور مشتری (بیچنے اور خریدنے والا) کے درمیان یہ طے ہوجاتا تھا کہ بغیر دیکھے اور حقیقت معلوم کئے ہوئے مشتری جس کپڑے یا شئے کو چھوئے گا وہ اس کا مالک ہے اور منابذہ میں یہ طے ہوتا تھا کہ جو کپڑا یا شے بائع، مشتری کی جانب پھینک دے گا وہ بغیر معاملہ کے مشتری کی چیز سمجھا جائے گا اور بیع حَصَاۃ یہ ہوتی تھی کہ متعدد اشیاء فروخت کے نام سے رکھ دی جاتیں اور لوگ ٹھکری یا اس قسم کی کسی شے کو اس طرح پھینکیں کہ جس چیز کو وہ ٹھکری چھو جائے خواہ وہ کسی قیمت کی ہو مشتری کی ملکیت ہو جائے گی، موجودہ دور ترقی کے مہذب تجارتی جوئے، لاٹری اور ریس سب اسی قسم کے معاملات میں داخل ہیں۔ (اسلام کا اقتصادی نظام)

پھر اسی قسم کا جواء پتنگ بازی، کبوتر بازی، پر بھی کھیلا جاتا ہے کہ جس کی پتنگ کٹ جائے یا جس کا کبوتر پرواز میں پیچھے رہ جائے وہ جوا ہار بیٹھتا ہے، پھر اِسی کی قسم ہے روپے پیسے کی کمیٹی لاٹری کے ذریعے نکالنا اور راتوں رات لکھ پتی بننے کے لالچ میں پرائز بانڈز خریدنا بھی جوا کی شکل ہے جواء کی تمام شکلیں انسان کو کاہل اور سست بناتی ہیں، ایک دوسرے سے حسد اور دشمنی کے جذبات پرورش پاتے ہیں اور بسا اوقات افراد کے درمیان جنگ وجدل کا سلسلہ چل نکلتا ہے، اُن کے درمیان ہمدردی اور مروت رواداری اور مؤاسات ایسے اخلاقی اوصاف ختم ہو جاتے ہیں۔

شراب اور دیگر منشیات

شراب اور اسی قسم کی دوسری منشیات بھنگ چرس وغیرہ کے کاروبار کو اسلام نے ممنوع قرار

Marfat.com

دیا ہے، اس سے فائدہ کی بجائے نقصانات زیادہ ہوتے ہیں، لوگوں کے اخلاق تباہ ہوتے ہیں، ان میں آوارگی اور بے حیائی پھیلتی ہے جس سے معاشرتی زندگی تہہ و بالا ہو جاتی ہے، ظاہر ہے کہ اسلام تو امن اور سلامتی کا دین ہے وہ بھلا ان باتوں کو کیسے برداشت کر سکتا ہے۔

شراب کو عربی زبان میں "خمر" کہتے ہیں اس کے تحت ہر وہ نشیلا مشروب داخل ہے جو عقل کو مختل کر دے اور حواس سلامت نہ رہیں۔

"اِسمٌ لِکُلِّ مُسْکِرٍ خَامِرُ العقل" (تاج العروس)

شریعت اسلامیہ نے بھی اِسی لغوی مفہوم کو قبول کر لیا ہے، جسم انسانی میں جب عقل مختل اور حواس باختہ ہو جائیں تو اس کا شرف کہاں رہ گیا؟ اس لئے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"اللہ تعالیٰ نے شراب پر، اس کے پینے والے، پلانے والے، بیچنے والے، خریدنے والے، دوسروں کے لئے نچوڑنے والے، اُس کے لے جانے والے اور جس کے پاس لے جائی جائے، سب پر لعنت فرمائی ہے۔ (ابوداؤد، کتاب الاشربۃ)

اور اِس حقیقت کو جان لیجئے کہ اسلام جب کسی چیز کو حرام کرتا ہے تو اس کا مقصد صرف یہی نہیں ہوتا کہ اسے استعمال نہ کیا جائے بلکہ اس کی جڑ تک کو اخلاقی معاشرے سے نیست و نابود کر دیا جاتا ہے۔ اب یہ کہاں کا انصاف ہے کہ ایک اسلامی معاشرے میں مسلمانوں کے لئے تو شراب حرام ہے لیکن باوجود اس کے اس کے کاروبار کو حکومت ٹیکس وصول کرنے کی غرض سے فروغ دے رہی ہو، شراب اگر حرام ہے تو اس کا بنانا اور فروخت کرنا بھی ہر حالت میں حرام ہے اور اسے حکومت کی آمدنی بڑھانے کی خاطر حلال نہیں کیا جا سکتا ہے۔

عبداللہ بن ہبیرہ سیانی سے روایت ہے کہ عتبہ بن فرقد نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو چالیس ہزار درہم صدقہ محصول خمر (شراب کا ٹیکس) بھیجے تو آپ نے شدت ناراضی کے ساتھ لکھا: "اللہ کی قسم، اب میں تجھے عامل نہیں بناؤں گا۔"

اسی طرح مثنیٰ بن سعید کی روایت ہے کہ حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ نے عدی بن ارطات کو خراسان بھیجا کہ خراج ومحاصل (ٹیکسوں) کی سابقہ تفصیل بھیجیں، انہوں نے جو تفصیل خلیفہ کو روانہ کی اس میں محصول شراب کی رقم چار لاکھ درہم تھی، اس تفصیل کے ملتے ہی خلیفہ نے ارطات کو لکھا کہ:

Marfat.com

''خمر (شراب) پر نہ عشر ہے نہ وہ فروخت کی جاسکتی ہے جیسے ہی میرا یہ فرمان پہنچے فوراً رقم واپس کردو۔'' (زاد المعاد، ابن قیم بحوالہ اسلام اور افکار نو، شیخ محمد علی)

یورپ میں شراب نوشی کے جو برے اثرات مرتب ہوئے ہیں وہ ظاہر و باہر ہیں، اس کے لئے الگ مضمون درکار ہے، قرآن نے شراب اور جوئے کو ایک حکم میں جمع کر کے یہ واضح کر دیا ہے کہ یہ دونوں چیزیں فرد، خاندان، وطن اور اخلاق، روحانی اور جسمانی صحت کے لئے یکسر مضر اور نقصان دہ ہیں، قمار باز (جوأباز) کا معاملہ شرابی سے بہت مشابہ ہوتا ہے بلکہ بہت کم ایسا ہوتا ہے کہ ایک وجود دوسرے کے بغیر پایا جاتا ہو۔

اِحتکار اور اِکتناز

اِحتکار سے مراد یہ ہے کہ دولت سمٹ کر کسی ایک ہی طبقہ میں محصور و محدود ہو جائے، فقہ میں احتکار سے مراد یہ ہے کہ کوئی شخص ''غلہ'' وغیرہ کو بہت بڑی مقدار میں اس لئے خرید لے کہ بازار گراں ہو جائے اور پبلک میں اس چیز کی مانگ کا 'مرکز' صرف وہی شخص بن جائے اور پبلک اس کے مقررہ نرخ پر خریدنے کے لئے مجبور ہو جائے اور وہ من مانی گراں فروشی کر سکے۔

(اسلام کا اقتصادی نظام، مولانا حفظ الرحمٰن سیوہاروی)

اِکتناز کے معنی یہ ہیں کہ دولت کے عظیم الشان خزانے چند افراد کے پاس جمع ہو جائیں اور ان کے پھیلاؤ اور تقسیم کی کوئی راہ باقی نہ رہے، یہ لفظ کنز سے بنا ہے۔

امام راغب لکھتے ہیں:

'' اَلْکَنْزُ کے معنی دولت جمع کر کے اسے محفوظ رکھ دینے کے ہیں۔'' (مفردات القرآن)

اسلام اِحتکار اور اکتناز، دونوں کا مخالف ہے کیونکہ اس سے عوام الناس اور خصوصاً غربا و مساکین کا استحصال ہوتا ہے۔

قرآن حکیم میں ارشاد ہوتا ہے:

وَالَّذِيْنَ يَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَا يُنْفِقُوْنَهَا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ، فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ (التوبہ:۳۴) ''اور دردناک سزا کی خوشخبری دیجئے انہیں جو سونے اور چاندی جمع کر کے رکھتے ہیں اور انہیں اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے۔''

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے:

Marfat.com

"مَنْ اِحْتَكَرَ فَهُوَ خَاطِئٌ وَ فِي رِوَايَةِ الْمُحْتَكِرُ مَلْعُوْنٌ"

احتکار کرنے والا خطا کار ہے اور اس پر اللہ تعالیٰ کی پھٹکار ہے۔

خیانت کا مال

جو رقم کسی کے پاس بطور امانت کے رکھی جائے اس پر لازم ہے کہ وہ اس کے مالک کو مقررہ مدت کے بعد واپس کر دے اگر وہ اس میں خیانت کرتا ہے تو وہ اس کے لئے جائز آمدنی نہ ہوگی، اس لئے اس بارے میں قرآن حکیم نے خاص طور پر ہدایت کی ہے۔

فَإِنْ أَمِنَ بَعْضُكُمْ بَعْضًا فَلْيُؤَدِّ الَّذِي اؤْتُمِنَ أَمَانَتَهُ وَلْيَتَّقِ اللَّهَ رَبَّهُ (البقرہ:۲۸۳)

"پس اگر تم میں سے ایک شخص دوسرے پر اعتماد کر کے کوئی امانت اس کے سپرد کرے تو جس پر اعتماد کیا گیا ہے اسے امانت ادا کرنی چاہئے اور اللہ، اپنے رب کے غضب سے ڈرنا چاہئے۔"

اور حدیث مبارک میں خائن شخص کو منافق کہا گیا ہے:

"حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: منافق کی تین نشانیاں ہیں..... جب بات کہے تو جھوٹ بولے جب وعدہ کرے تو پورا نہ کرے، جب امانت رکھی جائے تو خیانت کرے۔" (بخاری، مسلم)

سرکاری خزانہ ملک اور عوام کی امانت ہوتا ہے، حکمرانوں کو کسی طرح یہ زیب نہیں دیتا کہ وہ اس خزانے کا ناجائز استعمال کریں۔ اگر خائن لوگ اور حکمران دنیا سے بچ نکلیں تو بچ نکلیں مگر اللہ تعالیٰ کی عدالت سے ہرگز ہرگز بچ نہیں سکتے اور آخرت کا عذاب تو بڑا ہی سخت اور دردناک ہے، قرآن حکیم میں آتا ہے:

وَمَنْ يَغْلُلْ يَأْتِ بِمَا غَلَّ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ، ثُمَّ تُوَفّٰى كُلُّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ (ال عمران:۱۶۱)

اور جو کوئی غلول (پبلک کے مال میں خیانت) کرے، وہ اپنے خیانت کے مال سمیت قیامت کے روز حاضر ہوگا اور ہر ایک کو اس کی کمائی کا پورا بدلہ ملے گا۔"

کم تولنا......کم پیمائش کرنا

اشیائے خوردنی کم تولنے یا کپڑا وغیرہ کم پیمائش کرنے سے نہ صرف کوئی شخص خیر و برکت سے محروم ہو جاتا ہے بلکہ اس کی آمدنی بھی حلال نہیں رہتی ہے، قرآن حکیم میں کم تولنے والوں کو سخت وعید سنائی گئی ہے، ارشاد ہوتا ہے:

Marfat.com

وَيْلٌ لِّلْمُطَفِّفِيْنَ، الَّذِيْنَ اِذَا اكْتَالُوْا عَلَى النَّاسِ يَسْتَوْفُوْنَ، وَاِذَا كَالُوْهُمْ اَوْ وَّزَنُوْهُمْ يُخْسِرُوْنَ (المطففين:۱-۳)

''تباہی ہے ان کم تولنے والوں کے لئے جو دوسروں سے لیتے ہیں تو پورا پیمانہ بھر کے لیتے ہیں اور جب دوسروں کو ناپ کر یا تول کر دیتے ہیں تو کم دیتے ہیں۔''

اللہ تعالیٰ خبیر وعلیم ہے، وہ بندوں کے ظاہری اعمال تو کجا دلوں کے راز اور بھید بھی جانتا ہے اور روزِ قیامت ہر شخص کی فلم چلادی جائے گی جس میں ہر چھوٹے بڑے عمل کا اسے پتہ چل جائے گا۔

یتامیٰ کے اموال

یتامیٰ وہ بچے ہیں جن کے والدان کے سن شعور کو پہنچنے سے پہلے وفات پا جائیں، ان کی جائیداد اور اموال کی حفاظت نیز ان کے بود وباش کی نگرانی جہاں بہت بڑا اجر ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسے نیک لوگوں کو اپنے ساتھ جنت میں رفاقت کی خوشخبری سنائی ہے تو اس کے ساتھ ساتھ قرآن حکیم نے ناحق یتامیٰ کے مال کھانے والوں کو جہنم کی وعید بھی بتلائی ہے، ارشاد ہوتا ہے:

اِنَّ الَّذِيْنَ يَاْكُلُوْنَ اَمْوَالَ الْيَتٰمٰى ظُلْمًا اِنَّمَا يَاْكُلُوْنَ فِيْ بُطُوْنِهِمْ نَارًا، وَسَيَصْلَوْنَ سَعِيْرًا (النساء:۱۰) ''جو لوگ یتامیٰ کے مال ظلم سے کھاتے ہیں وہ اپنے پیٹوں میں آگ بھرتے ہیں اور عنقریب وہ جہنم کی آگ میں جلیں گے۔''

چوری اور ڈاکے کا مال

چوری اور ڈاکے سے ہتھیایا ہوا مال کسی طرح بھی حلال اور جائز نہیں ہے، چور اور ڈاکو نہ صرف امن عامہ کو تہ وبالا کرتے ہیں بلکہ لوگوں کی جائز آمدنی کو بھی نقصان پہنچانے بلکہ ڈاکو تو مال لوٹنے کے بدلے لوگوں کی جان کو بھی نقصان پہنچانے میں دریغ نہیں کرتے، قرآن حکیم نے دونوں گروہوں کا ذکر اس طرح کیا ہے:

وَالسَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ فَاقْطَعُوْٓا اَيْدِيَهُمَا (المائدہ:۳۸)

''چوری کرنے والے مرد اور چوری کرنے والی عورت دونوں کے ہاتھ کاٹ دو۔''

اور ڈاکوؤں کے لئے اس سے زیادہ سنگین سزا سنائی گئی ہے:

اِنَّمَا جَزٰٓؤُا الَّذِیْنَ یُحَارِبُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَ یَسْعَوْنَ فِی الْاَرْضِ فَسَادًا اَنْ یُّقَتَّلُوْٓا اَوْ یُصَلَّبُوْٓا اَوْ تُقَطَّعَ اَیْدِیْهِمْ وَاَرْجُلُهُمْ مِّنْ خِلَافٍ اَوْ یُنْفَوْا مِنَ الْاَرْضِ، ذٰلِكَ لَهُمْ خِزْیٌ فِی الدُّنْیَا وَلَهُمْ فِی الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ عَظِیْمٌ (المائدہ:۳۳)

''جولوگ اللہ اور اس کے رسول سے لڑتے ہیں اور زمین میں اس لئے تگ و دو کرتے پھرتے ہیں کہ فساد برپا کریں ان کی سزا یہ ہے کہ قتل کئے جائیں یا سولی پر چڑھائے جائیں، یا ان کے ہاتھ اور پاؤں مخالف سمتوں میں کاٹ ڈالے جائیں یا وہ جلاوطن کر دیئے جائیں، یہ ذلت و رسوائی تو ان کیلئے دنیا میں ہے اور آخرت میں ان کے لئے اس سے بڑی سزا ہے۔''

سید مودودیؒ لکھتے ہیں:

''زمین سے مراد یہاں وہ ملک یا وہ علاقہ ہے جس میں امن و انتظام قائم کرنے کی ذمہ داری اسلامی حکومت نے لے رکھی ہے اور اللہ اور رسول سے لڑنے کا مطلب اس نظام صالح کے خلاف جنگ کرنا ہے جو اسلام کی حکومت نے ملک میں قائم کر رکھا ہو، فقہائے اسلام کے نزدیک اس سے مراد وہ لوگ ہیں جو مسلح ہو کر اور جتھہ بندی کر کے قتل اور غارت گری کریں۔

(ترجمہ قرآن مجید مع مختصر حواشی)

اور یہ جو مختلف سزائیں ہیں اس کا فیصلہ قاضی یا جج کرے گا کہ مجرموں کو کونسی سزا دی جائے۔

ناچ گانے اور بے حیائی کا مال

انفرادی طور پر یا اجتماعی طور پر جو روپیہ پیسہ ناچ گانوں، بدکاری اور بے حیائی سے کمایا جائے وہ حرام ہے اس لئے کہ اس سے معاشرتی زندگی کا اخلاقی نظام برباد ہوتا ہے اور اسلام ہمیشہ ایک صالح معاشرے کی بنیاد رکھتا ہے، ارشاد ربانی ہے:

اِنَّ الَّذِیْنَ یُحِبُّوْنَ اَنْ تَشِیْعَ الْفَاحِشَةُ فِی الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَهُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ لا فِی الدُّنْیَا وَ الْاٰخِرَةِ ط (النور:۱۹)

''جولوگ چاہتے ہیں کہ ایمان لانے والوں میں فحش کی اشاعت ہو اُن کے لئے دنیا اور آخرت میں دردناک سزا ہے۔''

اسلام کے نام پر قائم ہونے والی حکومتوں کیلئے جیسا کہ پاکستان ہے، یہ آیہ مبارکہ عظیم لمحہ

Marfat.com

فکر یہ ہے! ذرائع ابلاغ، ٹیلی ویژن ریڈیو وغیرہ کی نگران حکومت ہوتی ہے۔ اس پر نشر ہونے والے پروگراموں کی وہ ذمہ دار بھی ہے، اس طرح وہ لوگوں پر بھی نگران ہے اور بدکاری و بے حیائی پھیلانے والے مردوں اور عورتوں کو سزا دینے کی ذمہ دار بھی ہے، اگر ایسا نہ کیا گیا تو لوگوں میں گمراہیاں اور برائیاں پھیلتی جائیں گی۔

اس لئے حکم ہوتا ہے:

اَلزَّانِيَةُ وَالزَّانِي فَاجْلِدُوْا كُلَّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا مِائَةَ جَلْدَةٍ (النور:۲)

"زانی مرد اور زانیہ عورت دونوں میں سے ہر ایک کو سو کوڑے مارو۔"

غور کیجئے کہ اسلام معاشرتی زندگی کو کتنا صاف ستھرا بناتا ہے اور ناجائز آمدنی کے تمام ذرائع بند کر کے پاکیزہ آمدنی کی راہیں اور ذرائع ہموار کرتا ہے اور اسی سے اعمال صالحہ کی توفیق ملتی ہے جس سے دنیا اور آخرت سنورتی اور نکھرتی ہے جبکہ ناجائز ذرائع آمدنی سے نہ صرف قلب کا سکون و اطمینان ہی رخصت ہو جاتا ہے بلکہ دعا و مناجات اور عبادت و ریاضت بھی نامقبول ہو جاتی ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ایسے مسافر کا تذکرہ فرمایا جو طول طویل سفر پر ہے، جو پراگندہ بال اور پراگندہ حال ہے (اس مسافرت میں اس کی دعا تو اللہ تعالیٰ کے یہاں قبول ہونی چاہئے) مگر ایسا نہیں ہوتا۔ اس لئے کہ اس کا کھانا پینا، اوڑھنا بچھونا، رزق حرام ہے اور وہ اسی رزق سے پلا بڑھا ہے، اس لئے یہ عظیم لمحہ فکر یہ ہے کہ تمام تر تگ و دو کے باوجود زندگی ایسی قیمتی چیز بے کار اور رائیگاں جائے، عقلمندو! سوچ سمجھ سے کام لو۔

Marfat.com

وقت گرانمایہ دولت ہے

زندگی مختصر ہے اور سفر طویل ہے، اس مختصر وقت میں بہت سے حقوق و فرائض ہیں جو ایک بندہ مومن کے ذمہ ہیں...... خالق و مالک کی بندگی، اُس کے بندوں کی خدمت گزاری، حصول علم کیلئے تگ ودو، تلاش معاش کی جستجو، پھر پیغام حق کی نشر و اشاعت، دن بھر کام کاج کے لئے ہے تو رات کو آرام بھی ضروری ہے، انسانی زندگی میں اگر خوشی اور مسرت کے لمحات آتے ہیں تو مصائب و آلام کے اوقات بھی آتے ہیں، ایک شخص کو اگر یہ حیات مستعار ساٹھ سال کیلئے ملی ہے تو اس کا ذرا ٹھنڈے دل و دماغ سے حساب لگایئے، زندگی کے ابتدائی سات آٹھ برس تو یونہی کھیل کود اور لا ابالی پن میں گزر جاتے ہیں، اسی طرح بڑھاپے میں اتنے ہی سال راحت و آرام میں بیت جاتے ہیں، اِن ساٹھ برسوں میں آدھا وقت شب بھر کی نیند میں کٹ جاتا ہے...... اس کے علاوہ صحت کے ساتھ بیماری کے ایام ہیں اور دوست احباب کی شادی اور مرگ کے اوقات بھی ہیں۔ صبح و شام کھانے پینے کے لئے بھی وقت درکار ہے۔ محنت و ریاضت کیلئے بمشکل دس پندرہ برس ملتے ہیں، اگر انہیں حزم و احتیاط سے کام میں لے آئیں تو کامیابی کی امید کی جاسکتی ہے مگر ہم میں سے اکثر اس قیمتی اثاثے سے لاپروا ہیں، اس حقیقت کی جانب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے:

نِعْمَتَانِ مَغْبُوْنٌ فِیْهِمَا كَثِیْرٌ مِنَ النَّاسِ اَلصِّحَّةُ وَالْفَرَاغُ (کتاب الرقاق، بخاری)

"دو نعمتیں ایسی ہیں کہ جن کے بارے میں بہت سے لوگ دھوکے اور فریب کا شکار ہیں...... ایک صحت اور دوسری فراغت۔"

کیا یہ حقیقت نہیں ہے کہ صحت کی قدر و عافیت کا پتہ اُس وقت چلتا ہے جب ہم کسی مرض اور بیماری کا شکار ہوتے ہیں اور فراغت کی قدر و قیمت کا احساس اس طالب علم کو ہوتا ہے جس نے امتحان میں پوزیشن نہ لی اور وہ سوچتا ہے کہ کاش میں فلاں وقت محنت کر لیتا تو زیادہ اچھی پوزیشن

حاصل کر لیتا۔

یہ مختصر زندگی بھی امتحان ہے، اللہ تعالیٰ نے اس کی تیاری کیلئے ہمیں مکمل دستور حیات عنایت فرمادیا ہے، ارشاد ہوتا ہے:

الَّذِی خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَیٰوۃَ لِیَبْلُوَکُمْ اَیُّکُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا (الملک:۲)

''وہ جس نے موت اور حیات کو اس لئے پیدا کیا ہے کہ تمہیں آزمائے کہ کون تم میں سے اچھے عمل کرتا ہے۔''

اس سے وہی لوگ فائدہ اٹھاتے ہیں جو ایمان و اعمال صالح کی پونجی کا سروسامان جلدی جلدی کر لیں۔ قرآن حکیم نے بڑی مختصر سورت میں اس کا ذکر یوں فرمایا ہے:

وَالْعَصْرِ (۱) اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِیْ خُسْرٍ (۲) اِلَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ (۳) [العصر]

''وقت انسان کے اعمال پر گواہ ہے کہ وہ بڑے خسارے میں ہے، سوائے ان لوگوں کے جو ایمان لائے اور نیک اعمال کرنے میں مصروف ہو گئے اور جنہوں نے ایک دوسرے کو حق بات کی نصیحت کی اور صبر کی تلقین کرتے رہے۔''

سید مودودیؒ لکھتے ہیں:

''دراصل وقت ہے جو ایک ایک شخص اور ایک ایک قوم کو دنیا میں کام کرنے کے لئے دیا گیا ہے، اُس کی مثال اس وقت کی سی ہے جو امتحان گاہ میں طالب علم کو پرچے حل کرنے کیلئے دیا جاتا ہے، یہ وقت جس تیز رفتاری کے ساتھ گزر رہا ہے اس کا اندازہ تھوڑی دیر کے لئے اپنی گھڑی میں سیکنڈ کی سوئی کو حرکت کرتے ہوئے دیکھنے سے آپ کو ہو جائے گا۔ حالانکہ ایک سیکنڈ بھی وقت کی بہت بڑی مقدار ہے اِسی ایک سیکنڈ میں روشنی ایک لاکھ چھیاسی ہزار میل کا راستہ طے کر لیتی ہے اور اللہ تعالیٰ کے کارخانے میں بہت سی چیزیں ایسی بھی ہو سکتی ہیں جو اس سے بھی زیادہ تیز رفتار ہوں خواہ وہ ابھی تک ہمارے علم میں نہ آئی ہوں، تاہم اگر وقت کے گزرنے کی رفتار وہی سمجھ لی جائے جو گھڑی میں سیکنڈ کی سوئی کے چلنے سے ہم کو نظر آتی ہے اور اس بات پر غور کیا جائے کہ ہم جو کچھ بھی اچھا یا برا فعل کرتے ہیں اور جن کاموں میں بھی مشغول رہتے ہیں، سب کچھ اُس محدود

Marfat.com

مدتِ عمر ہی میں وقوع پذیر ہوتا ہے جو دنیا میں ہم کو کام کرنے کیلئے دی گئی ہے تو ہمیں محسوس ہوتا ہے کہ ہمارا اصل سرمایہ تو یہی وقت ہے جو تیزی سے گزر رہا ہے۔

امام رازی نے کسی بزرگ کا قول نقل کیا ہے کہ ''میں نے سورۂ عصر کا مطلب ایک برف فروش سے سمجھا جو بازار میں آواز لگا رہا تھا کہ رحم کرو اس شخص پر جس کا سرمایہ گھلا جا رہا ہے، رحم کرو اس شخص پر جس کا سرمایہ گھلا جا رہا ہے، اس کی یہ بات سن کر میں نے کہا یہ ہے ''وَالْعَصْرِ (۱) اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِیْ خُسْرٍ (۲)'' کا مطلب، عمر کی جو مدت انسان کو دی گئی ہے، وہ برف کے گھلنے کی طرح تیزی سے گزر رہی ہے، اس کو اگر ضائع کیا جائے، یا غلط کاموں میں صرف کر ڈالا جائے تو یہی انسان کا خسارہ ہے۔'' (تفہیم القرآن، ج:۶)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس جامع نصیحت پر غور کیجئے:

اِغْتَنِمْ خَمْسًا قَبْلَ خَمْسٍ: حَیَاتَکَ قَبْلَ مَوْتِکَ، وَصِحَّتَکَ قَبْلَ سُقْمِکَ، وَ فَرَاغَکَ قَبْلَ شُغْلِکَ، وَ شَبَابَکَ قَبْلَ هَرَمِکَ وَ غِنَاکَ قَبْلَ فَقْرِکَ (مشکوٰۃ......کتاب الرقاق)

حالی مرحوم نے اس حدیث مبارک کا کیا ہی عملی ترجمہ کیا ہے:

غنیمت ہے صحت علالت سے پہلے
فراغت مشاغل کی کثرت سے پہلے
جوانی بڑھاپے کی زحمت سے پہلے
اقامت مسافر کی رحلت سے پہلے
فقیری سے پہلے غنیمت ہے دولت
جو کرنا ہے کر لو کہ تھوڑی ہے مہلت

قرآن حکیم نے ہمیں اس طرف توجہ دلائی ہے کہ اعمال خیر کو سرانجام دینے میں کبھی غفلت اور کوتاہی سے کام نہ لو بلکہ شوق اور رغبت سے فوری انجام دے ڈالو، ایسے ہی جیسے میدان میں تم کسی کے ساتھ دوڑ لگا رہے ہو اور بڑے ہی مختصر اور خوبصورت جملے میں فرمایا:

فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرَاتِ

Marfat.com

''نیکیوں کو بڑھ چڑھ کر سرانجام دو۔''

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنھما سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرا کندھا پکڑ کر ارشاد فرمایا:

كُنْ فِي الدُّنْيَا كَأَنَّكَ غَرِيْبٌ أَوْ عَابِرُ سَبِيْلٍ

''تم دنیا میں اس طرح رہو جس طرح کوئی مسافر یا کوئی رہ گزر ہوتا ہے۔''

اور حضرت ابن عمرؓ فرمایا کرتے تھے:

إِذَا أَمْسَيْتَ فَلَا تَنْتَظِرِ الصَّبَاحَ وَإِذَا أَصْبَحْتَ فَلَا تَنْتَظِرِ الْمَسَاءَ وَ خُذْ مِنْ صِحَّتِكَ لِمَرَضِكَ وَ مِنْ حَيَاتِكَ لِمَوْتِكَ (رواہ البخاری۔اربعین نووی)

''جب تم شام کے وقت میں داخل ہو جاؤ تو صبح کا انتظار نہ کیا کرو اور جب صبح میں داخل ہو جاؤ تو شام کی امید نہ رکھو اور اپنی صحت کے دوران اپنی بیماری کے لئے انتظام کرلو اور اپنی زندگی میں اپنی موت کا سامان کرلو۔''

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عبداللہ بن عمرؓ کو کتنی پتے کی بات ارشاد فرمائی کہ دنیا میں مسافرانہ زندگی بسر کرو، مسافر کے پاس تو بس واجبی سا سامان ہوتا ہے تاکہ دوران سفر اسے مشکلات کا سامنہ نہ ہو اور ہلکا پھلکا اپنی منزل مقصود تک پہنچ جائے اور پھر ہر مسافر کی خواہش ہوتی ہے کہ اس کا وقت ضائع نہ ہو اور اس کا سفر جلد سے جلد طے ہو جائے، پھر ابن عمرؓ کی نصیحت پر بھی غور کرلیجئے کہ شام ہونے پر صبح کا انتظار نہ کرو اور نیکیاں کمانے میں کسی انتظار میں نہ رہو اور صبح ہونے پر شام کے انتظار میں نہ رہو، نہ معلوم زندگی کی کتنی گھڑیاں باقی ہیں؟ کیا خوب کسی نے کہا ہے:

اَلْاَیَّامُ صَحَائِفُ أَعْمَارِكُمْ فَخَلِّدُوْهَا صَالِحَ أَعْمَالِكُمْ

''یہ ایام تمہاری عمروں کے صحیفے ہیں، اچھے اعمال سے ان کو دوام بخشو''

(متاع وقت اور کاروان علم ابن الحسن عباسی)

چھٹی صدی کے مشہور عالم ابن الجوزی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے صاحبزادے کیلئے ایک نصیحت نامہ ''لِفْتَةُ الْكَبِدِ فِي نَصِيْحَةِ الْوَلَدِ'' کے نام سے وقت کی اہمیت اور عمر عزیز کی قدر و منزلت کے سلسلے میں لکھا ہے اس کا ترجمہ پیش خدمت ہے: ''لخت جگر! زندگی کے دن چند گھنٹوں اور گھنٹے چند گھڑیوں سے عبارت ہیں، زندگی کا ہر سانس رب کریم کی طرف سے عظیم خزانہ ہے، ایک ایک

Marfat.com

سانس کی قدر کیجئے کہ کہیں بغیر فائدہ کے نہ گزرے تا کہ کل قیامت میں زندگی کا دفینہ خالی پا کر اشک ندامت نہ بہانے پڑیں، ایک ایک لحہ کا حساب کریں کہ کہاں صرف ہو رہا ہے اور اس کوشش میں رہیں کہ ہر گھڑی کسی مفید کام میں صرف ہو، بیکار زندگی گزارنے سے بچیں، اور کام کی عادت ڈالیں تا کہ آگے چل کر آپ وہ کچھ پا سکیں جو آپ کے لئے باعث مسرت ہو۔ (حوالہ ایضاً)

ہمارے اسلاف میں علم کی لگن اور تڑپ اور وقت کی حفاظت اور صیافت کا ہر لحہ احساس رہتا تھا اور زندگی کے آخری لحات میں بھی یہ شوق قائم رہتا تھا۔

امام ابن السنی کے صاحبزادے فرماتے ہیں کہ میرے والد نے ایک روز لکھتے لکھتے قلم دوات کے منہ میں رکھا اور دعا کو ہاتھ اٹھائے، جو ہاتھ دعا کے واسطے اٹھے تھے، پھر وہ قلم نہ اٹھا سکے اور عین حالت دعا میں روح عالم بالا کو پرواز کر گئی۔ ابن السنی کا سن [عمر] اس وقت اسی برس سے متجاوز ہو چکا تھا۔ (علمائے سلف اور نابینا علماء از حبیب الرحمٰن خان شیروانی)

امامِ ادب ابو العباس ثعلب کی وفات کا حال سنیئے، اُن کی عمر اکانوے برس کی ہو چکی تھی، ایک دن جمعۃ المبارک کی نماز سے فارغ ہو کر مسجد سے مکان کو جانے لگے، راستہ میں کتاب دیکھتے جاتے تھے، کتاب میں محویت اور اس پر ثقل سماعت، پھر وہ آواز کیا سنتے، ایک گھوڑے کا دھکا لگا اور اس کے صدمے سے بے ہوش ہو کر زمین پر گر پڑے، لوگ غشی کی حالت میں اٹھا کر مکان پر لائے، ضعف پیری اتنے بڑے صدمے کو، کب برداشت کر سکتا تھا، اسی حالت میں رحلت کی، انتہائی پیری میں بھی ان کا شوق طلب اتنا قوی تھا کہ رہ نوردی میں جو وقت گزرتا اس کا جاتا رہنا بھی گوارا نہ ہوا۔ (حوالہ ایضاً)

انسان اشرف المخلوقات ہے، لازم ہے کہ وہ اس شرف کی قدر کرتے ہوئے رب کریم کے احسان کو مانے اور اپنے اس انعام پر اس کا ہر وقت شکر گزار رہے، ایسا نہ ہو کہ اچانک فرشتہ اجل آ جائے تو وہ کف افسوس ملتا ہوا کہے:

اَنْ تَقُوْلَ نَفْسٌ یّٰحَسْرَتٰی عَلٰی مَا فَرَّطْتُّ فِیْ جَنْۢبِ اللّٰهِ وَاِنْ كُنْتُ لَمِنَ السّٰخِرِیْنَ (الزمر:۵۶)

”کہیں ایسا نہ ہو کہ بعد میں کوئی شخص کہے ”افسوس میری اس تقصیر پر جو میں اللہ کی جناب میں کرتا رہا، بلکہ میں تو الٹا مذاق اڑانے والوں میں شامل تھا۔“

پھر دوبارہ زندگی ملنا محال ہے

دریں امید بشر شد دریغ عمر عزیز
کہ آنچہ در دلم است از درم فراز آید
امید بستہ برآمد وے، چہ فائدہ زانکہ
امید نیست کہ عمر گزشتہ باز آید

سعدی شیرازی کے ان اشعار کو بزبان اردو خوب ادا کیا گیا ہے:

اسی امید میں گزری تھی ساری عمر افسوس
کہ ایک روز ہو طالع امید کا خورشید
بر آئی دل کی تمنا، مگر ہے لا حاصل
نہیں جو عمر گزشتہ کے لوٹنے کی امید

Marfat.com

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نظامِ تعلیم و تربیت

نظام تعلیم چار بنیادی عناصر پر مشتمل ہوتا ہے:

(۱) مرکز تعلیم (۲) طلباء (۳) معلم (۴) نصاب تعلیم و تربیت۔

(۱) مرکز تعلیم

اسلامی مرکز تعلیم کا سنگ بنیاد امام انسانیت سیدنا ابراہیم علیہ السلام اور آپ کے فرزند ارجمند سیدنا اسماعیل علیہ السلام کے مقدس ہاتھوں سے سرزمین حجاز میں رکھا گیا، اُس وقت اُن کے لبوں پر یہ دعا جاری و ساری تھی۔

وَاِذْ یَرْفَعُ اِبْرٰھٖمُ الْقَوَاعِدَ مِنَ الْبَیْتِ وَاِسْمٰعِیْلُ ؕ رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا ؕ اِنَّکَ اَنْتَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ (البقرہ:۱۲۷)

''اور یاد کیجئے کہ ابراہیمؑ اور اسماعیلؑ، جب اس گھر کی دیواریں اٹھا رہے تھے تو دعا کرتے جاتے تھے: ''اے ہمارے رب! ہم سے یہ خدمت قبول فرما لے تو سب کی سننے اور سب کچھ جاننے والا ہے۔

(۲) طلباء

اس عظیم درسگاہ میں تعلیم پانے والی طلبہ کی جماعت وہ امت مسلمہ ہے جس نے چار دانگ عالم میں حق و صداقت کا پیغام پہنچانا اور عدل و انصاف کا نظام برپا کرنا تھا، اس کے لئے یوں دعا کی گئی۔

رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا مُسْلِمَیْنِ لَکَ وَمِنْ ذُرِّیَّتِنَآ اُمَّۃً مُّسْلِمَۃً لَّکَ (البقرہ:۱۲۸)

''اے رب! ہم دونوں کو اپنا مسلم (مطیع فرمان) بنا۔ ہماری نسل سے ایک ایسی قوم اٹھا، جو تیری مطیع و فرمانبردار (مسلم) ہو۔''

Marfat.com

(۳) معلم

اس امت مسلمہ کی تعلیم وتربیت کیلئے ایسے معلم کی ضرورت تھی جو صحیح خطوط پر تعلیم وتربیت فرمائے کیونکہ اس کے بغیر درسگاہ کا مقصد پورا نہیں ہوتا تھا، چنانچہ دعا فرمائی:

رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيهِمْ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ (البقرہ:۱۲۹)

''اے رب! ان لوگوں میں خود انہی کی قوم سے ایک رسول اٹھائیو (جو ان کی تعلیم وتربیت فرمائے)''

(۴) نصاب تعلیم وتربیت

نصاب تعلیم وتربیت کے بغیر بھی درسگاہ مکمل نہیں ہوتی ہے، اس کے لئے رب تعالیٰ کے حضور اس طرح دعا فرمائی گئی:

يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِكَ وَ يُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَيُزَكِّيْهِمْ (البقرہ:۱۲۹)

''وہ ان پر تیری آیات کی تلاوت کرے، انہیں کتاب وحکمت کی تعلیم دے اور ان کا تزکیہ فرمائے۔''

سبحان اللہ! کیا ہی خوبصورت نصاب تعلیم وتربیت تجویز کیا گیا ہے۔

سیدنا ابراہیمؑ اور سیدنا اسماعیلؑ کے خلوص اور دل کی گہرائیوں سے نکلنے والی یہ دعا قبول ہوئی اور اس دعا کا ظہور خاتم النبییّن محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری سے ہوا اور نظام تعلیم و تربیت کا عملی خاکہ نسل انسانیت کے سامنے آ گیا، ارشاد ہوتا ہے:

هُوَ الَّذِىْ بَعَثَ فِى الْاُمِّيّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَ يُزَكِّيْهِمْ وَ يُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ (الجمعہ:۲) ''وہی (ذات بابرکات) ہے جس نے اُمّیوں کے اندر ایک رسول خود انہی میں سے اٹھایا، جو انہیں اس کی آیات سناتا ہے، ان کا تزکیہ نفس فرماتا ہے اور انہیں کتاب وحکمت کی تعلیم دیتا ہے۔''

غور کیجئے جن الفاظ میں سیدنا ابراہیمؑ نے دعا فرمائی تھی انہیں الفاظ میں وہ پوری ہوئی۔ پھر غور کیجئے کہ مرکز تعلیم جس کی بنیاد سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے اپنے مبارک ہاتھوں سے رکھی تھی، ضروری تھا کہ وہ نسل انسانیت کیلئے منبع رشد وہدایت بنے اور اس میں امن وسلامتی کی فضا ہمہ وقت قائم رہے، اور اسی کے نقش پر دنیا کے ہر مقام اور ہر جگہ پر مراکز تعلیم قائم ہوں، فرمایا:

Marfat.com

اِنَّ اَوَّلَ بَیۡتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِیۡ بِبَکَّۃَ مُبٰرَکًا وَّ ہُدًی لِّلۡعٰلَمِیۡنَ ۚ﴿۹۶﴾ فِیۡہِ اٰیٰتٌۢ

بَیِّنٰتٌ مَّقَامُ اِبۡرٰہِیۡمَ ۬ۚ وَ مَنۡ دَخَلَہٗ کَانَ اٰمِنًا ؕ (آل عمران:۹۶-۹۷)

''بے شک سب سے پہلی عبادت گاہ جو انسانوں کے لئے تعمیر ہوئی وہ وہی ہے جو مکہ میں واقع ہے، اس کو خیر و برکت دی گئی تھی اور تمام جہان والوں کیلئے مرکز ہدایت بنایا گیا تھا، اس میں کھلی ہوئی نشانیاں ہیں، ابراہیمؑ کا مقام عبادت ہے اور اس کا حال یہ ہے کہ جو اس میں داخل ہوا امن و سلامتی پا گیا۔''

پھر اس گھر کو دنیا بھر کے مسلمانوں کیلئے مرجع عبادت و زیارت بنا دیا گیا کہ صاحب حیثیت لوگ ذوالحجہ کے مہینہ میں جمع ہو کر رب کائنات کی بندگی کا حق ادا کریں تو اس کے ساتھ ساتھ اپنے معاشی، معاشرتی، سیاسی اور تمدنی مسائل کا حل بھی تلاش کریں، حکم ہوتا ہے۔

وَ لِلّٰہِ عَلَی النَّاسِ حِجُّ الۡبَیۡتِ مَنِ اسۡتَطَاعَ اِلَیۡہِ سَبِیۡلًا (آل عمران:۹۷)

''لوگوں پر اللہ کا یہ حق ہے کہ جو اس گھر تک پہنچنے کی استطاعت رکھتا ہو وہ اس کا حج کرے۔''

ظاہر ہے کہ جو گھر امن اور سلامتی کا گہوارہ ہے اور جہاں روح کی بالیدگی کا سروسامان ہر وقت موجود ہے اور جہاں لوگوں کی تعلیم و تربیت کے فرائض بھی معلم اعظم خاتم النبیین محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سرانجام دیے، وہاں کے فارغ ہونے والے طلبہ نے انسانیت کو کیا کچھ نہ دیا۔ سب سے پہلے معلم و مربی کی سیرت و کردار کا ان پر زبردست اثر پڑا جن کی سیرت سراپا آئینہ قرآن تھی، بی بی عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

''کَانَ خُلُقُہُ الْقُرْاٰن''

اور پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق حسنہ کی شہادت رب کائنات نے دی اور اس سے بڑی شہادت اور کس کی ہو سکتی ہے۔

وَ اِنَّکَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیۡمٍ (القلم:۴)

''اور آپ یقیناً اخلاق کی بلندیوں پر فائز ہیں۔''

آپ سیرت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا جس رخ سے بھی مطالعہ کریں وہ قرآنی تعلیمات کے

Marfat.com

سانچے میں ڈھلی ہوئی نظر آئے گی......وہ صدق وصفا کا پیکر، عفت و پاکبازی کا نمونہ، عفو و درگزر کی تصویر اور حلم و بردباری کے لازوال کردار کے مالک تھے، وہ شرم وحیا، تواضع و خاکساری، دیانت و امانتداری اور احسان و مروت کی اپنی مثال آپ تھے، غرضیکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ چلتا پھرتا قرآن تھا اور اسی کا عکس صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی زندگیوں پر پڑا، ظاہر ہے کہ طلبہ معلم کی سیرت و کردار کا بہت زیادہ اثر لیتے ہیں، قرآن حکیم کے مختلف مقامات پر ان کے اخلاق و کردار کی جھلکیاں ملتی ہیں، ان کی آپس میں ہمدردیوں کا حال قرآن اس طرح بیان کرتا ہے:

مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ، وَالَّذِیْنَ مَعَهٗۤ اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَیْنَهُمْ (الفتح:۲۹)

”محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اللہ کے رسول ہیں اور جو لوگ ان کے ساتھ ہیں وہ کفار کے حق میں تو سخت ہیں اور آپس میں رحمدل ہیں۔“

ان کے ذوق عبادت اور خوشنودی رب کا تذکرہ یوں ہوتا ہے:

تَرٰىهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا یَّبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَ رِضْوَانًا (الفتح:۲۹)

”تو ان کو دیکھتا ہے کہ (اللہ تعالیٰ) کے آگے جھکے ہوئے سربسجود رہتے ہیں اور اللہ کا فضل اور اس کی خوشنودی کے متمنی اور طلبگار ہیں۔“

ان کی غریب پروری کا بیان یوں ہوتا ہے:

وَیُطْعِمُوْنَ الطَّعَامَ عَلٰى حُبِّهٖ مِسْكِیْنًا وَّ یَتِیْمًا وَّ اَسِیْرًا (الدھر:۸)

”اور اللہ کی محبت میں مسکین، یتیم اور قیدی کو کھانا کھلاتے ہیں۔“

بلکہ ایسا بھی ہوتا ہے کہ بسا اوقات خود بھوکے رہ کر بھی بھوکوں اور ناداروں کی خدمت کر ڈالتے ہیں، ان کے اس جذبہ ایثار کو قرآن اس طرح بیان کرتا ہے:

وَیُؤْثِرُوْنَ عَلٰۤى اَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ (الحشر:۹)

”وہ اپنی ذات پر دوسروں کو ترجیح دیتے ہیں خواہ اپنی جگہ خود محتاج ہوں۔“

رب کریم کی طرف سے ان کو مژدہ کامیابی سنایا جاتا ہے:

وَالسّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهٰجِرِیْنَ وَالْاَنْصَارِ وَالَّذِیْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ رَّضِیَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ وَ اَعَدَّ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ تَحْتَهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِیْنَ فِیْهَاۤ اَبَدًا ؕ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِیْمُ (التوبہ:۱۰۰)

"وہ مہاجر و انصار (صحابہ کرامؓ) جنہوں نے سب سے پہلے دعوت ایمان پر لبیک کہنے میں سبقت کی، نیز وہ جو بعد میں راستبازی کے ساتھ ان کے پیچھے آئے، اللہ ان سے راضی ہوا اور وہ اللہ سے راضی ہوئے، اللہ نے ان کے لئے ایسے باغ مہیا کر رکھے ہیں جن کے نیچے نہریں بہتی ہونگی اور وہ ان میں ہمیشہ رہیں گے، یہی عظیم الشان کامیابی ہے۔"

ابرار و صالحین کی یہی وہ جماعت ہے جنہوں نے حق و صداقت کا پیغام دور و نزدیک پہنچایا، امر بالمعروف اور نہی المنکر کا فریضہ سرانجام دیا، قرآن ان کی مدح سرائی کرتا ہے:

كُنتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَ تَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنكَرِ وَ تُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ (ال عمران:۱۱۰)

"اب دنیا میں وہ بہترین گروہ تم ہو جسے انسانوں کی ہدایت و اصلاح کیلئے میدان میں لایا گیا ہے۔ تم نیکی کا حکم دیتے ہو، بدی سے روکتے ہو اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو۔"

اور جو نصاب تعلیم و تربیت ان کے لئے تجویز ہوا، وہ بھی اپنی جگہ بے مثل اور بے مثال ہے:

(الف) تلاوت آیات (ب) تزکیہ نفس (ج) کتاب اللہ کی تعلیم (د) حکمت کی روشنی۔

اب ذرا قدرے تفصیل سے ان پر نظر ڈالتے ہیں:

(ا) تلاوت آیات (تَلَا، يَتْلُوْ، تُلُوًّا) لغوی معنی پیچھے آنا، نقش قدم پر چلنا، تابع ہونا، پیروی کرنا تلاوۃُ الْکِتاب، اللہ تعالیٰ کی کتاب کا پڑھنا، پڑھ کر سنانا، تلاوۃ الْکِتاب والسُّنَّۃ، کتاب و سنت کا اتباع کرنا (القاموس الوحید۔ مولانا وحید الزماں قاسمی)

امام راغب نے تِلَاوَۃ کے معنی کتاب کو پڑھنے اور اس کے معنی پر غور و فکر کے بیان کیے ہیں۔ پھر لکھتے ہیں "اَلتِّـلَاوَۃُ" بالخصوص اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل شدہ کتب کے اتباع کو کہا جاتا ہے۔ کبھی یہ اتباع ان کی قرأت (یعنی پڑھنے) کی صورت میں ہوتا ہے اور کبھی ان (نازل شدہ کتب) کے اوامر و نواہی (یعنی احکام) ترغیب و ترہیب، اور جو کچھ ان سے سمجھا جا سکتا ہے ان کے اتباع کی صورت میں اور یہ لفظ صرف قرآن یعنی تلاوت، قرآن حکیم پڑھنے سے خاص ہے کیونکہ اُس کے پڑھنے سے اس پر عمل کرنا واجب ہو جاتا ہے۔ (مفردات القرآن)

قرآن حکیم کی ان آیات پر غور کیجئے:

الَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ يَتْلُوْنَهٗ حَقَّ تِلَاوَتِهٖ اُولٰٓئِكَ يُؤْمِنُوْنَ بِهٖ (البقرہ:۱۲۱)

Marfat.com

''جن لوگوں کو ہم نے کتاب دی ہے، وہ اسے اس طرح پڑھتے ہیں جیسا کہ اسے پڑھنے کا حق ہے وہی اس (قرآن) پر سچے دل سے ایمان لاتے ہیں)۔''

مولانا عبدالماجد دریابادی لکھتے ہیں:

''یعنی دل سے اس کی تعظیم واحترام کرتے ہیں، اس کے احکام پر عمل کرتے ہیں، اس میں تحریف وتغیر کو راہ نہیں دیتے ہیں، حق تلاوت ادا کرنے میں یہ سب کچھ آ گیا۔'' (تفسیر ماجدی، ج: اول)

اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِیْنَ اِذَا ذُکِرَ اللّٰہُ وَجِلَتْ قُلُوْبُھُمْ وَ اِذَا تُلِیَتْ عَلَیْھِمْ اٰیٰتُہٗ زَادَتْھُمْ اِیْمَانًا وَّ عَلٰی رَبِّھِمْ یَتَوَکَّلُوْنَ (الانفال:۲)

''سچے اہل ایمان تو وہی لوگ ہیں جن کے دل اللہ کا ذکر سن کر لرز جاتے ہیں اور جب اللہ کی آیات ان کے سامنے پڑھی جاتی ہیں تو ان کا ایمان بڑھ جاتا ہے اور وہ اپنے رب پر اعتماد رکھتے ہیں۔''

ظاہر ہے کہ دلوں کا خوف سے کانپ اٹھنا اسی وقت ممکن ہے جبکہ آیات کی سمجھ آ رہی ہو اور پھر یہی بات ان کے ایمان میں اضافہ کا سبب بنتی ہے۔

(ب) نظام تعلیم کی دوسری بات تزکیہ نفس ہے:

تزکیہ پر امام راغب اصفہانی لکھتے ہیں:

''تزکیہ نفس سے ہی انسان دنیا میں اوصاف حمیدہ کا مستحق ہوتا ہے اور آخرت میں اجر و ثواب بھی اسی کی بدولت حاصل ہوگا اور تزکیہ نفس کا طریقہ یہ ہے کہ انسان ان باتوں کی کوشش میں لگ جائے جن سے طہارت نفس حاصل ہوتا ہے اور فعل تزکیہ کی نسبت کبھی تو انسان کی طرف کی جاتی ہے کیونکہ وہ (محنت اور کوشش سے) اس کا اکتساب کرتا ہے جیسے فرمایا:

قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَکّٰھَا (الشمس:۹) ''یقیناً فلاح پا گیا وہ جس نے نفس کا تزکیہ کیا۔''

اور کبھی یہ اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب ہوتا ہے کیونکہ فی الحقیقت وہی اس کا فاعل ہے چنانچہ فرمایا:

بَلِ اللّٰہُ یُزَکِّیْ مَنْ یَّشَآءُ (النساء:۴۹)

''بلکہ اللہ تعالیٰ جسے چاہتا ہے پاکیزگی سے نوازتا ہے۔''

یہ ان لوگوں کے جواب میں ہے جو اپنی پاکیزگی نفس کا دم بھرتے ہیں اور اس پر

اتراتے ہیں۔

اور کبھی اس کی نسبت نبیؐ کی طرف ہوتی ہے کیونکہ آپ ﷺ معلم اخلاق ہونے کے ناتے سے لوگوں کو ان باتوں کی تعلیم دیتے ہیں جن سے تزکیہ حاصل ہوتا ہے، جیسا کہ ارشاد ہوتا ہے:

خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَ تُزَكِّيْهِمْ بِهَا، وَ صَلِّ عَلَيْهِمْ، اِنَّ صَلٰوتَكَ سَكَنٌ لَّهُمْ (التوبہ:۱۰۳)

"(اے نبی ﷺ) آپ ان کے اموال میں سے صدقہ لے کر انہیں پاک کیجئے اور (نیکی کی راہ میں) انہیں بڑھائیے اور ان کے حق میں دعائے رحمت کیجئے کیونکہ آپ کی دعا ان کے لئے وجہ تسکین ہوگی۔"

اس میں ظاہر اور باطن دونوں قسم کی پاکیزگی آجاتی ہے ظاہری طور پر اس لئے کہ غربا و مساکین کو مال دے کر، اس میں خیر و برکت کی امید ہوتی ہے اور دوسرے نفس حرص اور بخل سے پاک ہو جاتا ہے، گویا کہ بندہ مومن غرور اور تکبر سے کنارا کش ہو کر جب احکام الٰہی پر عمل پیرا ہوتا ہے تو اس کے لئے تزکیہ نفس کا حصول ممکن ہو جاتا ہے، اس میں صوم وصلوٰۃ کی پابندی ہو، یا حج و زکوٰۃ کی ادائیگی، والدین کی خدمت ہو یا غربا و مساکین کی اعانت، بڑوں کا ادب ہو یا چھوٹوں پر شفقت، اپنوں کے ساتھ حسن سلوک ہو یا غیروں کے ساتھ مروت، گویا کہ آداب بندگی اور آداب زندگی کی تمام باتیں انسان کے دل و دماغ کو پاکیزہ اور روشن بناتی ہیں۔ مثلاً نماز کے بارے میں ارشاد ہوتا ہے:

قَدْ اَفْلَحَ مَنْ تَزَكّٰى، وَذَكَرَ اسْمَ رَبِّهٖ فَصَلّٰى (الاعلیٰ:۱۴-۱۵)

"یقیناً فلاح پا گیا وہ جس نے اپنے نفس کا تزکیہ کیا، اپنے رب کا نام یاد کیا، پھر نماز پڑھی۔"

مولانا عبدالماجد دریابادی لکھتے ہیں:

"یعنی عقائد و اعمال میں راہ اطاعت پر قائم رہا، مَنْ تَزَكّٰى یعنی جس نے اپنے کو قرآن اور (اطاعت) رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ سے، عقائد و اخلاق کی ساری خباثتوں سے پاک صاف کر لیا، قَدْ اَفْلَحَ کا مفہوم دنیوی و اخروی ساری کامیابیوں کا جامع ہے۔" (تفسیر ماجدی، ج:۲)

پھر اُس شخص کی کامیابی کا حال سنیئے جو اللہ کی راہ میں مال لٹا کر تزکیہ حاصل کرتا ہے:

اَلَّذِیْ یُؤْتِیْ مَالَهٗ یَتَزَكّٰى، وَمَا لِاَحَدٍ عِنْدَهٗ مِنْ نِّعْمَةٍ تُجْزٰٓى اِلَّا ابْتِغَآءَ وَجْهِ رَبِّهٖ

Marfat.com

الْاَعْلٰی، وَلَسَوْفَ یَرْضٰی (الیل:۱۸تا۲۱)

''جو اپنا مال (غربا و مساکین کو اس لئے دیتا ہے کہ دل کے حرص و بخل) سے پاک صاف ہو جائے، اور اس کے اوپر کسی کا احسان نہیں کہ وہ اس کا بدلہ اتارے، وہ تو صرف اپنے بزرگ و برتر پروردگار کی رضا جوئی کے لئے یہ کام کرتا ہے اور وہ عنقریب یقیناً خوش ہو جائے گا (عارضی زندگی کے بعد اُسے ابدی راحت مل جائے گی)۔''

یہی وہ تزکیہ باطن ہے جس کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے رب کے حضور دعا گو ہوتے ہیں:

اَللّٰھُمَّ اٰتِ نَفْسِیْ تَقْوٰھَا وَ زَکِّھَا اَنْتَ خَیْرُ مَنْ زَکّٰھَا اَنْتَ وَلِیُّھَا وَ مَوْلَاھَا،

''اے اللہ میرے نفس کو تقویٰ سے آراستہ کر کے اس کا تزکیہ فرما، تو ہی اس کا بہتر تزکیہ فرمانے والا ہے، تو ہی اس کا کارساز اور تو ہی اس کا نگران ہے۔''

(ج) تیسری بات نظام تعلیم یعنی کتاب اللہ کی تعلیم اور پھر تربیت کی ہے معلم اعظم جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اچھی تعلیم و تربیت کے ذریعے صحابہ کرام رضی اللہ عنھم کی عادات کو سنوارتے تھے جو کہ ایک اچھے مربی اور معلم کی خوبی ہے کہ وہ ہر وقت طلباء پر کڑی نگاہ رکھے اور جونہی ان میں کوئی غلط بات دیکھے تو وہ انہیں ادب اور شائستگی سے منع کرے، کہیں رغبت دلائی جاتی ہے اور کہیں منع کیا جاتا ہے اور اس میں شفقت اور محبت کا پہلو ہر حال میں پیش نظر رہتا ہے، ان احادیث پر غور کیجئے:

حضرت عمر بن ابو سلمہؓ سے (جو ام سلمہؓ کے صاحبزادے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پرورش میں تھے) روایت ہے کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پرورش میں تھا اور پیالہ میں اِدھر اُدھر سے کھایا کرتا تھا (آپ ﷺ نے مجھے دیکھا تو فرمایا)

یَا غُلَامُ! سَمِّ اللّٰہَ تعالٰی، وَ کُلْ بِیَمِیْنِکَ وَ کُلْ مِمَّ یَلِیْکَ (ریاض الصالحین، باب وجوب الامر اہلہ)

بیٹا! اللہ کا نام لے کر سیدھے ہاتھ سے کھا اور اپنے سامنے سے کھا، عمر بن ابو سلمہؓ کہتے ہیں (اس شفقت بھرے جملے کو سن کر) میں اُس نصیحت کے مطابق کھانے لگا (اور یہ بات ہمیشہ کیلئے پلے باندھ لی)

حضرت انس رضی اللہ عنہ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس طرح نصیحت فرماتے ہیں:

Marfat.com

يَا بُنَيَّ، إِذَا دَخَلْتَ عَلٰى أَهْلِكَ، فَسَلِّمْ يَكُنْ بَرَكَةً عَلَيْكَ وَ عَلٰى أَهْلِ بَيْتِكَ (رواہ الترمذی، ریاض الصالحین، باب استحباب السلام)

''بیٹا! جب گھر میں آؤ تو اہل خانہ کو سلام کرو، یہ بات تمہارے اور تمہارے اہل خانہ کیلئے خیر و برکت کا باعث ہوگی۔''

لخت جگر بی بی فاطمہ رضی اللہ عنہا کو تنبیہ کے طور پر یہ کلمات ارشاد فرماتے ہیں:

يَا فَاطِمَةُ أَنْقِذِي نَفْسَكِ مِنَ النَّارِ، فَإِنِّي لَا أَمْلِكُ لَكُمْ مِنَ اللّٰهِ شَيْئًا غَيْرَ أَنَّ لَكُمْ رَحِمًا سَأَبُلُّهَا بِبِلَالِهَا (ریاض الصالحین، باب صلۃ الارحام)

''اے فاطمہؓ! اپنی جان کو آگ سے بچالے، بیشک میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے تمہارے لئے کسی چیز کا مالک نہیں، سوائے اس کے کہ تمہارا رشتہ ہے جس کی حفاظت کروں۔''

حضرت عبدالرحمٰنؓ بن سمرہ کو حکومت کی طلب پر نصیحت فرماتے ہیں:

لَا تَسْأَلِ الْإِمَارَةَ، فَإِنَّكَ إِنْ أُعْطِيتَهَا عَنْ غَيْرِ مَسْأَلَةٍ أُعِنْتَ عَلَيْهَا، وَ إِنْ أُعْطِيتَهَا عَنْ مَسْأَلَةٍ وُكِلْتَ إِلَيْهَا (ریاض الصالحین۔ باب النھی عن سؤال الامارۃ)

''حکومت کی خواہش نہ کرو، اگر تم کو یہ بغیر طلب کے مل جائے گی تو تمہاری مدد کی جائے گی (اللہ کی طرف سے رہبری اور رہنمائی ملے گی) اور اگر مانگنے سے ملی تو تم اس کے سپرد کردیئے جاؤ گے۔ (حرص و ہوس کا شکار ہو جاؤ گے)۔''

معلم کی تعلیم و تربیت کا اثر اُسی وقت ہوتا ہے جب اُس کی اپنی شخصیت اچھے اخلاق اور کردار کے سانچے میں ڈھلی ہو، معلم اعظم خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کا اثر طلبہ (صحابہ کرامؓ) پر اس لئے ہوا کہ آپ ﷺ کی شخصیت مجسمہ اخلاق تھی اور قول و فعل میں کوئی تضاد نہ تھا، مگر کیا کیجئے ہماری حالت دگرگوں ہو چکی ہے یہاں پر ایک عرب شاعر کے چند شعر قابل توجہ ہیں:

يَا أَيُّهَا الرَّجُلُ الْمُعَلِّمُ غَيْرَهُ

هَلَّا لِنَفْسِكَ كَانَ ذَا التَّعْلِيمُ

''اے دوسروں کو تعلیم دینے والے معلم یہ تعلیم خود تیرے اپنے لئے کیوں نہیں ہے''

تَصِفُ الدَّوَاءَ لِذِي السِّقَامِ وَ ذِي الضَّنٰى

كَيْمَا يَصِحُّ بِهِ وَ أَنْتَ سَقِيمٌ

Marfat.com

''تم بیماروں ولاغروں کے لئے تو دوا و نسخہ لکھتے ہوتا کہ وہ شفایاب ہو جائیں لیکن تم خود بیمار ہو''

اِبدأ بِنفسِکَ فَانْھَھَا عَنْ غَیِّھَا
فَاِذَا انتھتَ عَنْہُ فَانْتَ حَکِیْمٌ

''پہلے خود اپنے نفس سے ابتدا کرو اور اسے گمراہی سے روکو اگر تمہارا نفس اس سے رک گیا تو واقعی تم حکیم بن گئے''

فَھُنَاکَ یُقْبَلُ مَا وَعظت وَ یُقتدیٰ
بِالعِلم مِنکَ وَ یَنفَعُ التعلیم

''پھر تمہارے وعظ کو قبول کیا جائے گا اور تمہارے علم کی بھی پیروی کی جائے گی اور تعلیم دینا بھی فائدہ مند ہوگا''

مسلمان کے لئے کتاب وسنت کی تعلیم سب سے مقدم ہے اسے حاصل کئے بغیر نہ تو وہ احکام الٰہی کو معلوم کرسکتا ہے اور نہ سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر عمل پیرا ہی ہوسکتا ہے۔

کتاب اللہ سے ہم اندھیروں سے روشنی کی طرف آتے ہیں، ارشاد ہوتا ہے:

الٓرٰ، کِتٰبٌ اَنْزَلْنٰہُ اِلَیْکَ لِتُخْرِجَ النَّاسَ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَی النُّوْرِ، بِاِذْنِ رَبِّھِمْ اِلٰی صِرَاطِ الْعَزِیْزِ الْحَمِیْدِ (ابراہیم:۱)

''الرٰ، (اے رسول صلی اللہ علیہ وسلم) قرآن مجید ایک کتاب ہے جو ہم نے تمہاری طرف نازل کی ہے تاکہ تم انسانوں کو گمراہی کے اندھیروں سے نکال کر اللہ تعالیٰ کے اذن سے ہدایت کی روشنی میں لاؤ، اس اللہ کے راستے پر جو بڑا زبردست اور بذاتِ خود محمود ہے۔''

حقیقت یہ ہے کہ یہ دنیا کے تمام خزانوں سے بہتر ہے، ارشاد ہوتا ہے:

قُلْ بِفَضْلِ اللّٰہِ وَ بِرَحْمَتِہٖ فَبِذٰلِکَ فَلْیَفْرَحُوْا، ھُوَ خَیْرٌ مِّمَّا یَجْمَعُوْنَ (یونس:۵۷)

''(اے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) کہہ دیجئے کہ اللہ کے فضل اور اس کی رحمت سے (یہ کتاب نازل ہوئی ہے) تو اس پر انہیں خوش ہونا ہے کیونکہ روحانی عظمتوں کا یہ گنجینہ لازوال ان تمام مادی وسائل سے کہیں بہتر ہے جو یہ لوگ جمع کر رہے ہیں۔''

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے روئے زمین پر کس شخص کیلئے ''خیر'' کی بشارت دی

Marfat.com

ہے؟ فرمایا:

خَيْرُكُمْ مَنْ تَعَلَّمَ الْقُرْآنَ وَ عَلَّمَهُ (رواہ البخاری)

''تم میں سب سے بہتر اور افضل وہ بندہ مومن ہے جو قرآن کا علم حاصل کرے اور پھر دوسروں کو اس کی تعلیم دے۔''

(د) حکمت، نصاب تعلیم کی آخری بات ہے اور اس کے بغیر یہ نصاب ادھورا رہ جائے گا۔

مولانا محمد حنیف ندوی لکھتے ہیں، قرآن حکیم میں ہے:

وَاَنْزَلَ اللّٰهُ عَلَيْكَ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَ عَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ

(النساء:۱۱۳) ''اور اللہ نے آپ پر کتاب اور حکمت اتاری ہے اور آپ ﷺ کو وہ سکھا دیا ہے جو آپ نہیں جانتے تھے۔''

''حکمت کا لفظ قرآن میں متعدد بار آیا ہے، اس کے معنی ایسی استوار و محکم رائے کے بھی ہیں جو دین کی روح کے عین مطابق ہو، معاملہ فہمی اور عام سمجھ بوجھ کے بھی ہیں جس کے ذریعے مسائل کے حل وکشود میں خصوصیت سے مدد ملتی ہے اور اس حکیمانہ طریق افہام و تفہیم کے بھی ہیں جس میں مخاطب کی نفسیات اور ذہنی سطح کو ملحوظ رکھ کر اسلامی حقائق کو پیش کیا جائے۔

یہاں حکمت کے معنی ایک خاص سلیقۂ فہم وادراک کے ہیں جس کے بل پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن حکیم کی آیات سے یا تائید وحی سے زندگی کے ایک مکمل نظام (a complete guidance of life) کی نشاندہی کی، فہم وادراک کی یہ تابش وضو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خاصہ ہے، اِس کے معنی یہ ہیں کہ قرآن فہمی کے لئے شرطِ اوّل یہ دیکھنا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن کو کیونکر سمجھا، آپ ﷺ کے دور میں اس پر کس انداز سے عمل ہوا اور عبادت سے لے کر معاملات تک کی گتھیوں کو آپ ﷺ نے کس طرح سلجھایا۔

جو لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فہم وادراک اور آپ ﷺ کی تبیین وتشریح سے بے نیاز ہو کر محض لغت اور ڈکشنری کی بنیاد پر قرآن فہمی کے مدعی ہیں، وہ اس حکمت سے قطعی طور پر محروم ہیں جس کی وجہ سے خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اِس لائق ہوئے کہ معارف دین کی تہہ تک پہنچ پائیں اور دین کو ایک عمل، ایک جیتی جاگتی تحریک اور جامع نقشہ حیات کے طور پر پیش کر سکیں۔ (لسان القرآن، ج:۲)

Marfat.com

گویا کہ حکمت کا سرچشمہ خاتم النبیین محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت طیبہ اور آپ کے فرمودات عالیہ ہیں کیونکہ قرآن فہمی کی روشنی وہیں سے ملتی ہے اور قرآن کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ "حکمت" رب کریم کا بہت بڑا انعام ہے اور جسے وہ عطا کرے وہ گوہر گرانمایہ سے نوازا جاتا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے:

يُؤْتِي الْحِكْمَةَ مَنْ يَّشَآءُ، وَ مَنْ يُّؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ اُوْتِيَ خَيْرًا كَثِيْرًا (البقرہ:۲۶۹) "اللہ جسے چاہتا ہے حکمت سے بہرہ ور فرماتا ہے اور جس کو حکمت ملی، اسے حقیقت میں بڑی دولت مل گئی۔"

حکمت ہی وہ نعمت ہے کہ جس سے کسی شخص میں عجز و خاکساری، شکر و سپاس کے جذبات پیدا ہوتے ہیں، اور وہ اللہ تعالیٰ کا فرمانبردار بندہ بن کر زندگی گزارتا ہے، فرمایا:

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا لُقْمٰنَ الْحِكْمَةَ اَنِ اشْكُرْ لِلّٰهِ (لقمٰن:۱۲)

"اور ہم نے لقمان کو حکمت عطا کی تھی کہ اللہ کا شکر گزار (بندہ) ہو۔"

گویا کہ قرآن کی زبان میں حکیم وہی شخص ہوتا ہے جس میں اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری اور شکر گزاری کا جذبہ کوٹ کوٹ کر بھرا ہو، اور بندہ مومن ہر چھوٹی بڑی چیز اپنے رب سے طلب کرتا ہے اور سب سے بڑی بات جس کی طلب ہر مومن کو اپنے معبودِ حقیقی سے رہنی چاہیے وہ دین کی سمجھ بوجھ اور قرآن فہمی کا ذوق ہے:

تو ہمی دانی کہ آئین تو چیست؟
زیر گردوں سر تمکین تو چیست؟
آں کتاب زندہ قرآن حکیم
حکمت او لایزال است و قدیم

"کیا تو جانتا ہے تیرا آئین کیا ہے، آسمان کے نیچے تیری شان و شوکت کا راز کیا ہے، وہ کتاب زندہ قرآن حکیم ہے یقیناً اس میں درج حکمت کی باتیں ہمیشہ رہنے والی اور قدیم ہیں (اور حکمت کبھی پرانی نہیں ہوتی ہے)۔"

یہ ہے وہ نظام تعلیم و تربیت جس کی اساس اور بنیاد سیدنا ابراہیمؑ نے رکھی اور اس کے پھلنے پھولنے کی دعا فرمائی اور اس کی تکمیل کی توفیق اللہ تعالیٰ نے خاتم النبیین محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو

Marfat.com

عطا فرمائی، ہمارے اسلاف کی اسی نظام کے تحت ذہنی وفکری نشو ونما ہوئی اور انہیں دنیا کی سیادت و قیادت کا شرف حاصل ہوا، انہوں نے دنیا کے تمام علوم کی دسترس اسی نظام کے تحت رہ کر حاصل کی۔

اسلام سائنس، ٹیکنالوجی اور دوسرے علوم کا مخالف نہیں ہے، وہ ہر ایسے علم کو حاصل کرنے کی ترغیب دیتا ہے جس سے نسل انسانیت کو فیض پہنچے مگر جب دیگر علوم کا حصول ایمان اور تزکیہ نفس کے بغیر ہوگا تو اس کا نتیجہ انسانیت کی تخریب کاری اور تباہی ہوگا، اس بات کا مشاہدہ ماضی میں امریکہ کی افغانستان اور عراق میں وحشت و بہیمیت سے لگایا جاسکتا ہے جو تاریخ انسانیت کا سیاہ ترین باب ہے۔اس کے برعکس ماضی میں مسلمانوں نے بھی کئی فتوحات کیں، مفتوحہ علاقوں میں لوگوں کو صلح وآشتی کا پیغام دیا، فوری عدل وانصاف کی حکمرانی قائم کی، انہیں تہذیب وثقافت سے آشنا اور علم وہنر سے آراستہ کیا۔ یورپ اقصیٰ کی سرزمین اندلس کی تاریخ پڑھ ڈالیے، اپنوں نے نہیں، انہیں لوگوں نے اس دورِ حکومت کی تعریف وتوصیف میں ہزاروں اوراق سیاہ کر ڈالے ہیں، مسلمانوں کا یہ دور حکومت آٹھ صدیوں سے زائد پر محیط ہے، اس تمام عرصے میں اس سرزمین کو انتہائی رفعتوں اور بلندیوں پر پہنچادیا جس کے نقوش ابھی تک باقی ہیں اور یہ تاریخ انسانیت کا سنہری باب ہے۔

Marfat.com

صبراورایمان

ایمان جب زبانی اقرار سے گزر کر تصدیق کے مرحلے میں پہنچتا ہے تو اس کے نتائج کردار کی قوت، سیرت کی پختگی اور اعمال کی پاکیزگی کی صورت میں ظاہر ہوتے ہیں، ایمان سے ظاہر اور باطن یکساں روشن اور منور ہو جاتے ہیں اور صاحب ایمان اپنے اردگرد کو اپنے اخلاق اور کردار سے صاف ستھرا بناتا ہے، ایسے ہی جیسے گلاب کے پھول کی ظاہری خوبصورتی کے علاوہ اس کے اندر سے مہک اٹھتی ہے تو ماحول کو معطر کر دیتی ہے، جس طرح اچھا پھلدار درخت وہی کہلاتا ہے جس کی ٹہنیاں شیریں پھلوں سے لدی پھندی ہوں، اسی طرح اچھا مومن کہلانے کا حقدار وہی ہے جو اپنے اندر چند خوبیاں اور صفات رکھتا ہو اور شجر ایمان تو سدا بہار ہوتا ہے۔

اَلَمْ تَرَ كَيْفَ ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا كَلِمَةً طَيِّبَةً اَصْلُهَا ثَابِتٌ وَّ فَرْعُهَا فِي السَّمَآءِ (۲۴) تُؤْتِيْٓ اُكُلَهَا كُلَّ حِيْنٍۢ بِاِذْنِ رَبِّهَا ؕ (۲۵) [ابراہیم]

کیا تم نے غور نہیں کیا کہ اللہ تعالیٰ نے کلمہ طیبہ کی مثال کتنی اچھی دی ہے، اس کی مثال ایک شجر پاکیزہ کی ہے جس کی جڑ زمین میں گہری جمی ہوئی ہے اور شاخیں آسمان تک پہنچی ہوئی ہیں اور پروردگار کے اذن سے ہر موسم میں ثمر آور ہے۔

اس شجر پاکیزہ کی رنگ برنگ ٹہنیاں ہیں اور ہر ٹہنی اپنے پھل سے جھکی جا رہی ہے، جو مٹھاس اور لطافت میں بے نظیر اور لاجواب ہے، اس سے معاشرتی زندگی کی فضا مٹھاس اور محبت سے معمور ہو جاتی ہے۔ جب شجر ایمان بار آور ہوتا ہے تو اس پر ثمر ہائے رنگ برنگ رونما ہونے لگتے ہیں، ان میں سے اخلاص، تقویٰ، توکل، صبر، شکر، حیا وہ پھل ہیں جن کی شاخیں انسانی قلب سے پھوٹتی ہیں۔

اس مضمون میں ہم صبر کی لذت سے آشنا ہونا چاہتے ہیں۔ سید سلیمان ندویؒ لکھتے ہیں:

صبر کے لغوی معنی "روکنے" اور "سہارنے" کے ہیں یعنی اپنے نفس کو اضطراب اور گھبراہٹ

Marfat.com

سے روکنا، اور اس کو اپنی جگہ ثابت قدم رکھنا اور یہی صبر کی معنوی حقیقت بھی ہے یعنی اس کے معنی بے اختیاری کی خاموشی اور انتقام نہ لے سکنے کی مجبوری کے نہیں، بلکہ پامردی، دل کی مضبوطی، اخلاقی جرأت اور ثباتِ قدم کے ہیں۔ (سیرت النبیؐ، جلد پنجم)

قرآن وسنت میں مختلف انداز اور مختلف پیرائے میں صبر اختیار کرنے کی تعلیم دی گئی ہے اور غور کیا جائے تو اسلامی عبادات میں بھی صبر کی عملی تربیت (Training) دی جاتی ہے۔ مثلاً صوم و صلوٰۃ اور حج اور زکوٰۃ کی ادائیگی پر نظر ڈالیے، یہ فرائض عزم و یقین اور صبر و ثبات سے ادا ہوتے ہیں، گرمی کی شدت میں نماز اور روزوں کی پابندی صبر کی زبردست تربیت ہے، پھر روزہ محض بھوک اور پیاس سے رک جانے کا نام نہیں ہے، بلکہ خواہشات وجذبات پر کنٹرول اور زبان و بیان کی پاکیزگی بھی روزے کے ساتھ ضروری ہے، فریضہ حج کی ادائیگی تو آغاز سفر سے اختتام سفر تک تربیتی کورس ہے اور زکوٰۃ کی ادائیگی غربا و مساکین کے ساتھ احسان و مروت کی تربیت ہے۔

زندگی کا سفر مصائب و مشکلات سے پر ہے اور کامیاب وہی ہوتے ہیں جو صبر و ہمت سے اسے عبور کر لیتے ہیں، دون ہمت مشکلات سے دب جاتے ہیں جبکہ عالی ہمت اور زیادہ ابھرتے ہیں ؎

تمنا آبرو کی ہو اگر گلزارِ ہستی میں
تو کانٹوں میں اُلجھ کر زندگی کرنے کی خو کر لے

قرآن حکیم نے صبر اور ایمان کو لازم وملزوم قرار دیا ہے گویا کہ ایمان کے ساتھ آزمائش لازمی امر ہے اور آزمائش کے وقت صبر کا دامن تھامے رکھنا بھی ایسے ہی ضروری ہے، قرآن اعلان کرتا ہے:

اَحَسِبَ النَّاسُ اَنْ یُّتْرَكُوْٓا اَنْ یَّقُوْلُوْٓا اٰمَنَّا وَهُمْ لَا یُفْتَنُوْنَ (۲) وَلَقَدْ فَتَنَّا الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَلَیَعْلَمَنَّ اللّٰهُ الَّذِیْنَ صَدَقُوْا وَلَیَعْلَمَنَّ الْكٰذِبِیْنَ (۳) [العنکبوت]

''کیا لوگوں نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ وہ بس اتنا کہنے پر چھوڑ دیے جائیں گے کہ ''ہم ایمان لائے'' اور انہیں آزمائش کی بھٹی میں تپایا نہ جائے گا؟ حالانکہ ان سے پہلے جو گزر چکے ہیں، وہ ضرور تپائے گئے ہیں، ضرور ہے کہ اللہ دیکھے کہ سچے کون ہیں اور جھوٹے کون ہیں۔''

ایک اور مقام پر اس طرح ارشاد ہوا:

Marfat.com

اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تُتْرَكُوْا وَ لَمَّا يَعْلَمِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ جٰهَدُوْا مِنْكُمْ وَ لَمْ يَتَّخِذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلَا رَسُوْلِهٖ وَ لَا الْمُؤْمِنِيْنَ وَ لِيْجَةً ؕ وَاللّٰهُ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ (التوبہ:۱۶)

''کیا تم نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ یونہی چھوڑ دیے جاؤ گے حالانکہ ابھی اللہ نے یہ تو دیکھا ہی نہیں کہ تم میں سے کون وہ لوگ ہیں جنہوں نے (اس کی راہ میں) جانفشانی کی اور اللہ، اس کے رسول اور مومنوں کے سوا کسی کو جگری دوست نہ بنایا، جو کچھ تم کرتے ہو اللہ اس سے باخبر ہے۔''

یہ آیات مبارکہ اس حقیقت کی شاہد ہیں کہ ایک مسلمان کو جب اس دنیا کے مصائب وشدائد سے گزارا جاتا ہے تو اس عمل کا مقصد اسے مفلوج یا برباد کرنا نہیں ہوتا بلکہ اس کی حقیقی غرض یہ ہوتی ہے کہ اسے نہ صرف ہر قسم کے کھوٹ اور آلائش سے پاک کر کے کندن بنا دیا جائے بلکہ اسے ایک ایسا موقع بھی فراہم کیا جائے جس میں وہ اپنے آپ کو ایمان میں سچا اور کھرا ثابت کر سکے اور یہ تربیت اسے زندگی کے ہر میدان اور موڑ پر قوت واستقامت سے ہمکنار کرتی ہے، آیئے اب دیکھتے ہیں کہ صبر ایسی قیمتی چیز زندگی میں کہاں کہاں کام آتی ہے اور بندہ مومن کیلئے مژدہ کامیابی کی نوید بنتی ہے۔

افراد اور قوموں کے لئے پریشان کن مراحل دشمنوں کا خوف اور جنگ کے مواقع ہوتے ہیں، قرآن حکیم سے پتہ چلتا ہے کہ ان حالات میں کامیابی کی چار شرائط ہیں: اللہ تعالیٰ کی یاد، امام وقت (جرنیل) کی اطاعت، آپس کا اتفاق واتحاد اور میدان جنگ میں صبر واستقامت، اس آیہ مبارکہ پر غور کیجئے:

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا لَقِيْتُمْ فِئَةً فَاثْبُتُوْا وَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَثِيْرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ (۴۵) وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَلَا تَنَازَعُوْا فَتَفْشَلُوْا وَ تَذْهَبَ رِيْحُكُمْ وَاصْبِرُوْا ؕ اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ (۴۶) [الانفال]

''اے اہل ایمان! جب کسی گروہ سے تمہارا مقابلہ ہو تو ثابت قدم رہو اور اللہ کو کثرت سے یاد کرو، توقع ہے کہ تمہیں کامیابی نصیب ہو گی، اور اللہ اور اس کے رسول (یا امام وقت) کی اطاعت کرو اور آپس میں جھگڑو نہیں (بلکہ اتفاق واتحاد سے رہو) ورنہ تمہارے اندر کمزوری پیدا ہو جائے گی اور تمہاری ہوا اکھڑ جائے گی، صبر سے کام لو یقیناً اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔''

Marfat.com

''صبر سے کام لو''اس پر سید مودودیؒ رقمطراز ہیں:

''یعنی اپنے جذبات و خواہشات کو قابو میں رکھو، جلد بازی، گھبراہٹ، ہراس، طمع اور نامناسب جوش سے بچو، ٹھنڈے دل اور جچی تلی قوت فیصلہ کے ساتھ کام کرو، خطرات اور مشکلات سامنے ہوں تو تمہارے قدموں میں لغزش نہ آئے، اشتعال انگیز مواقع پیش آئیں تو غیظ وغضب کا ہیجان تم سے کوئی بے محل حرکت سرزد نہ کرانے پائے، مصائب کا حملہ ہو اور حالات بگڑتے نظر آ رہے ہوں تو اضطراب میں تمہارے حواس پراگندہ نہ ہو جائیں، حصول مقصد کے شوق سے بیقرار ہو کر کسی نیم پختہ تدبیر کو سرسری نظر میں کارگر دیکھ کر تمہارے ارادے شتاب کاری سے مغلوب نہ ہوں، اور اگر کبھی دنیوی فوائد و منافع اور لذاتِ نفس کی ترغیبات تمہیں اپنی طرف لبھا رہی ہوں تو ان کے مقابلہ میں بھی تمہارا نفس اس درجہ کمزور نہ ہو کہ بے اختیار ان کی طرف کھنچ جاؤ، یہ تمام مفہومات صرف ایک لفظ ''صبر'' میں پوشیدہ ہیں اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ جو لوگ ان تمام حیثیات سے صابر ہوں، میری تائید انہی کو حاصل ہے۔'' (تفہیم القرآن، ج:۲)

پھر بسا اوقات زندگی میں دکھوں اور تکلیفوں کی گھڑیاں آتی ہیں۔ عزیز و اقارب داغِ مفارقت دے جاتے ہیں، زمانہ قحط میں رزق کم اور کبھی ناپید ہو جاتا ہے، بادوباراں سے کھیت تلف اور ضائع ہو جاتے ہیں، ایسے اوقات میں ہوش و حواس کو قائم رکھنا اور صبر کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑنا، ایمان کی علامت اور کامیابی کی ضمانت ہے۔ ارشاد ہوتا ہے:

وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوعِ وَنَقْصٍ مِّنَ الْأَمْوَالِ وَالْأَنفُسِ وَالثَّمَرَاتِ وَبَشِّرِ الصَّابِرِينَ (البقرہ:۱۵۵)

''اور ہم ضرور تمہیں خوف و خطر، فاقہ کشی، جان و مال کے نقصانات اور آمدنیوں کے گھاٹے میں مبتلا کر کے تمہاری آزمائش کریں گے اور جو ان مواقع پر ثابت قدم رہیں انہیں خوشخبری دے دیجئے۔''

اسلام کی دعوت عام کرنے والوں اور حق کا پرچار کرنے والوں کیلئے سب سے نازک موقع وہ ہوتا ہے، جب باطل کی عارضی شورش اور ہنگامی غلبہ دلوں کو کمزور کر رہا ہے۔ اس بیچارگی اور بے بسی کے عالم میں، اہل ایمان کو بتلایا جا رہا ہے کہ وہ اللہ پر کامل بھروسہ رکھیں اور صبر سے اس کی مدد کا انتظار کریں کہ وہ آ کر رہے گی، اور کسی طرح بھی مخالفین اور کفار کی اطاعت کا دم نہ بھریں:

Marfat.com

فَاصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ وَلَا تُطِعْ مِنْهُمْ اٰثِمًا اَوْ كَفُوْرًا (الدھر:۲۴)

''تم اپنے رب کے حکم پر صبر کرو اور ان میں سے کسی بدعمل یا منکرِ حق کی بات نہ مانو۔''

داعی اِلی الخیر کیلئے تو خاص طور پر ''صبر'' ہمت و استقامت کا حوصلہ عطا کرتا ہے۔ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ اس کے بغیر سرانجام پانا مشکل ہے، دعوتِ حق پیش کرتے ہوئے کڑوی کسیلی سننا پڑتی ہے اور کبھی تکالیف اور مصائب بھی جھیلنا پڑتے ہیں، اس وقت اگر صبر وعزم سے کام نہ لیا جائے تو دعوت کبھی موثر نہیں ہو سکتی ہے بلکہ عین ممکن ہے کہ ناکام ہو جائے۔

سیدنا لقمان علیہ السلام لختِ جگر کو نصیحت کرتے ہوئے اسی تسلیم و رضا کی طرف توجہ دلاتے ہیں:

وَاْمُرْ بِالْمَعْرُوْفِ وَانْهَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَاصْبِرْ عَلٰى مَآ اَصَابَكَ ط اِنَّ ذٰلِكَ مِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ (لقمان:۱۷)

''(دیکھو!) نیکی کا حکم دیتے اور بدی سے منع کرتے رہو اور (اس راہ میں) جو مصیبت بھی پڑے اس پر صبر کرو، یہ عزیمت اور حوصلے کے کام ہیں۔''

خاتم النبیین محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوتِ اسلام اس آیہ مبارکہ کی جیتی جاگتی تصویر تھی، کفارِ مکہ نے آپ ﷺ کو ہر طرح ستایا اور پریشان کیا، آپ کے راستے میں کانٹے بچھائے گئے یہاں تک کہ وادیٔ طائف میں آپ ﷺ پر پتھر برسائے گئے کہ جسدِ اطہر زخموں سے نڈھال ہو گیا، اِس حال میں بھی مبارک لبوں پر ان ظالم و جاہل لوگوں کے لئے کلماتِ خیر جاری وساری ہو جاتے ہیں اور اپنی بے کسی اور بے بسی کی کیفیت اپنے رب کے حضور یوں پیش فرماتے ہیں:

''اَللّٰهُمَّ اِلَيْكَ اَشْكُوْ ضُعْفَ قُوَّتِيْ وَ قِلَّةَ حِيْلَتِيْ وَ هَوَانِيْ عَلَى النَّاسِ، يَا اَرْحَمَ الرَّاحِمِيْنَ، اَنْتَ رَبُّ الْمُسْتَضْعَفِيْنَ وَ اَنْتَ رَبِّيْ، اِلٰى مَنْ تَكِلُنِيْ؟ اِلٰى بَعِيْدٍ يَتَجَهَّمُنِيْ اَوْ اِلٰى عَدُوٍّ مَلَّكْتَهٗ اَمْرِيْ، اِنْ لَّمْ يَكُنْ عَلَيَّ غَضَبُكَ فَلَا اُبَالِيْ وَلٰكِنْ عَافِيَتُكَ هِيَ اَوْسَعُ لِيْ، اَعُوْذُ بِنُوْرِ وَجْهِكَ الَّذِيْ اَشْرَقَتْ لَهُ الظُّلُمٰتُ، وَصَلَحَ عَلَيْهِ اَمْرُ الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ مِنْ اَنْ يَنْزِلَ بِيْ غَضَبُكَ اَوْ يَحِلَّ عَلَيَّ سَخَطُكَ، لَكَ الْعُتْبٰى حَتّٰى تَرْضٰى وَ لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ (رحمۃ للعالمین۔ سید سلیمان منصور پوری)

''الٰہی! اپنی کمزوری، بے سروسامانی اور لوگوں کے نزدیک حقیر ہونے کی وجہ سے تیرے سامنے فریاد کرتا ہوں، تو سب رحم کرنے والوں سے زیادہ رحم کرنے والا ہے، درماندہ عاجزوں کا

مالک تو ہی ہے اور میرا مالک بھی تو ہی ہے، مجھے کس کے سپرد کیا جاتا ہے، کیا بیگانہ ترش رو کے یا اس دشمن کے جو کام پر قابو رکھتا ہے، لیکن جب مجھ پر تیرا غضب نہیں تو مجھے اس کی کچھ پروا نہیں، کیونکہ تیری عافیت میرے لئے زیادہ وسیع ہے۔ میں تیری ذات کے نور سے پناہ چاہتا ہوں، جس سے سب تاریکیاں روشن ہو جاتی ہیں اور دین و دنیا کے کام اس سے ٹھیک ہو جاتے ہیں، اس سے بھی کہ تیرا غضب مجھ پر اترے یا تیری ناراضگی مجھ پر وارد ہو، مجھے صرف تیری رضا مندی اور خوشنودی درکار ہے اور نیکی کرنے یا بدی سے بچنے کی طاقت مجھے تیری ہی طرف سے ملتی ہے۔"

پھر تاریخ نے دیکھا کہ ان مبارک زخمی لبوں سے نکلی ہوئی دعا کیا رنگ لائی؟ نہ صرف یہ لوگ مسلمان ہوئے بلکہ اسلام کا پرچم تھام کر شرقاً غرباً پھیل گئے۔

محفل کون و مکاں میں سحر و شام پھرے
مئے توحید کو لے کر صفت جام پھرے
کوہ میں، دشت میں لے کر تیرا پیغام پھرے
اور معلوم ہے تجھ کو کبھی ناکام پھرے
دشت تو دشت ہیں، دریا بھی نہ چھوڑے ہم نے
بحر ظلمات میں دوڑا دیے گھوڑے ہم نے

صبر ہی ان صفات میں سے ایک صفت ہے جس میں کامیابی کی نوید سنائی گئی ہے، قرآن حکیم کی اس مختصر اور جامع سورت کو غور سے پڑھیے:

وَالْعَصْرِ (۱) اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِیْ خُسْرٍ (۲) اِلَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ لا وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ (۳)[العصر]

"زمانے کی قسم (یعنی وقت انسانوں کے اعمال پر گواہ بنے گا) انسان در حقیقت خسارے میں ہے، سوائے ان لوگوں کے جو ایمان لائے اور نیک اعمال کرتے رہے اور ایک دوسرے کو حق کی نصیحت اور صبر کی تلقین کرتے رہے۔"

ان چند جملوں میں عربی زبان کی لذت اور چاشنی تو الگ رہی اور جو پیغام ہے وہ فلاح و کامرانی سے ہمکنار کرنے والا ہے اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ایک دوسرے کے سامنے اس سورۃ مبارکہ کو دہراتے رہتے تاکہ کامیابی کی منزل ذہن و فکر سے اوجھل نہ ہونے پائے۔

اور صابرین کیلئے لامحدود اجر وثواب کی خوشخبری دی گئی ہے۔

اِنَّمَا يُوَفَّى الصَّابِرُوْنَ اَجْرَهُمْ بِغَيْرِ حِسَابٍ (الزمر:۱۰)

''صبر کرنے والوں کو تو اُن کا اجر بے حساب دیا جائے گا۔''

''صبر'' بندہ مومن کا قیمتی اثاثہ ہے، یہ مصفّٰی روشنی ہے اور کامیاب زندگی گزارنے کیلئے زاد راہ ہے، یہ آخرت میں لازوال اجر کی نوید ہے۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ صبر کی قوت کو کیسے بڑھایا جائے اور اس کے حصول کیلئے کیا تدابیر اختیار کی جائیں؟

۱) صبر وشکر کی توفیق اللہ تعالیٰ سے طلب کی جائے کہ صرف اور صرف اسی سے ہر چیز کی خیرات طلب کی جاتی ہے جیسا کہ مجاہدین اسلام میدان جہاد میں اپنے رب کے حضور گویا ہوتے ہیں:

رَبَّنَا اَفْرِغْ عَلَيْنَا صَبْرًا، وَ ثَبِّتْ اَقْدَامَنَا، وَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ (البقرہ:۲۰۵)''اے ہمارے رب! فیضان کر ہم پر صبر کا اور جمائے رکھ ہمارے قدم اور فتح عطا فرما ہمیں کفار پر۔''

(۲) اسلامی عبادات خاص طور پر نماز حصول صبر کی بہترین راہ ہے؟ حکم ہوتا ہے:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ ط اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ (البقرہ:۱۵۳)

''اے اہل ایمان، صبر اور نماز سے مدد لو، اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔''

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی مصائب ومشکلات کے اوقات میں جبین نیاز رب کریم کی چوکھٹ پر جھکا دیتے تھے، غزوہ بدر کی رات سجدہ میں مالک الملک کے سامنے گریہ وزاری فرماتے رہے تو اُس نے فتح وکامرانی سے ہمکنار فرمایا۔

۳) جب مومنوں کو غم آگھیرتے ہیں تو قرآن بتاتا ہے:

اَلَّذِيْنَ اِذَآ اَصَابَتْهُمْ مُّصِيْبَةٌ لا قَالُوْٓا اِنَّا لِلّٰهِ وَ اِنَّآ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ (البقرہ:۱۵۶)

''(صابرین وہ لوگ ہیں) کہ جب ان پر کوئی مصیبت پڑے، تو کہیں: ''ہم اللہ ہی کے ہیں اور اللہ کی طرف ہمیں پلٹ کر جانا ہے۔'''

ایسے ہی صابرین کو اللہ تعالیٰ کی رحمت ڈھانپ لیتی ہے:

Marfat.com

أُولَٰئِكَ عَلَيْهِمْ صَلَوَاتٌ مِّن رَّبِّهِمْ وَرَحْمَةٌ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُهْتَدُونَ (البقرہ:۱۵۷) ''ان پر ان کے رب کی طرف سے بڑی عنایات ہوں گی، اس کی رحمت ان پر سایہ کرے گی اور ایسے ہی لوگ راست رو ہیں۔''

قرآن حکیم میں انبیاء علیہم السلام کی دعوت حق کیلئے کوششوں اور جانفشانیوں کا مطالعہ بتاتا ہے کہ انہوں نے اس راہ میں کتنے مصائب اور اذیتیں برداشت کیں اور ان نازک حالات میں کس چیز نے انہیں بے صبری سے بچایا؟ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو رب کریم کی طرف سے یہ پیغام مل رہا ہے:

فَاصْبِرْ كَمَا صَبَرَ أُولُوا الْعَزْمِ مِنَ الرُّسُلِ (الاحقاف:۳۵)

''پس اے نبیؐ! صبر کیجیے جس طرح اولوالعزم رسولوں نے صبر کیا ہے۔''

(۵) خاتم النبیّین محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی مبارک سیرتوں کا مطالعہ، مکی زندگی میں آپ ﷺ کو اور آپ ﷺ کے ساتھیوں کو کیسی کیسی مشکلات اور مصائب برداشت کرنے پڑے مگر وہ صبر و استقامت سے راہ حق پر ثابت قدم رہے۔ پھر مدنی زندگی میں غزوات و سرایا کا طویل سلسلہ شروع ہو گیا، اس میں بھی استقلال اور پامردی کا مظاہرہ کیا اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے ''رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوا عَنْهُ'' کا مژدہ جانفزا ملا، صبر و قناعت کی دولت اس وقت ہاتھ آتی ہے جب کوئی شخص مال و دولت میں اپنے سے کمتر پر نظر رکھے حدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں اس بات کی نصیحت کی گئی ہے:

اُنْظُرُوْا اِلٰى مَنْ هُوَ أَسْفَلَ مِنْكُمْ، وَلَا تَنْظُرُوْا اِلٰى مَنْ هُوَ فَوْقَكُمْ، فَهُوَ أَجْدَرُ اَنْ لَا تَزْدَرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ (متفق علیہ۔ ریاض الصالحین۔ باب فضل الزھد)

''اپنے سے کمتر پر نگاہ رکھو اور اپنے سے برتر کی طرف نہ دیکھو، اس طرح تم اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو حقیر نہ جانو گے جو اُس نے تم پر کر رکھی ہیں۔''

۷) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وہ احادیث مبارکہ جن میں صبر کی فضیلت و اجر کا ذکر ہے پڑھنے سے بھی اس کی تربیت حاصل ہوتی ہے مثلاً

حضرت صہیب بن سنانؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''مومن کا معاملہ بھی خوب ہے، یہ مومن ہی کی خصوصیت ہے جب اُسے خوشی پہنچتی ہے تو شکر کرتا ہے، پس اس

Marfat.com

کے لئے بہتر ہوتا ہے اور جب مصیبت پہنچتی ہے تو صبر کرتا ہے تو یہ اس کے لئے بہتر ہوتا ہے۔"

اِنْ اَصَابَتْـهُ سَرَّاءُ شكَرَ فكَانَ خَيْراً لَّهُ، وَ اِنْ أَصَابَتْهُ ضَرَّاءُ، صَبَر فَكَانَ خَيْراً لَهُ (باب الصبر ،ریاض الصالحین)

حضرت اُسامہ بن زید بن حارثہؓ خادمِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں، ان سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک صاحبزادی نے آپ ﷺ کے پاس پیغام بھیجا کہ میرا بیٹا قریب المرگ ہے، آپ تشریف لے آیئے، آپ ﷺ نے سلام کہلا بھیجا اور فرمایا: اللہ ہی کے لئے ہے جو اس نے لیا اور جو اس نے دیا اور ہر چیز کا اس کے پاس ایک وقت مقرر ہے، صبر کرو اور اجر طلب کرو، "اِنَّ لِلّٰهِ مَا أَخَذَ، وَلَهُ مَا أَعطَى وَ كُلُّ شَيْءٍ عِنْدَهُ بِأَجَلٍ مُسَمًّى، فَلْتَصْبِرْ وَلْتَحْسَبْ" انہوں نے درخواست کی کہ آپ ضرور تشریف لایئے، یہ سن کر آپ کھڑے ہوگئے اور آپ کے ساتھ سعدؓ بن عبادہ، معاذؓ بن جبل، ابیؓ بن کعب، زیدؓ بن ثابت اور بہت سے لوگ تھے، آپ ﷺ کو بچہ اٹھا کر دیا گیا، آپ ﷺ کے آنسو نکل آئے، حضرت سعدؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ! یہ کیا؟ فرمایا، یہ رحمت ہے، اللہ تعالیٰ نے اس کو اپنے بندوں کے دلوں میں رکھا ہے۔ (بخاری، مسلم، ریاض الصالحین باب الصبر)

معلوم ہوا غم پہنچنے پر بے اختیار آنسو نکلنا تو جائز ہیں البتہ دھاڑیں مارنا اور سینہ کوبی ناجائز ہے۔

Marfat.com

Marfat.com

شکراور ایمان

ہم کسی سے کوئی معمولی سا تحفہ وصول کرتے ہیں تو اخلاق کا تقاضا ہے کہ ہم اس کا شکریہ ادا کریں، تو جس منعم حقیقی کے ہمارے اوپر ان گنت احسانات اور لاتعداد انعامات ہیں اور شب و روز ان کی ہم پر بارش ہوتی رہتی ہے، کیا ان کیلئے اس رب کریم کا شکر ادا کرنا ضروری نہیں ہے؟......

اُس نے ہمیں حیوان نہیں انسان بنا کر عزت سے نوازا۔

وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِيْ آدَمَ (بنی اسرائیل: ۷۰)

''یہ تو ہماری عنایت ہے کہ ہم نے بنی آدم کو بزرگی دی۔''

اور شکل وصورت اور دل و دماغ کی بہترین صلاحیتوں سے بہرہ ور فرمایا۔

لَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ فِيْ أَحْسَنِ تَقْوِيْمٍ (التین: ۴)

''بلاشبہ ہم نے انسان کو بہترین ساخت پر پیدا کیا۔''

سر سے پاؤں تک انسان اپنے جسم پر غور کرے تو مالک حقیقی کی کرشمہ سازیاں عیاں ہو جائیں گی۔ زبان کو قوتِ گویائی، آنکھوں کو قوت بینائی، کانوں کو قوت شنوائی، پاؤں کو چلنے کی طاقت اور دِل و دماغ کو سوچنے سمجھنے کا شرف کس نے عطا کیا ہے؟

وَفِي الْأَرْضِ آيَاتٌ لِّلْمُوْقِنِيْنَ، وَفِيْ أَنْفُسِكُمْ أَفَلَا تُبْصِرُوْنَ (الذّریات: ۲۰،۲۱) ''اہل یقین کیلئے روئے زمین آیات معرفت الٰہی ہیں، اور معرفت حق کی نشانیاں تمہارے جسم و جان میں بھی ہیں، کیا تم میں بصیرت نہیں؟''

ذرا غور کیجئے کہ آنکھ میں چھوٹا سا ذرہ پڑ جائے تو جان پر بن جاتی ہے، کان میں درد پیدا ہو جائے تو کسی کروٹ چین نہیں ہے، دِل کی حرکت میں فتور آ جائے تو اضطراب اور پریشانی ہے، دماغ میں خلل آ جائے تو سوچ بچار کی قوت زائل ہو جاتی ہے اور پاؤں کے تلووں میں کانٹا چبھ

Marfat.com

جائے تو چلنے پھرنے سے عاری ہو جاتے ہیں...... پھر صحت و عافیت کی قدر معلوم ہوتی ہے اور صرف جاننے پہچاننے والوں کو اللہ تعالیٰ کے انعامات کا پتہ چلتا ہے۔

وَتِلْكَ الْاَمْثَالُ نَضْرِبُهَا لِلنَّاسِ، وَمَا يَعْقِلُهَا اِلَّا الْعٰلِمُوْنَ (العنکبوت:۴۳)

''یہ مثالیں ہم لوگوں کی فہمائش کے لئے دیتے ہیں، مگر ان کو وہی لوگ سمجھتے ہیں جو علم رکھنے والے ہیں۔''

پھر اللہ تعالیٰ نے ہمارے لئے معاشرتی زندگی کو کتنا خوشگوار بنا دیا ہے، ازدواجی زندگی باعث راحت وسکون ہے، میاں بیوی ایک دوسرے کیلئے ستر پوشی کا سامان ہیں ایسے ہی جیسے لباس سردی گرمی سے حفاظت کرتا ہے، ''هُنَّ لِبَاسٌ لَّكُمْ وَاَنْتُمْ لِبَاسٌ لَّهُنَّ'' (البقرہ:۱۸۶)

''وہ تمہارے لئے لباس ہیں اور تم ان کے لئے لباس ہو۔''

''اور مال واولاد کو اس نے تمہارے زیب وزینت، خوشیوں اور مسرتوں کا سامان بنادیا ہے۔''

اَلْمَالُ وَالْبَنُوْنَ زِيْنَةُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا

''یہ مال واولاد (محض) دنیوی زندگی کی زیب وزینت ہے۔''

مگر بتایا یہ جارہا ہے کہ ان خوشیوں میں محورہ کر اللہ تعالیٰ کو نہ بھول جانا، بلکہ اِس کے ساتھ ساتھ زندگی کو اعمالِ حسنہ سے آراستہ کرکے اس رب کریم سے اجر وثواب کے طالب بننا، یہی اس کیلئے شکرگزاری ہے۔

وَالْبٰقِيٰتُ الصّٰلِحٰتُ خَيْرٌ عِنْدَ رَبِّكَ ثَوَابًا وَّ خَيْرٌ اَمَلًا (الکھف:۴۶)

''اور دراصل باقی رہنے والی چیز تو تیرے اعمال ہیں جو تیرے لئے حسنات پائندہ ہیں اور ثواب کے لحاظ سے بھی بہتر ہیں۔'' اس لئے ابرار وصالحین کی اپنے رب کے حضور اپنے اہل و عیال کیلئے ہمیشہ یہ دعا رہتی ہے۔

رَبَّنَا هَبْ لَنَا مِنْ اَزْوَاجِنَا وَ ذُرِّيّٰتِنَا قُرَّةَ اَعْيُنٍ وَّاجْعَلْنَا لِلْمُتَّقِيْنَ اِمَامًا (الفرقان:۷۴) ''اے ہمارے رب! ہمیں اپنی بیویوں اور اپنی اولاد سے آنکھوں کی ٹھنڈک نصیب فرما اور ہم کو پرہیزگاروں کا امام بنا۔''

اہل وعیال آنکھوں کی ٹھنڈک اُسی وقت بنیں گے، جب وہ بھی نیک اور پرہیزگار بن جائیں گے اور اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور فرمانبرداری میں زندگی گزارنے لگیں گے۔

"ہمیں پرہیز گاروں کا امام بنا" اس پر سید مودودیؒ لکھتے ہیں:

"یعنی ہم تقویٰ اور اطاعت میں سب سے بڑھ جائیں، بھلائی اور نیکی میں سب سے آگے نکل جائیں، محض نیک ہی نہ ہوں بلکہ نیکوں کے پیشوا ہوں اور ہماری بدولت دنیا بھر میں نیکی پھیلے اس چیز کا ذکر یہاں دراصل یہ بتانے کے لئے کیا گیا ہے کہ یہ وہ لوگ ہیں جو مال و دولت اور شوکت وحشمت میں نہیں بلکہ نیکی اور پرہیز گاری میں ایک دوسرے سے بڑھ جانے کی کوشش کرتے ہیں۔ (مختصر خواشی)

پھر اس خالق اور پالنہار کا شکر کیوں ادا نہ ہو؟ جبکہ اس نے انسان کیلئے طرح طرح کی اشیا پیدا فرمادی ہیں...... میٹھے اور رسیلے میوہ جات ہیں، جن میں سے ہر میوہ اپنے ذائقہ، خوشبو، رنگ، مٹھاس اور تاثیر میں اپنی مثال آپ ہے اور یہ ہر موسم میں ادلتے بدلتے ہیں اور پھر طرح طرح کی سبزیاں اور اناج ہیں جو صحت کو ہر طرح سے بحال رکھتے ہیں اور ہر شخص اپنے ذوق اور مزاج کے مطابق ان کا انتخاب کرسکتا ہے اور جب بھی کسی گلستان میں جانے کا اتفاق ہو، تو رنگ برنگ کے پھول دل ودماغ کو معطر کردیتے ہیں اور وادیوں میں دور کہیں پہاڑی مقام پر جانے کا اتفاق ہو تو سرسبز پہاڑوں کا نظارہ دلوں کو موہ لیتا ہے، قطار اندر قطار پتھروں میں ہرے بھرے درخت عجب سماں پیدا کرتے ہیں اور کہیں کہیں ان میں سے ٹھنڈے اور میٹھے پانی کے رواں دواں چشمے صحت کے لئے پیغام شفا بنتے ہیں، اور بے ساختہ انسان کی زبان پکار اٹھتی ہے۔

فَتَبَارَكَ اللّٰهُ اَحْسَنُ الْخٰلِقِيْنَ (المومنون:۱۴)

"پس بڑا ہی بابرکت ہے اللہ، سب کاریگروں سے اچھا کاریگر۔"

ہوا اور روشنی ہی کو لیجئے کہ زندگی کیلئے کتنی بڑی نعمتیں ہیں۔ بے قیمت اور وافر کہ بادشاہ اور فقیر یکساں فیضاب ہوتے ہیں۔ ہوا کی قدروقیمت کا اندازہ بند کمرے میں ہوتا ہے کہ سانس رُک رُک کر آنے لگتا ہے اور جونہی باہر نکل کر کھلی فضا میں آجائیں تو سانس بحال ہوجاتا ہے۔ سعدی شیرازی نے گلستان کے آغاز میں کیا خوب بات لکھی ہے:

"جنت مرخدائے راعزوجل کہ طاعتش موجب قربت است وبہ شکراندوش مزید نعمت ہر نفسے کہ فرو مے رود مُمِدِّ حیات است وچوں برمی آید مفرح ذات، پس در ہر نفسے دو نعمت موجود است و ہر نعمتے شکرے واجب۔"

Marfat.com

از دست و زبان کہ برآید
کہ عہدۂ شکرش بدر آید

''احسانِ خاص اُس رب اعلیٰ کے لئے ہے جس کی عبادت واطاعت اس کے قرب کا باعث ہے اور اس کے شکر میں نعمت کی زیادتی ہے جو سانس کے نیچے جاتی ہے وہ زندگی کو بڑھانے والی اور وہی سانس جب پلٹ کر اوپر آتی ہے وہ ذات کو تفریح پہنچانے والی ہے تو ہر سانس میں دو نعمتیں موجود ہیں اور ہر نعمت پر ایک شکر واجب ہے،'' اور فارسی شعر کا ترجمہ اردو شعر میں کیا ہی اچھا کیا گیا ہے:

شکر اس کی نعمتوں کا کریں کس زباں سے ہم
یہ چاہیں بھی تو لائیں گے طاقت کہاں سے ہم

قرآن حکیم اس حقیقت کو یوں بیان کرتا ہے:

وَاِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا، اِنَّ اللّٰهَ لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ (النحل:۱۸)

''اگر تم اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو گننا چاہو تو گن نہیں سکتے، حقیقت یہ ہے کہ وہ بڑا ہی درگزر کرنے والا اور رحیم ہے۔''

اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کے ذکر کے بعد غفور اور رحیم کی صفات کا ذکر کیا کہ کم ہی انسان اللہ تعالیٰ کی نعمتوں پر اس کے شکرگزار ہوتے ہیں، اُس کی شانِ غفاری اور شانِ رحیمی ہے کہ پھر بھی اس کی عطا اور بخشش کی کوئی انتہا نہیں ہے، شاید کہ کوئی بھولا بھٹکا انسان کبھی سوچ بچار سے کام لے کر اس کا شکرگزار بندہ بن جائے۔

اِنسان اشرف المخلوقات اس وجہ سے بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اسے عقل وشعور اور علم وآگہی سے نوازا ہے، پھر انبیاء کرام کو مبعوث فرما کر وحی الٰہی کے ذریعہ حق اور باطل کو واضح کردیا ہے۔ اب اس کا امتحان ہے کہ حق کی راہ اختیار کر کے کامیابی کو اپنے لئے یقینی بنالے یا باطل کے راستے پر چل کر ناکامی کا سامنا کرے۔

''حق'' ہر وہ خیر اور بھلائی ہے جس پر اسلام چلانا چاہتا ہے اور ''باطل'' ہر وہ شر اور برائی ہے جس سے اسلام منع کرتا ہے، شکر حق ہے جبکہ کفر باطل ہے۔

سید سلیمان ندویؒ لکھتے ہیں:

Marfat.com

''شکر کا الٹا کفر ہے، اس کے لغوی معنی چھپانے کے ہیں اور محاورہ میں کسی کام یا احسان پر پردہ ڈالنے اور زبان و دِل سے اس کے اقرار، اور عمل سے اس کے اظہار نہ کرنے کے ہیں، اِسی سے ہماری زبان میں ''کفران نعمت'' کا لفظ استعمال ہوتا ہے۔

یہی کفر وہ لفظ ہے جس سے زیادہ کوئی برا لفظ اسلام کی لغت میں نہیں، اللہ پاک کے احسانوں اور نعمتوں کو بھلا کر دل سے اس کا احسان مند نہ بننا، زبان سے ان کا اقرار اور عمل سے اپنی اطاعت شعاری اور فرمانبرداری ظاہر نہ کرنا کفر ہے۔ جس کے مرتکب کا نام کافر ہے، اِس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ جس طرح کفر اِسلام کی نگاہ میں بدترین خصلت ہے۔ اس کے بالمقابل شکر سب سے بہتر اور اعلیٰ صفت ہے، قرآن حکیم میں یہ دونوں لفظ اسی طرح ایک دوسرے کے بالمقابل بولے گئے ہیں:

اِنَّا هَدَيْنَاهُ السَّبِيْلَ اِمَّا شَاكِرًا وَّ اِمَّا كُفُوْرًا (دھر:۳)

''ہم نے انسان کو راستہ بتادیا (اب وہ) یا شکر گزار (شاکر) ہے، یا ناشکر گزار (کافر)۔''

لَئِنْ شَكَرْ تُمْ لَاَزِيْدَنَّكُمْ، وَلَئِنْ كَفَرْ تُمْ، اِنَّ عَذَابِيْ لَشَدِيْدٌ (ابراہیم) ''اگر تم نے شکر کیا، تو ہم تمہیں بڑھائیں گے اور اگر ناشکری (کفر) کی تو بیشک میرا عذاب بہت سخت ہے۔''

اِس تقابل سے معلوم ہوا، کہ اگر کفر اللہ تعالیٰ کے احسانوں اور نعمتوں کی ناقدری کر کے اس کی نافرمانی کا نام ہے تو اُس کے مقابلہ میں شکر کی حقیقت یہ ہوگی کہ اللہ تعالیٰ کے احسانات اور نعمتوں کی قدر جان کر اس کے احکام کی اطاعت اور دل سے فرمانبرداری کی جائے۔

(سیرت النبی، ج:۵)

اللہ تعالیٰ کا پسندیدہ بندہ وہ ہوتا ہے جو یکسوئی اور اخلاص کے ساتھ اس کی بندگی بجالائے، توحید پر ہر حال میں ثابت قدم رہے، اس کے احسانات وانعامات پر اس کا شکر گزار رہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ مولائے کریم اُسے راہ ہدایت پر گامزن رکھے گا اور اسے دنیا وآخرت کی کامیابیوں سے ہمکنار فرمائے گا۔ یہ اتنا بڑا انعام ہے کہ دنیا کی ساری دولت اور تمام خزانے اس کے مقابلے میں ہیچ ہیں، اِس آیہ مبارکہ پر غور کیجئے کہ اللہ تعالیٰ اپنے ایک شاکر بندے کا ذکر کس محبت سے فرماتا ہے:

اِنَّ اِبْرٰهِيْمَ كَانَ اُمَّةً قَانِتًا لِّلّٰهِ حَنِيْفًا، وَلَمْ يَكُ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ، شَاكِرًا

Marfat.com

لِاَنْعُمِهٖ، اِجْتَبٰهُ وَهَدٰهُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ، وَاٰتَيْنٰهُ فِى الدُّنْيَا حَسَنَةً، وَاِنَّهٗ فِى الْاٰخِرَةِ لَمِنَ الصّٰلِحِيْنَ (النحل:۱۲۰-۱۲۲) ''واقعہ یہ ہے کہ ابراہیمؑ اپنی ذات میں ایک پوری امت تھے، اللہ کے مطیع فرمان اور یک سو (توحید پر ثابت قدم) تھے اور مشرکوں میں نہ تھے، اُس کی نعمتوں کے شکر گزار تھے، اللہ نے انہیں منتخب کیا اور سیدھا راستہ دکھایا، دنیا میں انہیں بھلائی عطا کی اور آخرت میں بھی وہ یقیناً صالحین میں سے ہوں گے۔''

ایمان کا لازمی جزو شکر ہے گویا کہ ایمان کی لذت اور چاشنی اُسی وقت نصیب ہوتی ہے جب بندہ اپنے خالق و مالک کی نعمتوں پر اس کا احسان مندر ہے، اس کی جبین نیاز صرف اُسی کی چوکھٹ پر جھکتی رہے۔ رب کریم کے رحمت سے لبریز کلام پر ذرا غور کیجئے۔

مَا يَفْعَلُ اللّٰهُ بِعَذَابِكُمْ، اِنْ شَكَرْتُمْ وَاٰمَنْتُمْ، وَكَانَ اللّٰهُ شَاكِرًا عَلِيْمًا (النساء:۱۴۷) ''آخر اللہ کو کیا پڑی ہے کہ تمہیں خواہ مخواہ سزا دے، اگر تم شکر گزار بندے بنے رہو اور ایمان کی روش پر چلو'' اللہ بڑا قدر دان اور سب کے حال سے واقف ہے۔

یہ حقیقت ذہن میں رہے کہ شکر جب بندے کی طرف سے ہو تو اطاعت اور احسان مندی کے معنی میں ہوتا ہے اور جب اللہ کی طرف سے ہو تو شفقت اور قدر دانی کے معنی رکھتا ہے، گویا کہ وہ مشفق و مہربان رب شکر کرنے والے بندوں کی قدر دانی بھی فرماتا ہے اور انہیں دنیا و آخرت کی کامیابیوں سے سرفراز بھی کرتا ہے۔

سورۃ النساء کی مندرجہ بالا آیت ۱۴۷ پر سید سلیمانؒ ندوی نے بڑے پتے کی بات لکھی ہے:

''اللہ تعالیٰ اپنے بندوں سے صرف دو باتیں چاہتا ہے...... شکر اور ایمان کی حقیقت تو معلوم ہے، اب رہا شکر تو شریعت میں جو کچھ ہے، وہ شکر کے دائرہ میں داخل ہے، ساری عبادتیں شکر ہیں، بندوں کے ساتھ حسن سلوک اور نیک برتاؤ کی حقیقت بھی شکر ہی ہے، دولت مند اگر اپنی دولت کا کچھ حصہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں دیتا ہے، تو یہ (اللہ کی طرف سے عطا کردہ) دولت کا شکر ہے، صاحب علم اپنے علم سے بندگان الٰہی کو فائدہ پہنچاتا ہے تو یہ علم کی نعمت کا شکر ہے، طاقتور کمزوروں کی امداد اور اعانت کرتا ہے تو یہ بھی قوت و طاقت کی نعمت کا شکرانہ ہے، الغرض شریعت کی اکثر باتیں اِسی شکر کی تفصیل ہیں، اِسی لئے شیطان نے جب اللہ سے یہ کہنا چاہا کہ تیرے اکثر بندے تیرے حکموں کے نافرمان ہوں گے تو یہ کہا:

Marfat.com

وَلَا تَجِدُ اَكْثَرَهُمْ شَاكِرِيْنَ (الاعراف:۱۷)

''اور تو ان میں اکثر کو شکر گزار نہ پائے گا۔''

اللہ تعالیٰ نے اپنے نیک بندوں کو جزا دیتے ہوئے اسی لفظ سے یاد فرمایا ہے:

وَسَنَجْزِی الشَّاكِرِيْنَ (آل عمران:۱۴۵) ''اور ہم شکر کرنے والوں کو جزا دیں گے۔''

اور پھر پوری شریعت کا حکم اللہ تعالیٰ ان لفظوں میں عطا فرماتا ہے:

بَلِ اللّٰهَ، فَاعْبُدْ، وَكُنْ مِّنَ الشَّاكِرِيْنَ (الزمر:۲۲)

''بلکہ اللہ کی بندگی کرو اور شکر گزاروں میں سے ہو جاؤ۔'' (سیرت النبی جلد پنجم)

آیئے اب دیکھیں کہ شکر ایسی قیمتی چیز کو ترقی کیسے دی جا سکتی ہے؟

۱-نماز کی پابندی

رب کریم کا حکم ہے:

وَاَقِمِ الصَّلٰوةَ لِذِكْرِیْ (طہ:۱۴) ''اور میری یاد کیلئے نماز قائم کرو۔''

اور نماز کی ہر رکعت میں رب کائنات کی تعریف کی جاتی ہے اور شکر بھی ادا کیا جاتا ہے۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ (الفاتحہ)

''ہر تعریف اور ہر شکر اللہ کے لیے ہے جو جہانوں کا پالنہار ہے۔''

لفظ ''حمد'' تعریف اور شکر دونوں مفہوم اپنے اندر رکھتا ہے، تعریف اللہ تعالیٰ کے کمالات کی اور شکر اُس کے انعامات کا چنانچہ کھانا کھانے کے بعد اس طرح اس کا شکر ادا کرتے ہیں:

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ اَطْعَمَنَا وَ سَقَانَا وَ جَعَلَنَا مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ

''اس اللہ کا شکر جس نے ہمیں کھلایا، پلایا اور مسلمان بنایا۔''

صبح بیدار ہوتے ہیں تو یہ کلمات زبان پر جاری ہو جاتے ہیں:

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ اَحْيَانَا بَعْدَ مَا اَمَاتَنَا وَ اِلَيْهِ النُّشُوْرُ

''اس اللہ کا شکر جس نے ہمیں مارنے (سلانے) کے بعد زندگانی (جگایا) عطا کی اور (روز جزا) سب کو اُسی کی طرف پھر جانا ہے۔''

نیا لباس زیب تن کرتے ہیں تو ان کلمات کی ادائیگی سنت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہے:

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ كَسَانِیْ هٰذَا، وَ رَزَقَنِيْهِ مِنْ غَيْرِ حَوْلٍ مِّنِّیْ وَ لَا قُوَّةٍ

Marfat.com

''اس اللہ کا شکر جس نے مجھے یہ لباس پہنایا اور میری محنت و قوت کے بغیر مجھے عطا کیا (یعنی سب کچھ اس کی توفیق سے ہوا ہے وگرنہ میں کہاں اور میری محنت کہاں!)'' حدیث میں ہے کہ اس دعا کے پڑھنے سے سابقہ گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔

کسی مصیبت زدہ کو دیکھ کر یہ دعا پڑھی جاتی ہے:

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِی عَافَانِیْ مِمَّا ابْتَلاکَ بِهٖ وَ فَضَّلَنِیْ عَلٰی کَثِیْرٍ مِمَّنْ خَلَقَ تَفْضِیْلًا ''شکر ہے اس اللہ کریم کیلئے کہ جس نے مجھے اس چیز (مصیبت و تکلیف) سے بچایا ہوا ہے کہ جس میں تجھے مبتلا کیا ہوا ہے اور اس نے مجھے اپنی بہت سی مخلوق پر فضیلت عطا فرمائی۔''

اگرچہ ان دعاؤں میں تعریف کا مفہوم بھی آ جاتا ہے مگر موقع و محل کی مناسبت سے شکر کے معنی پیدا ہوتے ہیں۔

آپ کسی خوشنما منظر سے بہرہ ور ہوتے ہیں: ''الحمدللہ'' کہہ کر رب کائنات کی تعریف کا اظہار کرتے ہیں۔

اور ٹھنڈے پانی سے سیراب ہوتے ہیں تو ''الحمدللہ'' کہہ کر اس کا شکر ادا کرتے ہیں۔

قرآن حکیم کی اس دعا پر غور کیجئے جس میں انتہائی بے بسی کے ساتھ ایک بندہ عاجز اپنے رب کے حضور گڑگڑاتا ہے:

رَبِّ اَوْزِعْنِیْٓ اَنْ اَشْکُرَ نِعْمَتَکَ الَّتِیْٓ اَنْعَمْتَ عَلَیَّ وَ عَلٰی وَالِدَیَّ وَاَنْ اَعْمَلَ صَالِحًا تَرْضٰهُ وَ اَصْلِحْ لِیْ فِیْ ذُرِّیَّتِیْ، اِنِّیْ تُبْتُ اِلَیْکَ وَ اِنِّیْ مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ (الاحقاف:۱۵) ''اے میرے رب! مجھے توفیق دے کہ میں تیری ان نعمتوں کا شکر ادا کرتا رہوں جو تو نے مجھے اور میرے والدین کو عطا فرمائیں اور ایسا نیک عمل کروں جس سے تو راضی ہو، اور میری اولاد کو بھی نیک بنا کر (مجھے سکھ عطا کر)، میں تیرے حضور توبہ کرتا ہوں اور تابع فرمان (مسلم) بندوں میں سے ہوں۔''

اس دعا میں عاجز بندہ سراپا عجز و نیاز کی تصویر بن کر اپنے رب سے شکر کی توفیق مانگتا ہے، اعمال صالحہ کی درخواست کرتا ہے بچوں کی صلاح و فلاح کا طلبگار بنتا ہے، توبہ و استغفار کر کے، اطاعت اور فرمانبرداری کا دم بھرتا ہے۔

ہر فرض نماز کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کلمات کو ادا فرماتے تھے:

Marfat.com

رَبِّ اَعِنِّیْ عَلٰی ذِکْرِکَ وَ شُکْرِکَ وَ حُسْنِ عِبَادَتِکَ

"اے رب مجھے ذکر، شکر اور اچھی عبادت کی توفیق عطا فرما۔"

۲-جذبہ احسان سے سرشار رہنا

احسان حدیث مبارکہ کی روشنی میں یہ ہے کہ:

اَنْ تَعْبُدَ اللّٰہَ کَاَنَّکَ تَرَاہُ، فَاِنْ لَّمْ تَکُنْ تَرَاہُ فَاِنَّہٗ یَرَاکَ

"اللہ تعالیٰ کی بندگی اس طرح کرو گویا کہ تم اسے دیکھ رہے ہو، یا پھر وہ تمہیں دیکھ رہا ہے۔"

بندہ مومن اگر اس کیفیت سے سرشار رہے۔ تو وہ مولا و مالک کی ناراضی سے بچا رہتا ہے اور اس کا ہر عمل اس کی رضامندی میں سرانجام پانے لگتا ہے اور یہی بات اسے شکر کے مقام پر کھڑا کر دیتی ہے۔

۳-غربا و مساکین کی خدمت

غربا و مساکین کی خدمت سے انسان میں عجز و انکساری کا جذبہ پیدا ہوتا ہے، دل میں نرمی پیدا ہوتی ہے، اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع بڑھتا ہے، یہ بات اسے اللہ تعالیٰ کا مطیع اور فرمانبردار بندہ بنا دیتی ہے۔

۴-اللہ کی یاد

اٹھتے بیٹھتے، چلتے پھرتے، سوتے جاگتے زبان کو اللہ تعالیٰ کی یاد سے تر رکھا جائے، یہ بات نہ صرف شیطان سے بچاؤ کی موثر تدبیر ہے بلکہ ذکر و شکر سے بندہ مومن ذاکرین و شاکرین میں شامل ہو جاتا ہے۔ اِسی طرح ہر موقع و محل کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعائیں ہیں جنہیں یاد کر کے پڑھتے رہنا چاہیے، جس سے شکر و فکر کی راہیں آسان ہو جاتی ہیں۔

Marfat.com

امتِ مسلمہ کے فرائض

''الْاُمَّة'' عربی زبان کا لفظ ہے جس کے معنی ہر وہ جماعت جن کے مابین رشتۂ دینی ہو یا وہ جغرافیائی اور عصری وحدت میں منسلک ہوں۔(مفردات القرآن)

اس تعریف کی روشنی میں دیکھا جائے تو دنیا بھر کے مسلمان خواہ ان کا تعلق کسی بھی نسل و نسب سے ہو، خواہ وہ رنگ روپ میں کیسے ہی ہوں اور خواہ ان کی زبان کوئی بھی ہو، مگر جب ان کا توحید ورسالت پر ایمان پختہ ہے، تو وہ ایک امت ہیں اور اس کا ہر ہر فرد ایک دوسرے کے ساتھ اس طرح جڑا ہوا ہے جس طرح تسبیح کے دانے آپس میں قرب واتصال رکھتے ہیں، یا پھر ان کی مثال ایک جسم کی سی ہے کہ اگر اس کے ایک عضو کو تکلیف پہنچے تو سارا جسم پریشان و بےقرار ہو جاتا ہے، اس حقیقت کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یوں بیان فرماتے ہیں:

''نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مومنوں کی مثال ان کے آپس کی محبت، رحمدلی اور مہربانی میں جسم کی طرح ہے جس کا کوئی عضو بیمار ہوتا ہے تو سارا جسم جاگتا اور بخار میں مبتلا ہو جاتا ہے۔'' (ریاض الصالحین)

ایمان اور عقیدہ کی یکسانیت کی وجہ سے زندگی کے مقاصد اور فرائض میں بھی یکسانیت آتی ہے، چونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خاتم النبیّین ہیں اور آپ کے بعد کوئی نبی آنے والا نہیں ہے اس لئے، امت مسلمہ کی اہم ذمہ داری ہے کہ رشد وہدایت کا پیغام نسل انسانیت کی طرف منتقل کرتی رہے۔ ارشاد ہوتا ہے:

كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَ تَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ (آل عمران: ۱۱۰)

(مومنو!) اب دنیا میں وہ بہترین گروہ تم ہو جسے انسانوں کی ہدایت و اصلاح کے لئے

Marfat.com

میدان میں لایا گیا ہے، تم نیکی کا حکم دیتے ہو، بدی سے روکتے ہو اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو۔

سید مودودیؒ آیۂ مذکورہ کے ذیل میں لکھتے ہیں:

''نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے متبعین کو بتایا جا رہا ہے کہ دنیا کی امامت و رہنمائی کے جس منصب سے بنی اسرائیل اپنی نااہلی کے باعث معزول کیے جا چکے ہیں، اس پر اب تم مامور کیے گئے ہو۔ اس لئے کہ اخلاق و اعمال کے لحاظ سے اب تم دنیا میں سب سے بہتر انسانی گروہ بن گئے ہو اور تم میں وہ صفات پیدا ہو گئی ہیں جو امامت عادلہ کے لئے ضروری ہیں، یعنی نیکی کو قائم کرنے اور بدی کو مٹانے کا جذبہ وعمل اور اللہ وحدہ لاشریک کو اعتقاداً وعملاً اپنا الٰہ اور رب تسلیم کرنا، لہٰذا اب یہ کام تمہارے سپرد کیا گیا ہے اور تمہیں لازم ہے کہ اپنی ذمہ داریوں کو سمجھو اور ان غلطیوں سے بچو جو تمہارے پیش رو کر چکے ہیں۔'' (تفہیم القرآن، ج:اول)

اسی امت کو ایک دوسرے مقام پر ''امت وسط'' کے نام سے بھی یاد کیا گیا ہے:

وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا (البقرہ:۱۴۳)

''اور اسی طرح تو ہم نے تمہیں ایک ''اُمت وسط'' بنایا ہے تاکہ تم دنیا کے لوگوں پر گواہ ہو اور (روز قیامت) رسول تم پر گواہ ہو۔''

''امت وسط'' پر سید مودودیؒ لکھتے ہیں:

''یہ اس قدر وسیع معنویت اپنے اندر رکھتا ہے کہ کسی دوسرے لفظ سے اس کے ترجمے کا حق ادا نہیں کیا جا سکتا ہے اس سے مراد ایک ایسا اعلیٰ اور اشرف گروہ ہے، جو عدل وانصاف اور توسط کی روش پر قائم ہو، جو دنیا کی قوموں کے درمیان صدر کی حیثیت رکھتا ہو، جس کا تعلق سب کے ساتھ یکساں، حق اور راستی کا تعلق ہو اور ناحق، ناروا تعلق کسی سے نہ ہو۔

پھر یہ جو فرمایا کہ تمہیں ''امت وسط'' اس لئے بنایا گیا ہے کہ ''تم لوگوں پر گواہ ہو اور رسول تم پر گواہ ہو'' تو اس سے مراد یہ ہے کہ آخرت میں جب پوری نوع انسانی کا اکٹھا حساب لیا جائے گا اس وقت رسول ہمارے ذمہ دار نمائندے کی حیثیت سے تم پر گواہی دے گا کہ فکرِ صحیح اور عمل صالح اور نظام عدل کی جو تعلیم ہم نے اسے دی تھی، وہ اس نے تم کو بے کم وکاست پوری کی پوری پہنچا دی اور عملاً اس کے مطابق کام کر کے دکھا دیا، اس کے بعد رسول ﷺ کے قائم مقام ہونے کی حیثیت

Marfat.com

سے تم کو عام انسانوں پر گواہ کی حیثیت سے اٹھنا ہوگا اور یہ شہادت دینی ہوگی کہ رسول ﷺ نے جو کچھ تمہیں پہنچایا تھا، وہ تم نے انہیں پہنچانے میں اور جو کچھ رسول ﷺ نے تمہیں دکھایا تھا وہ تم نے انہیں دکھانے میں اپنی حد تک کوئی کوتاہی نہیں کی۔

اسی طرح کسی شخص یا گروہ کا اس دنیا میں خدا کی طرف سے گواہی کے منصب پر مامور ہونا ہی درحقیقت اس کا امامت اور پیشوائی کے مقام پر سرفراز کیا جانا ہے، اس میں جہاں فضیلت اور سرفرازی ہے وہیں ذمہ داری کا بہت بڑا بار بھی ہے، اس کے معنی یہ ہیں کہ جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس امت کے لئے خداترسی، راست روی، عدالت اور حق پرستی کی زندہ شہادت بنے، اسی طرح اس امت کو بھی تمام دنیا کے لئے زندہ شہادت بننا چاہیے، حتیٰ کہ اس کے قول اور عمل اور برتاؤ، ہر چیز کو دیکھ کر دنیا کو معلوم ہو کہ خداترسی ایسی ہوتی ہے، پھر اس کے معنی یہ بھی ہیں کہ جس طرح خدا کی ہدایت ہم تک پہنچانے کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذمہ داری بڑی سخت تھی، حتیٰ کہ اگر وہ اس میں ذرا سی کوتاہی بھی کرتے تو خدا کے ہاں ماخوذ ہوتے، اسی طرح دنیا کے عام انسانوں تک اس ہدایت کو پہنچانے کی نہایت سخت ذمہ داری ہم پر عائد ہوتی ہے اگر ہم خدا کی عدالت میں واقعی اس بات کی شہادت نہ دے سکے کہ ہم نے تیری ہدایت، جو تیرے رسول ﷺ کے ذریعے سے ہمیں پہنچی تھی، تیرے بندوں تک پہنچا دینے میں کوئی کوتاہی نہیں کی ہے، تو ہم بہت بری طرح پکڑے جائیں گے اور یہی امامت کا فخر ہمیں وہیں لے ڈوبے گا، ہماری امامت کے دور میں ہماری واقعی کوتاہیوں کے سبب سے خیال اور عمل کی جتنی گمراہیاں دنیا میں پھیلی ہیں اور جتنے فساد اور فتنے خدا کی زمین میں برپا ہوئے ہیں، ان سب کے لئے ائمہ شر اور شیاطین انس و جن کے ساتھ ساتھ ہم بھی ماخوذ ہوں گے، ہم سے پوچھا جائے گا کہ جب دنیا میں معصیت، ظلم اور گمراہی کا یہ طوفان برپا تھا، تو تم کہاں مر گئے تھے۔" (تفہیم القرآن، ج: اول)

دعوت حق کو پھیلانے کے لئے علم دین کا حصول لازمی اور ضروری ہے اور امت مسلمہ کے ہر فرد کیلئے اس سے بہرہ ور ہونا ایسے ہی ناگزیر ہے جیسا کہ زندہ رہنے کے لئے، ہوا، روشنی، پانی اور خوراک کی حاجت ہوتی ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے:

طَلَبُ الْعِلْمِ فَرِيضَةٌ عَلَىٰ كُلِّ مُسْلِمٍ

"علم کی طلب اور تلاش ہر مسلمان کیلئے (وہ مرد ہو یا عورت) فرض ہے۔"

Marfat.com

صرف فضیلت علم کے ساتھ ہی وہ اپنی ذمہ داریوں سے کما حقہ عہدہ برآ ہو سکتا ہے جس کا ذکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے:

كُلُّكُمْ رَاعٍ وَ كُلُّكُمْ مَسْؤُلٌ عَنْ رَعِيَّتِهِ، وَالْأَمِيرُ رَاعٍ، وَالرَّجُلُ رَاعٍ، عَلَىٰ أَهْلِ بَيْتِهِ، وَالْمَرْأَةُ رَاعِيَةٌ عَلَىٰ بَيْتِ زَوْجِهَا وَ وَلَدِهِ، فَكُلُّكُمْ رَاعٍ وَ كُلُّكُمْ مَسْؤُلٌ عَنْ رَعِيَّتِهِ [متفق علیہ۔ ریاض الصالحین، باب حق الزوج علی المرأۃ]

''تم میں سے ہر فرد نگہبان اور ذمہ دار ہے اور ہر ایک سے اس کی رعیت کے بارے میں پوچھا جائے گا، (صدر ریاست) اور امیر اپنی رعایا پر مرد اپنے گھر والوں پر ذمہ دار ہے اور عورت اپنے شوہر کے گھر اور اس کی اولاد کی ذمہ دار ہے، پس تم سب سے اس کی رعیت کے بارے میں پوچھا جائے گا۔''

اس حدیث مبارک میں اگرچہ ریاست اور گھر کا ذکر آیا ہے (کہ گھر بھی ایک چھوٹی سی ریاست ہے اور اس کی فلاح و بہبود سے ہی ریاست کی بہتری اور بھلائی ہے) مگر ''كُلُّكُمْ رَاعٍ'' میں حقیقۃً ہر ہر شعبہ زندگی کی نگرانی اور حفاظت آ جاتی ہے، ایک کارخانہ کا مالک اپنے مزدوروں اور کارندوں پر نگران ہے اور ایک استاد اپنے زیر تعلیم و تربیت طلبا کے بارے میں مسؤل ہے وغیرہ وغیرہ۔

قرآن حکیم کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ ہر خطے اور ہر علاقے سے اہل علم و فضل کی ایک جماعت دعوت و تبلیغ، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر میں ہمہ وقت مصروف رہے ظاہر ہے کہ ان افراد کا معاشی بوجھ یا تو اسلامی حکومت کے ذمہ ہوگا یا پھر اس علاقے کے اہل ثروت حضرات اس بوجھ کو اٹھائیں گے، ارشاد ہوتا ہے:

وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ أُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ إِلَى الْخَيْرِ وَ يَأْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَ يَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَ أُولٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ (آل عمران:۱۰۴)

''اور ضرور ہے کہ تم میں سے ایک ایسی جماعت رہے جو نیکی کی طرف بلایا کرے اور بھلائی کا حکم دیا کرے اور بدی اور برائی سے روکا کرے اور (حقیقت یہ ہے) کہ ایسے ہی لوگ کامرانی سے ہمکنار ہونے والے ہیں۔''

مولانا عبدالماجد دریابادی لکھتے ہیں:

Marfat.com

''کسی درجہ میں اور ایک چھوٹے پیمانہ پر تو یہ فرض ہر فردِ امت کا ہے لیکن یہاں مقصود یہ ہے کہ ایک مستقل جماعت خاص اسی کام کے لئے ہو، اس کا کام یہی ہو کہ خلق کو دعوتِ خیر دے، معروف (بھلے کاموں) کی طرف بلائے، منکر (برے کاموں) سے روکے ''اُمّۃٌ'' یہ بھی کمال رحمت اور ضعفِ بشری کی انتہائی رعایت ہے، کہ ساری امت کے بجائے اس فریضہ پر ایک مخصوص جماعت ہی کو مامور کیا گیا، ورنہ اس فریضہ کی ادائی کے لئے جن اوصاف اور شرائط کی ضرورت ہے کیا عجب، کہ بہتوں کو وہ سخت دشوار معلوم ہوتے۔'' (تفسیر ماجدی، ج: اول)

دعوت حق کی نشرواشاعت کے لئے ضروری ہے کہ دین میں سوجھ بوجھ کا پوری طرح ادراک ہو۔ وہ لوگ جو اس کام کو لے کر اٹھیں انہیں بات کرنے کا قرینہ اور سلیقہ ہو، گفتگو میں مٹھاس اور نرمی ہو، علم میں گہرائی اور رسوخ ہو، عزم و ہمت اور صبر و ثبات کی تربیت ہو، قرآن حکیم کی اصطلاح میں یہی ''تفقہ فی الدین'' ہے۔ ارشاد ہوتا ہے:

فَلَوْ لَا نَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ طَآئِفَةٌ لِّيَتَفَقَّهُوْا فِي الدِّيْنِ وَ لِيُنْذِرُوْا قَوْمَهُمْ اِذَا رَجَعُوْآ اِلَيْهِمْ، لَعَلَّهُمْ يَحْذَرُوْنَ (التوبہ:۱۲۲)

''(تمام لوگوں کے لئے تو طلب علم میں نکلنا دشوار ہے) ایسا کیوں نہ ہوا کہ ہر جماعت (بستی) میں سے ایک گروہ (حصول علم کے لئے) نکلتا۔ تاکہ وہ دین میں سمجھ حاصل کر لیتا اور تربیت حاصل کر کے جب اپنی قوم میں واپس آتا تو انہیں برے کاموں کے نتائج سے ڈراتا تاکہ وہ بھی اعمال بد سے بچ جاتے۔''

گویا کہ امر بالمعروف (نیک باتوں کا حکم دینے) اور نہی عن المنکر (بری باتوں سے روکنے) کا فریضہ خواص اور عوام دونوں کا کام ہے، خواص وہ لوگ ہیں جو علم و فضل سے پوری طرح آراستہ ہوں جنہیں زبان و بیان پر قدرت اور قلم و قرطاس کے ذریعہ سمجھانے کی پوری اہلیت ہو، یہ اسلام کا پیغام دور و نزدیک پہنچاتے ہوں۔ انہیں اسلام کا پیغام دوسری قوموں تک ان کی زبانوں میں پہنچانے کی پوری طرح دسترس ہو، وہ عصر حاضر کے چیلنجوں کا مقابلہ کر سکیں ان میں وہ خطیب حضرات بھی شامل ہیں جو جمعۃ المبارک اور عیدین کے خطبات دیتے ہیں اور وہ مبلغین بھی ہیں جو دعوت و تبلیغ کی خدمات سرانجام دیتے ہیں اور وہ محرّر اور کاتبین بھی جو قلمی جہاد میں مصروف کار ہیں۔

Marfat.com

اور عوام کا کام یہ ہے کہ وہ اسلام کی بنیادی تعلیمات سے آگاہ ہوں، ہر امتی خواہ وہ مرد ہو یا عورت اس سے آگاہی حاصل کرنا ضروری ہے، وہ خود اس پر عمل پیرا ہو اور اس دعوت کا آغاز اپنے گھر سے کرے۔ ارشاد ہوتا ہے:

يَآاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قُوْآ اَنْفُسَكُمْ وَ اَهْلِيْكُمْ نَارًا (التحریم:۴)

''اے ایمان والو! اپنے آپ کو اور اپنے اہل وعیال کو آگ سے بچاؤ۔''

وَاْمُرْ اَهْلَكَ بِالصَّلٰوةِ وَاصْطَبِرْ عَلَيْهَا (طٰہٰ:۱۳۲) ''اپنے اہل وعیال کو نماز کی تلقین کیا کرو، اور خود بھی اس کے پابند رہو۔''

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم ہوتا ہے:

وَ اَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ الْاَقْرَبِيْنَ (الشعراء:۲۱۴) ''اور اپنے قریب ترین رشتہ داروں کو ڈراؤ۔''

چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت اسلام پر خواتین میں سب سے پہلے ایمان لانے والی خاتون ام المومنین بی بی خدیجہ رضی اللہ عنہا تھیں اور مردوں میں آپ کے آزاد کردہ غلام زیدؓ بن حارثہ اور لڑکوں میں آپ کے گھر تربیت پانے والے حضرت علیؓ بن ابی طالب اور دوستوں میں حضرت ابوبکرؓ صدیق تھے، پانچ افراد پر مشتمل اہل ایمان کا یہ قافلہ دعوت حق لے کر اٹھا اور اللہ تعالیٰ کی رحمت سے پھلا پھولا۔ غور کیجئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت موثر کیوں رہی؟ اس لئے کہ سب سے پہلے آپ خود اس پر عمل پیرا ہوئے اور چونکہ ہر مسلمان داعی الی اللہ ہے اس لئے اس کی اپنی زندگی سیرت وکردار کے سانچے میں ڈھلی ہوئی ہونی چاہیے۔

پھر غور کیجئے کہ برائیوں کو مٹانے میں عالم اور عام شخص، خواص اور عوام دونوں کو حکم ہوتا ہے کہ اس کے خلاف بند باندھو۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے:

مَنْ رَاٰى مِنْكُمْ مُنْكَرًا فَلْيُغَيِّرْهُ بِيَدِهٖ فَاِنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ فَبِلِسَانِهٖ، اِنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ فَبِقَلْبِهٖ، وَ ذٰلِكَ اَضْعَفُ الْاِيْمَانِ (رواہ مسلم)

''جو کوئی تم میں سے کوئی برائی دیکھے اسے چاہیے کہ اسے اپنے ہاتھ (قوت بازو) سے روکے، اگر وہ اس بات کی طاقت نہ رکھتا ہو، تو اپنی زبان سے منع کرے، اگر وہ اس کی قوت بھی نہ پائے تو (کم از کم) دل سے برا جانے مگر (یہ آخری بات) ایمان کی کمزور ترین بات ہے۔''

Marfat.com

غور کیجئے کہ ایمان کی چنگاری کو آخری درجہ میں روشن رکھا گیا ہے۔ اگر یہ بھی نہ رہے تو ایمان کہاں رہا؟ یہ اس لئے رکھا گیا ہے کہ ہوسکتا ہے کہ وہ چنگاری کبھی شعلہ جوالہ بن کر زبان حق گو اور پھر دست و بازو کی قوت میں ظاہر ہونے لگے۔

مسلمان اس دنیا میں امن کا نقیب اور سلامتی کا نمائندہ ہے، اس کی تعریف (Definition) لسان نبوت سے یوں کی گئی:

اَلْمُسْلِمُ مَنْ سَلِمَ الْمُسْلِمُوْنَ مِنْ لِسَانِهٖ وَ يَدِهٖ (معارف الحدیث)

"مسلمان وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھ سے دوسرے مسلمان محفوظ رہیں۔"

اور مومن کی تعریف میں مزید وسعت رکھی گئی ہے:

اَلْمُؤْمِنُ مَنْ اَمِنَهُ النَّاسُ

اور مومن وہ ہے جس سے نسل انسانیت راحت و آرام پا جائے۔

اور پھر دنیا کو گہوارہ امن بنانے، لوگوں کو پنجہ استبداد سے نجات دلانے اور حق کا بول بالا کرنے کیلئے وہ اللہ کی راہ میں جہاد کرتا ہے اور اس راہ میں ہر قسم کی جانی و مالی قربانی دینے سے دریغ نہیں کرتا۔ اسے حکم ہوتا ہے۔

"وَقٰتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ وَّ يَكُوْنَ الدِّيْنُ لِلّٰهِ (البقرہ:۱۹۳)

"اور ان (ظالموں) سے لڑتے رہو، یہاں تک کہ فتنہ وفساد نابود ہو جائے اور دین اللہ کے لئے ہو جائے (جو لوگوں کو سلامتی فراہم کرے)۔"

شہادت ہے مطلوب و مقصود مومن
نہ مالِ غنیمت نہ کشورِ کشائی

مسلمان کا وطن کوئی خاص ملک یا علاقہ نہیں ہوتا ہے بلکہ وہ اللہ کی راہ میں جہاد کرتا ہوا جہاں بھی پہنچ جاتا ہے وہی اس کا وطن بن جاتا ہے، طارق بن زیاد فاتح اندلس جب سمندر عبور کر کے اندلس کے ساحل پر پہنچا تو اس نے سپاہیوں کو کشتیاں جلانے کا حکم دیا، ان میں سے بعض نے کہا کہ ہم وطن سے دور ہیں، اگر واپس ہونا پڑے تو ان اسباب کو ختم کرنا کونسی دانشمندی ہے؟ جب کشتیاں جل چکیں تو بہادر جرنیل لشکر سے یوں مخاطب ہوا:

"آگے دشمن ہے اور پیچھے سمندر ہے، واپسی کے اسباب ختم ہو چکے ہیں، اب یا تو اس ملک

Marfat.com

کو فتح کر کے حق کا بول بالا کر دیا اللہ تعالیٰ کی راہ میں لڑتے ہوئے شہید ہو جاؤ اور دیکھو!

"ہر ملک، ملک ماست کہ ملک خدائے ماست"

"ہر ملک ہمارا ملک ہے کیونکہ ہمارے خدا کا ملک ہے۔"

پھر تاریخ نے دیکھا کہ اہل ایمان کے اسی مٹھی بھر لشکر نے اس سرزمین کو اللہ تعالیٰ کی نصرت سے فتح کیا اور وہاں نہ صرف عدل و انصاف کا نظام قائم کیا بلکہ علم و ادب کے جھنڈے بھی گاڑے، اور ساڑھے آٹھ سو سال اس شان سے حکومت کی کہ تاریخ اس کی چمک دمک کبھی فراموش نہ کر سکی۔

مسلمان کی زندگی کا مشن اور مقصد صرف اور صرف دین حق کی سربلندی اور اللہ کے بندوں کو لوگوں کی غلامی سے چھڑا کر اللہ کی غلامی میں لانا ہوتا ہے، ہمارے اسلاف اِسی جذبے کے ساتھ دنیا کے اِس کونے سے دوسرے کونے تک مارے مارے پھرتے رہے، مگر افسوس کہ ہم نے صداقت کی اس منزل کو کھو دیا:

صفحۂ دہر سے باطل کو مٹایا کس نے؟
نوع انساں کو غلامی سے چھڑایا کس نے؟
میرے کعبے کو جبینوں سے بسایا کس نے؟
میرے قرآن کو سینوں سے لگایا کس نے؟
تھے تو آبا وہ تمہارے ہی، مگر تم کیا ہو؟
ہاتھ پر ہاتھ دھرے منتظر فردا ہو؟

نہ صرف صداقت کی منزل کو کھویا ہے بلکہ جہالت کی عادات و رسومات کو گلے لگا لیا ہے، اسلام نے ہمیں الفت و محبت کی لڑی میں پرو دیا تھا اور تمام خیر و برکت اسی میں پنہاں تھی:

وہ گھر جس میں دل ہوں ملے سب کے باہم
خوشی ناخوشی میں ہوں سب یارو ہم دم
اگر ایک خوش دل تو گھر سارا خرم
اگر ایک غمگین تو دل سب کے پُر غم
مبارک ہے اس قصر شاہنشہی سے
جہاں ایک دل ہو مکدر کسی سے

Marfat.com

اتفاق واتحاد کی مثالی زندگیاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی تھیں جن کی قرآن شہادت دیتا ہے:

مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ، وَالَّذِيْنَ مَعَهٗٓ اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ (الفتح:۲۹)

"محمد اللہ کے رسول ہیں اور جو لوگ ان کے ساتھ ہیں وہ کفار پر سخت اور آپس میں رحیم ہیں۔"

قرآن حکیم نے ہمیں متنبہ کیا تھا کہ اطاعت وفرمانبرداری کی راہ اختیار کرنا اور آپس میں مل جل کر زندگی گزارنا، وگرنہ تمہیں ذلت وخواری کا سامنا کرنا پڑے گا۔

وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَ لَا تَنَازَعُوْا فَتَفْشَلُوْا وَ تَذْهَبَ رِيْحُكُمْ (الانفال:۴۶)

"(اور یاد رکھو) اللہ اور اس کے رسولؐ کی ہمیشہ اطاعت کرو اور آپس میں جھگڑو نہیں ورنہ تمہارے اندر کمزوری پیدا ہو جائے گی اور تمہاری ہوا اکھڑ جائے گی۔"

مگر افسوس کہ ہم نے وہی بات اختیار کی جس سے ہمیں سختی سے منع کیا گیا تھا، دھن دولت کی ہوس نے ہمیں الفت ومحبت سے دور پھینک دیا، دشمن نے اس سے فائدہ اٹھایا، ہماری مقدس سر زمین (فلسطین) پر قبضہ جمالیا اور وہاں کے باسیوں کو ظلم وستم کا نشانہ بنایا اور بنایا جا رہا ہے اور دنیا میں کہاں کہاں مسلمانوں پر ظلم نہیں ہو رہا ہے؟ افغانستان، عراق، کشمیر، چیچنیا، میں مسلمانوں پر جو قیامت ٹوٹی ہے، وہ ہم سب کیلئے عبرت کا نشان ہے اور یہ سب آپس کی دھڑے بندیوں کا انجام ہے۔ ہماری زندگیاں صحابہ کرامؓ کی زندگیوں کے برعکس ہو چکی ہیں۔

تم آپس میں غضبناک، وہ آپس میں رحیم
تم خطا کار و خطابیں، وہ خطاپوش و کریم
چاہتے سب ہیں کہ ہوں اوجِ ثریا پہ مقیم
پہلے ویسا کوئی پیدا تو کرے قلب سلیم

قرآن حکیم میں ہمارے لئے واضح حکم تھا کہ کبھی یہود ونصاریٰ کو اپنا دوست اور ہم راز نہ بنانا، یہ ازل سے تمہارے دشمن ہیں:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الْيَهُوْدَ وَالنَّصٰرٰٓى اَوْلِيَآءَ، بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ، وَ مَنْ يَّتَوَلَّهُمْ مِّنْكُمْ فَاِنَّهٗ مِنْهُمْ، اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ (المائدہ:۵۱)

"اے ایمان والو! یہودیوں اور عیسائیوں کو اپنا دوست نہ بناؤ، یہ تو آپس میں ایک دوسرے

کے دوست ہیں، (یادرکھو) اگر تم میں سے کوئی ان کو اپنا دوست بناتا ہے تو اس کا شمار بھی پھرانہی میں ہے یقیناً، اللہ ظالموں کو اپنی رہنمائی سے محروم کر دیتا ہے۔"

افسوس کہ مسلمانوں نے اس حکم الٰہی اور اس نصیحت کو پس پشت ڈال دیا، اور یہود ونصاریٰ سے ایسی دوستی کی کہ اپنی دھن دولت ان کے بینکوں میں جمع کرا دی تا کہ وہ اپنی معیشت کو مضبوط سے مضبوط تر بنائیں، اس کے بدلے میں انہوں نے مسلمانوں کو ذہنی اور فکری غلام بنالیا، بلکہ ان کی معیشت کو کمزور کر کے انہیں مجبور کر دیا کہ کشکول اٹھائے ان سے بھیک مانگا کریں اور انہیں مزید کمزور کرنے کے لئے ان کے علاقوں پر تسلط جمانا شروع کر دیا، گزشتہ دو برس میں افغانستان اور عراق پر جو ظلم وستم ڈھایا گیا وہ تاریخ انسانیت کا انتہائی کربناک باب ہے، اس میں یقیناً اپنوں کی غداری بھی شامل ہے، اگر مسلمانوں میں اتفاق واتحاد کے مضبوط رشتے قائم ہوتے تو دشمنوں کو ہمارے خلاف اس قدر آسان کامیابیاں ہرگز ہرگز نصیب نہ ہوتیں۔

قرآن حکیم وہ روشن کتاب ہے جو مایوسیوں سے نکال کر روشنیوں میں لاتی ہے، اس کی پکار ہمارے دلوں پر آج بھی دستک دے رہی ہے۔

وَلَا تَهِنُوْا وَ لَا تَحْزَنُوا، وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ (ال عمران......)

"(مسلمانو!) دِل شکستہ نہ ہو جاؤ، غم نہ کرو، تم ہی غالب رہو گے اگر تم مومن ہو۔"

بازو ترا توحید کی قوت سے قوی ہے
اسلام ترا دیس تو مصطفوی ہے

دیکھئے مسلمانوں کے پاس اللہ کی طرف سے واضح اور روشن ہدایت موجود ہے اور وہ بھٹک رہے ہیں، ان کے پاس انتہائی قیمتی دولت موجود ہے اور وہ قلاش وفقیر ہیں، پس ان کے لئے راہ نجات صرف اور صرف قرآنی ہدایات میں ہے بقول مولانا ابوالکلام آزادؒ:

"ان کی خواہش اور پالیسی صرف اتباع قرآن ہو، وہ بس تنکے کی طرح، جس کو کسی بحر طوفان خیز میں ڈال دیا گیا ہو، اپنے تئیں تعلیم الٰہی کے سمندر میں چھوڑ دیں، جس طرف وہ چاہے، اسے لے جائے اور جس کنارے سے چاہے، انہیں لگا دے، جب خدا ان کا تمام بوجھ اپنے سر لیتا ہے، تو وہ خود اپنے کاندھوں کو کیوں تھکاتے ہیں؟

اگر مسلمانوں نے ایسا کرلیا اور وعدہ الٰہی ہے کہ:

Marfat.com

وَالَّذِیْنَ جَاهَدُوْا فِیْنَا لَنَهْدِیَنَّهُمْ سُبُلَنَا ''جو لوگ تلاش راہِ حق میں سچی طلب کے ساتھ کوشش کرتے ہیں تو ہم اُن پر اپنی راہیں کھول دیتے ہیں۔''

تو یاد رکھیں کہ آج جن چیزوں کے لئے بھٹک رہے ہیں اور نہیں ملتیں اگر ان کا مطلوب حقیقی یعنی اسلام ان کو مل گیا تو وہ خود بخود ان کے قدموں پر آ کر گر جائیں گی۔ ان میں سے ایک ایک کی تلاش و جستجو کی ضرورت نہیں، وہ بہت گمراہ ہو چکے، جو سَرْ عزت کی سر بلندی کے لئے بنا تھا، بہت ٹھکرایا جا چکا، اب بھی سنبھل جائیں کہ خدا کا ہاتھ بیعت کے لئے بڑھا ہوا ہے (ففروا الی اللہ) وہ اسے چھوڑ کر شیطان کے ہاتھ پر کیوں بیعت کرتے ہیں؟ ان کے تمام اعضا مردہ وغیر متحرک ہو رہے ہیں لیکن اس کے لئے سر میں تیل کی مالش یا تلوے کا سہلانا اصلی علاج نہیں ہے ان کو روح کی ضرورت ہے، جس دن، جس آن، جس لمحے، اُن میں اسلام کی گم شدہ حرارت غریزی عود کر آئے گی، اسی وقت پاؤں کے انگوٹھے سے لے کر سر کے بالوں کی جڑ تک ان کا تمام جسم زندہ ہو جائے گا، ان کا تمدن ان کی سوشل حالت ان کی سوسائٹی کا نظام اور سب سے آخر مگر سب سے پہلے یہ کہ ان کی پولیٹیکل حالت، غرض کہ حیات ملی کا کوئی شعبہ ایسا نہ ہوگا جو باحسن شکل و باکمال حال ان کے پاس موجود نہ ہو جائے۔

وَمَنْ یُّسْلِمْ وَجْهَهٗ اِلَی اللّٰهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ، فَقَدِ اسْتَمْسَکَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقٰی، وَاِلَی اللّٰهِ عَاقِبَةُ الْاُمُوْرِ (لقمٰن:۲۲)

''اور جو شخص ہر طرف سے منہ موڑ کر صرف اللہ کی طرف متوجہ ہو گیا اور ساتھ اعمال حسنہ اختیار کیے تو بس یقین کرو کہ اس نے مضبوط رسی تھام لی اور انجام کار اللہ ہی کے ہاتھ میں ہے۔

رَبَّنَآ اٰتِنَا مِنْ لَّدُنْکَ رَحْمَةً وَّ هَیِّئْ لَنَا مِنْ اَمْرِنَا رَشَدًا...... ''اے ہمارے رب! ہمیں اپنی رحمت خاص سے نواز اور ہمارے معاملہ کو درست فرما دے۔''

Marfat.com

Marfat.com

ماہِ رمضان: جسمانی وروحانی تربیت کا سروسامان

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''جب تم میں سے کسی کے روزے کا دن ہو، تو اپنی زبان سے فحش بات نہ نکالے اور نہ شور و ہنگامہ کرے، اگر کوئی اس سے گالی گلوچ کرے یا دنگا فساد پر آمادہ ہو تو روزہ دار خیال کرے کہ میں تو روزے سے ہوں (اور ایسی باتیں تو میری شانِ بندگی کے خلاف ہیں)۔''

انسان کا تمام تر شرف و کمال پاکیزہ اخلاق اور حسن آداب میں پوشیدہ ہے اور اس میں اچھی صفات مسلسل تمرین اور باقاعدہ تربیت سے پیدا ہوتی ہیں۔ اسلام تربیت نفس کے بہت سے مواقع فراہم کرتا ہے۔ اسلامی عبادات کی روح ہی فکر و نظر کی اصلاح اور اخلاق و عادات کی تعمیر ہے...... نماز ہو یا زکوٰۃ، حج ہو یا روزہ، یہ فرائض جہاں شانِ بندگی پیدا کرتے ہیں وہاں اخلاقِ حسنہ سے بھی آراستہ کرتے ہیں، آیئے آج کی نشست میں اس بات کا جائزہ لیں کہ روزہ نفس و روح کی تربیت میں کیسے معاون بنتا ہے۔

اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو محض تکلیف و مشقت میں ڈالنا نہیں چاہتا بلکہ وہ اپنے فضل و کرم سے یہ بھی چاہتا ہے کہ جہاں ان میں شان عبودیت پیدا ہو، وہاں وہ نظم و ضبط، صبر و تحمل، محنت و مشقت، ایثار و ہمدردی، احسان و مروت اور عفو و درگزر ایسی صفات سے بھی آراستہ ہوں کہ یہی مقصود زندگی ہے:

دردِ دل کے واسطے پیدا کیا انسان کو
ورنہ طاعت کے لئے کچھ کم نہ تھے کرّ و بیاں

اور انہی خوبیوں کی بنا پر دنیا اور آخرت کی سربلندیاں اور سرفرازیاں ہیں، ماہ رمضان میں ہماری اچھی طرح ٹریننگ ہو جاتی ہے بشرطیکہ ہم پورے ذوق و شوق سے اس تربیت کو اپنے اندر

Marfat.com

سمونے کی کوشش کریں۔

نظم وضبط

آپ غور کیجئے کہ ماہ رمضان میں ہماری چوبیس گھنٹے کی زندگی میں کس قدر نظم وضبط پیدا ہو جاتا ہے۔ سحری وافطاری میں، کھانے پینے کے اوقات میں، عبادت وریاضت کی ادائیگی میں، سونے جاگنے کے اوقات میں اور روزمرہ کے مشاغل میں ایسا توازن پیدا ہو جاتا ہے کہ زندگی با مقصد نظر آنے لگتی ہے اور کامیاب زندگی اسے کہتے ہیں جو منظم اور مرتب ہو، آپ قوموں کے عروج وزوال کی تاریخ پڑھ جایئے، آپ کو معلوم ہوگا کہ دنیا میں جن قوموں نے ترقی کی ہے انہوں نے وقت کی قدر و قیمت کو پہچانتے ہوئے اپنی زندگیوں میں نظم وضبط پیدا کیا، خود مسلمانوں کا درخشندہ ماضی بھی اسی پر گواہ ہے۔

صبر وتحمل

زندگی پھولوں کی سیج نہیں کانٹوں سے عبارت ہے، زندگی میں وہی لوگ کامیاب اور بامراد رہتے ہیں جو مصائب ومشکلات میں گھبراتے نہیں ہیں:

تمنا آبرو کی ہو اگر گلزار ہستی میں
تو کانٹوں میں الجھ کر زندگی کرنے کی خو کرلے

زندگی میں بیماریاں ہیں، حادثات ہیں، کاروباری نقصانات ہیں اور دشمنوں کی یلغار ہے...... ان تمام مشکلات وحوادثات کا مقابلہ صبر وتحمل سے کرنے کا نام ہی عزیمت اور جوانمردی ہے اور اسی پر اللہ تعالیٰ کے یہاں اجر وثواب ملتا ہے، ارشاد ہوتا ہے:

﴿وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوْعِ وَنَقْصٍ مِّنَ الْاَمْوَالِ وَالْاَنْفُسِ وَالثَّمَرٰتِ، وَبَشِّرِ الصّٰبِرِيْنَ﴾ (البقرہ:۱۵۵) ''اور ہم کسی قدر خوف، بھوک، جان ومال اور پھلوں کے نقصان سے تمہاری آزمائش کریں گے، تو صبر کرنے والوں کو (خوشنودیٔ رب کی) بشارت سنا دیجئے۔''

روزہ میں بھوک اور پیاس کی برداشت، زبان وبیان کی حفاظت نیز غم وغصہ کے موقع پر خواہشات وجذبات پر قابو کی تربیت سے صبر وتحمل کا وصف نشوونما پاتا ہے، اس لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رمضان المبارک کی آمد پر اپنے خطبہ مبارکہ میں ارشاد فرمایا: ﴿وَهُوَ شَهْرُ

Marfat.com

الصَّبْرِ، وَالصَّبْرُ ثَوَابُهُ الْجَنَّةُ﴾ ''یہ صبر کا مہینہ ہے اور صبر کا بدلہ تو جنت ہے۔''

یہ صبر و تحمل کی صفت تھی کہ مٹھی بھر مسلمان گرمی کی شدت میں بھوکے اور پیاسے، بے سروسامانی کی حالت میں، محض اللہ کی قوت کے سہارے میدان بدر میں کفار کے لشکر جرار سے جا ٹکرائے، ان کی ایمانی قوت، حوصلے اور ہمت کو شاعر مشرق نے کیا خوب بیان کیا ہے:

ٹل نہ سکتے تھے اگر جنگ میں اڑ جاتے تھے
پاؤں شیروں کے بھی میدان میں اکھڑ جاتے تھے
تجھ سے سرکش ہوا کوئی تو بگڑ جاتے تھے
تیغ کیا چیز ہے ہم توپ سے لڑ جاتے تھے
نقش توحید کا ہر دل پہ بٹھایا ہم نے
زیر خنجر بھی یہ پیغام سنایا ہم نے

ایثار و ہمدردی

حقیقت میں روزہ اسے کہتے ہیں جسے احتیاط وحفاظت سے رکھا جائے، اس کے ثمرات و برکات سے وہی لوگ فیض یاب ہوتے ہیں جو اس کی پوری طرح دیکھ بھال کرتے ہیں۔

غور کیجیے تو روزہ رکھنے سے ایثار و ہمدردی کے جذبات پرورش پاتے ہیں۔

امام ابن قیمؒ لکھتے ہیں:

﴿وَ يُكَسِّرُ الْجُوعَ وَالظَّمَاءَ مِنْ حِدَّتِهَا وَ يُذَكِّرُهَا بِحَالِ الْاَكْبَادِ الْجَائِعَةِ مِنَ الْمَسَاكِيْنَ﴾ (زاد المعاد، فصل فی ھدیہ صلی اللہ علیہ وسلم)

روزہ بھوک اور پیاس کا مقابلہ کرنے کی قوت پیدا کرتا ہے وہ خالی معدوں کی یاد تازہ کرتا ہے اور بتلاتا ہے کہ ان مساکین اور فاقہ کشوں پر کیا گزرتی ہے (جن کے پاس معدوں کی آگ بجھانے اور اپنے جگر کو ٹھنڈا رکھنے کے لئے مناسب سامان خورد و نوش موجود نہیں ہے)

زندگی کا مقصد صرف مال و دولت کا حصول اور بذاتِ خود عیش و راحت کے مزے اڑانا نہیں ہے بلکہ اللہ تعالیٰ کے عطا کردہ مال میں سے غربا و مساکین کی خدمت اور بیواؤں اور یتامیٰ کی مدد کرنا بھی بہت ضروری ہے، ارشاد ہوتا ہے:

﴿وَفِيْ اَمْوَالِهِمْ حَقٌّ لِّلسَّآئِلِ وَالْمَحْرُوْمِ﴾ (الذّٰریٰت: ۱۹) ''اور ان کے اموال

Marfat.com

میں سائل اور محتاج کا حق ہے۔"

حافظ عتیق الرحمٰن کیلانی لکھتے ہیں:

"ویسے تو سب کے مال ہی میں سائل اور محتاج کا حق ہوتا ہے مگر اللہ کے نیک بندے اس کا احساس کرتے ہیں، البتہ جنہوں نے مال و دولت کو بھی اپنا معبود بنا رکھا ہو، وہ یہ احساس کہاں کر سکتے ہیں؟ لفظ "حق" سے معلوم ہوتا ہے کہ سائل اور محروم کو دینا ان پر کچھ احسان نہیں بلکہ صاحب مال کی ذمہ داری ہے۔" (تیسیر القرآن)

صحابہ کرام رضی اللہ عنھم نے اس ذمہ داری کو سمجھا اور اسے بدرجہ اتم نبھایا اور رب کریم کو ان کی یہ صفت بہت پسند آئی، ان کی شان قرآن اس طرح بیان کرتا ہے۔

﴿وَيُطْعِمُوْنَ الطَّعَامَ عَلٰى حُبِّهٖ مِسْكِيْنًا وَّ يَتِيْمًا وَّ اَسِيْرًا﴾ (الدھر:۸) "اور وہ اللہ کی محبت میں مسکین، یتیم اور قیدی کو کھانا کھلاتے ہیں۔"

ہمدردی و غمخواری صحابہ کرامؓ کی زندگیوں کا جزو لاینفک تھا:

تم ہو آپس میں غضبناک وہ آپس میں رحیم
تم خطا کار و خطابیں، وہ خطا پوش و کریم
چاہتے سب ہیں کہ ہوں اوج ثریا پہ مقیم
پہلے ویسا کوئی پیدا تو کرے قلب سلیم

ویسے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سخاوت ضرب المثل تھی اور آپ نے کبھی کسی سائل کو رد نہیں کیا مگر رمضان المبارک میں سخاوت کا یہ عالم تھا کہ

﴿أَجْوَدُ بِالْخَيْرِ مِنَ الرِّيْحِ الْمُرْسَلَةِ﴾ (ریاض الصالحین) "صدقہ و خیرات کرنے میں تیز آندھی سے بھی بڑھ کر تھے۔"

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ماہ رمضان کو "شَهْرُ الْمُوَاسَاتِ" یعنی ہمدردی و غمخواری کے مہینہ سے یاد فرمایا ہے۔

رمضان المبارک کے آخری دنوں میں صدقۃ الفطر کیا ہے؟ وہ یہی ہے کہ روزوں کے درمیان روزہ دار سے جو بھول چوک ہوگئی ہے، غربا و مساکین کی خدمت کر کے اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی کو حاصل کر لیا جائے۔

Marfat.com

زبان کی حفاظت

زبان اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی نعمت اور اظہار بیان کا ذریعہ ہے۔ شیریں اور پاکیزہ گفتگو سے یوں معلوم ہوتا ہے کہ منہ سے پھول جھڑ رہے ہیں۔ یہ گوشت کا چھوٹا سا لوتھڑا ہے مگر کبھی ایسا ہوتا ہے کہ مٹھاس سے دلوں کو موہ لیتا ہے اور دشمن بھی دوست بن جاتے ہیں اور کبھی یوں بھی ہوتا ہے کہ اس کی تلخی سے دوست بھی دشمن بن جاتے ہیں...... کہتے ہیں کہ تلوار کا زخم مندمل ہو جاتا ہے مگر زبان کا وار مندمل نہیں ہوتا، اسلام نے اس کی حفاظت اور تربیت پر بہت زور دیا ہے، حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے روزہ دار کو بڑی جامع نصیحت فرمائی ہے کہ وہ روزہ کی حالت میں فحش کلامی سے باز رہے، جب رضائے الٰہی کے لئے اس نے صبح سے شام تک رزقِ حلال سے منہ موڑ لیا ہے اور جو چیزیں حلال تھیں انہیں اپنے اوپر حرام کر لیا ہے تو جو باتیں پہلے ہی حرام ہیں تو کیا وہ حالتِ صوم میں حلال اور جائز ہو سکتی ہیں؟ اس لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے افرادِ امت کو تنبیہ فرمادی۔

﴿مَنْ لَمْ يَدَعْ قَوْلَ الزُّوْرِ وَالْعَمَلَ بِهٖ فَلَيْسَ لِلّٰهِ حَاجَةٌ فِيْ اَنْ يَدَعَ طَعَامَهٗ وَ شَرَابَهٗ﴾ (کتاب الصوم، ریاض الصالحین) ''جس شخص نے جھوٹ بولنے اور جھوٹی بات پر عمل کرنے کو ترک نہ کیا تو اس کا کھانا پینا چھوڑنے کی اللہ کو کوئی پروا نہیں ہے۔''

دیکھو! ہمارا ہر کلام اور ہماری ہر گفتگو بلکہ ہر ہر عمل اللہ تعالیٰ کے یہاں لکھا جا رہا ہے، ارشاد ہوتا ہے:

﴿مَا يَلْفِظُ مِنْ قَوْلٍ اِلَّا لَدَيْهِ رَقِيْبٌ عَتِيْدٌ﴾ (ق:۱۸) ''(انسان) کوئی بات منہ سے نہیں نکالتا مگر اس کے پاس تیار نگران موجود ہوتا ہے (جو اسے نوٹ کر لیتا ہے)۔''

حصولِ تقویٰ

ماہ رمضان ہمیں تقویٰ ایسی خوبی سے آراستہ کر دیتا ہے:

﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ﴾ (البقرہ:۱۸۳) اے ایمان والو! تم پر روزے فرض کیے جاتے ہیں جیسا کہ تم سے پہلے لوگوں پر فرض کیے گئے تھے تاکہ تم میں تقویٰ پیدا ہو، تقویٰ کیا ہے؟ امام راغب اصفہانی لکھتے ہیں:

Marfat.com

''التقویٰ اُس کے اصل معنی نفس کو ہراس چیز سے بچانے کے ہیں جس سے نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہو......اصطلاح شریعت میں نفس کو ہراس چیز سے بچانے کا نام تقویٰ ہے جو گناہ کا موجب ہو اور یہ بات ان تمام باتوں کو ترک کرنے سے حاصل ہوتی ہے، جن سے شریعت نے روکا ہے مگر اس میں درجۂ کمال حاصل کرنے کے لئے بعض مباحات کو بھی ترک کرنا پڑتا ہے مثلاً کسی کی چراگاہ کے اندر جانور چرانا ناجائز اور نامناسب ہے ہاں اس کے قریب خالی جگہ پر چرانا جائز ہے مگر تقویٰ کا تقاضا یہ ہے کہ چراگاہ کے قریب کی جگہ کو چھوڑ کر دور کی جگہ استعمال کی جائے کیونکہ قریب سے جانوروں کے چراگاہ میں جانے کا احتمال ہے۔

پھر تقویٰ کے معنی مشہور صحابی کعب الأحبار رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کو کچھ اس طرح سمجھائے تھے کہ ''امیر المومنین! کبھی آپ کو کسی خاردار راستے سے گزرنے کا اتفاق ہوا، تو آپ نے اس وقت کیا کیا؟ جس کے جواب میں آپؓ نے فرمایا: ''میں نے اپنے کپڑوں کو سمیٹا اور بچتے بچاتے گزر گیا، تو کعب رضی اللہ عنہ نے عرض کیا، اسی کو تقویٰ کہتے ہیں۔ گویا کہ بندہ مومن اس دنیا میں سنبھل سنبھل کر قدم اٹھاتا ہے اور ہر کام اور ہر عمل کرنے سے پہلے سوچتا ہے کہ آیا یہ شریعت کے مطابق ہے یا اس کے خلاف؟ اور اس میں اللہ تعالیٰ کی رضامندی ہے یا ناراضگی؟ وہ اللہ تعالیٰ کی رضا کو چاہتے ہوئے شریعت حقہ کے مطابق حکم بجالاتا ہے۔ ابرار و صالحین کے بارے میں آتا ہے:

﴿وَإِذَا مَرُّوا بِاللَّغْوِ مَرُّوا كِرَامًا﴾ (الفرقان:۷۲) اور جب کسی لغو کام پر گزر ہو تو وقار سے گزر جاتے ہیں (نظر اٹھا کر بھی ادھر نہیں دیکھتے، یہی تقویٰ کی راہ ہے)۔

اب روزہ کس طرح تقویٰ پیدا کرتا ہے؟ روزہ دار بھوک اور پیاس کو رب تعالیٰ کی رضا کیلئے برداشت کرتا ہے، اگر وہ چاہے تو کسی بند کمرے میں کھا پی سکتا ہے مگر وہ ایسا کرنے سے رک جاتا ہے اس کا یقین قوی ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اسے دیکھ رہا ہے اور کھانے پینے سے اس کا روزہ ٹوٹ جائے گا اور وہ اس کے یہاں سے اجر و ثواب سے محروم ہو جائے گا یہ تو کھانے پینے کا معاملہ تھا، اگر وہ اپنی گفتگو، اپنے اخلاق اور کردار، اپنی نشست و برخاست، اپنے معاملات اور یہاں تک کہ اپنے خیالات کو اسی سوچ کے تحت لے آئے یعنی ان تمام امور میں رب کی رضا اور ناراضگی کو سامنے رکھتے ہوئے اس کی رضامندی کو اختیار کرلے، تو وہ تقویٰ کی راہ پر چل پڑتا ہے اور روزہ اس کے

Marfat.com

لئے ڈھال بن جاتا ہے یعنی جس طرح دشمن کا وار روکنے کے لئے ڈھال مفید ثابت ہوتی ہے، اسی طرح گناہوں سے بچاؤ کیلئے روزہ ڈھال کا کام کرتا ہے، حدیث مبارکہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی حقیقت کو بیان فرمایا:

﴿الصَّومُ جُنَّةٌ﴾ روزڈھال ہے۔

اور یہی روزہ آخرت میں جہنم سے بچاؤ کے لئے ڈھال بن جائے گا جیسا کہ حدیث مبارکہ میں ہے کہ روزہ اور قرآن بندہ مومن کے لئے سفارش کریں گے، اس حدیث پر غور کر لیجئے۔

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''روزہ اور قرآن دونوں بندے کی سفارش کریں گے (یعنی اس بندے کی جو دن میں روزے رکھے گا اور رات میں اللہ کے حضور کھڑے ہو کر اس کا پاک کلام، قرآن مجید پڑھے گا یا سنے گا) روزہ عرض کرے گا: اے میرے پروردگار! میں نے اس بندے کو کھانے پینے اور خواہشات نفس کو پورا کرنے سے روکے رکھا تھا آج میری سفارش اس کے حق میں قبول فرما (اور اس کے ساتھ مغفرت ورحمت کا معاملہ فرما) اور قرآن کہے گا کہ: میں نے اس کو رات کے سونے اور آرام کرنے سے روکے رکھا تھا، اے رب! آج اس کے حق میں میری سفارش قبول فرما (اور اس کے ساتھ بخشش اور عنایت کا معاملہ فرما) چنانچہ روزہ اور قرآن دونوں کی سفارش اس بندہ کے حق میں قبول فرمائی جائے گی (اور اس کے لئے جنت اور مغفرت کا فیصلہ فرما دیا جائے گا)۔'' [شعب الایمان للبیہقی، معارف الحدیث]

اللہ تعالیٰ روزہ اور قرآن کو یوم جزا کیسے قوت گویائی سے نوازے گا؟ اس حقیقت کو وہی بہتر جانتا ہے۔

پھر یہ بشارتیں ان کے لئے ہیں جو رمضان کا پورا پورا حق ادا کریں گے، اس لئے لسانِ نبوت سے ارشاد ہوتا ہے:

﴿مَنْ صَامَ رَمَضَانَ اِيْمَانًا وَ اِحْتِسَابًا غُفِرَ لَهٗ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهٖ وَ مَنْ قَامَ رَمَضَانَ اِيْمَانًا وَّ اِحْتِسَابًا غُفِرَلَهٗ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهٖ وَ مَنْ قَامَ لَيْلَةَ الْقَدْرِ اِيْمَانًا وَّاِحْتِسَابًا غُفِرَ لَهٗ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهٖ﴾ (متفق علیہ۔ معارف الحدیث) جو لوگ رمضان کے روزے ایمان و احتساب کے ساتھ رکھیں گے، ان کے سب گزشتہ گناہ معاف کر دیے

Marfat.com

جائیں گے اور ایسے ہی جو لوگ ایمان و احتساب کے ساتھ رمضان کی راتوں میں نوافل (تراویح و تہجد) پڑھیں گے ان کے بھی سب پچھلے گناہ معاف کر دیے جائیں گے اور اسی طرح جو لوگ شب قدر میں ایمان و احتساب کے ساتھ نوافل پڑھیں گے ان کے بھی سابقہ گناہ معاف کر دیے جائیں گے۔

ایمان و احتساب سے ہی ہمارے اعمال کا تعلق اللہ تعالیٰ سے جڑتا ہے۔ ایمان کا تقاضا ہے کہ ہماری عبادت و ریاضت اللہ تعالیٰ کی رضا کیلئے ہو اور احتساب کا مفہوم یہ ہے کہ اس میں کوئی نقص اور نقصان نہ رہنے پائے، جیسا کہ کوئی اپنے روزمرہ کے کاروبار کو دیانت اور امانتداری سے چلاتا ہے اور ٹھیک ٹھیک حساب کتاب رکھتا ہے اسی طرح صوم و صلوٰۃ کی ادائیگی بھی اس طرح ہونی چاہئے کہ اس میں کوئی خلا اور کمی نہ رہ جائے۔

روزہ میں بگاڑ پیدا کرنے والی باتوں میں، زبان کی خطائیں بہت سی ہیں...... تلخ کلامی، کسی کو برا بھلا کہنا، چغل خوری، غیبت اور بدگوئی، ٹھٹھا اور مذاق کرنا، جھوٹ بولنا اور جھوٹی قسمیں کھانا، وغیرہ...... روزمرہ معاملات میں بھی بہت سی باتیں آجاتی ہیں خیانت اور بددیانتی، غداری اور دغابازی، ناپ تول میں کمی بیشی، رشوت اور سودخوری، بغض و کینہ وغیرہ...... آنکھوں سے بھی خطائیں سرزد ہوتی ہیں مثلاً روزے کے ساتھ حیا سوز فلمیں دیکھنا، غیر محرم کی طرف نظریں اٹھانا وغیرہ...... ہاتھ سے بھی کئی گناہ سرزد ہوتے ہیں مثلاً کسی پر زبان درازی کے ساتھ ساتھ دست درازی بھی کرنا، کسی کے جان و مال پر ہاتھ صاف کرنا، کسی کو زک اور نقصان پہنچانا وغیرہ۔ یہ تمام باتیں روزے کو بے اثر کر دیتی ہیں اور یہ رمضان المبارک کے فیوض و برکات سے سراسر محرومی ہے، اس لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

﴿كَمْ مِنْ صَائِمٍ لَيْسَ لَهُ فِي صِيَامِهِ اِلَّا الْجُوعِ، وَكَمْ مِنْ قَائِمٍ لَيْسَ لَهُ فِي قِيَامِهِ اِلَّا السَّهر﴾ (مشکوۃ۔ کتاب الصوم)

"کتنے ہی روزہ دار ہیں کہ ان کے روزوں میں سوائے بھوکا اور پیاسا رہنے کے (اور کوئی اجر مرتب نہیں ہوتا ہے) اور کتنے ہی راتوں کو قیام کرنے والے ہیں کہ ان کے قیام میں رت جگے کے سوا کچھ پلے نہیں پڑتا ہے۔"

بڑے افسوس کی بات ہوگی کہ کوئی مزدور دن بھر محنت و مشقت کرے اور بوقت رخصت اپنی

Marfat.com

مزدوری سے بھی محروم رہے، روزہ تو اتنی قیمتی عبادت ہے کہ اگر روزہ دار اسے ایمان واحتساب سے رکھے تو اسے دوہری خوشیوں (یعنی دوہری اجرت) سے نوازا جاتا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے:

﴿لِلصَّائِمِ فَرْحَتَانِ، فَرْحَةٌ عِنْدَ فِطْرِهِ، وَ فرحَةٌ عِنْدَ لِقَاءِ رَبِّهِ﴾ (متفق علیہ۔ معارف الحدیث) روزہ دار کے لئے دو مسرتیں ہیں...... ایک افطار کے وقت اور دوسری اپنے مالک ومولیٰ کی بارگاہ میں حضوری اور شرفِ باریابی کے وقت، (اس وقت کی خوشیوں کا بھلا کون اندازہ کرسکتا ہے؟)

افطاری کے وقت رب رحیم کی طرف سے گناہوں کی بخشش کا مژدہ تو سنایا ہی جاتا ہے، اس کے علاوہ روزہ دار خلوص نیت کے ساتھ جو بھی دعا مانگتا ہے اسے فوراً شرف قبولیت سے نوازا جاتا ہے، افطاری کے لمحات بڑے ہی قیمتی ہوتے ہیں۔

رمضان اور دعا

سورۃ البقرہ کی آیت نمبر ۱۰۵ میں ماہ رمضان اور روزوں کی فرضیت کا ذکر آیا ہے، بیماری اور مسافر کو ان ایام کی رخصت دے کر تاکید کردی گئی ہے کہ وہ سفر سے واپسی پر اور صحت یاب ہونے پر دوسرے دنوں میں گنتی پوری کرلیں تاکہ ان کے اجر وثواب میں کمی نہ آجائے، اور اس سے اگلی آیت مبارکہ میں دعا اور اس کی قبولیت کا تذکرہ ان الفاظ میں آتا ہے:

﴿وَاِذَا سَأَلَكَ عِبَادِيْ عَنِّيْ فَاِنِّيْ قَرِيْبٌ، اُجِيْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ، فَلْيَسْتَجِيْبُوْا لِيْ وَلْيُؤْمِنُوْا بِيْ لَعَلَّهُمْ يَرْشُدُوْنَ﴾ (البقرہ:۱۸۶)

"اور جب میرے بندے آپ سے میرے متعلق پوچھیں تو (کہیے) میں قریب ہوں، جب بھی دعا کرنے والا مجھے پکارتا ہے، تو میں دعا قبول کرتا ہوں، لہٰذا انہیں چاہیے کہ میرے احکام بجالائیں اور مجھ پر ایمان لائیں تاکہ وہ ہدایت پاجائیں۔"

حافظ عتیق الرحمٰن کیلانی لکھتے ہیں:

"رمضان المبارک کے مسائل میں دعا کا ذکر کر کے یہ اشارہ دیا گیا ہے کہ اس ماہ مقدس میں دعا کی بہت اہمیت ہے، خاص طور پر روزہ افطار کرتے وقت، رات کے آخری حصہ میں اور رمضان کے آخری عشرہ میں، دوسری عبادات کی طرح اس عبادت کا (کہ حدیث مبارکہ میں آتا

Marfat.com

ہے کہ اَلدُّعَاءُ مُخُّ العِبَادَةِ یعنی دعا عبادت کا مغز[حاصل] ہے) بھی خوب التزام کرنا چاہیے، دعا کی شرائط اور آداب سے آگاہی حاصل کرنا ضروری ہے۔" (تیسیر القرآن)

دعا کی قبولیت کیلئے رزقِ حلال کے حصول کے علاوہ اسی آیت مبارکہ میں واضح کر دیا گیا ہے کہ ایمان باللہ اور اس کے احکام کی پیروی لازمی ہے اور وہ لوگ جو نہ تو رزق حلال کمائیں اور کھائیں اور شب و روز رب کریم کے احکام توڑتے رہیں ان کی دعائیں بھلا کیونکر قبول ہوں؟

روزہ اور صحت جسمانی

حدیث مبارکہ میں آتا ہے کہ ضعیف اور قوی مؤمن میں سے اللہ تعالیٰ کے نزدیک طاقتور اور قوی مؤمن زیادہ پسندیدہ ہے۔ یہ اس لئے ہے کہ وہ اپنے جسم و جان سے فریضہ عبادت و ریاضت اچھی طرح سرانجام دینے کے علاوہ اپنے مولا و مالک کی رضا کی خاطر فریضہ جہاد بھی ادا کرسکتا ہے، روزہ روحانی اور جسمانی دونوں لحاظ سے بندہ مؤمن کو مضبوط اور توانا بناتا ہے۔

حکیم سعید شہیدؒ لکھتے ہیں:

"روزہ اگرچہ فاقہ نہیں ہے، لیکن کھانے پینے میں ایک وقفہ ضرور ہے، فاقہ انسان کی ایک طبعی اور جبلی ضرورت ہے، اکثر انسانوں، بلکہ حیوانوں کو بھی بعض امراض میں غذا کی طرف رغبت نہیں رہتی اور بعض مرضی کیفیتوں میں تو غذا کا تصور بھی انسان کو ناگوار ہوتا ہے، روزے میں کھانے پینے کا جو وقفہ ہوتا ہے، وہ جسم کو فضلات سے پاک اور خون کو صاف کرتا ہے، روزہ روزے دار میں حرص اور مرض سے مقابلے کی قوت پیدا کرتا ہے، اس لئے نفس کے تزکیے اور جسم کی تربیت کے لئے روزے فرض کیے گئے ہیں۔ تمام حکیم، ڈاکٹر اور سائنس دان اس بات پر متفق ہیں کہ اوقات مقررہ پر کھانا کھانا صحت کی ضمانت ہے، وقت مقررہ پر کھانا کھانے سے انسان کا جسمانی نظام جو تغذیہ حاصل کرتا ہے وہ بے وقت کھانے سے ممکن نہیں ہے۔"

حکیم سعید شہیدؒ نے سادہ اور پر وقار زندگی گزاری، اپنی افطاری کا حال بڑی شانِ بے نیازی سے بیان کرتے ہیں:

"میں ذاتی طور پر رمضان المبارک میں گزشتہ 35 سال سے افطار کے وقت مروجہ افطاری یعنی دہی بڑے، دال سموسے، پھلکیاں، چٹنیاں، قلمی بڑے، آلو کچالو وغیرہ کچھ نہیں کھاتا ہوں، میرا معمول یہ ہے کہ میں کھجور سے روزہ افطار کرتا ہوں اور اگر ممکن ہوتا ہے تو لیموں یا کسی پھل کا ذرا سا

رس پی لیتا ہوں یا کوئی اچھا شربت پی لیتا ہوں۔ نماز مغرب سے فارغ ہو کر ناشتہ کر لیتا ہوں یعنی ایک گلاس دودھ، ذرا سی ڈبل روٹی بغیر مکھن کے، گاہے انڈا اور بس۔ سحری میں معمولی سادہ کھانا کھاتا ہوں گھی کی روٹی اور چاول رمضان المبارک میں ترک کر دیتا ہوں۔ میں اس معمول پر 35، 36 سال سے کاربند ہوں اور مجھے کوئی تکلیف نہیں ہوتی......شاید میں غلطی نہیں کروں گا اگر سب کو ایسا ہی کرنے کا مشورہ دوں، یقین کرنا چاہئے کہ ایسا کرنے سے صحت کو کوئی نقصان نہیں پہنچے گا اس کے برعکس، اس میں جسم اور روح دونوں کا فائدہ ہے پھر دیکھئے کہ تراویح اور تہجد میں کیا مزہ آتا ہے، یہ کیا نماز ہوئی کہ رکوع کر رہے ہیں تو حلق میں پانی اچھل کر آ رہا ہے اور سجود میں غذا جیسے باہر نکلی چاہتی ہے......آج جدید سائنس نے یہ ثابت کر دیا ہے کہ روزہ کولیسٹرول کو ضائع کر دیتا ہے، یہ وہی خون کا کولیسٹرول ہے کہ جو دل کی بیماریوں کا سب سے بڑا سبب ہے، آج کی دنیا میں اس سائنسی انکشاف کے لحاظ سے روزہ ایک برکت ہے، جو بات آج سائنس کو معلوم ہوئی ہے، اس کا ادراک ذات ختم الرسل صلی اللہ علیہ وسلم کو تھا اور ضرور تھا، اسی لئے رسول اللہ ﷺ نے روزے کو جسم وروح کے لئے باعث خیر و برکت قرار دیا ہے اور مسلمانوں کو اعتدال اور میانہ روی کی تلقین فرمائی ہے۔" (روزہ اور صحت، مقالات سعید۔نورستان)

قرآن حکیم نے رمضان المبارک کی عظیم نعمت ملنے پر مسلمان کو اس طرح یاد دلایا ہے:

﴿وَلِتُكَبِّرُوا اللهَ عَلٰى مَا هَدٰكُمْ وَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ﴾ (البقرہ:۱۸۵)

(روزے پورے کرنے پر) جو اللہ نے تمہیں ہدایت سے نوازا ہے اس پر اس کی بڑائی بیان کرو (اس طرح) تم اس کے شکر گزار (بندے) بن جاؤ۔

رمضان المبارک کی برکات وثمرات سے پوری طرح بہرہ ور ہونے کے لئے گفتگو کو سمیٹتے ہوئے یوں کہا جا سکتا ہے۔

۱) روزے کے ساتھ زبان و بیان کی پوری طرح نگہداشت وحفاظت کی جائے، نیز آپس کے لین دین کے معاملات کھلے دل سے صاف کر لینے چاہئیں، نہ معلوم کہ آئندہ زندگی میں یہ قیمتی لمحات میسر آئیں یا نہیں!

۲) رشتہ داروں کو آپس کی رنجشیں اور کدورتیں مٹا کر صلح وآشتی کی فضا قائم کرنی چاہیے کہ اسی میں رب کی رضامندی ہے، تکبر اور غرور اسے ناپسند ہے۔ جو لوگ عجز وخاکساری سے ایک دوسرے کو

معاف کردیتے ہیں انہیں اللہ تعالیٰ سے اپنی بخشش کی ضرور امید رکھنی چاہیئے۔

۳) رضائے الٰہی کے لئے غربا و مساکین کی خدمت اور مدد کرکے رب تعالیٰ کا قرب حاصل کیا جائے، اس ماہ میں اجر و ثواب کئی گنا بڑھ جاتا ہے۔

۴) رمضان کے اوقات تلاوتِ قرآن (تدبر کے ساتھ) ذکر و اذکار اور خاص طور پر درود ابراہیمی (جو نماز میں پڑھا جاتا ہے) کے پڑھنے میں گزارے جائیں۔

۵) قیام اللیل میں نمازِ تراویح اور تہجد کا اہتمام کیا جائے اور خاص طور پر آخری عشرہ کی ساعتیں تو بڑی ہی قیمتی ہیں، نوافل کے بعد اس دعا کو کثرت سے پڑھا جائے۔

﴿اَللّٰهُمَّ اِنَّکَ عَفُوٌّ تُحِبُّ الْعَفْوَ فَاعْفُ عَنِّیْ﴾ ''اے اللہ بلاشبہ آپ معاف فرمانے والے ہیں، معافی کو پسند فرماتے ہیں پس مجھ سے درگزر فرمایئے۔''

''عَنِّیْ'' کی بجائے بہتر ہے کہ جمع کا صیغہ ''عَنَّا'' یعنی ہم سب سے درگزر فرمایئے۔ استعمال کریں تو آپ کا اجر کہیں بڑھ جائے گا کیونکہ اس میں دوسرے بہن بھائی بھی شامل ہو جائیں گے اور دوسروں کی خیر خواہی کرنے والوں کو اللہ تعالیٰ محبوب رکھتا ہے۔

۶) تمام نمازوں کی با جماعت پابندی کرنا اور آئندہ اس پابندی پر اللہ تعالیٰ سے دوام کا عہد کرنا اور پختہ عہد کرنا اور اس بات کی توفیق اسی سے مانگنا اور مانگتے رہنا، زندگی کو کامیاب بنا دے گا، ان شاء اللہ...... حضرات مساجد میں نماز ادا کریں تو خواتین اپنے بچوں کے ساتھ گھروں میں نمازوں کا التزام کریں۔

۷) رب کے حضور دعاؤں اور التجاؤں کا اہتمام خوب گریہ وزاری سے کرنا خاص طور پر بوقت افطار اور بوقت سحر اس بات کو نہ بھولنا، آج 18 شعبان 1424ھ کو عاجز یہ سطور لکھ رہا تھا کہ مجھے ان ہزاروں عورتوں، بچوں، بوڑھوں اور جوانوں کی یاد ستانے لگی جنہوں نے دنیا کے بدترین دہشت گردوں کے ہاتھوں افغانستان، عراق، کشمیر، فلسطین اور چیچنیا میں جام شہادت نوش کیا اور ابھی یہ سلسلہ جاری ہے، ان شہدائے اسلام کی بلندی درجات کے لئے رمضان کی مبارک گھڑیوں میں دعا فرماتے رہیں۔ امت مسلمہ کیلئے دعا فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ اس کی عظمت و شوکت کو پھر سے بحال فرمادے۔

فتح و نصرت کے لئے رب کریم کے حضور درخواست کریں۔ پھر تمام بیماروں کے لئے دعا

Marfat.com

فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ انہیں شفائے کاملہ وعاجلہ عطا فرمائے، عاجز کی بیٹی ''صالحہ'' کیلئے بھی دعا فرما دیجئے کہ چھ ماہ کی تھی اور ٹائفس بخار کا شکار ہوئی اور ذہنی طور پر مفلوج ہوگئی، اس بات کو اٹھارہ سال کی طویل مدت بیت چکی ہے، اللہ تعالیٰ اپنی قدرت کاملہ سے اسے شفا عطا فرما دے، میرے اور میرے دوست واحباب کے بچوں کو نیک، پرہیزگار، نمازی اور اپنے دین کا خادم بنادے۔

﴿رَبَّنَا هَبْ لَنَا مِنْ اَزْوَاجِنَا وَ ذُرِّيّٰتِنَا قُرَّةَ اَعْيُنٍ وَّاجْعَلْنَا لِلْمُتَّقِيْنَ اِمَامًا﴾

''اے ہمارے رب! ہمیں اپنی بیویوں اور اولاد کی طرف سے آنکھوں کی ٹھنڈک عطا فرما اور ہمیں متقین کا امام بنادے۔

ایک ہوں مسلم حرم کی پاسبانی کے لئے

اسلام......اور قوت وشوکت

اللہ تعالیٰ نے دینِ حق کو غالب کرنے کا جو کام امتِ مسلمہ کے ذمہ لگا رکھا ہے اس کے لیے عزم و ہمت اور جرأت وقوت کی ضرورت ہے، مسلمان اس فریضہ سے اسی وقت عہدہ برآ ہو سکتے ہیں جب وہ اپنے اندر اخلاقی وروحانی قوت کے علاوہ جسمانی اور فوجی قوت بھی رکھتے ہوں، سورۃ بقرہ میں آتا ہے۔

بنی اسرائیل کے مطالبہ پر اللہ تعالیٰ نے طالوت کو ان کا بادشاہ مقرر کیا جو ایک تیس سالہ جوان، خوبصورت اور قد آور شخص تھا، اس پر کئی لوگوں نے یہ اعتراض جڑ دیا کہ "طالوت کے پاس نہ مال و دولت ہے اور نہ ہی شاہانہ ٹھاٹھ باٹھ، بھلا یہ ہمارا بادشاہ کیسے بن سکتا ہے؟ اس سے تو ہم ہی اچھے اور بادشاہت کے زیادہ حق دار ہیں اس کا جواب اللہ تعالیٰ نے یہ دیا: اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰهُ عَلَيْكُمْ وَزَادَهٗ بَسْطَةً فِی الْعِلْمِ وَالْجِسْمِ (آیت ۲۴۷) "اللہ نے تم پر حکومت کے لیے اسے ہی منتخب کیا ہے اور ذہنی اور جسمانی اہلیتیں اسے تم سے زیادہ دی ہیں۔"

علم کے تحت، عقل وبصیرت، قوتِ فیصلہ، روحانی فضیلت و برتری، صداقت وعدالت ایسی تمام صفات آجاتی ہیں اور جسم کے تحت جسمانی وفوجی طاقت، دلیری اور شجاعت ہمت و بردباری اور قائدانہ خوبیاں ابھرتی ہیں اور اسلام ایک اچھے مسلمان کو ان تمام صفات سے آراستہ کرنا چاہتا ہے وہ مسلمان سے ہر ذلت اور کمزوری کو دور کرتا ہے، ذرا اس واقعہ پر غور کیجیے۔

سن سات ہجری میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ جب عمرہ القضا کے لیے تشریف لائے تو مشرکین مکہ نے یہ کہنا شروع کیا کہ مہاجرین کو مدینہ منورہ کی آب وہوا راس نہیں آئی۔ اس لیے وہ کمزور ہو گئے ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو جب یہ خبر ہوئی تو آپؐ نے طواف کے دوران صحابہ کو رمل اور اضطباع کا حکم دیا، اضطباع کے معنیٰ یہ ہیں کہ احرام کی اوپر

Marfat.com

والی چادر دائیں کندھے کے نیچے سے نکال کر بائیں کے اوپر ڈال لی جائے، اس طرح کہ دایاں کندھا بغیر چادر کے نظر آنے لگے، مطاف یعنی طواف کی جگہ میں داخل ہوتے ہی یہ ہیئت بنالی جائے۔ بیت اللہ کے گرد طواف کے دوران رمل اور اضطباع کا حکم ہے، رمل کے معنیٰ دوڑنے کے ہیں، طواف کرتے وقت پہلے تین چکر ذرا دوڑ کر لگانے چاہییں اس طرح کہ قدم نزدیک نزدیک رکھے جائیں اور ذرا اُچھل کر آگے بڑھا جائے اور ساتھ ہی کندھے ہلائے جائیں جیسا کہ پہلوانوں کی چال ہوتی ہے۔ طواف کے دوران مسلمانوں کی یہ کیفیت جب مشرکین مکہ نے دیکھی تو ان پر اچھا اثر پڑا اور وہ مسلمانوں کی اس قوت وشوکت سے مرعوب ہو کر کہنے لگے ''مسلمان تو قوی اور مضبوط ہیں اور ہرنوں کی چال چلتے ہیں۔

انسان جسم اور روح کا مرکب ہے، جسمانی قوت کے ساتھ ساتھ روحانی قوت بھی لازمی ہے، حوصلہ اور ہمت نہ ہو تو جسمانی قوت بیکار ہو جاتی ہے، انسان کا دل مردہ ہو جائے، ایمان میں تپش اور حرارت باقی نہ رہے، شوق شہادت ختم ہو جائے، مقصد کی خاطر مر مٹنے کا جذبہ سرد پڑ جائے تو مادی اور جسمانی قوتیں بھی بیکار ثابت ہوتی ہیں، اس لیے اسلام ایمانی قوت کے ساتھ ساتھ جوش اور جذبہ کو بلند کرتا ہے، ارشاد ہوتا ہے:

وَلَا تَهِنُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ (ال عمران-۱۳۹)

''دل شکستہ نہ ہو، غم نہ کرو، تم ہی غالب رہو گے اگر تم مومن ہو۔''

آیہ مبارکہ پر بار بار غور کر لیجیے کہ ہر فتح ونصرت اور ہر کامیابی اور کامرانی کے لیے دل کی مضبوطی اور مقصد کی لگن کے ساتھ ساتھ اللہ پر ایمان لازمی امر ہے۔

اسی سورۃ مبارکہ میں صبر وہمت سے کام لینے والوں کا تذکرہ اس طرح آیا ہے۔

وَكَاَيِّنْ مِّنْ نَّبِيٍّ قٰتَلَ مَعَهٗ رِبِّيُّوْنَ كَثِيْرٌ فَمَا وَهَنُوْا لِمَآ اَصَابَهُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَمَا ضَعُفُوْا وَمَا اسْتَكَانُوْا، وَاللّٰهُ يُحِبُّ الصّٰبِرِيْنَ (ال عمران:۱۴۶)

''اور کتنے ہی نبی گزر چکے ہیں جن کے ساتھ مل کر بہت سے اللہ والوں نے جہاد کیا، ان کو اللہ کی راہ میں جو جو مصائب ومشکلات پیش آئیں ان سے وہ دل شکستہ ہوئے اور نہ کمزوری دکھائی اور نہ ہی (کفر کے آگے) سرنگوں ہوئے۔''

حقیقت یہ ہے کہ حزن وملال، کاہلی اور سستی، بخل اور بزدلی ایسے روحانی امراض ہیں جو

Marfat.com

افراد اور قوموں کے اعضا شل اور کمزور کر دیتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے اللہ تعالیٰ کی پناہ طلب کی ہے۔

اَللّٰھُمَّ اِنِّی اَعُوْذُبِکَ مِنَ الْھَمِّ وَالْحُزْنِ وَالْعَجْزِ وَالْکَسْلِ وَالْبُخْلِ وَالْجُبْنِ، وَضَلَعِ الدَّیْنِ وَغَلَبَۃِ الرِّجَالِ (حصن المسلم) ''اے اللہ میں حزن وملال، عجز و درماندگی، بخل اور بزدلی، قرض کے بوجھ اور لوگوں کے غلبہ سے پناہ مانگتا ہوں۔''

جب کسی قوم کے افراد پر مردہ دلی کی کیفیت طاری ہو جاتی ہے تو وہ زوال کا شکار ہو کر ذلت کی پستیوں میں جا گرتی ہے، کارگاہ حیات میں وہی لوگ سرخرو ہوتے ہیں جو اپنے دلوں میں جذبات کا ایک سمندر موجزن رکھتے ہیں اور بحر حیات کی موجوں سے کھیلنا جانتے ہیں جو زندگی کی تلخیوں اور سختیوں سے گھبرانا نہیں جانتے ہیں، اس کے برعکس وہ لوگ جو تن آسان اور سہل پسند ہوں وہ نرم و گرم حالات کا مقابلہ کرنے کی ہمت نہیں پاتے ہیں، وہ ساحل سمندر سے سمندر کا نظارہ کرنے میں لطف محسوس کرتے ہیں، سمندر میں اتر کر موجوں کا مقابلہ کرنا ان کے بس کا روگ نہیں رہتا، جنہیں کبھی کسی طوفان اور کنارے کی خرابی سے واسطہ نہ پڑا ہو وہ سمندر کی لہروں کا کیا مقابلہ کریں گے۔

یہ وہ لوگ ہیں جنہیں دور سے ہی مگر مچھ نظر آنے لگے تو ان کے چہرے خوف سے زرد پڑنے لگتے ہیں، دشمن ان کے وطن کی سرحدوں سے دور ہی ہو تو ان کے پسینے چھوٹنے لگتے ہیں، یہ بھلا ان کا مقابلہ کیونکر کر سکتے ہیں؟

دل مردہ دل نہیں ہے اسے زندہ کر دوبارہ — کہ یہی ہے امتوں کے مرضِ کہن کا چارہ
ترا بحر پرسکوں ہے یہ سکوں ہے یا فسوں ہے — نہ نہنگ ہے نہ طوفاں نہ خرابی کنارہ

مسلمان دشمن کے مقابلے میں بے دست و پا ہو کر بیٹھا نہیں رہتا ہے۔ نہ تو وہ کسی پر ظلم و زیادتی کرتا ہے اور نہ دوسروں پر پہل کرتا ہے مگر جب اسے پتہ چلتا ہے کہ دشمن اسے زک پہنچانے کے لیے آ رہا ہے تو وہ بھرپور مادی وسائل سے مقابلے کے لیے آگے بڑھتا ہے، حکم ہوتا ہے۔

وَأَعِدُّوْا لَھُمْ مَا اسْتَطَعْتُمْ مِنْ قُوَّۃٍ وَمِنْ رِبَاطِ الْخَیْلِ تُرْھِبُوْنَ بِہٖ عَدُوَّ اللّٰہِ وَعَدُوَّکُمْ وَآخَرِیْنَ مِنْ دُوْنِھِمْ لَا تَعْلَمُوْنَھُمْ اَللّٰہُ یَعْلَمُھُمْ (الانفال:۶۰) ''اور جہاں تک ممکن ہو کفار کے مقابلے کے لیے قوت اور جنگی گھوڑے تیار رکھو جن سے تم اللہ کے اور اپنے دشمنوں کو اور (کئی) دوسرے دشمنوں کو خائف کر سکو جنہیں تم نہیں جانتے، اللہ انہیں جانتا ہے۔''

Marfat.com

ظاہر ہے کہ ماضی میں اگر لڑائی کے لیے جنگی گھوڑے تھے تو دور حاضر میں ٹینک اور میزائل ہوں گے اور اس قسم کے جو بھی جدید آلات حرب ہیں، سب کے سب تیار رکھو۔

ان تمام مادی وسائل فراہم کرنے کے باوجود مسلمان ان پر نہیں بلکہ فتح اور کامیابی کے لیے رب قدیر پر نظر رکھتا ہے، سامان نہیں تو بے تیغ بھی میدانِ جہاد میں کود پڑتا ہے۔

کافر ہے تو شمشیر پہ کرتا ہے بھروسہ　　　مومن ہے تو بے تیغ بھی لڑتا ہے سپاہی

تاریخ بتاتی ہے کہ افغانی مسلمان روس کے ساتھ برسرپیکار تھے تو کتنے نہتے جانبازوں کو دشمن کا اسلحہ ہاتھ لگا جسے اپنے قبضہ میں لے کر دشمن کے خلاف استعمال کیا، اصل بات وہی ہے جس کا قرآن نے ذکر کیا ہے۔

وَمَا النَّصۡرُ اِلَّا مِنۡ عِنۡدِ اللّٰهِ

کامیابی تو حقیقت میں اللہ ہی کی طرف سے آتی ہے، اس لیے حکم ہوتا ہے میدان جہاد میں اگر نصف فوج لڑے تو بقیہ نصف نمازوں کے اوقات میں اپنی جبینِ نیاز ربِ قدیر کی چوکھٹ پر جھکادے کہ اسی سے مشرق ومغرب میں اسلام کا پرچم بلند ہوگا۔

بانگ تکبیر و صلوٰۃ و حرب و ضرب　　　اندر آں غوغا کشادِ شرق و غرب

آج امریکہ اپنے ہمنواؤں کے ساتھ مسلمانوں کے خلاف اپنے ہتھکنڈے آزما رہا ہے، دو سال قبل اس نے افغانستان میں ظلم وبہیمیت کا مظاہرہ کیا تھا اور اس کے بعد عراق پر ظلم وستم ڈھایا، اس کے آئندہ نہ معلوم کیا ارادے ہیں؟ قرآن ایسے وقت میں مسلمانوں کو بیدار کرتا ہے اور انہیں تنبیہ کرتا ہے کہ وہ اپنی صفوں میں اتحاد پیدا کرلیں اپنے جانی ومالی وسائل کو اکٹھا کرلیں۔

مسلمانوں کو اللہ تعالیٰ نے بہت کچھ دے رکھا ہے، عرب ریاتیں سونا اگلتی ہیں، ان کے پاس اتنا مال ہے کہ وہ دنیا کو خرید سکتے ہیں لیکن اس کے باوجود ہر جگہ مسلمان مشق ستم بنے ہوئے ہیں۔ دراصل اس وقت عقل وفراست اور اس سے بڑھ کر عزم وہمت کی ضرورت ہے۔ مسلمانوں کا فرض ہے کہ وہ خوابِ غفلت سے بیدار ہوکر اپنی قوت کو منظم کریں اور دشمن کے مقابلہ میں صف آرا ہوجائیں، اللہ تعالیٰ کو یقیناً ایسے لوگ پسند ہیں جو اپنی صفوں میں اتحاد پیدا کرکے سیسہ پلائی دیوار بن جائیں۔

اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الَّذِيۡنَ يُقَاتِلُوۡنَ فِىۡ سَبِيۡلِهٖ صَفًّا كَاَنَّهُمۡ بُنۡيَانٌ مَّرۡصُوۡصٌ

Marfat.com

(الصف:۴) ''اللہ تعالیٰ کو یقیناً وہ لوگ پسند ہیں جو اس کی راہ میں اس طرح صف بستہ ہو کر لڑتے ہیں گویا کہ وہ سیسہ پلائی ہوئی دیوار ہیں۔''

حق و باطل کا معرکہ دنیا میں کوئی نئی بات نہیں ہے جب سے دنیا بنی ہے حق و باطل کا معرکہ جاری ہے، جو قومیں اس معرکے کا سامنا کرنے سے گریز کرتی ہیں وہ دنیا سے مٹ جاتی ہیں اور جو ان میں جان کی بازی لگاتی ہیں وہ زندہ رہتی ہیں۔

ستیزہ کار رہا ہے ازل سے تا امروز چراغِ مصطفوی سے شرارِ بولہبی
اس کشاکشِ پیہم سے زندہ ہیں اقوام یہی ہے رازِ تب و تابِ ملت عربی

حق ہمیشہ ابھرتا ہے اور باطل مٹتا ہے، اہل حق باطل کے مقابلے میں اگر تعداد میں تھوڑے بھی ہوں گے تو وہ کامیاب ہوں گے، یہ اللہ تعالیٰ کا فیصلہ ہے۔

وَقُلْ جَآءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ، اِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوْقًا (بنی اسرائیل۔۸۱)

''اور اعلان کر دیجیے کہ ''حق آ گیا اور باطل مٹ گیا، باطل تو مٹنے ہی والا ہے۔''

حق کو بلند و بالا کرنے کے لیے ایمان شرط اولین ہے، ارشاد ہوتا ہے: ثُمَّ نُنَجِّي رُسُلَنَا وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كَذٰلِكَ حَقًّا عَلَيْنَا نُنْجِ الْمُؤْمِنِيْنَ (یونس:۱۰۳) ''ہم اپنے رسولوں کو اور ان لوگوں کو بچالیا کرتے ہیں جو ایمان لائے ہوں، ہمارا یہی طریقہ ہے، ہم پر یہ حق ہے کہ مومنوں کو بچالیں۔''

مسلمان صحیح معنوں میں مسلمان بن جائیں اور اعلائے کلمۃ اللہ اور اقامتِ دین کو اپنا نصب العین قرار دے کر اپنی صلاحیتیں اس کے لیے صرف کر دیں تو آخر کار ظلمت و جہالت کے بادل چھٹ جائیں گے، پھر عدل و انصاف کے پرچم لہرائیں گے، امن و سلامتی کی خوشبوئیں پھیلیں گی اور مسلمانوں کے اعمالِ صالحہ سے لوگ متاثر ہو کر اسلام کی طرف مائل ہونے لگیں گے ایک وقت آئے گا کہ اسلام قرونِ اولیٰ کی طرح پوری آب و تاب کے ساتھ جلوہ گر ہوگا، اور دنیا میں صداقت و عدالت کا بول بالا ہوگا اور یہ نورِ توحید سے جگمگا اٹھے گا۔

آسماں ہوگا سحر کے نور سے آئینہ پوش اور ظلمت رات کی سیماب پا ہو جائے گی
پھر دلوں کو یاد آ جائے گا پیغامِ سجود پھر جبیں خاکِ حرم سے آشنا ہو جائے گی
شب گریزاں ہوگی آخر جلوۂ خورشید سے یہ چمن معمور ہوگا نغمۂ توحید سے

Marfat.com

کامیابی کیسے ممکن ہے؟

زندگی سراسر آزمائش ہے، اتنی زبردست آزمائش کہ قدم قدم پر انسان کا امتحان ہوتا ہے، یوں سمجھ لیجئے کہ اس وسیع وعریض پھیلی ہوئی دنیا میں ہم امتحان دے رہے ہیں اور ہمارا ہر اچھا برا عمل درج ہو رہا ہے جس کا نتیجہ یوم جزا وسزا کو نکلے گا، اس آزمائش کا ذکر قرآن اس طرح کرتا ہے۔

الَّذِی خَلَقَ الْمَوْتَ وَ الْحَیٰوۃَ لِیَبْلُوَکُمْ اَیُّکُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا (الملک:۲) ''(وہ خالق) جس نے موت وحیات کو اس لئے پیدا کیا کہ تمہیں آزمائے کہ تم میں سے کون اچھے عمل کرتا ہے''۔

آخرت میں کامیابی دراصل زندگی کے اس طویل امتحان میں کامیابی کے ساتھ پار اتر جانے کا دوسرا نام ہے، یہ کامیابی نیک اعمال اور پیہم اعمال سے ملتی ہے۔

انسان کو اس دنیا میں بھیجتے وقت رب کائنات نے اسے بتا دیا تھا کہ شیطان اس کا ازلی دشمن ہے، وہ اس کے لئے ہر گمراہی کو پھیلائے گا، اسے ورغلائے گا، پھسلائے گا، دھوکہ اور فریب دے گا، نت نئے راستوں سے آئیگا، سبز باغ دکھائے گا، ہر بری راہ کی طرف مٹھاس اور محبت سے کھینچے گا۔

قَالَ رَبِّ بِمَآ اَغْوَیْتَنِیْ لَاُزَیِّنَنَّ لَهُمْ فِی الْاَرْضِ وَلَاُغْوِیَنَّهُمْ اَجْمَعِیْنَ (۳۹) اِلَّا عِبَادَکَ مِنْهُمُ الْمُخْلَصِیْنَ (۴۰) [الحجر]

(شیطان) بولا: یارب! چونکہ تو نے مجھے (آدم کے ذریعہ) بہکا دیا ہے تو اب میں بھی دنیا میں لوگوں کو (ان کے گناہ) خوشنما کر کے دکھاؤں گا اور ان سب کو بہکا کر چھوڑوں گا الا یہ کہ تیرے چند مخلص بندے (بچ جائیں تو اور بات ہے)

جو لوگ ایمان ویقین سے اپنے رب کا سہارا لے کر آگے بڑھتے ہیں، وہ شیطان کے ہر حربہ کو ناکام بنا دیتے ہیں اور اس کی ہر تدبیر کو پاؤں تلے روند ڈالتے ہیں اور کامیابی کے ساتھ ساحل مراد سے ہمکنار ہوتے ہیں، ارشاد ہوتا ہے:

Marfat.com

اسلامی مضامین کا خوبصورت مجموعہ

شریعتِ اسلامیہ کے محاسن

حصہ دوم

مرتّب

شیخ عمر فاروق

جامعہ تدبر القرآن

۱۵۔بی۔ وحدت کالونی۔ لاہور

Marfat.com